سوانح ائمہ معصومین علیہم السلام کے سلسلے کی بارھویں مقدس کتاب

بہ نستعین

ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق

المسمے بہ

دُرِّ مقصود

یعنی

احوال مہدی موعود سلام اللہ علیہ بسن الحج المعبود

مؤلفہ و مرتبہ

خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی

آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ کوآتھ ضلع شاہ آباد (آرہ)

مؤلف

سراج المبین۔ سروِ چمن۔ فتوح عظیم۔ صحیفۃ العابدین۔ مآثر الباقریہ۔ آثار جعفریہ

علومِ کاظمیہ۔ تحفہ رضویہ۔ تحفۃ المتقین۔ سیرۃ النقی۔ العسکری

سنہ ۱۳۳۸ھ ۱۹۱۹ع

باہتمام مظفر علی جوہر پبلشر مقبول ... میں چھپی

بارہ امام

فرقۂ حقّۂ شیعۂ اثنا عشریہ کے ائمۂ ہدیٰ وہ ذواتِ مقدّسہ ہیں جنکی وجہ سے اس فرقہ کو اثنا عشری یا امامیہ کہا جاتا
ہے۔ اِن ہادیانِ برحق کی پاک و پاکیزہ زندگی کے مفصّل حالات سوانح ہمارے **قول و عمل** بلکہ
زندگانی کے لیے بہترین نمونہ اور دستور العمل ہیں۔ ان کی مقدّس سیرت کے مفصّل
حالات سے شیعی دنیا آج تک خالی پڑی تھی۔ الحمد للہ کہ یہ شرف و سعادت سب سے پہلے **مقبول پریس**
کو حاصل ہوا جس نے بارہ کے بارہ اماموں کی سوانح کا سلسلہ شائع کر دیا۔ وہ متبرک سلسلہ جسے عالیجناب
خان بہادر مولوی سید **اولاد حیدر** صاحب **فوق** بلگرامی رئیس و آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ
کوآتھ ضلع آرہ نے سالہا سال عمرِ عزیز صرف کرکے بڑی جانکاہی اور عرقریزی سے ایسے عنوانِ شائستہ سے
ترتیب دیا ہے کہ شیعہ تو شیعہ اہلسنّت بلکہ غیر مسلم صاحبانِ علم و بصیرت نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا یہانتک کہ ملک کے بعض
برآوردہ اور لائق زباندانوں نے اس سلسلہ کے بعض حصّوں کو انگریزی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کرنے کی خواہش ظاہر کی اور مصنف
موصوف سے اجازت چاہی زبان و طرزِ بیان اتنا سلیس کہ بلا پس و پیش اور بے کھٹکے ہر مذہب و ملت والے کے سامنے انہیں
پیش کر دیکھیے سوائے خوبیوں کے اعتراف کے اعتراض کی گنجائش نہو گی پس کوئی شیعہ گھر اس مقدّس ذخیرہ سے خالی نہ ہونا
چاہیے بلکہ حامیانِ ملت و باہمت احباب کا فرض ہے کہ اس مقدّس سلسلہ کو اہل سنّت بلکہ ہر مذہب و ملت کے علم دوست افراد تک پہنچانے کی
سعی بلیغ کریں تاکہ اُنکی پاک و مقدّس مذہب کی حقانیت ہر مذہب پرست پر واضح اور آشکار ہو جائے۔ مہیا کرنا ہمارا فرض ہے
انکی توسیعِ اشاعت آپکا فرض ہے جسے پورا کرکے داخلِ حسنات ہونا چاہیے وما علینا الا البلاغ۔ نیاز مند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وآلہ المیامین ۵ اسم مبارک آپ کا **محمد**
نیت **ابوالقاسم** اور مشہور ترین القاب خلف الصالح۔ القائم۔ المنتظر۔ الحجۃ۔ صاحب الزمانؑ اور المہدی
ہے۔ چنانچہ امام ابن حجر صواعق محرقہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

الیسمہ محمدؐ کنیتہ ابوالقاسم لقبہ خلف الصالح والمنتظر وصاحب الزمان ویسمیّ القائم قیل کان
ستتر وغاب فلم یعلم ویعرف این ذھب۔

پ کا اسم مبارک محمدؐ۔ کنیت ابوالقاسم۔ آپ کا لقب خلف الصالح۔ منتظر اور صاحب الزمان ہے اور قائم کے اسم گرامی
تنہ کے ساتھ بھی موسوم ہیں۔ کیونکہ مشہور ہے کہ آپ پوشیدہ ہوگئے اور چھپ گئے اور یہ کسی نے نہ جانا کہ کہاں تشریف لیگئے۔
ناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمنام ہونیکی نسبت فریقین نے اتفاق اختیار کیا ہے چنانچہ
سنن ابوداود میں زر ابن عبد اللہ سے مروی ہے انّ اسمہ اسمی۔ محمد ابن طلحۃ الشافعی نے بھی کفایۃ المطالب
اس حدیث کو پوری تفصیل کے ساتھ مندرج کیا ہے اور حافظ ابراہیم ابن ازہر حریقینی کے اسناد سے اس میں
نا اضافہ اور کیا ہے کہ اسم ابیہ کا سم ابی۔

پ کی ولادت باسعادت جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات سے پانچ برس پہلے واقع ہوئی۔ یا یوں
ں نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ آپ کا سن مبارک اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے وقت پانچ برس کا تھا۔ چنانچہ ابن حجر صواعق محرقہ
ں مندرجۂ بالا عبارت لکھکر آگے تحریر کرتے ہیں۔

عمرہ عند وفات ابیہ خمس سنین لکن آتاہ اللہ فیہا الحکمۃ۔

پ کی عمر تو آپ کے والد بزرگوار کی وفات کے وقت پانچ برس کی تھی لیکن خداے سبحانہ وتعالےٰ نے اسی عمر میں
پکو حکمت عطا فرمائی تھی۔

یہی عبارت خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں اور امام قندوزی بلخی نے ینابیع المودہ میں لکھی ہے۔

ولادت باسعادت کے متعلق حالات

ولادتِ باسعادت آپ کی مقامِ سر من رائے میں واقع ہوئی۔ شب پانزدہم ماہ شعبان ۲۵۵ھ نماز صبح کے وقت آپ رونق افروزِ عالم ہوئے۔ فصل الخطاب میں مرقوم ہے۔ وکان مولدہ لیلۃ النصف من شعبان سنۃ خمس وخمسین ومائتین۔ آپ نیمۂ شعبان ۲۵۵ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی والدۂ گرامی قدر کا اسم مبارک نرجس خاتون سلام اللہ علیہا تھا۔ خاتونِ مقدسہ کے حالات ذیل میں قلمبند کئے جاتے ہیں۔ وھو ہذا۔

شیخ طوسی علیہ الرحمہ سلیمان ابن بشیر بردہ فروش کی زبانی جو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے تحریر فرماتے ہیں کہ میں شہر سامرہ میں جناب امام علی نقی علیہ السلام کے ہمسایہ میں رہتا تھا اور برابر خدمت مبارک میں حاضر رہکر کسب فیوض و ارشاد کیا کرتا تھا یہاں تک کہ آپ کو میری ذات پر کمال اعتبار اور میری بات پر وثوق و اعتمادِ کُلّی حاصل ہوگیا۔ ایک دن آپ کا خادم خاص کافور نامی میرے پاس آیا اور کہا کہ تم کو حضرت امام علی نقی علیہ السلام یاد فرماتے ہیں۔ یہ سنتے ہی میں نے فوراً اپنے کپڑے پہنے اور بلا تامل اُسکے ساتھ ہولیا۔ درِ دولت پر پہنچا تو دیکھا کہ ایوان معلّے میں آپ اپنے صاحبزادے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں اور پسِ پردہ آپ کی ہمشیرۂ معظمہ جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام بھی تشریف فرما ہیں جب میں آپکے سامنے آیا تو تسلیم عقیدت بجالایا۔ جوابِ سلام عنایت فرماکر مجھ سے ارشاد کیا کہ میں نے تمکو اس لیے بلایا ہے کہ تم اولادِ انصار میں سے ہو۔ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک تم لوگوں کے دل میں ہم اہلبیت علیہم السّلام کی ولایت و محبّت قائم ہے اور ہمیشہ سے تم لوگ ہمارے معتمد ہو۔ اسی بناپر میں تم کو اس وقت اپنے ایک خاص راز سے مطلع کرتا ہوں اور تم کو فی الحال ایک ایسے شرف خاص سے مشرف کرتا ہوں جسکی وجہ سے تمکو تمام افرادِ شیعہ پر ترجیح لازم آجائیگی۔ وہ رازِ مبارک اور شرفِ مقدّس یہ ہے کہ میں تمہیں فی الحال ایک کنیز مول لینے کے لیے بھیجتا ہوں۔ اتنا فرماکر آپنے مجھے وہ تھیلی جس میں دو سو تیس اشرفیاں تھیں اور ایک خط عنایت فرمایا جو زبانِ رومی میں لکھا ہوا تھا۔ اور تاکید کردی کہ یہ کیسہ اور یہ خط لیکر فوراً بغداد چلے جاؤ۔ وہاں صبح کو پہنچو گے۔ دوپہر کو بغداد کے پُل پر کھڑے ہوجانا۔ تھوڑی دیر میں اہل بربر کی کشتیاں آئینگی۔ اُن میں کنیزیں بھی ہونگی۔ خلیفۂ عصر کے وکلاء اُنکی خریداری کے شوق میں ٹوٹ پڑینگے۔ تم تامّل کرنا اور ٹھیرے رہنا اور اپنے مقام سے اُس بردہ فروش کو جسکا نام عمر ابن یزید ہے نہایت ہوشیاری اور رازداری سے وکلائے شاہی کی آنکھیں بچاکر اپنے پاس بُلانا اور اُس سے باتیں کرنا یہانتک کہ وہ بردہ فروش اپنی تمام کنیزوں میں سے اُس کنیز خاص کو جسکا یہ چہرہ اور سراپا ہے (جنابِ نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کا تمام حلیہ بتلادیا گیا) اور ریشم کا موٹا بُنا ہوا کپڑا پہنے ہے اور وہ خریداروں کو اپنی طرف نظر کرنے سے برابر منع کرتی ہوگی خریداروں کے دکھانے کے لیے کشتی سے باہر لائیگا۔

اُس بردہ فروش کی یہ حرکت اُسے بُری معلوم ہوگی اور زبانِ رومی میں وہ اُس سے کہتی ہوگی کہ وائے ہو تجھ پر کہ تو مجھے نامحرموں کے سامنے لاتا ہے۔ اسی اثنار میں ایک شخص کہیگا کہ میں اس کنیز کی قیمت تین سو اشرفیاں دیتا ہوں اور اسکو خریدتا ہوں کہ اسکی عفّت و حیاداری نے مجھ کو اِس کی خریداری پر بیساختہ آمادہ اور مستعد کردیا ہے اُسکی تقریر سُنکر وہ جواب دیگی کہ اگر تجھ کو جناب سلیمان علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کے ایسی ساری مملکت ملجائے اور تو اُنکی پوری شان و شوکت میں ہوکر میری خواستگاری کرے تاہم میں تیرے جاہ و حشمت اور مال و دولت پر کوئی رغبت نہ کروں اور نہ تیرے ساتھ کوئی تعلق پیدا کرنے پر راضی ہوں۔ برائے خدا میری خریداری سے باز آ اور اپنا مال ضائع نہ کر۔ اُس کنیز کی یہ تقریر سنکر وہ خریدار علیحدہ ہوجائیگا۔ وہ بردہ فروش (عمر ابنِ یزید) خود اُس کنیز سے پوچھیگا کہ للہ اب تو ہی بتلا کہ میں اب تیرے بیچنے کی کیا تدبیر کروں کیونکہ تو تو کسی خریدار سے راضی ہی نہیں ہوتی۔ تب وہ کنیز خود اُسکو جواب دیگی کہ تم کیوں گھبرائے جاتے ہو۔ خدا چاہتا ہے تو ایسا خریدار جس کی امانت اور دیانت پر مجھے پورا وثوق اور اعتبار ہو اور میں اُسکے ساتھ اپنے بیع پر راضی ہوجاؤں آجاتا ہے۔ ذرا سا اور صبر کر جا جب اُس کنیز کا تم یہ کلام سُن لینا تب میرا خط اُس بردہ فروش کو حوالہ کردینا اور کہنا کہ ایک شخص نے جو تمام عرب کی اشرف ترین اقوام و قبائلِ عرب سے ہے یہ خط تیرے نام لکھا ہے اور اس میں اپنی کرم و سخاوت اور فضل و شرافت لکھی ہے تمکو لازم ہے کہ یہ خط پڑھکر اس کنیز کو دیدو کہ یہ بھی پڑھ لے۔ اگر یہ کنیز اس خط کے کاتب کے ساتھ راضی ہوجاوے تو میں اُنکی طرف سے اسکی خریداری کا مختار مجاز ہوں۔ میں آپکی تمام و کمال تقریر سُنکر اور کیسۂ زر اور آپ کا خط لیکر سامرہ سے روانہ ہوا اور شہر بغداد کے پُل پر پہنچا اور جو جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا وہ ایک ایک کرکے سب ظہور میں آیا۔ یہانتک کہ میں نے آپ کا نامہ اُس بردہ فروش کو دیا اور اُسنے پڑھکر اُس کنیز کے حوالے کردیا۔ جب اُس نے اُس خط کو پڑھا تو بہت روئی اور بردہ فروش سے کہا کہ مجھ کو بلا تامّل اُسکے ہاتھ بیچ ڈال۔ اور پھر اُس کنیز نے بہت سی قسمیں کھائیں اور اپنی بیع پر اُس بردہ فروش سے اثنا زور دیا اور کہا کہ اگر تو مجھے اِس شخص کے ہاتھ نہ بیچے گا تو میں اپنے آپ کو اِسی وقت ہلاک کرڈالونگی۔ اُسکی تقریر سُنکر بردہ فروش نے مجھ سے کہا کہ اب تمہارے ہاتھ اس کنیز کے بیچڈالنے میں مجھے کیا عذر ہوسکتا ہے۔ اسکے بعد میں نے اُسکی تصفیۂ قیمت پر بردہ فروش سے گفتگو کی یہانتک کہ جو قیمت جناب امام علی نقی علیہ السلام نے مجھے دی تھی اُسی پر وہ شخص راضی ہوگیا۔ وہ روپیہ دیکر میں نے اُس کنیز کو خریدلیا۔ اور وہ نہایت شاد و مسرور ہوکر میرے ہمراہ ہوگئی۔ اور اُس مکان تک آئی جسے میں نے بغداد میں اپنے کاروبار تجارت کی ضرورت سے عرصہ سے خرید رکھا تھا۔ میں نے اُسکو دیکھا کہ وہ بار بار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے خط کو نکالکر چومتی ہے اور دیر تک اُسکو اپنی آنکھوں سے لگاتی ہے۔ جب میں نے اُسکے اخلاص و اشتیاق کو یہانتک پہنچا ہوا پایا تو میں نے اُس سے پوچھا کہ تم خط کو اپنی آنکھوں سے کیوں باربار لگاتی ہو اور چومتی ہو حالانکہ تم اس کے کاتب کو جانتی تک بھی نہیں؟ یہ سنکر اُسنے میری طرف تعجب کی نگاہوں سے دیکھا اور کہا کہ اے جاہل۔ کم معرفت! اب مجھ سے ذریّتِ فرزندان و اوصیائے پیغمبران سلام اللہ علیہم اجمعین کی حقیقت کان لگا کر سُن لے۔ میں اپنی روئداد اس وقت تجھ سے کہے دیتی ہوں۔

جناب نرجس خاتون کی سرگزشت

واضح ہو کہ میں قیصر روم کے لڑکے یشوعا کی بیٹی ہوں اور میرا نام ملیکہ ہے اور میرے ماں باپ دونوں حضرت شمعون الصفا وصی جناب عیسےٰ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کی اولاد سے ہیں میرے دادا قیصر رومی نے چاہا کہ مجھے میرے چچا زاد بھائی سے بیاہ دے۔ میری عمر اُس وقت تیرہ سال کی تھی اس بنا پر اُسنے میری شادی کا انتظام اپنے خاص اہتمام سے اپنے خاص قصر شاہی میں کیا۔ حواریین حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی تمام ذریات۔ علمائے شریعت اور تمامی عمائد وارا کین سلطنت اور سات سو دیگر عہدہ داران ملکی ومالی اور اسی قدر افسران جنگی اور چار ہزار دیگر قبائل وعشائر کے اور لوگوں کو جمع کیا اور بہت بڑی آرائش اور زیب وزیبائش سے تمام قصر شاہی آراستہ وپیراستہ کیے گئے۔ اور ایک تخت بیش بہا اور پر تکلف عروس کے لیے تیار کیا گیا۔ اُس تخت کے چالیس پائے تھے اور اُس میں بہت سی تصویریں چسپاں تھیں۔ اُسپر میں اور میرا چچا زاد بھائی (عروس و نوشاہ) بٹھلائے گئے اور علماء کو حکم دیا گیا کہ مراسم تزویج کا آغاز کریں۔ اُن علماء نے حکم پاتے ہی انجیل کی جلدیں اپنے ہاتھوں میں اُٹھالیں اور چاہتے تھے کہ اُس میں سے احکام مناکحت کا آغاز کریں کہ ایکبارگی وہ تمام تصویریں جو آویزاں اور چسپاں تھیں گر پڑیں اور اُس تخت کے چالیسوں پائے مُڑ مُڑا کے ٹوٹ گئے۔ یہ کیفیت دیکھکر علماء کے ہوش اُڑ گئے۔ تمام اعضا کانپنے لگے اور اُن میں سے ایک مُعمّر اور کبیر السن شخص نے میرے دادا سے کہا کہ اے قیصر! ہم لوگوں کو اس امر کی تعمیل سے معاف رکھا جائے کیونکہ اس کے انعقاد سے ایسی منحوس باتیں ظہور میں آئیں جو مذہب عیسائی کے زوال کو بہت جلد آئیوالا بتلا رہی ہیں۔ میرے دادا نے بھی اس وقوعہ کو فال بد خیال کر کے علماء کو حکم دیا کہ اُس تخت کو پھر از سر نو آراستہ وپیراستہ کر کے تیار کریں اور نوشاہ اول کی جگہ اُسکے بھائی کو میرے ساتھ بیاہ دیں۔

جب قیصر روم کے حکم کے مطابق دوبارہ قصر کی زیب وزینت کیگئی اور اُس کے دوسرے بھائی کو تخت پر بٹھا کر علمائے دینی نے جونہی چاہا کہ مراسم تزویج کا آغاز کریں کہ پردۂ غیب سے پھر ویسے ہی سامان جیسے کہ پہلے ہو چکے تھے عام مشاہدے میں آئے۔ اس بھائی کی نحوست اُس بھائی سے بھی زیادہ ثابت ہوئی لیکن تاہم کوئی شخص اُسکے اصلی مدعا تک نہ پہنچا کیونکہ یہ امور اُنکی ہدایت کی غرض سے تھے نہ اُن دونوں بھائیوں کی نحوست کی وجہ سے۔

بہر حال۔ جب اِن آثار یزدانی اور آیات سمانی کے مشاہدے سے سب لوگ متفرق ہو گئے اور میرا دادا قیصر رومی بھی محزون وخوفناک ہو کر اپنی محلسرا میں چلا گیا تو میں بھی اپنی خلوت میں پہنچا دی گئی اور میں اپنے فرش خواب پر جاتے ہی فوراً سو گئی۔ میں نے ایکبارگی عالم رویا میں دیکھا کہ جناب مسیح وشمعون علےٰ نبینا وآلہ وعلیہما السلام مع دیگر حواریین تشریف لائے ہیں اور میرے دادا کے قصر میں وہیں جہاں تخت عروسی بچھایا گیا تھا ایک نور کا منبر نصب کیا گیا ہے۔ اسی اثنا میں جناب رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وصی و داماد حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام کے ہمراہ تشریف لائے ہیں۔ اُن کے ساتھ اور دیگر ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین مجتمع ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت مسیحؑ آپکے استقبال کو آگے بڑھ گئے اور اپنے ہاتھ آپکے گلوئے مبارک میں

ڈالدیے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اے روح اللہ! میں اسی لیے آیا ہوں کہ ملیکہ تمہارے وصی شمعونؑ کی دختر بلند اختر کو اپنے فرزند ارجمند کے ساتھ نامزد کردوں اور اُس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک سے اشارہ ماہِ برجِ خلافت وامامت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف کیا۔ آپکا یہ اشارہ دیکھکر میں نے اُنکو اچھی طرح پہچان لیا۔

بہرحال۔ آپکا یہ ارشاد سُنکر جنابِ عیسےٰ مریم علیہ السلام نے حضرت شمعونؑ سے فرمایا کہ اب اور کیا چاہتے ہو دونوں جہان کے شرف تم کو حاصل ہوئے۔ اپنی دختر کو جنابِ رسولخدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ارجمند کے ساتھ تزویج کردو۔ حضرت شمعونؑ نے فرمایا کہ میں نے بدل وجان اسکو قبول ومنظور کیا۔ اسکے بعد جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے سامنے میرا عقد جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ پڑھدیا۔ تمام فرزندانِ حضرت رسول خدا علیہم السلام اجمعین گواہ ہوئے۔

جب میں یہ خواب دیکھ کر بیدار ہوئی تو اپنی جان کی ہلاکت اور آپس کی شماتت کے خوف سے کسی ایک سے بھی اسکا ذکر نہ کرسکی۔ بلکہ اس گنجینۂ بشارت کو میں اپنے صندوقِ سینہ میں امانت رکھے رہی مگر اُس خورشیدِ امامت کی گرمیٔ محبت میرے دل میں روز بروز مشتعل ہوتی رہی اور میں دردِ فراق میں کسی طرح صبر وتحمل نہیں کرسکتی تھی یہانتک کہ کھانا پینا مجھ پر حرام ہوگیا۔ روز بروز چہرہ متغیر اور جسم لاغر ہوتا جاتا تھا۔ مملکتِ روم کے تمام باشندوں میں کوئی طبیب کوئی حکیم ایسا نہیں چھوٹا جس سے میرا علاج نہ رجوع کیا گیا ہو مگر کوئی فائدہ مترتب نہوا۔ ہرطرف سے مایوس ہوکر میرے دادا نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ اے میری نورِ چشم! دنیا کی جو حسرت تیرے دل میں باقی رہی جاتی ہو اُسے مجھ سے کہدے کہ وہ میں تیرے لیے مہیا کردوں۔ میں نے کہا کہ اے دادا! خوشی کے دروازے میرے لیے بند ہوچکے۔ اگر مسلمان قیدیوں کو آپ اپنے قیدخانۂ شاہی سے رہا فرمادیں تو مجھے یقین ہی کہ اس کارِ حسنہ کے صلے میں حضرت مسیح اور اُنکی مادرِ گرامی قدر علےٰ نبینا وآلہ وعلیہما السلام مجھ کو صحت وعافیت عنایت فرمائیں۔ اُس (قیصرِ روم) نے میری سفارش کو قبول کرلیا اور اُسی وقت تمام مسلمان قیدیوں کو اپنے قیدخانہ سے چھوڑ دیا۔

دو ہفتہ کے بعد میں نے پھر عالمِ رویا میں دیکھا کہ بہترینِ زنانِ عالمیاں جنابِ سیدۂ طاہرہ صدیقۂ کبرےٰ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حورانِ جنت کی ایک معتدبہ جماعت کے ساتھ تشریف لائی ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام بھی اُنکے ہمراہ ہیں۔ جنابِ مریمؑ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ تمہارے شوہر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی مادرِ والاشان ہیں اتنا سُننا تھا کہ میں اُن کے دامن سے لپٹ گئی اور زار زار رونے لگی اور شکایت کرنے لگی کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام اس وقت تک مجھ سے کراہت رکھتے ہیں۔ اِس کے جواب میں حضرت سیدۂ نے ارشاد فرمایا کہ میرا فرزند ابھی تیرے پاس کیسے آسکتا ہے کیونکہ تم تو اس وقت خدا کی ذاتِ واحد میں شریک لازم سمجھتی ہو اور مذہب نصاریٰ رکھتی ہو۔ ابھی تک میری بہن جنابِ مریمؑ بھی اِسی وجہ سے تم سے ناراض ہیں۔ اب اگر تم خداوندِ عالم۔ جنابِ عیسےٰ وحضرت مریم علےٰ نبینا وآلہ وعلیہما السلام کو خوشنود اور راضی کرنا چاہتی ہو اور اسکی بھی خواہش رکھتی ہو کہ میرا فرزند ارجمند

(حضرت امام حسنؑ عسکری) تمہارے دیکھنے کو تمہارے پاس آئے تو تم اپنی زبان سے کہو اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ آپ کے یہ ارشادِ ہدایت بنیاد سُنتے ہی میں نے فوراً کلمۂ طیبہ اپنی زبان پر جاری کیا۔ اس کلمہ کے سُنتے ہی جناب صدیقۂ طاہرہ نے مجھ کو اپنے سینۂ اقدس سے لگالیا اور مجھے تسلّی وتشفی دیکر ارشاد کیا کہ اب تو البتّہ مومنۂ کاملہ ہوگئی اور اب فرزند ارجمند میرا تیرے دیکھنے کے لیے ضرور آئیگا۔

اس خواب کے دیکھنے کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں برابر اس کلمۂ مبارکہ کی مزاولت کرتی رہی۔

دوسری رات کو عالمِ رؤیا میں پھر دیکھتی ہوں کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور ایک منادی مجھے ندا کرتا ہے کہ اے ملیکہ اب تیرا نصیبا روشن ہوا۔ تو جن کی منتظر تھی وہ تیرے دیکھنے کو تشریف لائے۔ میں نے آپ کی خدمت میں عدم توجہی کی شکایت کی تو ارشاد کیا کہ تم اُس وقت تک مشرکہ تھین۔ یہی سبب تاخیر کا تھا جسے تم عدم توجہی سمجھتی ہو۔ الحمد للہ اب تم کامل الایمان ہو۔ اب ہر شب میں تمہارے دیکھنے کو آسکتا ہوں جبتک کہ خدائے قادر مطلق ہم کو تم کو ایک جا کردے۔

بشیر ابن سلیمان انصاری کا بیان ہے کہ اتنا سُنکر میں نے جناب ملیکہ سے پوچھا کہ پھر اس وقت آپ مقید ہوکر کیسے آئیں تو آپ نے اپنی بقیہ سرگزشت کو خاتمہ تک یہ کہکر پہنچایا کہ ایک شب کو حسب معمول حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تشریف لائے تو مجھ سے ارشاد کیا کہ تمہارا دادا قیصرِ روم فلاں روز ایک لشکر بلادِ اسلامیہ پر روانہ کریگا اور خود لشکر کے پیچھے روانہ ہوگا۔ اُس وقت تم شاگرد پیشہ والوں کی جماعت میں چھپکر چلاجانا کہ تم کو کوئی نہ پہچانے۔ میں نے آپ کے ارشاد کے موافق تعمیل حکم کی۔ اتفاق سے مجھے اوّل مسلمانوں کے ہراول لشکر ملے اور اُنھوں نے مجھے گرفتار کرلیا۔ اور مآل کار میری تمام سرگزشت کا یہ ہے جو تم اپنی آنکھوں سے اس وقت دیکھ رہے ہو۔ اور سوائے تمہارے ابتک کوئی دوسرا شخص میرے حال سے واقف نہیں ہے کہ میں قیصرِ روم کی لڑکی ہوں۔ اب سنو یہ پیر مرد کہ جس کے حصّہ میں میں آئی ہوں اسنے مجھ سے میرا نام پوچھا تو میں نے قیصرِ روم کے حفظ اعزاز کے خیال سے اُس کو اپنا نام نرجس بتلا دیا ہے۔ یہ نام سُنتے ہی اُس نے میری فوراً تصدیق کرلی اور کہا کہ ہاں ایسا ہی نام کنیزوں کا ہوتا ہے۔ بشیر کا بیان ہے کہ میں نے آپ کا سلسلۂ بیان کاٹ کر کہا کہ آپ ملکِ روم کی رہنے والی ہوکر پھر ایسی فصیح وسلیس عربی بولتی ہیں۔ اسکا کیا باعث۔ آپ نے جواب دیا کہ چونکہ میرے دادا قیصرِ روم کو میرے ساتھ مفرط درجہ کی محبت تھی اور ہمیشہ اُسکی تمنائے دلی تھی کہ میں اچھی اور کامل طور پر تعلیم پاؤں اس لیے اُس نے بڑی تلاش سے ایک معلمہ میری تعلیم کو نوکر رکھّی جو عربی اور رومی دونوں زبانوں سے پوری ماہر تھی۔ وہ دونوں وقت قصرِ شاہی میں آکر مجھے دونوں زبانوں کی تعلیم دیتی رہی۔

بشیر ابن سلیمان کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں آپ کی رکاب میں بغداد سے روانہ ہوکر شہر سامرہ میں پہنچ گیا اور جناب امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت نے اس خاتون معظمہ کو دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ خدائے سبحانہ وتعالے نے تمہارے دل پر دینِ اسلام کی فضیلت اور ترجیح بمقابلہ دین نصارٰے کے کیسے ظاہر فرمائی۔ نرجس خاتون

نے عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھ سے تمام روئداد کو بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں دین و دنیا میں تمہارے مدارج و مراتب اور زیادہ وسیع و رفیع کردوں اور اس کے متعلق تم سے دو باتیں مجھے کہدینی نہایت ضروری ہیں۔ اب تمہیں اختیار ہے۔ دونوں باتوں میں سے جسے تم چاہو اختیار کرو۔ ایک امر تو یہ ہے کہ میں تمہیں دس ہزار اشرفی اسی وقت دیتا ہوں اور آزاد کیے دیتا ہوں اور تمہیں اختیار دیتا ہوں جہاں چاہو چلی جاؤ۔ دوسرا امر یہ ہے کہ میں تمہیں ایک بشارت ابدی سُناتا ہوں جو تمہارے مقدر ہونیوالی ہے۔ جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ مجھے دولتِ دنیا کی مطلق خواہش باقی نہیں ہے۔ میں آپ کے لبہائے مبارک سے اُس بشارت روحانی اور ودیعتِ ربانی کے سُننے کی مشتاق اور متمنی ہوں۔ اور کچھ نہیں۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے دخترِ نیک اختر تیرے بطن سے ایک فرزند صالح اور نیکوکار عالم پیدا ہوگا اور بشارت ہو تجھ کو کہ وہ ایسا نیکو طالع ہوگا جو مغرب و مشرق کا بادشاہ ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دیگا جس طرح کہ پہلے وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ فرزندِ صالح کس شخص کے صلب سے ہوگا۔ ارشاد ہوا کہ اُس شخص سے جس کے لیے جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہاری خواستگاری فرمائی تھی۔ پھر پوچھا کہ کچھ تمہیں یاد ہے کہ جناب مسیح علےٰ نبینا و آلہ وعلیہ السلام و حضرت شمعون علیہ السلام نے کسی کے ساتھ تمہارا عقد کیا تھا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ آپ کے صاحبزادے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا کہ تم اُنہیں پہچانتی ہو۔ جنابِ نرجس خاتونؑ علیہا السلام نے فرمایا کہ ہاں۔ جس شب کو جناب سیدۃ نساء العالمین سلام اللہ علیہا میرے دیکھنے کو تشریف لائیں اور مجھے دولت اسلام سے مشرف فرمایا۔ اُسکے بعد کوئی شب ایسی نہیں گذری ہے کہ آپ میرے پاس تشریف نہ لائے ہوں۔ یہ سنکر امام علیہ السلام نے اپنے خادم کافور کو بھیجکر جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کو بُلا بھیجا۔ وہ تشریف لائیں تو آپ نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ اے بہن لو۔ یہ وہی ذی قسمت اور صاحبِ عفت خاتون ہے جسکا ذکر میں تم سے قبل میں کر چکا ہوں۔ یہ سُنکر اُس خاتون معظمہ نے مجھ (نرجسؑ) کو اپنی آغوش میں لے لیا اور بکمال فرحت و مسرت میرے ساتھ نوازش والطاف کا اظہار فرمایا۔ یہ دیکھکر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اب آپ انہیں اپنے ہمراہ لیتی جائیں اور انکو عقائدِ حقہ اور اصول شریعت غرا تعلیم فرمائیں اور احکامِ فرائض و سُنن کے تدارک بتلائیں۔ یہ زوجۂ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام و مادرِ حضرت قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا ہے۔ جنابِ حکیمہ خاتون علیہا السلام حضرت نرجسؑ کو اُسی وقت سے اپنے مکان میں لے گئیں اور برابر اپنے ہمراہ رکھنے لگیں۔

حضرت نرجس خاتونؑ اور جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام

جنابِ شیخ کلینی اور ابنِ بابویہ نور اللہ مرقدہما نے جنابِ حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کی اسناد سے تحریر فرمایا ہے کہ ایک روز جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام میرے گھر تشریف لائے اور نرجس خاتونؑ کی طرف بنگاہِ توجہ دیکھنے لگے میں نے (جناب حکیمہؑ نے) پوچھا کہ اے فرزند اگر تمہیں یہ میری کنیز اچھی معلوم ہوتی ہو تو میں ابھی ابھی

اسے تمہاری خدمت میں بھیجدوں۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمۂ محترمہ میں نے اسکی طرف ایک امر خاص کے باعث اس وجہ سے دیکھا ہے کہ مشیتِ یزدانی اور قدرتِ ربانی نے کیسا جلد اس عورت کو اُس مولودِ مسعود کی پیدائش کے لیے بھیجدیا ہے جو تمام دنیا کو بعد اس کے کہ وہ تمام جور و جفا اور ظلم و جور سے بھری ہو عدالت سے پُر کردیگا یہ سُنکر جنابِ حکیمہ خاتون نے کہا اے خوشا نصیب اُس کے جس کے شکم سے ایسا وحیدِ روزگار اور خاصۂ پروردگار پیدا ہو۔ میں ابھی ابھی اِسے تمہاری خدمت میں بھیجے دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ ایکبار ایسا کرنیکا قصد نہ فرمائیں۔ بلکہ پہلے اِس امر کو میرے پدرِ بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے دریافت کرلیں اور اُنکی خدمت سے اس امرِ خاص میں اجازت لے لیں۔ جنابِ حکیمہ خاتونؑ بھائی کی خدمت میں اُسی وقت تشریف لے گئیں۔ ابھی ان محترمہ نے ایک کلمہ اپنی زبان سے بھی نہ نکالا تھا کہ خود جنابِ امام علی نقی علیہ السلام نے اپنی طرف سے سبقت فرماکر ارشاد کیا کہ اے بہن نرجسؑ کو ہمارے فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام کو ہبہ کردو۔ جناب حکیمہ خاتونؑ نے فرمایا اے بھائی میں خاصکر اسی امر کے اظہار اور اجازت کے لیے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا مفاخرت اور مسرت کا تمہارے لیئے تو یہ سبب ہے کہ خدائے واہب العطایا نے تمکو اس کار ثواب میں شریک بنایا اور اس سعادتِ عظیمہ میں تم کو بہرۂ وافر عنایت فرمایا۔ اور اپنی آیات و علامات کے اجراء کا تمہاری ذات کو ذریعہ اور وسیلہ فرمایا۔ آپ کے یہ ارشاد سنکر جنابِ حکیمہؑ از حد مسرور و محظوظ ہوئیں اور اُسی وقت اپنے برادرِ عالیمقدار کے گھر سے اپنے مکان کو واپس آئیں اور جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کی تزویج کے تمام ضروری سامان مہیّا فرماکر آپ کو اپنے گھر میں مدعو کیا اور عقد وغیرہ سے فراغت کرکے کئی دن تک اُنکو اپنے گھر میں مہمان رکھا۔ اور چند روز کے بعد آپ کو نرجس خاتونؑ کے ہمراہ رخصت فرمایا۔

ایک تو حضرت حکیمہؑ خاتون کی نگاہوں میں جنابِ نرجسؑ کی قدر و منزلت اُسی وقت سے قائم ہوگئی تھی جس وقت سے آپ نے اپنے برادرِ عالیمقدار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی زبانی انکے فضائل و مراتب سُنے تھے اور انکی ذاتِ کرامت آیات سے وہ اسرارِ الٰہی جو آیندہ ظاہر ہونیوالے تھے معلوم کرکے اور بھی زیادہ انکی قدر و منزلت بڑھ گئی تھی اور اخیر میں جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ تزویج ہونے سے تو ان امور میں اتنی ترقی ہوگئی کہ خادم و مخدوم کے معمولی آداب و آئین میں بھی آپکی طرف سے مساوات برتی جانے لگی اور فیمابین برابری اور ہمسری کے طریقے قائم ہونے لگے۔ اور کچھ آگے چل کر جنابِ حکیمہ خاتونؑ خود نرجس خاتونؑ کا ہر وقت پاس و لحاظ ملحوظ رکھنے لگیں۔ چنانچہ ذیل کے واقعہ سے اس بیان پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

ملا مجلسی علیہ الرحمہ جلاء العیون جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ جنابِ حکیمہؑ خود ناقل ہیں کہ میں اپنی قدیم عادت کے مطابق ہر روز اپنے بھائی امام علی نقی علیہ السلام کے دیکھنے کے لیے اُنکی دولتسرا میں جایا کرتی تھی حسب معمول ایک دن میں اُنکی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اِس اثنا میں جنابِ نرجسؑ تشریف لائیں اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں کہ آپ اپنے پاؤں کو ذرا میری طرف بڑھا دیجیے کہ میں آپکے پاؤں سے کفش اُتار لوں پھر آپ بہ خاطر جمع تشریف رکھیں

میں نے کہا تم ہرگز ایسا قصد نہ کرنا۔ میرے تمہارے وہ قدیم مراتب قائم نہیں رہے۔ نرجس خاتون نے عرض کی آپ یہ کیا فرماتی ہیں۔ آپ میری خاتون ہیں۔ میں نے کہا اب بخلاف اِس کے تم میری خاتون ہو۔ میں تم کو ہرگز اپنے پاؤں سے جوتیاں اُتارنے کی تکلیف نہ دونگی بلکہ اب میں خود تمہاری خدمت کرونگی اور نہایت فخر سمجھکر تمہاری ممنون ہونگی۔

خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی قدرت کے یہی عجائبات ہیں اور اُس قادرِ مطلق کی جبروت کے یہی تصرّفات ہیں۔ جنابِ نرجس کیا تھیں کیا ہو گئیں۔ اور پھر کیا ہو کر کیا ہو گئیں۔ اسکی تفصیل میں گزارش ہے کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ یہ قیصرِ روم کی پوتی تھیں اور اُس کے بڑے بیٹے یشوع نامی کی صاحبزادی۔ بلادِ رومیہ کی ملکہ اور شاہزادی۔ ابتدا تو یہ تھی مشیّت کو چونکہ انکے لیے کچھ اور ہی منظور تھا اپنی عقیدت اور خلوصِ ایمانی کی پُرجوشیوں میں اپنے گھر بار ثروت واقتدار پر لات مار کر جُدا ہو گئیں اور پھر بقولیکہ ع جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔ گرفتار ہوئیں۔ کنیز بنائی گئیں اور بغداد کے بازار میں بیچی گئیں۔ مگر حقیقت یں اَلطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ۔ مخصوصانِ الٰہی کا تعلّق ظاہری و باطنی مخصوصانِ الٰہی ہی سے ہوتا ہے۔ خدا کے عزیز کبھی ذلیل نہیں ہوتے۔ نظامِ مشیّت نے انکی بیع و شرائے کے معاملات میں اپنے تصرّفات کے وہ نیرنگ دکھلائے جو انسان کیا اُس کے فرشتوں کی سمجھ میں بھی خاک نہ آئے۔ آخر میں یہ نتیجہ ہوا کہ جس کے ہاتھ اُس قادرِ مطلق کو منظور تھا اُسی کے ساتھ انکی بیع کے معاملات طے ہوئے۔

یہ سب کچھ تو ہوا مگر ابھی تک خادم و مخدوم کے تعلّق باقی تھے۔ مگر جب جنابِ حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کی دولتسرا میں زوجیّت کے شرف سے بھی مشرف ہوئیں تو یہ برائے نام نسبت بھی جاتی رہی۔ پھر تو رفتہ رفتہ مشیّت نے اِن کے احوال پر رحمت و افضال کی وہ فراوانی کی کہ یہ جن کو اپنی مخدومہ سمجھتی تھیں وہی اپنے آپکو اب اِنکی خادمہ سمجھنے لگیں۔ جیسا کہ ابھی ابھی اوپر لکھا گیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

کیوں نہو جنابِ حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کچھ معمولی درجہ کی خاتون نہیں تھیں۔ وہ امام زادی تھیں اور اُس خاندانِ اعلےٰ اور دودمانِ والا کی چشم و چراغ جس سے تمام دنیا نے مرتبہ دانی کے قواعد اور قدر شناسی کے آئین سیکھے تھے۔ پھر جب معمولی طبقات کی آداب شناسی کی یہ کیفیت ہے تب مراتب امام کے متعلّق اُنکی معرفت اور علم کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جنابِ نرجس خاتون علیہا السّلام کی نسبت وہ دو معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی زبانی بشارت اپنے کانوں سے سُن چکی تھیں اور جو شرافت و فضیلت اُن کو بارگاہِ قدرت سے عنایت ہونیوالی تھی اور جیسے جیسے اسرارِ لامتناہی اور آثارِ قدرتِ الٰہی انکی ذات سے خاص طور پر تعلّق رکھتے تھے وہ سب کماحقہٗ ظاہر اور ثابت ہو چکے تھے۔ پھر اتنے شرف و افتخار کی موجودگی میں بھی جنابِ نرجس کی مرتبہ دانی اور آداب شناسی میں کمی کیجاتی تو کیسے۔

ہم اپنے ناظرین کی خدمت میں پہلے ہی سے عرض کیے دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ ہمارا التماس کسی قدر قبل از وقت

ضرور خیال کیا جائیگا۔ مگر ہم اُسکو اس مقام پر مقدمہ کے طور پر بیان کر دینا نہایت ہی ضروری اور مفید سمجھتے ہیں کہ جناب امام آخرالزمان علیہ السلام کے جتنے حالات اس کتاب میں جمع کیے گئے ہیں وہ زیادہ تر خدائے برحق کی قدرت اور قادرِ مطلق کے اسرارِ مشیت پر بالکل مبنی ہیں۔ باعتبار گیارہ جلدوں کے جن کی تالیف، ترتیب اور جمع کا الحمد للہ علے احسانہ کامل سترہ برس کی مدت میں اس ناچیز کو مسلسل اور متواتر شرف حاصل ہوا ہے۔ وہ سابق مضامین جو ان مجلدات میں بیان کیے گئے ہیں اس کتاب میں ضرور کم پائے جائیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ہم نے اپنا تاریخی سلسلہ اس میں بھی قائم رکھا ہے اور اُسی ترتیب سے تمام تاریخی واقعات کو درج کیا ہے۔ مگر چونکہ ہم کو اس کتاب میں اُس مقدس بزرگوار عجل اللہ ظہورہ کے حالات لکھنے ہیں۔ دنیا میں جس کے ظاہری قیام کی محدود مدت بھی ابتدا سے لیکر انتہا تک اسرارِ الٰہی کا جلوہ اور اُسکی قدرت لاتناہی کا نمونہ تھی اس لیے اپنے ان بیانات کے ساتھ ہم کو اُنکے دلائل و براہین بھی لکھنے ہوئے ہیں اور پھر اسکے ساتھ اُن مختلف اور متعدد غلط فہمیوں۔ شکوک اور شبہات کی تنقید اور قطع و برید بھی کرنی پڑی ہے جو جہالت اور عدم واقفیت کی وجہ سے اکثر ابنائے زمانہ کو آپ کے متعلق پیدا ہو جاتے ہیں۔

بہرحال۔ تمہیداً اتنا عرض کرکے ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں اور جناب صاحب الامر علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت کے متعلق جو آثارِ قدرت اور اظہارِ آیاتِ مشیت ظاہر ہوئے اُنکو پوری تفصیل کے ساتھ ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

ولادتِ باسعادت کے متعلق قدرتی آثار

تاریخ ولادت تو اوپر لکھی جا چکی ہے اور حقیقتِ امر تو یہ ہے کہ نیمۂ شعبان ۲۵۵ھ ہجری کو بعدِ نمازِ فجر یا قبل آپکی ولادتِ باسعادت کا واقع ہونا اسلام کا ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ مگر سب سے زیادہ تعجب کا باعث تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک موقع پر آپ کی ولادتِ باسعادت اِس خلوص و عقیدت کے ساتھ تسلیم کیجاتی ہے اور وہ تمام واقعات و حالات بیان کیے جاتے ہیں اور پھر ایک دوسرے موقع پر ان سے انکار کیا جاتا ہے اور صریح چشم پوشی۔ بہرحال خاصکر ہم ذیل میں اُن روایات کو قلمبند کرتے ہیں جن کو فریقین کے علمائے معتبرین نے آپکی ولادت کے متعلق اپنی اپنی تالیفات میں مندرج کیا ہے۔ چنانچہ خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں اور امام قندوزی ینابیع المودۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ولم یخلف ولداً الا ابی القاسم محمدؐ المنتظر المسمی بالقائم والحجۃ والمهدي وصاحب الزمان وخاتم الائمۃ الاثنی عشر وکان مولدہ لیلۃ النصف من الشعبان سنۃ خمس و خمسین ومائتین وامہ ام ولد یقال لها نرجس توفی ابوہ رضی اللہ عنه وهو ابن خمس سنین فاختفی الی الآن رضی اللہ عنه وهو محمدؐ المنتظر ولد الحسن العسکري رضی اللہ عنهما معلوم عند خاصۃ اصحابه وثقات اهله ویروی ان حکیمۃ بنت محمدؐ الجواد کانت عمۃ ابی محمد الحسن

العسكري رضی اللہ عنه تحیّة وتدعواله وتتضرّع الی اللہ تعالی ان یری ولدہ فلمّا کانت لیلة النّصف من شعبان سنة خمس ومأتین دخلت حکیمة عند الحسن علیه السّلام فقال لها یا عمّة کونی اللّیلة عندنا لامرٍ فاقامت فلمّا کان وقت الفجر اضطربت نرجس فقامت الیها حکیمة فوضعت المولود المبارك فلمّا راته حکیمة اتت به الحسن علیه السّلام وهو مختون فاخذہ ومسح بیدہ علی ظهرہ وعینیه وادخل لسانه فی فیه واذّن فی اذنه الیمنی واقام فی الاخری ثمّ قال یا عمّة اذهبیه الی امّه فردّته الی امه قالت حکیمة ثمّ جئت من بیتی الی ابی محمّد الحسن علیه السّلام فاذا المولود بین یدیه فی ثیاب صفر وعلیه من البهاء والنّور اخذ حُبّه مجامع قلبي فقلت یا سیّدي هل عندك من علم في هٰذا المولود المبارك فقال یا عمّة هٰذا المنتظر الّذي بشّرنا به فخررت للہ ساجدة شکرا علیٰ ذٰلك ثم کنت اتردد الی الحسن علیه السّلام فلا اری المولود فقلت یا مولای ما فعل سیّدنا المنتظر قال استودعناہ اللہ الّذی استودعته امّ موسیٰ علیهما السّلام ابنها۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد میں سوائے جناب ابوالقاسم محمدؑ المنتظر المہدی علیہ السلام جو گروہ امامیہ میں قائمؑ۔ حجۃ اللہ۔ امام الزمان اور مہدی علیہ السلام کے لقب سے مشہور ہیں کوئی باقی نہیں رہا۔ آپ کی ولادت نیمہ شعبان ۲۵۵ھ ہجری میں واقع ہوئی اور آپکی مادرِ گرامی قدر کنیز تھیں جنکا نام نرجسؑ تھا۔ جب آپ کے والد بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کا انتقال ہوگیا تو اس وقت آپ کا سن کُل پانچ برس کا تھا۔ پھر اُس وقت سے آپ اِس وقت تک پوشیدہ ہیں اور آپ وہی بزرگوار ہیں جن کو محمد المنتظر المہدی پسر حضرت امام حسن عسکری علیہما السلام کہتے ہیں۔ آپ کی ولادت کے حالات و واقعات آپ کے مخصوصین اور معتمدین کو بخوبی معلوم تھے اور مروی ہے کہ جناب حکیمہؑ خاتون بنتِ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام جو جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی ہوتی ہیں آپ کو بہت چاہتی تھیں اور آپ کے ساتھ مفرط درجہ کی محبت رکھتی تھیں۔ اُنہوں نے جنابِ باری عزّ اسمہ کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ پروردگارا تو مجھ کو میرے اس فرزند کی اولاد دکھلا دے۔ جب پندرھویں شعبان ۲۵۵ھ ہجری ہوئی تو اُس دن حُسنِ اتفاق سے حضرت حکیمہؑ خاتون جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ آج رات کو ایک امرِ خاص کا ظہور ہونے والا ہے اس لیے آج رات کی رات آپ یہیں تشریف رکھیں۔ جنابِ حکیمہؑ حسب الارشاد وہیں ٹھیری رہیں۔ بیان فرماتی ہیں کہ جب صبح کی نماز کا وقت ہوا تو جنابِ نرجس خاتون علیہا السّلام پر ایک اضطرابی کیفیت طاری ہوئی۔ یہ دیکھکر میں اُن کے پاس جا بیٹھی۔ تھوڑی دیر میں وہ مولودِ مسعود بہارستانِ عدم سے چمنستانِ وجود میں تشریف لایا۔ میں نے اُسکی طرف غور سے دیکھا تو وہ ناف بریدہ اور مختون تھا۔ اسی اثناء میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام بھی تشریف لائے اور تشریف لاتے ہی اُس مولودِ مسعود کو اپنی آغوشِ مبارک میں اُٹھا لیا اور اپنا دستِ مبارک اُسکی پشت اور آنکھوں پر پھیرا اور اپنی

زبان مبارک اسکے ننھے سے مُنہ میں دیدی۔ پھر اُس کے سیدھے کان میں اذان اور اُلٹے کان میں اقامت کہی۔ اس کے بعد آپ نے مجھے دیا اور کہا کہ اِسکی ماں کو دیدو۔ جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کا بیان ہے کہ تھوڑی دنوں کے بعد پھر میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ اُس مولود مسعود کو نارنجی کپڑے پہنائے اپنی گود میں لیے تھے اور اُس وقت اُس کے چہرہ سے ایک پرضیا نور چاروں طرف ظاہر ہو رہا تھا۔ یہ دیکھکر مجھے محبّت آئی۔ میں نے اُس وقت اپنے دلی خلوص کو مشکل سے ضبط کرکے آپ سے پوچھا کہ آپ اپنے اس فرزند دلبند کے متعلّق کیا خبر رکھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اے عمّۃ! یہی مہدی موعود علیہ السلام ہے جس کی بشارت ہم لوگوں کو دیگئی ہے۔ یہ سُنکر میں اُسی وقت سجدۂ شکر میں جُھک گئی۔ دوسری بار پھر جب آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی تو اُس مولودِ مسعود کو گھر میں نہیں دیکھا۔ میں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اُس کو خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی بارگاہ میں سپرد کردیا ہے جس طرح مادرِ موسےٰ علیہا السلام نے حضرت موسےٰ علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام کو سپرد کردیا تھا۔

وقد اٰتٰہُ اللہ تبارک وتعالیٰ الحکمۃ وفصل الخطاب فی طفولیّتہ وجعلہ اٰیۃ للعٰلمین کما قال تعالیٰ یا یحییٰ خذ الکتٰب بقوّۃ واٰتینٰہ الحکم صبیّاہ وقال عیسیٰ علیہ السلام اٰتٰنِیَ الکتٰب وجعلنی نبیّا وطوّل اللہ تبارک وتعالیٰ عمرہ کما طوّل عمر الخضر علیہ السّلام۔

خداوند واہب العطایا نے اُس کو علم وحکمت اور قوتِ احکامِ بیّنہ عطا فرماکر دنیا میں اُسکو اپنی امامت میں سے ایک آیت برحق اور حجتِ مطلق عطا فرمائی۔ جس طرح کہ اُس نے حضرت یحیےٰ علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام کے تذکرہ میں فرمایا ہے کہ اے یحیےٰ بچپن میں اپنی قوتِ علمی سے کتابِ خدا کی تبلیغ کو اپنے ذمّہ لیلو اور ہم نے تم کو اس امر کی حکومت طفولیت اور کم سنی میں عطا فرمائی ہے اور خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے حضرت عیسےٰ علےٰ نبیّنا و آلہ وعلیہ السّلام کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ عام طور سے دنیا کے لوگ تعجب کرتے تھے کہ گہوارہ کا بچّہ کیسے کلام کرسکتا ہے اور خداوند تعالےٰ اس بچّہ کو طول عمری کی نعمت بھی عطا فرمائیگا جس طرح طولعمری کی دولت جنابِ خضر علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام کو عنایت فرمائی تھی۔

پھر اُسی کتاب ینابیع المودۃ فی القربےٰ کے الباب التاسع[۷۹] والسبعون میں امام قندوزی شیخ الاسلام قسطنطنیہ آپ کے حالاتِ ولادت کو ذیل کی عبارت میں لکھتے ہیں۔ وہو ہذا

عن موسیٰ ابن محمّد ابن ابی القاسم ابن حمزہ ابن موسیٰ کاظم علیہ السّلام قال حدثنی حکیمۃ بنت الامام محمّد التقی الجواد بعث الی الامام ابی محمّد الحسن العسکری علیہ السّلام فقال یا عمّۃ اجعلی افطارک اللیلۃ عندنا فانّہا لیلۃ النّصف من شعبان فان اللہ تبارک و تعالیٰ یظہر فی ہٰذہ اللیلۃ حجّۃ فی ارضہ قالت فاستقمت ونُمتُ ثمّ قمت وقت السّحر وقرأت انّا ۔ التم ۔ ۔ ۔ دیس فاضطربت نرجس فکشفت الثوب عنہا فاذا بہ المولود

ساجدا فنادى ابو محمد هلمّي اليّ ابني يا عمّة فجئت به اليه فوضع قدميه على صدره وادخل
لسانه في فيه وامرّ يده على عينيه واذنه ومفاصله ثم قال تكلّم يا بنيّ فقال اشهد ان لا
اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا رسول الله صلى الله عليه واله وسلم وصلى
على امير المؤمنين وعلى الائمة الى ان صلى على ابيه ثم قال ابو محمد يا عمّة اذهبي به الى امّه ليسلّم
عليها واتيني به فذهبت به فسلّم على امّه ثم رددته فوضعته عنده فقال يا عمّة اذا كان
يوم السابع ائتينا فلمّا كان يوم السابع جئت فقال لي ابو محمد عليه السلام يا عمّة هلمّي اليّ ابني
فجئت به ففعل به كفعل الاوّل وقال تكلّم يا بنيّ فتشهد الشهادتين وصلّى على اٰبائه واحدا
بعد واحد ثم تلا ونريد ان نمنّ على الّذين استضعفوا في الارض ونجعلهم ائمة ونجعلهم
الوارثين قالت حكيمة جئت يوما وكشفت الستر فلم اره فقلت جعلت فداك يا سيّدي ما
فعل فقال يا عمّة استودعناه الله الحفيظ القدير الّذي استودعته امّ موسى عليهما
السلام ثم قال موسى ابن محمد فسئلت عقيدا لخادم عن هذا فقال صدقت حكيمة عليها
الرحمة والرضوان۔

موسےٰ ابن محمد ابن ابو القاسم ابن حمزہ ابن موسے الکاظم علیہ السلام حضرت حکیمہ خاتون علیہا السلام سے ناقل
ہیں کہ میں ایک دن جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا آج رات کو اے
عمّہ آپ میرے گھر میں رہیں اور یہیں کھانا کھائیں کیونکہ آج نیمۂ شعبان کی رات ہے اور خدائے سبحانہ وتعالےٰ
آج کی رات کو اپنی حجّت دنیا میں نازل فرمائیگا۔ جناب حکیمۂ خاتون فرماتی ہیں کہ آپ کا ارشاد سُنکر میں وہیں ٹھیر گئی
اور رات بھر وہیں آرام کیا جب نماز صبح کا وقت آیا تو میں نماز پڑھکر سورہائے الم السجدہ اور یٰس کی تلاوت
کرنے لگی۔ اسی اثنار میں میں نے نرجس خاتون علیہا السلام پر ایک اضطرابی عالم مشاہدہ کیا اور فوراً اُس کو
وضع حمل ہوا وہ چادر جو وہ اوڑھے تھی میں نے اُٹھائی تو دیکھا کہ وہ مولودِ مسعود سجدے میں خم ہے۔ اتنے میں جناب
امام حسن عسکری علیہ السلام نے باہر سے آواز دی کہ اے عمّہ میرے بیٹے کو میرے پاس لیتی آئیے پس میں اُس کو
فوراً اُن کے پاس لے گئی۔ آپ نے اُس کے پاؤں اپنے سینہ پر رکھ لیے اور اپنی زبانِ مبارک اُس کے دہنِ اقدس
میں دیدی اور اپنا دستِ مبارک اُس کی آنکھوں۔ کانوں اور دوسرے اعضا پر پھیرا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے بیٹا
باتیں کرو۔ چنانچہ اُس صاحبزادے نے بکمال فصاحت وبلاغت کہا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک
لہ واشہد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم۔ اس کے بعد اُس مولود مسعود نے جناب
امیر المؤمنین اور سائر حضرات ائمۃ المعصومین سلام اللہ علیہم اجمعین پر ایک ایک کرکے درود وسلام بھیجا تا اینکہ
اس سلسلۂ صلوات کو اپنے پدر بزرگوار تک پہنچایا۔ اس کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ اے
عمّہ ان کو انکی ماں پاس لیجائیے اور اُنکو دیجیے کہ وہ بھی ان کے دیدار فرحت آثار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی اور

روشن کرلیں۔ یہ سنکر میں اُس بچہ کو اُس کی ماں کے پاس لے آئی۔ اُسنے اپنی ماں کو دیکھتے ہی نہایت ادب سے سلام کیا۔ پھر میں نے اُسے اُسکی ماں کی گود میں دیدیا۔ غرض وہ طفلِ مسعود پرورش پانے لگا۔ جب میں اپنے گھر جانے لگی تو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عمہ آپ ایک ہفتہ کے بعد پھر تشریف لائیے گا میں نے کہا اچھا میں ضرور آؤنگی۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے بعد میں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمہ میرے فرزند کو میرے پاس لائیے۔ چنانچہ میں اُس بچہ کو آپ کے پاس لے گئی۔ آج بھی آپ نے اس کے ساتھ وہی اشفاق فرمائے جو اس سے قبل فرما چکے تھے اور ارشاد کیا بیٹا باتیں کرو۔ چنانچہ اُس صاحبزادے نے حسبِ دستورِ سابق بفصاحت و بلاغت تمام پہلے کلمۂ شہادتین پڑھا اور اُس کے بعد ایک ایک کرکے اپنے تمام آبائے طاہرین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین پر سلام و درود بھیجا۔ اور پھر یہ آیۂ و انی ہدایہ تلاوت فرمایا (ترجمہ) ہم نے ارادہ کیا ہے کہ وہ لوگ جو دنیا میں کمزور اور ضعیف کردیے گئے ہیں (دنیا کے) امام اور پیشوا اور وہی اُن کے ورثا اور قائم مقام کیے جاویں۔ جنابِ حکیمہ خاتون علیہا السلام کا بیان ہے کہ اُس دن کے بعد ایک بار پھر میں آپ کی دولتسرا میں گئی تو اُس مولودِ مسعود کو نہیں دیکھا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اُس کو خدائے سبحانہ وتعالےٰ کے حفظ و امان میں اُسی طرح سپرد کردیا ہے جس طرح حضرت موسےٰ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کی مادرِ گرامی قدر نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کو اُسکے حفظ و امانت میں سپرد کردیا تھا۔ موسےٰ ابن محمد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت حکیمہ خاتون کے اس واقعہ کی تصدیق عقید نامی خادمِ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام سے کی اور اُس سے یہ حالات دریافت کیے تو عقید نے کہا کہ جنابِ حکیمہ علیہا السلام نے بالکل راست اور صحیح بیان فرمایا ہے۔

امام قندوزی شیخ سلیمان الحنفی نے ایک دوسری روایت میں جنابِ نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کے شرفِ زوجیت میں آنے کے وقت سے لیکر آپ کی ولادتِ باسعادت کے وقتِ خاص تک بجنسہ وہی حالات و واقعات قلمبند فرمائے ہیں جن کو ہم خواجہ محمد پارسا کی کتابِ فصل الخطاب سے اوپر نقل کر آئے ہیں۔ یہ روایت محمد ابن عبداللہ المطہری کی اسناد سے مروی ہے۔ لائق محدث نے اس روایت کو صرف محمد ابنِ عبداللہ المطہری ہی کی اسناد سے بیان کرکے تمام نہیں کردیا ہے بلکہ اپنی تحقیق و تلاش کے سلسلہ کو قائم رکھکر آگے لکھتے ہیں قال محمد ابن اسمٰعیل الحسینی عن حکیمة سمعت القصة المذکورة محمد ابن اسمٰعیل الحسینی کا بیان ہے کہ میں نے بھی اس واقعہ کو حضرت حکیمہ خاتون علیہا السلام کی زبانی یونہی سُنا ہے۔ اس کے آگے تحریر فرماتے ہیں کہ قال محمد ابن القاسم العلوی قال ادخلنا جماعة من العلویة علیٰ حکیمة فقالت جئتم تسئلونی عن میلاد ولی اللہ قلنا نعم واللہ فقالت الاخبار التی ذکر تھا۔ محمد ابن القاسم العلوی بیان کرتے ہیں کہ سادات علوی کی ایک جماعت حضرت حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اُن کو دیکھکر فرمایا کیا تم لوگ میرے ولی اللہ علیہ السلام کے حالاتِ ولادت کے متعلق استفسار کرنے آئے ہو۔ اُن لوگوں نے

عرض کی ہاں۔ پھر اُنہوں نے وہی ارشاد فرمایا جو اوپر لکھا گیا۔ پھر اسی روایت کو خاص عبداللہ المطہری کی زبانی بھی مرقوم فرمایا ہے۔ ان تمام اقوال مختلفہ اور متفرقہ کے جمع فرمانے کے بعد فاضل محدث نے اسی واقعہ کو حسن ابن حمدان کی اسناد سے بھی تحریر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں قال الحسین ابن حمدان حدثنی من اثق بہ من المشائخ عن حکیمۃ الخبر المذکورۃ یعنی حسین ابن حمدان کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کو جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کی زبانی اپنے اُن تمام مشائخ کبار و ذی اعتبار سے سُنا ہے جن کی تصدیق و توثیق پر مجھے کامل اعتبار حاصل ہے فاضل محقق نے اتنا لکھکر پھر اس واقعہ کو اسی طرح توثیق و تصدیق کی حدود تک پہنچایا ہے اور آزمایا ہے کہ آپ کی ولادتِ باسعادت کے واقعہ کو جنابِ حکیمہ خاتون علیہا السلام کے تنہا نقل فرمانے کے نقص احاد کو اور دوسرے لوگوں کی زبانی بھی منقول عنہم ثابت فرمایا ہے اور ہر طرح واقعۂ ولادت کو مشہور اور متواتر ہونے کے کامل معیار تک صحیح اور درست اُتارا ہے۔ چنانچہ سابق عبارت کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

عن نسیم و ماریۃ الخادمان قالا سقط صاحب الزمان علیہ السلام من بطن امہ جاثیا علی رکبتیہ رافعا سبابتیہ الی السماء ثم عطس فقال الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی محمد و آلہ قال نسیم عطست عند صاحب الزمان علیہ السلام بعد مولدہ فقال لی یرحمک اللہ تعالیٰ وقال العطاس امان من الموت الی ثلثۃ ایام۔

نسیم اور ماریہ رضی اللہ عنہما خادمان حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا بیان ہے کہ جس وقت جناب امام صاحب الزمان علیہ السلام اپنی والدۂ مطہرہ کے بطنِ مبارک سے متولّد ہوئے تو اُسی وقت اپنے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیک دیے اور اپنی انگشت مبارک آسمان کی طرف بلند فرمائی۔ اُس کے بعد آپ چھینکے تو فوراً فرمایا الحمد للہ رب العالمین و صلے اللہ علے محمد و آلہ۔ نسیم کا بیان ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کے بعد دوسری رات کو آپ کے پاس حاضر تھا کہ چھینکا تو آپ نے فرمایا یرحمک اللہ تعالےٰ (خدا تجھپر اپنی رحمت نازل فرمائے) پھر ارشاد فرمایا کہ چھینکنا انسان کو تین دن تک موت سے امن و امان میں رکھتا ہے۔

محدث دہلوی شیخ عبدالحق صاحب دہلوی اپنے رسالۂ **مناقب** میں لکھتے ہیں۔ "حضرت ابو محمد حسنِ عسکری علیہ السلام ولد او محمد رضی اللہ عنہ معلوم است نزد خواص اصحاب و ثقات اہلش و روایت کردہ اند کہ حکیمہ بنت ابی جعفر محمد جواد رضی اللہ عنہ کہ عمۂ ابو محمد حسن عسکری رضی اللہ عنہ باشد دوست می داشت و دعامی کرد و تضرع می نمود کہ او را پسرے بوجود بہ بیند و ابو محمد حسنِ عسکری علیہ السلام جاریہ را برگزیدہ بود کہ او را نرجس می گفتند چوں شبِ نصفِ شعبان سنہ ۲۵۵ خمس و خمسین و مائتین شد حکیمہ نزدِ ابو محمد حسنِ عسکری علیہ السلام آمد و او را دعا کرد حسنِ عسکری علیہ السلام التماس نمود کہ یا عمہ امشب نزد ما باش کہ کارے درپیش است حکیمہ بالتماس حسن عسکری علیہ السلام شب در خانۂ ایشاں بالیستاد۔ چوں وقتِ فجر رسید نرجس رض بدردِ زہ مضطرب شد۔ حکیمہ نزدِ نرجس ع آمد۔ مولودے دید بوجود آمدہ۔ مختون و مفروغ منہ۔ یعنی ختنہ کردہ شدہ و فارغ از ختنہ و کارِ شست و شو کہ مولود را

می کنند۔ نزدِ حسن عسکری علیہ السلام ببرد۔ او را گرفت و دست بر پشتش و چشمانش فرود آورد و زبانِ خود را در دہنش در آورد و در گوشِ راستِ او اذان و در گوشِ چپ او اقامت گفت و گفت یا عمّہ ببر او را نزدِ مادرش۔ پس حکیمہؓ او را بمادرش سپرد و حکیمہؓ گوید کہ بعد از آں پیشِ ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام آمدم مولود را پیشِ وے دیدم در جامہائے زرد و او را نورے و عظمتے دیدم کہ دلِ من تمام گرفتارِ او شد۔ گفتم سیدی ہیچ علمے داری بحالِ ایں مولودِ مبارک کہ آں علم رابمن القا کنی۔ گفت یا عمّہ ایں مولود منتظرِ ماست کہ مارا بداں بشارت دادہ بودند۔ حکیمہؓ گفت پس من بر زمیں افتادم و بشکرِ آں بسجدہ رفتم۔ دیگر نزدِ ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام آمد و رفت می کردم۔ روزے نزدِ وے آمدم مولود را نہ دیدم۔ پرسیدم ای مولائے من آن سیّد منتظر ما چہ شد۔ فرمود او را سپردیم بآنکس کہ مادرِ موسٰے علیہ السلام پسرِ خود را بوے سپردہ بود و روایت کردہ شدہ است از ابو الحسن رضا علیہ السلام کہ از وے پرسیدند کہ چہ چیز است نامِ قائمِ شما۔ فرمود مارا حکم کردہ اند کہ پیش از ولادتِ وے نامش نبریم۔"

اب تو غالباً مسئلۂ ولادت کی نسبت کسی کو کوئی کلام نہیں ہو گا کیونکہ محقق دہلوی کا یہ کلام ہے جنکی تاریخ دانی اور محدثیت میں کسی بچّہ کو بھی شک نہیں ہو گا۔ کتاب مدارج النبوۃ آپ ہی کی معتبر تالیف ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو بکمال شرح و بسط لکھا ہے اور جتنے علمائے مابعد ہوئے سب اُن سے سند لاتے ہیں۔ پھر کیا اُن کا یہ قول قابلِ اعتبار نہ سمجھا جائیگا۔

مُلّا عبد الرحمن جامی کتاب شواہد النبوۃ میں جنابِ امام محمد مہدی علیہ السلام کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں۔

حکیمہؓ عمّہٗ ابو محمد الزکی رضی اللہ عنہ گفتہ کہ روزے پیشِ ابو محمد رضی اللہ عنہ در آمدم فرمود کہ اے عمّہ امشب درخانۂ ما باش کہ خدائے تعالٰے مارا خلفے خواہد داد۔ من گفتم کہ ایں فرزند از کہ خواہد بود کہ در نرجس ہیچ اثرے از حمل نمی بینم۔ فرمود کہ اے عمّہ مثلِ نرجسؓ ہمچو مثلِ اُمِّ موسٰے ست علٰے نبیّنا وآلہ وعلیہما السلام کہ حمل وے جز بوقتِ ولادت ظاہر نخواہد شد۔ حکیمہ رضی اللہ عنہا می گوید آنشب آنجا بودم چوں شب بنیمہ رسید برخواستم و تہجّد گزاردم و نرجس رضی اللہ عنہا نیز تہجّد گزارد۔ و بعد ازاں با خود گفتم کہ وقتِ فجر نزدیک رسیدہ و آنچہ حضرت ابو محمد علیہ السلام گفتہ ظاہر نشد۔ ابو محمد رضی اللہ عنہ از مقام خود آواز داد کہ اے عمّہ تعجیل مکن۔ بخانۂ کہ نرجس رضی اللہ عنہا بود بازگشتم دیدم کہ نرجسؓ را لرزہ آمدہ بود او بر روئے افتادہ۔ وے را بسینۂ خود باز گرفتم و قل ہو اللہ احد و انا انزلناہ و آیۃ الکرسی بروے خواندم۔ از شکمِ وے آواز آمد کہ ہرچہ من خواندم فرزندِ وے نیز می خواند۔ بعد ازاں دیدم کہ خانہ روشن شد۔ نظر کردم۔ فرزندے بر زمیں آمدہ بود و در سجدہ افتادہ وے را بر گرفتم۔ ابو محمد علیہ السلام از حجرۂ خود آواز داد کہ اے عمّہ فرزندِ مرا پیشِ من آر۔ پیشِ وے بُردم و برابرِ کنارِ خود نشاند و زبان در دہانِ وے کرد و فرمود کہ سخن گو اے فرزندِ من باذن اللہ تعالٰے و گفت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ونرید ان نمنّ علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلہم ائمّۃ ونجعلہم الوارثین خدائے سبحانہ وتعالٰے ارادہ می کند کہ منّت نماید بایشاں کہ در دنیا

ضعیف کردہ شدند و ایشاں را امام بکند و ایشاں را وارث بفرماید۔

بعد ازآں دیدم کہ مرغانِ سبز مارا فرو گرفتند۔ ابو محمد علیہ السلام یکے از مرغاں را بخواند و گفت خذہ فاحفظہ حتّٰی یاذن اللہ تعالٰی فیہ فانّ اللہ بالغ امرہٖ بگیر ایں فرزند را و نگہدار تا حکمِ الٰہی بشود بدرستیکہ خدا تعالٰے رسانندۂ حکمِ خود است۔

از حضرت ابو محمد علیہ السلام پرسیدم کہ این مرغ کہ بود و ایں مرغہائے دیگر کیانند۔ فرمود کہ یا عمّہ ویرا بمادرِ وے باز گرداں کی تقرّ عینہا ولا تحزن ولتعلم انّ وعد اللہ حقّ ولکنّ اکثرھم لا یعلمون کہ آں ہم چشمہائے خود را از دیدارش خنک کند و غمگین نبودہ باشد و آگاہ باشد کہ وعدۂ خدا حق و راست می باشد لیکن اکثر آنہا را نمی دانند۔ جنابِ حکیمہ می گوید کہ ویرا نزد مادرش بُردم۔ چوں متولد شد ناف زدہ بود و ختنہ کردہ و بر ذراعِ ایمن وے مکتوب بود کہ جاء الحقّ وزھق الباطل انّ الباطل کان زھوقا۔ واز دیگرے روایت کردہ اند کہ گفتہ است چوں متولّد شد بدو زانو درآمد و انگشت سبّابہ بجانبِ آسماں برداشت پس عطسہ زد و گفت الحمد للہ ربّ العٰلمین۔ واز دیگرے آرند کہ گفتہ است کہ بر ابو محمد زکی علیہ السلام درآمدم و گفتم یا ابن رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم خلیفہ و امام بعد از تو کہ خواہد بود بخانہ درآمد پس بیروں آمد کودکے بر دوش گرفتہ گویا کہ ماہِ شبِ چہار دہم بود۔ در سنِ سہ سالگی۔ پس فرمود اے فلاں اگر نہ تو پیش خدا تعالٰے گرامی بودی ایں فرزند خود را بتو نمی نمودمے۔ و نامِ ایں نامِ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم است و کنیتِ وے کنیتِ وے ھو الّذی یملاء الارض قسطا کما ملئت جوراً وّ ظلماً۔ واز دیگرے آرند کہ گفتہ است روزے بر ابو محمد علیہ السلام درآمدم و بر دستِ راستِ وے خانہ دیدم۔ پردہ بآں فرو گزاشتہ۔ گفتم یا سیدی صاحب ایں امر بعد ازیں کہ خواہد شد۔ فرمود آں پردہ را بردار۔ برداشتم۔ کودکے بیروں آمد در کمالِ طہارت و پاکیزگی و بر رخسارۂ راستِ وے خالے و گیسواں گزاشتہ آمد و بر زانوئے حضرت ابو محمد علیہ السلام نشست۔ ابو محمد علیہ السلام فرمود اینست صاحبِ شما۔ بعد ازآں از زانوے وے برخاست۔ ابو محمد علیہ السلام گفت وے را یا بنیّ ادخل الی الوقت المعلوم۔ بآنخانہ درآمد و من بروے نظر می کردم پس ابو محمد علیہ السلام مرا گفت برخیز و ببیں کہ دریں خانہ کیست بخانہ درآمدم ہیچکس را ندیدم۔

واز دیگرے آرند کہ گفتہ است کہ معتضد مرا با دو کس دیگر طلبید و گفت حسن ابن علی نقی علیہما السلام در سرمن رائے وفات یافت۔ زود بروید و خانۂ او را فرا گیرید و ہر کہ در خانۂ وے بہ بینید سر و یرا بمن آرید۔ رفتیم و بسرائے وے درآمدیم۔ سرائے دیدیم در غایتِ خوبی و پاکیزگی۔ گویا حال از عمارت آں فارغ شدہ بودند و درآں پردہ دیدیم فرا گزاشتہ۔ پردہ را برداشتیم۔ سردابے دیدیم۔ بآنجا درآمدیم۔ دریائے دیدیم و در اقصائے آں حصیرے بر روئے آب انداختہ و مردے بخوب ترین صورت بر بالائے آں حصیر در نماز ایستادہ و بما ہیچ التفاتے نکردہ۔ یکے ازآں دو نفر کہ با من بودند سبقت کرد و خواست کہ پیش وے برود۔ در آب غرق شد

واضطراب می کرد تا آں زماں کہ من دستِ وے را گرفتم و خلاص گردانیدم۔ من حیران ماندم۔ پس گفتم اے صاحب خانہ از خدائے تعالےٰ واز تو عذر میخواہم واللہ کہ من نمی دانستم کہ حال چیست و بکجا می آئیم واز آنچہ کردم بخدائے تعالےٰ بازگشتم۔ ہرچند گفتم بمن ہیچ التفات نکرد۔ باز گشتیم و پیش معتضد رفتیم و قصہ را باز گفتیم۔ گفت ایں سر را پوشیدہ دارید والّا بفرمایم کہ شمارا گردن بزنند۔

ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی اپنی کتاب ہدایت السعدا میں تحریر کرتے ہیں وہو ہذا

حجۃ اللہ القائم امام مہدی علیہ السلام وہو غائب و او را عمر طویل است۔ چنانچہ میانِ مؤمنان حضرت عیسےٰ والیاس علےٰ نبینا وآلہ وعلیہما السلام را و میانِ کافراں دجّال و سامری و بلعم و شمر قاتل شاہ حسین راست و امثالہم۔

الغرض یہ تمام اقوال جمع کر کے فاضل محدث نے آپکی ولادتِ باسعادت کے متعلق ذیل کی رائے قائم فرمائی ہے۔

فامّا الخبر المعلوم المحقق عند ثقات ان ولادت القائم علیہ السّلام کانت لیلۃ الخامس عشر من خمس سنہ خمسین و مائتین فی بلدۃ سامرہ خبر مذکور و تحقیق شدہ معتبرین کے نزدیک یہی ہے کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت پندرھویں شعبان ۲۵۵ھ ہجری کو شہرِ سامرہ میں واقع ہوئی۔

ولادتِ باسعادت کے متعلق زائچہ

ان حالات کو ختم کر کے علامۂ موصوف آپکے زائچۂ ولادت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ اُنکی عقیدتمندانہ تحقیق و تلاش کا انتہائی مرکز ہے۔ وہو ہذا۔

ولادتہ عند القران الاصغر الّذی کان فی القوس وہو ربع القران الاکبر الّذی کان فی القوس وکان الطّالع الدّرجۃ الخامسۃ والعشرین من السّرطان و زائچۃ المبارکۃ فی افق السّامرۃ ہٰذہٖ و لما کان اجتماع القائم المہدی و عیسےٰ ابن مریم علیٰ نبیّنا والہ وعلیہما السّلام امر محقّق و ردت نزائچۃ عیسیٰ علیہ السّلام للتّبرّک وہٰذا صورتہ۔ آپ کی ولادت باسعادت اُس قران اصغر کے ایّام میں واقع ہوئی جو قوس کے درجہ میں تھا اور وہ قران اکبر داخلۂ قوس کا چہارم حصّہ تھا اور ۲۵ درجہ طالع سرطان کا تھا اور یہ زائچہ مبارکہ افق سامرہ کے حساب سے تیاّر ہوا تھا اور اس امر پر بھی اجتماع و اتفاق ہو چکا ہے کہ جناب امام صاحب الامر علیہ السّلام اور حضرت عیسےٰ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کا زائچہ ایک ہی ہے اسلیے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا زائچہ بنادیا جاتا ہے اور اُس کی صورت یہ ہے۔

مگر افسوس تو اس کا ہے کہ اس عبارت کے بعد صورتِ زائچہ نہ جناب عیسےٰ مریم علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام کی بنائی گئی نہ حضرت قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کی۔ بہرحال شیعہ کتابوں سے جہانتک اِس زائچہ کی نسبت تجسس و تلاش کی گئی ہے کوئی خاص صورت اور شکل اس زائچہ کی نہیں بنائی گئی۔ مگر ملّا مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار جلد سیزدہم میں کتاب النجوم اور کتاب الاصفیا کی اسناد سے ذیل کا واقعہ آپکے زائچۂ ولادت کے متعلق

لکھکر اُسکی تصدیق و توثیق فرمائی ہے۔ اُن کی فارسی عبارت کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ احمد بن اسحاق ابنِ مصقلہ کا بیان ہے کہ شہرِ قم میں ایک یہودی علمِ نجوم میں دستگاہِ کامل رکھتا تھا اور تیاری زائچہ۔ ترتیبِ تقویمِ دیگر ترکیب حسابات نجوم میں فردِ یگانہ اور منتخبِ زمانہ تھا۔ میں اُس کے پاس گیا اور اُس سے بیان کیا کہ فلاں وقت اور فلاں ساعت میں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے تم اُس کا زائچہ درست کرکے بتلا دو کہ وہ کیسے حالات پر حاوی اور کیسے کیسے اوصاف سے موصوف ہوگا۔ اُس یہودی منجم نے مجھ سے آپ کی ولادت کا ٹھیک ٹھیک وقت دریافت کرلیا اور پھر اُسی حساب سے آپ کا زائچۂ ولادت مرتب کیا۔ اور پھر بڑی دیر تک کامل غور کرکے بتلایا کہ اِن اوقات کے ستارہائے مخصوصہ تو ہرگز یہ امر نہیں بتلاتے کہ ایسا بے مثل ولاجواب فرزند تمہارے گھر میں پیدا ہو کیونکہ ایسا لڑکا تو کبھی کسی معمولی آدمی کو نصیب ہی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ایسے فرزندانِ گرامی طالع تو انبیاؑ و اوصیاء کے مقدس دائرہ تک خاص طور پر محدود و مخصوص ہوتے ہیں اور وقت و ساعت و کواکب موجودہ میں پیدا شدہ حضرات یا بذاتِ خاص پیغمبر ہونگے یا پیغمبرِ برحق کے وصیِ مطلق۔ جہانتک میں نے اِس مولودِ مسعود کے زائچۂ ولادت پر غور کیا ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ فرزندِ گرامی شان تمام دنیا کے غرب و شرق۔ شمال و جنوب۔ دریا و بیابان۔ کوہ و صحرا کا مالک اور حاکم ہوگا اور اِن تمام اشیاء پر حکمرانی کریگا۔ اور تمام روئے زمین پر کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہیگا جو اُس کے دین وملت اور آئینِ عقیدت میں نہ آیا ہو اور کوئی شخص تمام اقصائے عالم میں ایسا پایا نہیں جائیگا جو اُس کی امارت وحکومت کا مطیع و فرمانبردار نہو۔

بہرحال۔ جہانتک ہم نے فاضل محدث اور قابل محقق (صاحب ینابیع المودة فی القربیٰ) کی اس قابلِ قدر تلاش وتحقیق پر غور کیا ہے ہم کو یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ علامۂ موصوف کو چونکہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کے خاص حالات میں کوئی مفصل کتاب تو تیار کرنی ہی نہ تھی اِس لیے اُنہوں نے انہی دو تین روایتوں کی نقل پر اکتفا کی اور زیادہ فکر نہیں کی اور حقیقت میں اُن کے لیے مصلحت اور مناسبتِ وقت بھی اسی قدر تھی جس قدر اُنہوں نے لکھا ہے وہ اُنکی تالیفی ضرورت کے مطابق ہے۔ مگر با اینہمہ۔ ہم اُن حضرات کے مزید اطمینان کے لیے جو محدث ممدوح کی دو تین روایتوں کو تواتر کے لیے ناکافی سمجھتے ہوں اور آپ کی ولادتِ باسعادت کے گواہ چشم دید (شاہدِ عینی) طلب کرتے ہوں ذیل کے رُوات اور اُن کے عینی مشاہدات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے دیتے ہیں کہ وہ انہیں دیکھکر اور پڑھ کر اپنی تشفی آپ کرلیں۔ کیونکہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی مبارک سیرت کے متعلق جہانتک میرا خیال ہے کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس کے بیان کے ساتھ اُس کے دلائل قلمبند کرنے کی ضرورت نہ پائی جاتی ہو اور اِس کا خاص سبب یہ ہے کہ آپ کی مقدس سیرت اور آپ کی مبارک ذات انبیائے مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کی پوری مماثلت اور اُس قادرِ مطلق کے اسرارِ مشیت سے بالکل پُر اور مملو ہے۔ اور ہم نے اس کتاب میں ابتدا ہی سے اپنے ہر مضمون کے ساتھ یہ التزام قائم کرلیا ہے کہ آپ کے متعلق ہر واقعہ کی مثال اور اُس کا ثبوت انبیائے سابقین سلام اللہ علی نبینا وآلہ وعلیہم اجمعین

کے واقعات سے قلمبند کرینگے کیونکہ ہماری موجودہ کتاب اُس ذاتِ جامع الصفات والکمالات کے حالات کا مجموعہ ہے جسپر خدائے سبحانہ تعالےٰ وتقدّس کی تمام دلیلیں اور حجتیں تمام ہوگئی ہیں اور فریقین کی معتبر اسناد سے پھر ان کے بعد شریعتِ اسلامی کیا۔ کسی شریعت کا مصلح۔ حامی۔ محیی۔ مجدّد اور معاون پیدا ہونیوالا ثابت نہیں ہوتا۔ ہم اپنی اتنی ہی تمہید کو اس مقام پر کافی سمجھ کو اپنے سابق سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔

بہرحال۔ جناب حکیمہ خاتون علیہا السلام کو تنہا آپ کی ولادتِ باسعادت کا راوی خیال کرلینا ایسا خیال ہے جو کتابوں کے نہ دیکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت کے حالات و واقعات حدودِ متواترات تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اور ان کے ایک نہیں متعدد اور مختلف راوی ہیں۔ اُن راویوں کے علاوہ جن کو آپ کی ولادت کی خبر جناب حکیمہؑ خاتون کی زبانی پہنچی اور جن کے نام صاحب ینابیع المودۃ نے گنوادیے ہیں۔ ایک بہت بڑا معتمد راوی غیاث ابنِ اسد ہے جس کا بیان ہے کہ جناب قائم علیہ السلام حضرت نرجس سلام اللہ علیہا کے بطنِ مبارک سے نیمۂ شعبان ۲۵۵ھ ہجری کو متولّد ہوئے۔ دوسرا راوی حمزہ ابن الفتح ہے جو بیان کرتا ہے کہ میرے پاس حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے ایک خاص خادم نے آکر کہاکہ کل رات کو آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے مگر مصلحتاً آپ نے اُس کی ولادت کی خبر کے اعلان کو ممنوع فرمایا ہے۔ میں نے اُس سے پوچھاکہ آخر اُس مولود کا کوئی نام بھی رکھا ہے۔ کہاکہ ہاں۔ اُسکا نام محمدؐ ہے اور وہ مہدیٔ موعود ہے۔ عجّل اللہ ظہورہ۔ تیسرا راوی احمد ابن اسحاق قمّی ہے ان کا بیان ہے کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام نے آپ کی ولادتِ باسعادت کی نوید مجھے اپنے دستِ مبارک سے لکھکر پہنچائی اور اپنی مزید شفقت وخصوصیت کے باعث یہ تحریر فرمایا کہ میں نے سوائے تمہارے اپنے احباب میں سے بہت کم لوگوں کو اس واقعہ سے مطلع کیا ہے اور میں نے ایک خاص مصلحت سے اسکو اُن لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہے مگر چونکہ تم میرے مخلصین مخصوصین میں داخل ہو اس لیے میں نے خاص طور پر اس واقعہ سے تم کو مطلع کرکے یہ خواہش کی ہے کہ جس طرح میں اس عطیۂ خداوندی سے شاد و مسرور ہوا ہوں اُسی طرح تم بھی اِس سے خوش اور دلشاد ہو۔ احمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ میں نے بھی حسب الارشاد اِس امر کو اپنے احباب سے عرصہ تک پوشیدہ اور مخفی رکھا۔ چوتھا راوی حسن ابنِ حسین علوی ہے جس کا بیان ہے کہ مجھے آپ کی ولادتِ باسعادت کی خبر ملی تو میں اُسی وقت جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی طرف سے اس نعمتِ الٰہی کی تہنیت ادا کی۔

میں نے اس مقام پر خاصکر اُن لوگوں کے نام لکھدیے ہیں جنھوں نے آپ کی ولادت کے واقعہ کی اطلاع اپنے ذاتی طور پر بیان کی ہے۔ اب ان حضرات سے جن جن لوگوں نے اس کے تمام طریقوں کو بیان کیا ہے اگر اُن کی تفصیل بھی اِسی مقام پر کردی جائے تو غالبًا ضرورت سے زائد طوالت ہوجائیگی اِس لیے اُن کے

بیان سے قطع نظر کر کے ہم ناظرین کتاب کی مزید تشفی کے لیے ذیل میں آپکی ولادت کے متعلق ایک ایسا مفصل واقعہ تحریر کرتے ہیں جس سے کامل اطمینان اور کافی اطلاع حاصل ہو جائیگی۔ وہو ہذا

حنظلہ ابن زکریا کا بیان ہے کہ احمد ابن بلال ابن داؤد مرد سنی المذہب تھا اور میرے اُسکے فیمابین محبت والفت کے مراسم ہمیشہ سے جاری اور قائم تھے۔ وہ اکثر باتوں باتوں میں مجھ سے کہا کرتا تھا کہ میرے پاس تمہارے سُنانے کے لیے ایک ایسی چیز ہے کہ اگر میں تمہیں اُس کو سُنا دوں تو تم بہت ہی خوش ہو جاؤ گے مگر میں تمہیں قصداً نہیں سُناؤنگا۔ میں اُس کے اس کلام کو ہمیشہ مذاق سمجھا کرتا تھا اور کوئی اعتنا نہیں کرتا تھا۔ ایک بار ہم اور وہ پھر ایک صحبت میں شریک ہوئے۔ تو میں نے اُسکو اُس کا وہی کلام یاد دلایا تو احمد نے مجھ سے کہا کہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ شہر سامرہ میں میرا گھر جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی محلسرا کے مقابل تھا۔ ایک بار کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ میں ایک مدت تک باہر ہی باہر سفر کرتا رہا اور ایسی مجبوریاں ہوتی گئیں کہ میں کسی طرح گھر نہ آسکا اور اس عرصہ میں قزوین اور اُس کے گرد و نواح میں اپنی ضرورتوں کے متعلق مصروف رہا۔ جب میں سامرہ میں پہنچا تو میں نے اپنے اُن اعزہ اور اقارب میں سے جن لوگوں کو میں سامرہ میں چھوڑ گیا تھا کسی کو بھی نہ پایا مگر ایک بوڑھی عورت کو جس نے میری پرورش کی تھی اور اُس کی ایک لڑکی باقی رہ گئی تھی۔ یہ ضعیفہ شہر میں اکثر قابلہ کا کام کیا کرتی تھی۔ بہرحال۔ میرے آنیکا حال سنکر وہ عورتیں جن سے مجھے ارتباط تھا میرے دیکھنے کے لیے اُس ضعیفہ کے گھر آئیں۔ جہاں میں مقیم تھا۔ میں چند روز تک اُس (ضعیفہ) کے گھر مقیم رہکر اپنا دل اُن لوگوں سے بہلاتا رہا۔ اسکے بعد میں نے وہاں سے جانے کا قصد کیا۔ ان لوگوں نے مجھ سے اپنے چندے قیام کرنے پر اصرار کیا تو میں اُن سے بطور استہزا و تمسخر کے کہنے لگا کہ میرا قصد ہے کہ میں یہاں سے پہلے کربلائے معلّٰی زاد اللہ شرفہا کی زیارت کو جاؤں اور وہاں سے نیمۂ شعبان کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوا پھر گھر واپس آجاؤں۔ چونکہ وہ ١٥
پیرزن مجھ سے اور میرے عقائد سے کماحقہٗ آگاہ تھی اور میری رضاعی ماں ہونے کی وجہ سے ایک قسم کا خاص تعلق بھی رکھتی تھی اس لیے اُس نے مجھے سمجھا کر کہا کہ اگر واقعی تم یہ بات اپنی دلی عقیدت اور باطنی خلوص سے کہتے ہو تو خدا تمہیں مبارک کرے اور اگر ان باتوں سے تمہاری مراد صرف تمسخر و استہزا ہے تو میں تمہیں خدا سے عفو و آمرزش کی دعا مانگنے کے لیے ہدایت اور تنبیہ کرتی ہوں کیونکہ میں تمہیں اس وقت اُس عجیب و غریب واقعہ سے خبر دیتی ہوں جو تمہارے جانے کے دو برس بعد واقع ہوا۔ وہ یہ ہے کہ ایک شب کو میں اپنے گھر کی دہلیز پر سو رہی تھی۔ مجھپر نیمخوابی کا عالم طاری تھا۔ میری لڑکی مجھ سے قبل سو گئی تھی۔ اس اثناء میں میں نے دیکھا کہ ایک مرد بزرگ پاکیزہ لباس پہنے تشریف لائے اور مجھ سے ارشاد فرمانے لگے کہ اے ضعیفہ! تجھے ابھی ابھی ایک شخص بُلانے آئیگا اور ہمسایہ کے ایک مکان میں تجھ سے چلنے کے لیے کہیگا۔ تم کچھ خوف نہ کرنا اور باطمینان تمام اُس کے ہمراہ چلی جانا۔ یہ حالت دیکھکر مجھپر سخت ہیبت اور خوف کا عالم طاری ہوا۔ میں نے اپنی لڑکی کو آواز دی۔ وہ بیدار ہوئی تو میں نے اُس سے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ مکان میں ابھی کوئی شخص آیا تھا۔

اُس نے قطعی انکار کیا۔ میں نے اُسکا انکاری جواب سُنکر اور ان تمام باتوں کو محض خواب وخیال سمجھکر کلمۂ شہادت اور تسبیحات وغیرہ پڑھیں اور سو رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی صاحب پھر تشریف لائے اور اُنہی سابق کلمات کا اعادہ فرمایا اور تشریف لے گئے۔ میں نے پھر اپنی لڑکی کو آواز دی اور اُس سے پھر پوچھا تو اُس نے پھر ویسے ہی انکاری جواب دیا۔ یہ سنکر میں نے تسبیحات وصلوات پڑھی اور پھر سو رہی۔ تیسری بار پھر وہی صاحب تشریف لائے اور اب کی بار وہ میرا نام لیکر مجھ سے فرمانے لگے کہ لے دیکھ وہ شخص آ گیا۔ تیری طلبی میں دروازے پر دقّ الباب کر رہا ہے۔ تو جا اور فورًا دروازہ کھولدے۔ میں نے اتنے میں دقّ الباب کی آواز بھی سُن لی اور فورًا دروازے پر پہنچی اور پوچھا تم کون ہو۔ اُس نے جواب دیا تو کواڑے کھولدے اور کچھ خوف نہ کر۔ میں نے کواڑے کھولدیے۔ دیکھا کہ کسی کا خادم ایک چادر لیے کھڑا ہے۔ اُس خادم نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ اِسی ہمسایہ میں ایک بزرگ کے ہاں تیری خدمات کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔ اُس نے وہ چادر میرے اوڑھنے کو دی اور میں اُسے اوڑھکر اُس کے ہمراہ ہو لی اور ایک ایسے مکان میں داخل ہوئی جسے میں نہیں جانتی تھی۔ میں نے اُس گھر میں بڑے بڑے پردے پڑے دیکھے اور ایک مردِ وجیہ قریب پردہ کے تشریف فرما تھے۔ میرے ہمراہی خادم نے پردہ کے گوشے کو ایک طرف سے اِتنا اونچا کیا کہ میں اُس کے اندر چلی گئی۔ اندر جاکر میں نے ایک عورت کو دردِ زہ میں مبتلا دیکھا۔ اُس کی پشت پر ایک اور معظمہ بیٹھی ہوئی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ قابلہ کی خدمات بجالانے کے لیے بیٹھی ہیں۔ اُنہوں نے مجھے دیکھکر فرمایا کہ اے بہن! میرے پیش اُفتادہ کاموں میں اگر تم میری امداد کریں تو بہت بڑی عنایت اور مہربانی ہوتی۔ میں نے بسر وچشم اُن کے ارشاد کو قبول کیا اور وضع حمل کی مناسب ترکیبیں عمل میں لائی۔ تھوڑی دیر میں ایک صحیح وسالم اور نہایت قبول صورت فرزند کی ولادت واقع ہوئی اور میں اپنی مسرّت کے غیر متحمل جوش میں چلّا اُٹھی۔ بیٹا ہوا۔ بیٹا ہوا۔ اور اس صدا کے ساتھ ہی میں نے فورًا اپنا سر پردے سے نکالکر اُس مردِ قبول صورت کو ولادت کی تہنیت دینی چاہی۔ اسی اثناء میں مجھے ایک شخص نے مخاطب کرکے منع کیا کہ آواز نہ بلند کرو اور نہ چلّاؤ۔ اب میں اُس شخص کے کہنے سے چُپ ہو کر اُس مولود کی طرف دیکھنے لگی جسے میں ابھی ابھی اپنے ہاتھوں پر لیے تھی۔ تو اُسے اپنے ہاتھوں پر نہ پایا۔ یہ حالت دیکھکر میرے تو ہوش وحواس جاتے رہے اور نہایت انتشار لاحقِ حال ہوا۔ مگر اُس معظمہ نے میری پریشانی دیکھکر مجھے تسلّی دی اور سمجھایا کہ تم کوئی ملال اور افسوس نہ کرو۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ تمہارا کام ہو گیا۔ اب تم یہاں سے اپنے مکان کو واپس جاؤ۔ ابھی وہ خاتون مجھ سے یہ فرما ہی رہی تھیں کہ وہی خادم آیا اور وہی چادر اُڑھاکر مجھ کو میرے گھر پہنچا گیا۔ اُس نے مجھ کو گھر میں داخل ہونے کے وقت ایک تھیلی دی جس کو میں نے روشنی کے سامنے لاکر کھولا تو اُس میں دس دینار رکھے تھے۔ اے ہلال ابنِ داؤد! میں نے اپنا یہ چشم دید واقعہ اُس وقت سے لیکر آج تک کسی شخص سے نہیں کہا تھا۔ اور تم سے بھی اس وقت نہ بیان کرتی اگر تم نے حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے معاملات کو استہزاء وتمسخر کے ساتھ نہ ملایا ہوتا۔ کیونکہ اِس واقعہ کے بعد ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ خادم جو اُس شب

کوئے گیا تھا وہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا خادم تھا۔ اور جس گھر میں گئی تھی وہ آپ ہی کی محلسرا تھی۔ اور جو مولود مسعود کہ میرے ہاتھوں پر سے یکایک غائب ہوگیا وہ جناب امام العصر مہدی موعود سلام اللہ علیہ من رّب الودود تھے۔ اور اس خادم کے آنے اور میرے بلائے جانے کی جو متواتر اطلاع مجھ کو دی گئی وہ بالکل روحانی طریقوں پر مبنی تھی۔ اُسی دن سے میں نے پورے طور پر سمجھ لیا کہ ان حضرات رفیع الدرجات کو ایسے ایسے اعلےٰ مراتب و مدارج حاصل ہیں جو سوائے انکے دوسروں کے لیے ممکن نہیں ہو سکتے اور جو کچھ یہ حضرات اپنے فضائل و مناقب کے متعلق دعوے فرماتے ہیں وہ سب صحیح و درست اور راست راست بے کم و کاست ہیں۔

ہلال ابن داؤد کا بیان ہے کہ پہلے تو اس پیرزن کی یہ طول وطویل روئداد سنکر مجھے کمال حیرت ہوئی مگر پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے اسے بھی اپنے معمولی استہزا و تمسخر میں اُڑا دیا۔ مگر بااینہمہ اسکی طرف سے میرے دل میں ایک خلش سی لگی ضرور رہی۔ اس بنا پر میں نے ایک دن سوچتے سوچتے اس واقعہ کا اپنے دل میں حساب لگایا تو ۲۵۲ھ میں میں نے سامرہ سے سفر کیا تھا اور اُس کے کہنے کے مطابق پیرزن کا یہ چشم دید واقعہ میرے سفر کرنے سے دو برس بعد واقع ہوا تو اس حساب سے ۲۵۵ھ میں یہ واقعہ ضرور صورت پذیر ہوا۔ اور یہی وہ سنہ ہے جس میں آپکی ولادت واقع ہوئی۔ میرا حساب اور پیرزن کا بیان اِس مقام پر بالکل مطابق اور پورا اُتر آیا۔ اور میں نے پیرزن کے بیان کو غلط سمجھنے کا کوئی سبب نہ سمجھا۔ مگر چونکہ مجھکو ان بزرگواروں سے ایک خاص خلش تھی اس لیے میں نے اپنے تنہا فیصلہ کر لینے کو قابلِ اعتبار نہ سمجھا اور اس کی تحقیق کرنیکی ضرورت سے میں عبداللہ ابن سلیمان کے پاس آیا جس کی وزارت کے ایّام میں یہ واقعہ صورت پذیر ہوا تھا۔ اُس سے پوچھا تو اُس نے بھی بلا تامّل اسکی تصدیق کی۔ حنظلہ اصل راوی کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کو ابو الفرج المظفّر ابن احمد کو بھی بُلا کر پوچھا تو اُس نے بھی مجھ سے بجنسہ ایسا ہی بیان کیا۔

اس ایک واقعہ سے ہمارے تمام بیان کی تصدیق ہو جاتی ہے اور آپ کی ولادت کے متعلق اب کسی عقل والے کو کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اور اُن لوگوں کا یہ محض خیالی شبہہ کہ آپ کے واقعۂ ولادت کے بیان کرنیوالوں میں سوائے جنابِ حکیمہ خاتون علیہا السلام کے کوئی اور نہیں ہے محض غلط اور فضول ثابت ہوتا ہے۔ ان واقعات کے علاوہ جن کو ہم نے اپنے ثبوت میں اوپر لکھا ہے ابھی انکا ایسے اور بھی واقعات اور مشاہدات ہمارے پیش نظر ہیں۔ جن کو ہم غیر ضروری طوالت کی وجہ سے مرفوع القلم کرتے ہیں۔

حقیقت میں یہ واقعہ بھی اُنہی اخبار و آثارِ قدیمہ کی پوری مثال ثابت ہوتا ہے جو زمانۂ پیشین میں اکثر انبیائے مرسلین سلام اللہ علےٰ نبینا و آلہ و علیہم اجمعین کی ولادت کے وقتوں میں ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔ ہم نے اس کتاب سے پہلی کتاب میں جہاں آپ کی ولادتِ باسعادت کی اُن امتناعی ترکیبوں کو بیان کیا ہے جو خلفائے عباسیہ کی طرف سے عمل میں لائی گئیں۔ اور انکی کامل اور مفصل مثالیں خاص طور پر جناب ابراہیم اور حضرت موسیٰ علےٰ نبینا و آلہ و علیہما السلام کے حالاتِ ولادت کے ساتھ دکھلا دی ہیں۔ اُن کو اب بارِ دیگر اپنے ناظرین کتاب کو یاد دلا کر

ہم اس مقام پر سمجھائے دیتے ہیں کہ جس طرح مشیّتِ ایزدی کو اُن بزرگواروں کی ولادت پوشیدہ رکھنی منظور تھی ویسے ہی اس وقت جنابِ قائمِ آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کے تمام واقعات کو بھی مخفی رکھنا مناسب اور مصلحتِ وقت تھا۔ اس لیے نظامِ قدرت نے اُس پیرزن کے قوائے ادراک اور بصیرت سے اُس وقت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے مکان کے جاننے اور پہچاننے کی تمام قوّتیں سلب کرلیں اور باوجودیکہ وہ ایک مدتِ مدید اور عرصۂ بعید سے آپ کے ہمسایہ میں رہتی تھی مگر اس وقت آپ کی دولتسرا کو مطلق نہ پہچان سکی جیساکہ وہ خود بیان کرتی ہے اور پھر جبتک کہ اپنے مکان کو پھر کر واپس نہ آلی۔ اِسی حیرت و تشویش و پیچ میں گرفتار رہی۔ اس کے علاوہ مُدبّرانِ مشیّت نے مزید احتیاط کے خیال سے اُس پیرزن کو گھر سے چادر اُڑھا کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی دولتسرا تک پہنچایا اور پھر اسی طرح کاشانۂ امامت سے اُس کے مکان تک واپس کردیا۔

یہ تمام واقعات وحالات صاف صاف بتلارہے ہیں کہ اِس امرِ خاص میں مشیّتِ ایزدی کو ہر بات کا مخفی رکھنا اُسی طرح منظور تھا جس طرح اکثر انبیائے مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کی ولادت کے وقت عادتِ الٰہی جاری ہوچکی تھی۔ اب اس مساوات اور مطابقت کی نسبت ہم کو یہ تجویز کرلینا باقی رہگیا ہے کہ تدبیرِ مشیّت کو جو ضرورت اور مصلحت اُن بزرگواروں کی ولادت کے وقت پیش آئی تھی وہی ضروریات اور مصالح اُس وقت بھی پیشِ نظر تھے یا نہیں۔ اس کا معلوم کرنا اور سمجھ لینا کچھ ایسا دشوار نہیں۔ ہمارے پاس کثرت سے معتبر اور مستند واقعات موجود ہیں۔ جو ان ضرورتوں کو پورے طور سے بتلارہے ہیں اور ثابت کررہے ہیں کہ خدائے سبحانہ وتعالیٰ کے آیات وقدرت کو جھٹلانے والے اُس کے آثارِ جبروت کو مٹانے کی فضول کوشش کرنیوالے اُس کے برگزیدگانِ درگاہ کے ستانے والے۔ اُن کے فضائل ومناقب کے گھٹانے اور چھپانے والے۔ یہانتک کہ اپنی انانیّت اور غرور ونخوت میں اُن کا خون بہانے والے جیسے اُس وقت موجود تھے ویسے ہی اس وقت۔ مگر افسوس! فرق تھا تو اِسی قدر کہ انبیائے سابقین علیٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام کے قدیم زمانہ میں۔ جن لوگوں نے نظامِ ربّانی سے اپنی مخالفت کا اظہار کیا وہ ایسے تھے جو سرے سے خدائے واجب الوجود کے وجود سے منکر۔ اُس کی معرفت سے بالکل ناآشنا اور اُس کی طاعت وعبادت سے پورے جاہل اور غافل تھے۔ اپنی عبودیت کے اقرار کی جگہ اُس کے معبود ہونے سے انکار کرتے تھے اور اُس قادرِ مطلق کی ہمسری اور مساوات کے دعوے کرتے تھے اور اُس وحدہٗ لاشریک لہٗ کی جگہ تمام دنیا کو گمراہ کرکے اپنے آپ کو (معاذاللہ) خدا منوانے کی کوشش کرتے تھے اور اِس وقت بخلاف اُن لوگوں کے جو آثارِ قدرت اور نظامِ مشیّت سے انکار کرتے ہیں وہ عموماً وہ لوگ ہیں جو اپنی بدقسمتی سے اپنے آپ کو اسلامی دائرہ میں شمار کرتے ہیں۔ خدا کی وحدت کا یقین بھی رکھتے ہیں اور اُس کی تمام قدرتوں کا اعتماد واعتبار بھی رکھتے ہیں مگر بااین ہمہ اعتراف پھر اُس کی قدرت سے مقابلہ کرنے پر استادہ اور اُس کی تدبیروں کے خلاف

کوشش کرنے پر مستعد اور آمادہ ہو جاتے ہیں اور اپنی غلط فہمیوں کی دھن میں ذرا بھی نہیں سمجھتے کہ ہم کس سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ وہ کون ہے اور ہم کون۔ ہم جس کا زبان اور دل سے اقرار کرتے ہیں اُسی کا عملی طریقوں سے پھر انکار بھی کرتے ہیں۔ یہ کس اصول اور طریقہ سے جائز ہو سکتا ہے۔ اعتراف بھی اور پھر اعتراض بھی۔ ان هٰذا الشیٔ عجاب۔

اب ان امور کے ساتھ ہم کو یہ دریافت کرنا بھی نہایت ضروری ہے کہ آخرکار ان لوگوں کے انکار اور اختلاف کی کیا وجہ ہے۔ کیونکہ امم سابقہ کے انحراف کے لیے تو ان کی عام طور سے ضلالت اور کفر و جہالت کافی ہے۔ مگر اس وقت کے انکار کرنے والوں کے لیے کیا عذر پیش کیا جائیگا جو کسی طرح سے کافر نہیں کہے جا سکتے تھے۔ سب کے سب اسلام کے دعویدار تھے۔ خدائے برحق کی تمام قدرتوں کا اعتراف کرنیوالے۔ اور اس کے تمام صنائع و بدائع کے پہچاننے والے تھے۔ مگر یہ افسوس اور ملال اُس وقت اور زیادہ ہو جاتا ہے کہ اسلام میں اس بدنما انکار کی ابتدا کرنیوالے وہ لوگ بتلائے جاتے ہیں جو تمام اسلامی دنیا سے اپنے آپ کو وصیِ رسولِ برحق اور اُن کا قائم مقام اور خلیفۂ مطلق تسلیم کراتے ہیں اور اپنے انہی استحقاق اور ادّعا کے زوروں پر تمام مسلمانوں سے عقیدت کے سر اور اطاعت کی گردنیں جُھکواتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ واعظ دارد ؛ وائے گر از پسِ امروز بود فردائے

اس میں شک نہیں کہ سلاطین بنی امیہ کے بعد فرمانروایانِ عباسیہ کے سلسلۂ حالات میں اسلامی تاریخوں کے یہ اوراق خاص طور پر ایسے تیرہ و تاریک نظر آتے ہیں جو مخالفِ اسلام قوموں کے لیے قوی اور لاجواب اعتراض کرنے کے کامل باعث ثابت ہوتے ہیں۔

اتنا تمہیداً عرض کر کے ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ جہاں تک اِن امور کی خاص تحقیق کی گئی ہے اُس سے یہ امر کماحقہ ثابت ہوتا ہے کہ متوکّل کے زمانہ سے لیکر معتمد کے دَور دَورے تک لگاتار ان کی ولادت کے متعلق امتناعی کوششیں ہوتی رہیں۔ مگر اس طرح کہ سوائے خاص خاص لوگوں کے دوسروں پر کم ظاہر ہوئیں لیکن آخر وقت میں اُن کوشش کرنیوالوں میں معتمد کا نمبر سب سے بڑھا ہوا پایا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ میں معتمد حاکم وقت تھا۔ اِس لیے وہ سوچ چکا اور سمجھ چکا تھا کہ آپ کی ولادت یا وجودِ ذیجود کے متعلّق جو کچھ پردۂ غیب سے ظہور پذیر ہوگا وہ میرے ہی زمانہ میں۔ اِس لیے وہ اِس کے تدارک کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتا تھا۔ اور اِسی باعث سے اُس نے آپ کے لیے قیدِ تنہائی کا حکم دیا تھا۔ جیسا کہ گیارھویں کتاب میں مفصّل طور پر بیان ہو چکا ہے۔ اگرچہ آپ سے پہلے آپ کے والدِ بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام بھی مادام الحیات نظر بندی کی حالت میں گزر کرتے رہے مگر آمد و رفت اور دید و وادید کے ابواب کسی کے لیے بھی بند نہیں تھے مگر جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی قید میں اِس کی خاص شرط لگا دینا اِسکی شدید ضرورت کو اچھی طرح بتلا رہا ہے۔ اسکے علاوہ

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو چودہ ۱۴ برس کی نظر بندی کے بعد پھر اپنی مجلس رائیں رہنے کا حکم ہوگیا تھا اور شاہی جاسوسوں کے ذریعہ سے معمولی طور پر آپ کے احوال و افعال کا تفحص کر لیا جاتا تھا مگر بخلاف آپکے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی قید کی شرائط ایسی تھیں کہ آپ کو اپنی قید کی جگہ سے کہیں باہر جانیکا حکم نہیں تھا اور نہ آپ کی خدمت میں کوئی دوسرا شخص آسکتا تھا جیسا کہ اپنے مقام پر پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ خاص جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کا آپ کی ولادت کے واقعہ کو مخفی رکھنا اور یہانتک اِس امر میں اپنی احتیاط اور مآل اندیشی کو ملحوظ فرمانا کہ اپنے معتمدین اور معتبرین اصحاب کیا، اپنے اعزہ و اقارب کو بھی باستثنائے چند بزرگواروں کے مطلع نہ فرمانا ثابت کر رہا ہے اور بتلا رہا ہے کہ اس امر مخصوصہ کے پوشیدہ اور محفوظ رکھنے میں کوئی خاص مصلحت ضرور مضمر تھی۔ اور اُسکے متعلق آپ کو اپنی آیندہ مضرت اور نقصان کے کچھ ایسے یقین اور اعتبار حاصل تھے جس کی وجہ سے اِس کا اظہار کسی طرح مناسب اور ممکن نہیں تھا۔

اِنہی امور کے ساتھ ہم کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام کی یہ مآل اندیشی اور حُسنِ تدبیر بھی مشیّتِ ایزدی اور مصلحتِ خداوندی کا عین مقتضا ثابت ہوتی ہے جو اِس امرِ خاص کی بابت پہلے سے جاری ہو چکی تھی۔ کیونکہ اس وقت تک جتنے آثارِ روحانی اور مشاہداتِ ربّانی آپ کی ولادت کے متعلق جاری ہو چکے تھے وہ اس کے پوشیدہ رکھے جانے اور مخفی کیے جانے کا صاف صاف حکم دے رہے ہیں۔ ابھی ابھی پیرزن کی زبانی جو واقعہ نقل لیا گیا ہے اُس کے تمامی مضامین صاف اور روشن لفظوں میں ہمارے بیان کی کامل تصدیق کر رہے ہیں اور اس کے تمام اہتمام اور انتظام سے ثابت ہو رہا ہے کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت کے واقعہ کو باستثنائے چند بزرگواروں کے جن کے خلوص و اعتقاد وامتحن اللہ قلوبھم کے معیار اصلی پر پورے اُتر چکے تھے اور کسی دوسرے کے کان تک نہ پہنچنا چاہیے۔

اِن تمام واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظامِ قدرت اور احکامِ امامت (حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام) خاصکر اسی باعث سے تھے کہ اِس امر کے اشتہار و اظہار میں معاندین و مخالفین کے ہاتھوں اُس ودیعتِ الٰہی کے ضائع ہونیکا قوی احتمال تھا۔ اسی سبب سے محافظت کی جو تدبیریں نظامِ مشیّت نے تجویز کیں وہی ترکیبیں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے جاری فرمائیں۔ چنانچہ اس واقعہ کو یہانتک مخفی اور پوشیدہ رکھا گیا کہ گھر کے لوگ بھی اس سے واقف نہ ہوئے اور اسی وجہ سے سوائے حضرت حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کے آپ کے گھر اور کُنبہ کی کسی دوسری عورت کو اس واقعہ کی کہیں کانوں کان خبر بھی نہ ہونے پائی۔ مردوں میں کس سید کو بھی جو اُن دنوں کثرت سے دار الحکومت سامرہ اور اُسکے قرب وجوار میں آباد تھے اور آپ سے حسب و نسب میں قرابت قریبہ رکھتے تھے اِس واقعہ کی متعلق اطلاع نہیں کیگئی۔ یہانتک کہ آپکے برادر کے بھائی جعفر کو بھی اِس سے مطلع نہ فرمایا گیا۔ اور ان حضرت سے تو یہ واقعہ خاصکر ایسا پوشیدہ رکھا گیا کہ آپکی

وفات کے وقت تک اُنکو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کی حقیقت میں کوئی اولاد بھی ہے یا نہیں جیسا کہ بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان سے ظاہر ہوگا مردوں میں خاصکر اُنہی غلاموں پر اعتبار کیا گیا جن کی وفاداری، کامل الاعتقادی اور دینی پائداری پر آپ کو پورا یقین ہو چُکا تھا مگر یہ خادم یا غلام بھی تین یا چار سے زیادہ معلوم نہیں ہوتے۔ جن میں عقید۔ یاسر اور نسیم رضی اللہ عنہم کے نام خصوصیت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام قبیلہ کی عورتوں میں حضرت حکیمہ خاتون علیہا السلام اور مردوں میں اِنہی تین یا چار باوفا اور دیانت شعار غلاموں کے ماسوا اور کسی دوسرے شخص کو اس واقعۂ ولادت کی خبر نہیں لگی۔

اب رہے وہ مومنینِ مخلصین جو اس کی اطلاع سے ممتاز و سرفراز فرمائے گئے اُن کی نسبت ہم کو یہی سمجھ لینا چاہیے کہ ان بزرگواروں کا خلوص و اعتقاد بھی جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کی حضور میں ایسا ہی کامل ثابت ہو چکا تھا کہ پھر اُن سے اِس کے افشا کرنے کا کبھی شبہہ نہیں ہو سکتا تھا اور نہ کبھی اُن کی وفاداری اور پائداری میں کسی قسم کی لغزش کی امید کیجا سکتی تھی۔ یہ وہی نفوسِ عالیہ تھے جو آیۂ وافی ہدایہ کانّھم بنیان مّرصوص کے کامل مصداق تھے۔

ولادتِ باسعادت کے بعد بھی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزندِ ارجمند کو ہمیشہ عام نگاہوں سے اپنی مادام الحیات پوشیدہ رکھا۔ اور سوائے اُن ذی قسمت اور خالص العقیدت مومنین کے جن کے خلوص پر آپ کو پورا وثوق تھا اور کسی متنفس کو اپنے نونہال عدیم المثال کی زیارت سے مشرف ہونے کے لیے اجازت نہ دی۔ اب تو ان تمام طول وطویل دلائل اور مسلسل اور مکمّل تفصیل سے ظاہر اور ثابت ہو گیا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے آپ کی ولادت باسعادت اور اُس کے بعد آپ کی زیارت اور ظاہری رؤیت کو کس طرح پوشیدہ رکھا۔ اگر آپ کو اسکی ضرورت محسوس نہ ہوئی ہوتی یا خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی طرف سے آپ اِس کے امتناع پر مامور نہ ہوئے ہوتے تو پھر آپ کو اس طول وطویل احتیاط و انتظام کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کی یہ تمام عملی تدبیریں اور ترکیبیں سرے سے بیکار اور فضول تھیں۔ ایسے اوقاتِ مخصوصہ پر عموماً ہر انسان کو اپنے مُلک خواہ عارضی بود وباش کے مقام میں۔ گو وہ صحرا ہی کیوں نہو ان واقعات کے اعلان اور اظہار کے لیے فطری طور پر مجبوری ہو جاتی ہے اور وہ اِن واقعات پر اپنی مسرّت و فرحت کے اظہار کو کسی طرح نہیں روک سکتا لیکن ایمائے مشیّت پاکر جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام نے کمال استقلال سے اپنے تمام دلی جذبات کو روکا اور اُن کی نسبت خاموشی اختیار فرمائی۔ اِس قرینہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اِس امرِ خاص کے مخفی رکھے جانے میں آپ کے فرزندِ ارجمند کی حفاظتِ جانی بھی متصوّر تھی اور موافقتِ کلامِ ربّانی بھی۔

مگر اس کے ساتھ ایک دوسرا شبہہ یہ بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ جب آپ کو اپنے فرزندِ ارجمند کی ہلاکت یا مضرّت کا ایسا ہی تیقّن تھا تو پھر آپ نے اپنے گھر کے خادم اور اپنے اکثر مومنین مخصوصین کو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کیوں اس واقعہ کی اطلاع فرمائی۔ اور کم از کم اس اطلاع دہی سے کیا فائدہ سوچا گیا تھا۔ اور آپ کے

نزدیک اِس میں کونسی مصلحت مضمر تھی۔ ہم نہایت آسانی سے اِس مسئلہ کو حل کیے دیتے ہیں اور اس کے اصلی باعث اور حقیقی مقصود کو بیان کیے دیتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اتنی اطلاع حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے لیے نہایت ضروری تھی کیونکہ مطلق اخفا سے آپ کی ولادتِ باسعادت کے قطعی انکار کا مسئلہ ثابت ہو جاتا۔ اور جو لوگ کہ آپ کی ولادت کے منکر تھے وہ اپنے دعووں میں اور قوی اور جری ہو جاتے اور اپنے استدلال کو اِس بنا پر قائم کرکے اپنے عقائد کو بالکل برحق سمجھنے اور سمجھانے لگتے۔ اِسی وجہ سے ایسے اور اتنے لوگوں کی شہادت ضروری تھی۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اسی ضرورت کو پیشِ نظر رکھکر اِن حضرات کو واقعۂ ولادت سے مطلع بھی کر دیا تھا اور بعدِ ولادت اِن سعادتمندانِ زمانہ اور بعض اور بھی بزرگواروں کو زیارت اور شرفِ رؤیت سے بہرہ اندوز فرمادیا تھا اور اُن دونوں امور کا اصلی مدعا اور مقصود یہی تھا کہ منکرینِ ولادت کے دعووں کی قطع و برید اور اُن کی غلط فہمی اور جہالت کی قطعی رد اِن لوگوں کی شہادتِ عینی سے ہو جائے۔ اور اِس طرح جنابِ قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کی ولادتِ باسعادت کا مسئلہ دنیا میں ایک خیالی۔ قیاسی۔ اَن دیکھا اور انجانا ہو کر نہ رہجائے۔ یہ مصالح تھے اور منافع جو اِن حضرات کو وقتِ ولادت موجود رکھنے یا اُن میں سے اکثر کو ولادت سے خبر دینے یا بعدِ ولادت ان میں سے اکثر کو زیارت سے مشرّف کرانیکے متعلق کامل طور سے ثابت ہوتے ہیں اور حقیقت میں جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کی یہ حسنِ تدبیر اور مآل اندیشی مصلحتِ وقت اور مناسبتِ زمانہ کے خیال سے بالکل عدیم المثال ثابت ہوتی ہے۔ اگر واقعی آپ اپنے فرزندِ ارجمند کی ولادتِ باسعادت کے واقعہ کو قطعی طور پر پوشیدہ اور مخفی رکھتے تو منکرینِ ولادت کو اپنے دعوے کے قوی ثبوت ملجاتے اور پھر مؤمنین کو اُن کے جواب میں وجودِ باریتعالٰے کے ایسے دلائل معقولات کے سوا منقولات کی ذرا بھی گنجائش نہ رہتی۔

اتنی وجوہ لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اِن امور اور وجوہ سے ثابت ہوگیا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزندِ ارجمند کی ولادتِ باسعادت کے واقعات کو سلاطینِ عباسیہ کی موجودہ مخالفت کی وجہ سے پوشیدہ رکھا اور سوائے اُن لوگوں کے جن پر آپ کو اعتمادِ کلّی تھا اور کسی دوسرے کو اِس موقع پر حاضر ہونیکی اجازت نہیں دی اور نہ اُن کو کسی حال سے مطلع فرمایا۔ جن لوگوں نے انبیائے مرسلین سلام اللہ علے نبینا وآلہ وعلیہم اجمعین کے حالات پڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ خاصانِ الٰہی ایسے مواقع پر ایسے ہی مسالک اور طریقے اختیار کرتے تھے جیسا کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام نے ظاہر فرمایا۔ آثار و اخبارِ قدیمہ ثابت کررہے ہیں کہ جب ایسی ضرورت واقع ہو جاتی ہے تو خاصانِ الٰہی ایمائے خداوندی کی ہدایت سے خدا کی ودیعت اور اُس کی حجّت کی حفاظت کے متعلق ایسی ہی ترکیبیں عمل میں لاتے ہیں اور اُس ودیعتِ الٰہی کو مخالفین و معاندین کی ایذا رسانی سے بچاتے ہیں۔ جن حضرات نے اسلامی تاریخیں پڑھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علے نبینا وآلہ وعلیہ السلام روزِ ولادت سے لیکر جبتک کہ اپنے سنِ شعور تک نہ پہنچ لیے اپنی ولادت کے اُس مقام سے باہر نہیں نکالے گئے جہاں نہایت احتیاط اور رازداری سے آپ کی ولادت کا انتظام کیا گیا تھا

آخر یہ انتظام اور اہتمام کیوں کیے گئے تھے۔ اسی لیے نہ کہ آپ کی ولادت کی خبر نمرود کو نہ ہونے پائے اور وہ آپ کی ہلاکت کا انتظام نہ کر سکے۔ جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کے واقعۂ ولادت کو بھی بجنسہ ایسا ہی سمجھنا چاہیے اور اس کے متعلق حفظ و صیانت کی جو جو تدبیریں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے کیں وہ بالکل ویسی ہی تھیں جیسی جنابِ تارُخ نے اپنے فرزند دلبند کے حفظان اور امن و امان کے متعلق جاری فرمائی تھیں۔ ایسی مثالوں سے خاصانِ خدا کے کارنامے بھرے پڑے ہیں۔ جو چاہے دیکھ لے ہم نے اُن واقعات کی نقل کو بے ضرورت اور خواہ مخواہ طوالت کا باعث سمجھکر قلم انداز کر دیا ہے۔ اور صرف اسی قدر توضیح و تشریح کو اپنے بیان کے ثبوت کے لیے کافی سمجھا ہے۔ چنانچہ اِن تمام دلائل کے بعد جو رائے اور مختار ہم نے اِس کتاب میں قائم کیا ہے بالکل وہی استدلال محقق کامل اور محدث فاضل امام قندوزی نے بھی اپنی کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ کے صفحہ ۳۷۹ میں اختیار کر کے نقل فرمایا ہے جس کو ہم اطلاع و اطمینان ناظرین کے لیے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

قدّر اللّٰہ تعالیٰ مولدہ تقدیر موسیٰ علیہ السّلام فانّ فرعون لما وقف انّ زوال ملکہ بید مولودٍ من بنی اسرآئیل امر بقتل مولود ذکراً من بنی اسرآئیل حتیّٰ قتل نیفاً وعشرین الفاً مولوداً فحفظ اللّٰہ من موسیٰ کذالک بنو امیّۃ وبنو عبّاس وقفوا علیٰ ان زوال الجبابرۃ علیٰ ید القآئم علیہ السّلام منا فتصدو اقتلہ ویابی اللّٰہ ان یکشف امرہ لواحدٍ من الظّلمۃ الّا ان یتمّ نورہ (ینابیع المودۃ فی القربیٰ ص ۳۷۹)

خدائے سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کی ولادتِ باسعادت کے متعلق وہی انتظام کیے تھے جو جنابِ موسیٰ علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کی ولادت کے وقت سامان کیے تھے۔ کیونکہ فرعون کو معلوم تھا کہ اُس کی سلطنت کا زوال بنی اسرائیل کے ایک بچّہ کے ہاتھ سے ہوگا اِس لیے اُس نے بنی اسرائیل کے تمام مولودِ ذکور کے قتل کیے جانیکا حکم دیدیا تھا جسکے باعث بنی اسرائیل کے پچیس ۲۵ ہزار بچّے قتل کر ڈالے گئے تھے مگر اسپر بھی اُس قادرِ مطلق اور حافظِ برحق نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کی کامل حفاظت فرمائی۔ اسی طرح بنی امیّہ اور بنی عباس بھی جانتے تھے کہ اُنکی سلاطین جبابرہ کا استیصال جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام وعجّل اللّٰہ ظہورہ کے ہاتھ سے ہونیوالا ہے اس لیے اُن لوگوں نے بھی آپ کے قتل کرنیکی فکر کی لیکن مشیتِ الٰہی نے آپ کے امور کو ان میں سے کسی ایک پر بھی ظاہر نہونے دیا تاکہ وہ کسی طرح اِس نورِ الٰہی کا اطفا عمل میں نہ لا سکیں۔

بہر حال۔ اِن مضامین کو اول سے آخر تک لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور اُن حضرات کے چشم دید واقعات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جنھوں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانۂ حیات ہی میں جنابِ قائم علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کر لیا تھا۔

آپکی زیارت سے مشرف ہونیوالے حضرات

امام قندوزی نے ینابیع المودۃ فی القربیٰ میں ایک علٰحدہ باب اس مضمون میں قائم کیا ہے جس کے عنوان کو

اس عبارت کے ساتھ آغاز فرماتے ہیں۔

الباب الثاني والثمانون في بيان انّ الامام ابا محمّد الحسن العسكري عليه السّلام ارى ولده القائم المهدي عليه السّلام بخواصّ مواليه واعلمهم انّ الامام من بعده ولده رضي الله عنهما۔ باب بیاسی۸۲۔

اس بیان میں کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزند دلبند جناب قائم مہدی علیہ السلام کو اپنے احباب مخصوصین کو دکھلایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کا فرزند ارجمند امام وقت ہوگا۔

اب ہم ذیل کے چند واقعات اِس بیان کی تصدیق میں لکھتے ہیں۔

عن ابي غانم الخادم قال ولد لابی محمّد الحسن عليه السّلام مولود فسمّاه محمّد افعرضه على اصحابه يوم الثّالث وقال هٰذا امامکم من بعدی وخلیفتی علیکم وهو القائم الّذی تمتدّ علیه الاعناق بالانتظار فاذا امتلأت الارض جوراً وظلماً خرج فملأها قسطاً وعدلاً۔

آپ کے خادم ابی غانم کا بیان ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کو خدائے واہب العطایا نے جب فرزندِ ارجمند عطا فرمایا تو آپ نے اُس کا نام نامی محمّدؐ رکھا اور ولادت سے تین دن بعد اپنے اُس پارۂ جگر کو باہر لاکر اپنے اصحاب کو دکھلایا اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے بعد تمہارا یہی امام ہے اور ہمارا خلیفہ تم پر۔ اور یہی وہ قائم علیہ السلام ہے جس کے انتظار میں تمہاری گردنیں جھکی رہینگی۔ اور جس طرح زمین اُس وقت ظلم وجور سے پُر ہو جائیگی۔ اُسی طرح یہ تمام دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دینگے۔

عن جعفر ابن مالك قال معاوية ابن الحكيم ومحمّد ابن ايوب ومحمّد ابن عثمان انّ ابا محمّد الحسن العسكري عليه السّلام عرض ولده علينا ونحن فی منزله وكنّا اربعين رجلاً فقال هٰذا امامكم من بعدي وخليفتي عليكم فاطيعوه ولا تتفرّقوا من بعدي فتهلكوا في اديانكم امّا انكم لا ترونه بعد يومكم هٰذا۔

جعفرابنِ مالک ناقل ہیں کہ ہم سے معاویہ ابنِ حکیم ومحمد ابنِ ایوب اور محمد ابنِ عثمان نے بیان کیا کہ ہم لوگ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم لوگ تعداد میں چالیس آدمی تھے تو آپ نے اپنے فرزندِ دلبند کو ہم لوگوں کو دکھلاکر کہا کہ ہمارے بعد یہی تمہارا امام ہے اور تم پر یہی ہمارا خلیفہ ہے۔ اِنہی کی اطاعت اختیار کرنا اور میرے بعد اختلاف میں نہ پڑنا۔ اور اپنا دین وایمان کھوکر معرضِ ہلاکت میں نہ پڑنا۔ اگرچہ اِن کو آج کے بعد پھر تم نہ دیکھ سکوگے

عن حمدان القلانسی قال قلت لمحمد ابن عثمان العمري مضى ابو محمّد عليه السّلام فقال لي قد مضى ولكن قد خلف فينا من رقبتنا فی بیعته۔

هٰكذا انقل فی ينابيع المودّة فی القربیٰ۔

حمدان القلانسی کا بیان ہے کہ میں نے محمد ابن عثمان العمری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت امام حسنِ عسکری علیہ السلام کا تو انتقال ہوگیا۔ اُنہوں نے جواب دیا ہاں۔ آپ نے البتہ رحلت فرمائی۔ مگر ہم لوگوں میں آپ نے اپنا وصی ضرور چھوڑا ہے اور اُسکی بیعت ہم لوگوں کی گردن میں باقی ہے۔

عن عمر الاهوازی قال رانی ابو محمد الحسن علیہ السلام ابنہ رضی اللہ عنہ وقال ھذا امامکم بعدی (ینابیع)

عمر اہوازی کا بیان ہے کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزند رضی اللہ عنہ کو دکھلا کر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یہی میرے بعد تمہارا امام ہے۔

عن خادم الفارسی قال کنت بباب الدار خرجت جاریۃ من البیت ومعہ شئ مغطی فقال لہا ابو محمد علیہ السلام اکشفی عما معک فکشفت فاذا غلام ابیض حسن الوجہ فقال ھذا امامکم بعدی قال فما رایتہ بعد ذلک

خادم فارسی کا بیان ہے کہ میں درِ دولت پر حاضر تھا کہ ایک کنیز اپنے ہاتھوں پر کوئی چھپی ہوئی چیز لیے اندر سے باہر نکلی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو چیز تیرے ہاتھ پہ ہے اُسے دکھلا دے پس اُسنے دکھلا دیا تو میں نے دیکھا کہ اُسکے ہاتھوں پر ایک نہایت حسین گورا اور قبول صورت بچہ ہے۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہی میرے بعد تمہارے امام ہیں۔ اُس دن کے بعد میں نے پھر اُن کو نہ دیکھا۔

عن محمد ابن اسمٰعیل ابن موسی الکاظم علیہ السلام کان اسن بنی الکاظم قال رأیت ولد ابی محمد الحسن العسکری علیہ السلام وھو غلام۔

محمد ابنِ اسماعیل ابنِ موسی الکاظم علیہ السلام جو بنی کاظم میں سب سے بزرگ اور سِن رسیدہ تھے بیان کرتے ہیں کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزندِ ارجمند کو میں نے دیکھا وہ اُس وقت بچہ تھے۔

قال ابو علی ابن مطہر قال رأیت ولد ابی محمد علیہ السلام ولہ قد جلیل۔

ابو علی ابن مطہر کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے کو دیکھا۔ اور اُن کے نزدیک اُس صاحبزادے کی بڑی قدر تھی۔

عن کامل ابن ابراھیم المدنی قال دخلت علی ابی محمد الحسن العسکری علیہ السلام وعلی باب بیت ستر فجاءت الریح فکشف الستر فاذا غلام کانہ القمر فقال ابو محمد علیہ السلام یا کامل قد اتیتک بحاجتک ھذا الحجۃ من بعدی۔

کامل ابنِ ابراہیم مدنی کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو محلسرا کے دروازے پر پردہ پڑا تھا ہوا جو آئی تو وہ کپڑا ایک طرف سے کھُل گیا۔ اب میں نے دیکھا کہ ایک ماہ پارہ بچہ ماہِ کامل کی طرح موجود ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے کامل! تیری آرزو پوری ہو گئی۔ یہی میرے بعد حُجت ہے۔

عن ابراھیم ابن ادریس قال رأیت المھدی علیہ السلام بعد ان مضی ابو محمد علیہ السلام حین غلام وقبلت یدیہ ورأسہ الشریف۔

ابراہیم ابن ادریس کا بیان ہے کہ میں نے جنابِ مہدی علیہ السلام کو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد دیکھا۔ آپ اُس وقت تک طفلِ صغیر السن تھے اور میں نے آپ کے دستِ مطہر اور فرقِ مبارک کا بوسہ لیا۔

عن یعقوب ابن منفوس قال دخلت علی ابی محمد الحسن العسکری علیہ السلام وعلی باب بیت

ستر مسبّل فقلت له یا سیّدی من صاحب هٰذا الامر بعدك فقال ارفع الستر فرفعته فخرج غلام فجلس علی فخذ ابی محمّد علیه السّلام وقال لی ابو محمّد علیه السّلام هٰذا امامکم من بعدی ثمّ قال یا بنیّ ادخل هٰذا البیت فدخل البیت وانا انظر الیه ثمّ قال لی ابو محمّد علیه السّلام یا یعقوب انظر فی البیت فدخلته فما رأیت احدًا۔

یعقوب ابنِ منفوس کا بیان ہے کہ میں ابو محمد حسن عسکری علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوا اُس وقت درِ دولت پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے خدمتِ بابرکت میں عرض کی کہ آپکے بعد امرِ امامت کس سے متعلق ہوگا۔ یہ سُنکر آپ نے فرمایا کہ یہ پردہ اُٹھادو۔ میں نے پردہ اُٹھادیا تو ایک طفلِ صغیر السّن برآمد ہوا اور جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کی رانِ مبارک پر بیٹھ گیا۔ آپ نے مجھ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ میرے بعد تمہارا امام ہے۔ پھر آپ نے اُس بچّہ سے ارشاد فرمایا کہ اچھا اب گھر میں چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ تشریف لے گیا اور میں اُسکو جاتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ جب وہ اندر چلا گیا تو پھر آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اب تم گھر میں جاکر دیکھو۔ میں گھر میں گیا تو کسی کو بھی وہاں نہیں پایا۔

یہانتک تو ہم نے کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ کی عبارت سے واقعات درج کیے جنہوں نے جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کی اجازت سے آپکے جمالِ باکمال کی زیارت کا شرف حاصل فرمایا تھا۔ یہ وہی کامل الایمان اور راسخ الاعتقاد بزرگوار تھے جن کو جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام نے ایسے عظیم الشان راز پر مطلع فرمایا تھا اور اُنکے ذاتی محاسن اور اوصاف کو دیانت۔ امانت اور صداقت کے معیار پر پورا کامل پایا تھا۔ اب اِن بزرگواروں کے بعد ہم اُن خوش قسمت سعادتمندانِ زمانہ کے حالات بیان کرتے ہیں جن کو بوجہ مسافت اور دوری کے زیارت اور حضوری کا شرف تو حاصل نہوسکا مگر ہاں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اُنکی خصوصیت اور قربت اور امانت پر اعتبار کرکے اُن کو اپنے فرزندِ ارجمند کی ولادت کی خبر ضرور کردی تھی اور ولیمۂ ولادت کے الوانِ نعمت سے اُنکو بھی خاص طور پر حصّہ عنایت فرمایا تھا۔

ملّا مجلسی علیہ الرحمۃ والرضوان بحار الانوار جلد سیزدہم مطبوعۂ دار الحکومت تبریز میں تحریر فرماتے ہیں کہ محمد ابن ابراہیم کوفی کا بیان ہے کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام نے ایک گوسفند ذبح شدہ میرے پاس بھیجدی اور کہلا بھیجا کہ یہ میرے فرزند محمد علیہ السّلام کا عقیقہ ہے۔ تم خود بھی کھانا اور اپنے برادرانِ ایمانی کو بھی کھلانا۔

حمزہ ابنِ ابوالفتح کا بیان ہے کہ یکایک ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ تمکو مبارک ہو کہ کل رات کو جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کے گھر میں فرزندِ ارجمند پیدا ہوا ہے اور آپ نے اُسکی ولادتِ باسعادت کے واقعہ کو مخفی رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ میں نے اُس شخص سے پوچھا کہ اُس مولودِ مسعود کا نام کیا رکھا گیا ہے۔ اُنے کہا کہ محمد علیہ السّلام۔

احمد بن عبداللہ قمی کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا پیدا ہوئے اُسی وقت میرے

دادا احمد ابن اسحاق کے پاس جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام کا خاص آدمی آیا جو آپ کے خاص دستِ مبارک کا لکھا ہوا کرامت نامہ لایا جس میں تحریر تھا کہ میرے ہاں ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی ہے میں تمہیں اس امر کی اطلاع تو ضرور کرتا ہوں مگر تم اِس واقعہ کے پوشیدہ رکھنے کی بڑی احتیاط کرنا۔ یہ یاد رکھو کہ میں نے اپنے احبابِ خاص سے کیا۔ اپنے خویش و اقارب تک سے اِس واقعہ کو بالکل مخفی رکھا ہے اور کسی کو اس سترِ الٰہی پر مطلع کرنا پسند نہیں کیا مگر باایںہمہ تم سے اِسکو پوشیدہ کرنا کسی طرح بھی گوارا نہ کر سکا۔ اِس وجہ سے تم کو اِس مژدۂ جانفزا کی خاص طور پر اطلاع دی جاتی ہے کہ تم اسکی حقیقتِ حال معلوم کرکے ویسا ہی شاد و مسرور ہو گے جیسا کہ میں اِس نعمتِ الٰہی اور دولتِ نامتناہی کو پاکر دلشاد اور فرحناک ہوا ہوں۔

ہم اِن حضرات کے نام نامی اور ان کے واقعات کے ذکر اجمالی طور پر لکھ چکے ہیں اور پھر بارِ دیگر یہاں بھی اپنے سلسلۂ کلام اور مناسبتِ مقام کی ضروری رعایتوں کی وجہ سے انکا اعادہ کردیا ہے۔ بہرحال۔ اتنی چشم دید شہادتیں اور برای العین تصدیقِ زیارت کے مقابلہ میں اب وہ کون ایسا بے بصیرت ہوگا جو جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السّلام کے واقعۂ ولادت سے ایک منٹ کے لیے بھی انکار کرسکیگا۔ فی زماننا مشاہدات پر زیادہ اعتبار کیا جاتا ہے تو الحمدللہ ہم نے آپ کی ولادتِ باسعادت کے متعلق اتنے مشاہدات جمع کر دیے ہیں جو تواتر کی حدودِ اعتبار تک ضرور پہنچ گئے ہیں۔ تو پھر ایک مشاہدات ہی کا انکار جہالت کا مقتضا سمجھا جا سکتا ہے۔ اُسپر تواترات سے انحراف تو اور گناہ بالائے گناہ کا جرم مزید عائد کرتا ہے۔ اِن وجوہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السّلام کی ولادتِ باسعادت کا واقعہ ایسا صریح اور صحیح ہے جس سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ رہا اسکا مخفی اور پوشیدہ کرنا۔ محض خاص خاص لوگوں تک اسکی اطلاع کرنا۔ اِسکی ضرورت مصلحتِ وقتی اور فوائد ہم اوپر بیان کرچکے ہیں اور پھر لکھے دیتے ہیں کہ صورتِ حال اور ضرورتِ وقت ہمکو ہر قرینہ اور ہر پہلو سے بتلا رہی ہے اور ثابت کر رہی ہے کہ اگر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اس واقعہ کو قطعی طور پر مخفی فرما دیتے اور کسی کو بھی نہ اس سے مطلع کرتے اور نہ کسی ایک کو اپنے نونہالِ یوسف جمال کی زیارت سے مشرف فرماتے تو واقعی یہ مسئلہ دنیا میں ضرور قیاسی اور فرضی بنکر رہجاتا۔ جب اتنے مشاہدات کے مقابلہ میں اور ایسی صریح تصدیق و توثیق اور تواترات کی موجودگی میں اہلِ اسلام کی ایک معتدبہ جماعت آج تک اس میں مشتبہ پائی جاتی ہے اور اب تک حقیقتِ حال سے انکار کرکے آپ کی ولادت کو قریبِ قیامت واقع ہونا بتلاتی ہے تو پھر اُس حالت میں جب اس واقعہ کا ایک بھی شاہدِ عینی نہ بتلایا جاتا اور نہ کوئی اُس نورِ الٰہی کا دیکھنے والا پایا جاتا تو اُن کے دعوے خود بخود پہلے سے بھی زیادہ قوی اور مستحکم ہو جاتے اور وہ نہایت زوروں سے اپنی غلط فہمی کو بالکل صحیح اور درست بتلاتے اور اِن مباحث کا نتیجہ آخر میں یہ نکلتا کہ وجودِ باری تعالیٰ اور آپ کے وجود میں مساوات اور مماثلت پیدا کیجاتی جو پہلے سے بھی زیادہ قابلِ اعتراض سمجھی جاتی۔ انہی وجوہ سے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی کمال دور اندیشی و مآل بینی سے۔ جو آپ کے حسنِ تدبیر کو عدیم النظیر ثابت کر رہی ہے۔ اِس واقعہ کو عام شہرت سے بچایا اور پھر اس کو اپنے دائرۂ معتمدین اور مخصوصین میں مشتہر کرکے

اُس کو ضعیف واحاد ہونے اور بالکل موہوم و مجہول یا محض ظنی یا قیاسی سمجھے جانیکے عیوب سے بھی محفوظ رکھا ہے جیسا کہ ابھی ابھی پوری تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور جناب قائم آلِ محمد علیہ السّلام کی ولادت کے بعد کے واقعات اور حالات کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

ولادتِ باسعادت سے بعد کے حالات

ناظرینِ کتاب کو یہاں تک تو معلوم ہو چکا کہ آپ کی ولادت کا واقعہ عام طور سے مشتہر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اسکی شہرت میں موجودہ سلاطینِ عباسیہ کی وجہ سے آپ کی جسمانی ایذا اور مضرّت و ہلاکت کے یقینی خیال لگے ہوئے تھے جیسا کہ ایامِ قدیمہ میں اِن خاصانِ الٰہی کے متعلق اُس وقت کے سلاطینِ جابرہ کی طرف سے عمل میں آ چکے تھے۔

بہرحال۔ جناب امام حسنِ عسکری علیہ السّلام آپ کی ولادت کے بعد پانچ برس تک اور زندہ رہے اور اس پانچ برس کے عرصہ میں بھی آپ نے اپنے اِس نور العین کو ہر دم و ہر لحظہ نظرِ عامّہ کے چشم زخم سے محفوظ و مصئون رکھنے کے لیے ہمیشہ اُسی احتیاط و کوشش سے کام لیا جو اس امرِ خاص میں آپ کے حسنِ تدبیر کا اعلےٰ اور یکتا نمونہ ثابت ہو چکی تھی۔ کبھی اس یوسفِ زمانہ کو پردہ سے باہر نہ ہونے دیا۔ ہم صواعقِ محرقہ کی ارشاد سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کی کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ راہب نصرانی کے واقعہ سے معتمد نے متنبہ ہو کر آپکو اور آپ کے اصحابِ مخصوصین کو جو آپ کے ساتھ حبسِ دوام کی شبانہ روز ایذا و مصیبت کاٹ رہے تھے اِس قیدِ سخت کی بلا سے نجات دیدی تھی اور رہا کر دیا تھا۔ اِس لیے آپکی حیاتِ والا صفات کا زمانہ محض خانہ نشینی میں گزرا۔ اور اُس خانہ نشینی کے اوقات میں آپ کو اپنے پارۂ جگر کے تحفظ کی عمدہ اور اعلےٰ تدبیروں کے سوچنے اور عمل میں لانے کا بہت اچھا موقعہ ہاتھ آیا اور حقیقتِ امر یوں ہے کہ ع خدا کی بات خدا کی قسم خدا جانے۔ یہ سب اُس قادرِ مطلق اور مدبّرِ برحق کی تدبیرِ قدرت اور تجویزِ حکمت کے کرشمے تھے جس نے معتمد کے ایسے لاگو اور قدیم دشمن جانی کو اِس وقت ایسا نرم اور ملائم کر دیا کہ کہاں تو وہ ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے قید رکھتا تھا اور سالہا سال انسانی آمد و رفت اور اخلاقی ربط و ضبط کے تمام مراسم آپ کے لیے ممنوع کر چکا تھا ادھر کہاں ایک بار آپ کو ایسا آزاد اور خود مختار کر دیا کہ پھر آپ کے کسی احوال کا ذرا بھی تفحّص اور استفسار نہ کیا۔ نہیں۔ چونکہ نظامِ ربّانی اور مشیّتِ یزدانی ایسی ہی جاری ہو چکی تھی اس لیے اُس نے اپنی پوری شانِ جبروت دکھلا کر معتمد کے دست و زبان سے وہ کام اور احکام جاری کرائے جو کبھی اُسکی ذات سے کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آتے تھے اِنّ اللہ یفعل مایشاء وھو ذوالقوۃ المتین۔

اپنی قدیم ترتیبِ تالیف کے مطابق تو ہمکو آپ کی ولادت کے حالات لکھکر آپ کی کم سنی اور بچپن کے حالات قلمبند کرنے چاہییں۔ مگر ہم جہاں تک آپکی ذاتِ مجمع الحسنات کے اُن حالات و واقعات پر غور کرتے ہیں تو ہم کو تمام قرائن۔ دلائل اور مشاہدے ثابت ہوتا ہے کہ روزِ ولادت سے لیکر غیبتِ کبرےٰ کے وقتِ معین تک آپ کا

وجودِ ذیجود قادرِ مطلق کی کامل آیت اور اُس مدبّر برحق کی تدبیروں کی سچّی اور صحیح علامت تھا۔ اور بس آپکے فضل و کمال عقل وشعور۔ ذہن وذکا۔ غرض تمام جسمانی اور روحانی اوصاف ولادت کے وقت ہی کامل تھے اور ایسے کامل جنکی نظیر اور مثال انسانی خلقت میں ظاہری طور پر ممکن نہیں ہے۔ پھر ایسی حالت میں کہ جو بچّہ پانچ برس کے سِن میں ایسا عاقل اور کامل الشعور ہو جسکی مثال دنیا کے بوڑھے جوان اور بچّوں میں نہ پائی جاتی ہو اور اپنے عقل وشعور فضل وکمال اور ذہن وذکا کے اعتبار سے تمام دنیا کے لوگوں پر اُس کو ترجیح علے الفضائل حاصل ہو تو پھر ہم ایسے بچّہ کو بچّہ کیسے کہہ سکتے ہیں اور اس عالم کو بچپن کے معنوں میں کیسے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ایک نہیں متعدد اور متواتر مشاہدِ تاریخی برابر ثابت کر رہے ہیں کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کا سن کل پانچ برس کا تھا اور اُسی وقت سے آپ درجۂ علیہ امامت پر منجانب اللہ مشرف ہوئے۔ اور سب سے پہلا واقعہ جو آپ کے فضل وکمال اور کرامت واعجاز کا تمام لوگوں کے سامنے پیش ہوا وہ جعفر کا نمازِ جنازہ سے امتناع اور بجائے اُن کے بہ نفسِ نفیس اُسکا ادا فرمانا تھا اور پھر اُسکے بعد اہلِ قم کے وفد کے سوالات کا جواب دینا۔ اور بے دیکھے اُنکی تھیلیوں کے درہم ودینار کی صحیح تعداد بتلا دینا۔ اور پھر اس کے بعد فوراً ابو الادیان سے اُن خطوط کو طلب فرمانا جو شیعیانِ مدائن نے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کو جواب میں لکھے تھے۔ اور آپ نے ابو الادیان کو بتلا دیا تھا کہ جو شخص تم سے ان خطوط کے جواب طلب کرے وہی میرا جانشین برحق اور وصی مطلق ہے۔ یہ تمام واقعات عنقریب سلسلۂ بیان میں آتے ہیں۔ یہ تمام تاریخی حالات وواقعات کامل طور سے بتلا رہے ہیں کہ جب پانچ برس کے سن میں آپکے کمالات کی یہ صورت تھی اور اعجاز وکرامت کی یہ حالت تو پھر آپ کے اس زمانہ کو بچپن کے معمولی لفظ سے عام طور پر تعبیر کرنا ضرور سوءِ ادبی میں داخل اور شوخ چشمی اور گستاخی میں شامل ہوگا۔

جن لوگوں نے حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات کو کامل طور سے پڑھا ہے اگر بڑی بڑی کتابوں میں ان بزرگواروں کے حالات نہیں دیکھے ہیں۔ صرف ہمارے ہی سلسلۂ سیرتِ اہلبیت علیہم السلام کے تمام نمبروں کو دیکھ لیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی تنہا ذاتِ مجمع الصفات پر موقوف ومنحصر نہیں ہے بلکہ ان تمام ذواتِ عالیہ اور انفاسِ ذکیہ میں خدا کی طرف سے ولادت کے دن ہی سے فضل وکمال کے ایسے ایسے یکتا اور عدیم المثال جوہر ودیعت فرمائے جاتے ہیں جو عام نفوسِ انسانی میں کسی طرح پائے نہیں جا سکتے۔ آپ سے پہلے آپکے جدِ بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کل سات برس کی عمر میں اپنے پدرِ نامدار کے قائم مقام اور جانشین ہوئے اور اُسی وقت سے تمام اہلِ ایمان کی کشود کاریوں کے ارکان اور ہدایت کے احکام وفرمان جاری فرمائے اور اسی طرح اُنسے پہلے اُنکے والدِ بزرگوار حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بھی جناب امام علی ابن موسے الرضا علیہ السلام کی وفات کے وقت کل سات یا آٹھ برس کے تھے مگر طفولیت کے زمانہ ہی سے درجۂ علیۂ امامت پر فائز ہو کر اس کے تمام فرائض اور مناصب اُسی وقت سے بجالاتے رہے۔ غرض اگر دیرے

غور سے دیکھا جائے تو یہ حضرات علیہم الصلوٰۃ والسّلام من اوّلہم الیٰ آخرہم ان اوصافِ مخصوصہ سے موصوف پائے جائینگے اور ان میں کسی طبقہ اور درجہ کے انسان کو کوئی حصّہ نہیں دیا گیا ہم ان مضامین کو پوری تفصیل وتشریح سے اپنے سلسلہ کے پہلے نمبروں میں برابر لکھ آئے ہیں اور اس موقعہ کو بھی مناسب اور موزوں پاکر پھر لکھے دیتے ہیں کہ یہ عدیم المثال فضل وکمال اور یہ مخصوص فضائل ومدارج جو آپ حضرات کی ذاتِ بابرکات سے مخصوص ومحدود ثابت ہوتے ہیں کچھ نئے اور تنہا نہیں تھے بلکہ اگر خاصانِ خدا کے سابق اور قدیم دائرہ میں انکی مثالوں کی تلاش اور جستجو کیجائے تو ان واقعات کی کثرت سے مثالیں پائی جائینگی۔ حضرت زلیخا کے قصّہ میں صاحبِ مہد کا براءتِ حضرت یوسف ؑ کے متعلّق شہادت دینا اسی طرح جناب عیسیٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السّلام کا حضرت مریمؑ کی عصمت کی تصدیق فرمانا اور اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ کہکر اپنے قبیلہ کے تمام لوگوں کو مخاطب کرنا کیا تھا۔ یہ تمام واقعات وہی تھے جو نصوصِ الٰہیّہ کے خاص ذریعوں سے ہم کو بتلا رہے ہیں کہ خاصانِ الٰہی کے یہ اوصاف وکمالات عام فطرتِ انسانی کی معمولی خلقت۔ سن کی طوالت یا مدّت پر کبھی منحصر اور موقوف نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ کمال عقل اور فہم وشعور کے تمام انتہائی جوہر خدائے واہب العطایا کے انعام وافضال پر موقوف ہوتے ہیں ذٰلِکَ فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء واللّٰہ ذو الفضل العظیم

اگرچہ اپنی ترتیبِ تالیفی کی عام اصطلاحی ضرورتوں سے مجبور ہوکر ہم آپکے ان حالات کو آپکی صغرسنی اور بچپن کے واقعات کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں مگر اپنی کتاب کے ناظرین کو ان واقعات کے لکھنے سے باور کراتے ہیں کہ آپکے بچپن اور صغرسنی کو ہم دنیا کے معمولی بچّوں کے بچپن اور صغرسنی کے معنوں میں نہیں سمجھتے اور نہ آپکے ابتدائی حالات کو اُن کے عام حالات کی طرح شمار اور اعتبار کرتے ہیں۔ بہرحال۔ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کو حضرتِ قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کی ولادت سے کیسی دلی مسرت۔ قلبی فرحت اور روحانی بشاشت حاصل ہوئی ہوگی۔ اُسکا اندازہ کرنا اس وقت ہماری خیالی قوتوں سے قطعی غیر ممکن ہے۔ آپ اپنے اس فرزندِ ارجمند کے وجودِ ذیجود کو کیسا غنیمت سمجھتے ہونگے اور اس نعمتِ الٰہی کو کتنا عزیز رکھتے ہونگے۔ وہ سب ہمارے لکھنے کے اور بیان کرنے کے ہرگز محتاج نہیں ہیں۔ وہ واقعات اور حالات دیکھکر آپ معلوم کرلیے جاسکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے اس درِّ نایاب کو اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ کبھی آپ کو اپنی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی نہیں رکھتے تھے۔ عام نگاہوں کے اخفا کے خیال سے نہایت احتیاط کی ساتھ اس دروازہ میں ہمیشہ ایک حجاب حائل رہا کرتا تھا جس کے باہر تو خود تشریف فرما رہتے تھے اور اُسکے اندر وہ گوہر شب چراغ جلوہ آرا رہتا تھا۔ اور کبھی بعض اوقات محبتِ پدری کے غیر متحمّل تقاضوں سے غایت درجہ بیچین ہوجاتے تھے تو اُس دروازۂ اندرونی کی حجاب دیوانِ خاص کے اُس حصّہ میں اُٹھا لیتے تھے جہاں خود تشریف رکھا کرتے تھے۔ مگر نظرِ عام کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنے کی موجودہ احتیاط کے خیال سے یہاں بھی حجاب کی وہی صورت قائم رکھی جاتی تھی۔ دشمنوں کا خوف اس قدر لگا ہوا تھا کہ گھر کے عزیزوں تک کو نہ اس واقعہ کی خبر کی گئی

تھی اور نہ اُن کو اِس نونہال کے جمال جہاں آرا کی زیارت سے مشرف فرمایا گیا تھا۔ گھر میں ایک والدۂ مقدسہ اس وقت تک زندہ تھیں اور باہر ایک بھائی جعفر۔ اِن خاتونِ معظمہ کی نسبت تو افشائے راز وغیرہ کا کوئی شبہہ ہی نہیں تھا۔ مگر جعفر البتہ۔ نہ بھائی کے ایسا دوست اور نہ بھائی کے ایسا دشمن۔ کی پوری مثال ہو رہے تھے جن کے حالات بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان میں آگے آتے ہیں۔ اِن دونوں بزرگواروں کے سوا اور دوسرا آپکے گھر میں نہیں تھا۔ اور تھا بھی تو وہی گھر کے خادم اور غلام۔ خادمہ اور کنیزیں۔ مگر اتنی قلیل جماعت ہونے پر بھی آپ نے ان تمام لوگوں میں سے صرف اپنی والدۂ مقدسہ اور اُن دو تین کنیزوں کو جو ولادت کے وقت بھی جنابِ نرجسؑ خاتون کی خدمت میں حاضر تھیں۔ اِس واقعہ کی خبر سے مطلع ہونے دیا۔ ورنہ سوائے ان کے نہ کسی دوسرے کو اِس واقعہ سے مطلع فرمایا اور نہ ان کا دیدارِ فرحت آثار کسی کو دکھلایا۔ عزیز و اقارب کے دائرہ میں حضرت حکیمہ خاتون علیہا السلام از اوّل تا آخر یومِ ولادت اِس واقعہ کی اطلاع اور خبر دہی میں شریک فرمائی گئیں اور اِسکی خاص وجہ یہ تھی کہ مشیّتِ ایزدی کی ہدایت کے مطابق وہ اِس واقعہ کی ابتدا ہی سے شریک تھیں۔ چنانچہ جنابِ امام علی نقی علیہ السلام کی بشارت ان معظمہ کے متعلق ہم اپنے اوپر کے سلسلۂ بیان میں لکھ آئے ہیں اور جس وقت یہ مخدومہ اپنے برادرِ عالیمقدار کی خدمت میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ جنابِ نرجس سلام اللہ علیہا سے پیوند کے لیے اجازت لینے آئی ہیں۔ ان چیدہ چیدہ لوگوں کے علاوہ اور کسی حضرات کو یہ شرف اور مفاخرت حاصل نہ ہوئی۔ آپ کی اِن احتیاطوں کے علاوہ اسرارِ یزدانی ہونے کے آپ کے اشفاق اور ہمدردی کے بھی پورے ثبوت پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ اِس امر میں اول تو خدا کا حکم ہی ایسا تھا اور ان سب سے زیادہ تو اپنے اس نورِ عین کی محبت اور تحفظ کا خیال دل سے ہمہ دم اور ہر وقت لگا رہتا تھا اور ہر وقت ایک کھٹک سی لگی رہتی تھی کہ مبادا کوئی ایسی فروگذاشت ہو جائے جس سے اس نونہالِ آرزو کی مضرت اور ضائع ہو جانے کے اسباب قائم ہو جائیں۔ چنانچہ احتیاطِ مزید کے انہی خیالوں سے اگرچہ جعفر کا گوشۂ محل بالکل علیحدہ تھا اور فیمابین آمد و رفت بھی کم تھی۔ مگر تاہم جو قطعۂ مکان کہ جنابِ نرجس خاتون علیہا السلام کی آرامگاہ سے متعلق تھا اور اُس میں بغیر اذن کے اور اُنکی خاص کنیزوں کے کوئی دوسرا نہیں جا سکتا تھا وہ بھی پردے اور حجاب کے خاص انتظام سے کسی وقت خالی نہیں رہتا تھا۔ ہر وقت اس میں بھی پردے چھوٹے رہتے تھے۔ اور کسی شخص کو عام اِس سے کہ کیسی ہی شدید ضرورت ہو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ باہر کے خاص خادم جبتک کہ آپ اُنکو اپنی کسی خاص ضرورت سے خود نہ بھیجیں اندر نہیں جا سکتے تھے۔ یہ قطعۂ مکان آپکی نشستگاہِ بیرونی سے بالکل ملحق تھا۔ اور گھر میں اندر سے ایک دروازہ باہر لگا تھا۔ اِس دروازے میں بھی ہمیشہ پردہ لٹکا رہتا تھا اور آپ زیادہ تر اسی پردے کے پاس تشریف رکھتے تھے تاکہ اندر کے حالات برابر معلوم ہوتے رہیں۔ جب اپنے فرزندِ ارجمند کے بےچین ہونے یا رونے کی آواز آئی۔ اور اگر پاس باہر لوگ بھی بیٹھے رہے تو فوراً اندر تشریف لے گئے۔ مگر اُسی حجاب کے اندر اپنے پارۂ جگر کو بہلاتے تھے اور بہلجانیکے بعد اُسکو اندر بھجا آتے تھے۔ اور اگر باہر خلوت موجود نہ ہوئی اور ایسے لوگوں کا مجمع ہوا جو شرف زیارت سے مشرف نہیں کیے جا سکتے تھے تو آپ اندر تشریف لیجاتے اور وہیں اپنے اس پارۂ جگر کو بہلا لیتے۔ اور پھر

جناب نرجس سلام اللہ علیہا کو دیکر باہر واپس آتے۔ آپکے اشفاق اور احتیاط کی یہ حالت اُس وقت تک تھی جبتک کہ آپ صاحبِ مہد تھے۔ جب فضلِ الٰہی سے سال بھر کے ہوئے اور جسمِ مبارک میں نمو اور ترقی کے کامل آثار پیدا ہوئے کیونکہ آپ معصوم تھے اور معصوم کی قوت تو عام خلقت سے دس حصّے زیادہ ہوتی ہے (دیکھو اِس سلسلہ کی جلد دوم۔ سروچمن فی حالاتِ امام حسن علیہ السلام میں بحثِ امامت اور امام کے ذاتی اوصاف) ایسلیے آپ سال ہی بھر کے بعد ماشاء اللہ ایسے قوی اور توانا معلوم ہونے لگے جیسے اچھے خاصے تین چار برس کے چلتے پھرتے اور بولتے چالتے بچے ہوتے ہیں۔ اُسی وقت سے آپ میں طاقتِ رفتار بھی موجود تھی اور قوتِ گفتار بھی۔ چنانچہ حضرت حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا ناقل ہیں کہ آپ کی ولادت کے بعد میں نے یہ معمول کرلیا تھا کہ ایک ہفتہ کے بعد بالضرور اور بالخصوص اس مولود کے دیکھنے کے لیے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر میں جایا کرتی تھی اور میں آپکو ایک ہفتہ میں ایسا پاتی تھی جیسا کہ ایک مہینے کے بچے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے سال بھر کے عرصہ میں آپ تین چار برس کے بچوں کی طرح بلاتکلف چلتے پھرتے بھی تھے اور بلا تامل بولتے چالتے بھی تھے۔

جنابِ حکیمہ خاتون علیہا السلام کے لیے یہ امر تعجب کا باعث کیوں ہونے لگا کیونکہ آخر کار آپ بھی اُسی خاندان عظیم الشّان کی چشم و چراغ تھیں جن کے معصوم بچوں کے لیے یہ اوصاف و محامد خاص طور پر خدائے واہب العطایا کی طرف سے تفویض فرمائے گئے تھے۔ پھر آپ اپنے اِس نورِ عین کی یہ حالت دیکھکر متعجب یا متحیر ہوتیں تو کیونکر؟

بہرحال۔ سال بھر کے بعد جناب قائمِ آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسّلام میں پوری توانائی آگئی اور آپ کنارِ مادر میں تنہا پرورش پانے کی حالتوں سے ترقی پاکر زانوئے پدر پر جلوہ آرا ہونے اور استراحت فرمانے کے قابل ہوگئے تو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی گرویدگی اور محبت والفت کا یہ عالم تھا کہ جہاں یہ رہتے وہاں آپ بھی رہتے۔ یہ تو دن کے واقعات تھے۔ رات کو اُس وقت تک کہ اصحاب و احباب خدمتِ ہمایوں میں حاضر رہتے تو البتّہ آپ بھی رہتے تھے۔ معمول سے جہاں یہ حضرات اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے آپ فوراً اندر سے اپنے پارۂ جگر کو باہر لائے اور پھر رات بھر اپنا تعویذِ دل بنائے ہوئے آرام فرما رہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ بچہ اندر سو گیا اور آپ کو باہر کچھ دیر ہوگئی تو اُنکے بیچین ہونے کے خیال سے اُن کو بیدار نہیں فرماتے تھے بلکہ خود ہی اُن کے پاس سو رہتے تھے۔ اور ضروریات سے تھا کہ مہینہ دو مہینہ کے بعد معمولی خوابگاہ بدل بھی دیجائے اور ہفتہ دو ہفتہ ایک مکانِ خاص میں استراحت فرماکر پھر دوسرے قطعہ یا گوشہ میں استراحت فرمانیکا انتظام کیا جاتا تھا۔ یہ خاصکر حفاظت و خبرگیری کے متعلق اہتمام تھے اور اِس میں یہ حسنِ تدبیر مضمر تھی کہ مخالفین کو ایک مقامِ خاص پر آپ کے سُلائے جانیکا یقین نہ ہونے پائے۔ اگر وہ اس ذریعہ سے آپکی ہلاکت یا ضرر رسانی کا قصد بھی کریں تو صحیح مقام کے نہ ملنے کی وجہ سے اپنے مقاصد میں کامیاب نہو سکیں۔

جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کے تحفظ کی تمام تدبیریں اور ترکیبیں بالکل ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسی حضرت ابوطالب علیہ السّلام نے جنابِ رسالتمآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت و پرورش کے لیے اختیار

فرمائی تھیں۔ اور حقیقتِ حال یہی ہے جیسا کہ مشاہدِ تاریخی سے ثابت ہوتا ہے کہ خاصانِ الٰہی کی پرورش اور حفاظت کے سامانوں میں جب تک اتنی احتیاط اور تحفظ سے کام نہ لیا جائے اُن حضرات کے بچنے اور قائم رہنے کی کوئی امید نہیں کیجا سکتی۔

یہاں تک تو آپ کے اشفاق کے وہ حالات لکھے گئے جو زیادہ تر حضرت قائم آلِ محمد علیہ السّلام کے تحفظ کے متعلق محبتِ پدری کی حقیقی صورت اور اصلی کیفیت میں ظاہر ہوئے۔ اب ہم آپ کی محبّت و الفت کی اعلےٰ مثال میں ایک اور واقعہ مُلّا مجلسی علیہ الرحمہ کی کتاب بحار الانوار سے ذیل میں ترجمہ کر کے لکھتے ہیں۔

جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کے خادم کا بیان ہے کہ میں آپ کی خانہ داری کے متعلق بازار سے گوشت لانے کی مخصوص خدمت پر مامور تھا مجھ کو سخت تاکید تھی کہ معمولی روزانہ راتب سے زائد ایک پُر مغز نلی حضرت قائمِ آلِ محمد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے لیے لایا کروں حسب الحکم میں بلا ناغہ روز لاتا تھا اور اُسکا مغز آپکو کھلایا جاتا تھا۔

بہرحال۔ اِن معاملات کو زیادہ تفصیل سے لکھے جانے کی کوئی ایسی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ ایسے معمولی اور روزانہ معاملات ہیں جنکے اثر کو ہر شخص نہایت آسانی سے رات دن معلوم اور محسوس کرتا رہتا ہے۔ وہ کون بے درد باپ ہوگا جو اپنی اولاد کی پرورش اور راحت رسانی کی کوششوں میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اُٹھا رکھیگا۔ پھر ایسا گوہرِ نایاب۔ منتخبِ روزگار جس کی مثال نہ اطرافِ عالم میں پیدا کیجا سکتی ہے اور نہ اقصائے عالم میں جسکی نظیر دکھلائی جا سکتی ہے۔ یہانتک تو یہ مسئلہ فی الحقیقت محض معمولی اور روزانہ مشاہدات میں داخل معلوم ہوتا ہے۔ مگر جب اس کے دوسرے پہلو پر غور کیا جائے تو پھر اس میں ایسی ایسی دشواریاں اور مشکلیں پیچیدہ نظر آتی ہیں کہ پھر مشکل سے کوئی اُس کے معمولی ہونیکا خیال کر سکتا ہے وہ دشواریاں یہ ہیں کہ قاعدہ اور معمول کے مطابق تمام والدین اپنی پیاری اولاد کی پرورش اور راحت رسانی کو سامان مہیّا کرنے۔ اُنکے چاہنے۔ پیار کرنے۔ پالنے اور پرورش کرنے میں کسی غیر کی کسی مداخلت یا مخاصمت کا کوئی شبہہ یا کوئی خیال نہیں کرتے۔ اور نہ اُنکو اُنسے کسی قسم کا کوئی خوف یا اندیشہ ہوتا ہے۔ وہ نہایت آزادی سے اپنی پیاری اولاد کی پرورش اور آرام دہی کے متعلق اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق اپنے تمام سامان اور اپنے سارے ارمان پورے کرتے ہیں۔ مگر افسوس۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے لیے یہ سامان اور آزادی مطلق ممکن نہیں ہے۔ اُنکی آزادی محدود اور اُن کا اطمینان متعید ہے۔ اُنکو اطمینان کی جگہ ان تمام امور میں خوف۔ اور راحت کے عوض میں دہشت حاصل ہے۔ اس امرِ خاص کے متعلق اُنکی مجبوری اور معذوری کی یہ کیفیت ہو رہی ہے کہ وہ اس واقعہ کی نسبت اپنی خوشی اور مسرتِ قلبی کا اظہار و اعلان کیا فرمائینگے۔ مُنہ سے ایک حرف بھی نہیں نکال سکتے۔ خوف ہے کہ کہیں دشمنوں کو خبر نہو جائے اور وہ اس کی ہلاکت کے باعث ہوں۔ اپنے اصحاب و احباب کو نوید کیسی۔ اِس واقعہ کو چھپائے رکھنے کا ابتدا ہی سے حکم ہے۔ اصحاب و احباب تو دور کے لوگ ہیں۔ گھر کے عزیزوں کو بھی اس سے مطلع نہیں کر سکتے دنیا

کے تمام والدین اپنے بچوں کو اپنے اعزہ اور احباب کو دکھلا کر خود بھی خوش ہوتے ہیں اور انکو بھی خوش کرتے ہیں۔ یہاں دکھلانا کیسا۔ گھر کے باہر لانا ممکن نہیں۔ سوائے خلوت کے کسی وقت نہ اُسے اپنی چھاتی سے لگا سکتے ہیں اور نہ پیار کر سکتے ہیں۔ کیوں۔ اس لیے کہ شاید کسی بدبیں کی نظر پڑ جائے اور وہ معاندین سے جا لگائے تو پھر قیامت ہی ہو جائے۔ ہاں جب کبھی ایسا ہی ہر طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے اور کچھ وقت پایا جاتا ہے وہ ہزار غنیمت سمجھ کر اپنے پارۂ جگر کے پیار کرنے اور اُس سے جی بہلانے میں صرف کر دیا جاتا ہے۔ اگر غور کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ جو دشواریاں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو اپنے فرزند ارجمند کی پرورش میں پیش آئیں وہ مشکل سے دنیا میں کسی دوسرے والدین کو پیش آئی ہونگی۔ مگر جس استقلال اور پاداری سے آپنے اپنے اِس نونہال کی پرورش میں کام لیا وہ حقیقت میں آپ ہی کا حق تھا اور آپ ہی کا حصّہ جو بالکل تائیدِ ربّانی کے وسیلہ اور اعانتِ یزدانی کے ذریعہ پر قائم تھا جن لوگوں نے آثارِ قدیمہ کا مطالعہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ خاصانِ الٰہی کی پرورش اور اُنکی حفاظت کے سامان بھی منجانب اللہ اُنہی نفوسِ مقدسہ کے سپرد کیے جاتے ہیں جنکے استقلال۔ پاداری اور ہمت کا کامل اور کافی یقین کر لیا جاتا ہے۔ مثال کے لیے دور کیوں جاؤ۔ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت گیارہ بیٹے زندہ چھوڑے مگر یتیمِ عبداللہ روحی لہ الفدا کی پرورش اور تربیت کی خاص خدمت سوائے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اور بھائیوں میں سے کسی بھائی کو عطا نہیں فرمائی گئی۔ ع ہر کسے را بہرِ کارے ساختند۔ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ اور اُس بزرگِ خاندان اور رئیسِ قبیلہ (حضرت عبدالمطلب) نے اپنی موت کے قریب القائے ربّانی کی تائید و تحریک سے حضرت حمزہ اور حضرت عباس علیہما السلام کے ایسے شجاع اور دلاور بیٹوں کے مقابلہ میں جنابِ ابوطالب علیہ السّلام ہی کو یہ خدمت اور منصب خاص طور پر تفویض فرمایا۔ یہ کیوں اور کس لیے؟ اِس لیے کہ دلیری اور شجاعت جُداگانہ اوصاف ہیں جن کے اظہار مخصوص اوقات پر موقوف ہیں۔ مگر استقلال۔ ہمّت اور پاداری ایسے محامد ہیں جنکی تمام معاملات اور تمام اوقات میں ضرورت واقع ہوتی ہے۔ موجودہ پرورش اور حفاظت کی خدمات کے لیے صرف شجاعت اور جسمانی طاقت ہی درکار نہیں تھی بلکہ ان سے زیادہ ہمّت۔ استقلال اور روحانی قوّت ضروری اور لازم تھی۔ اور یہ اوصاف سوائے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اور دوسرے بھائیوں میں بہت کم پائے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے اُس حکیمِ مطلق اور مدبّرِ برحق نے اپنے رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی پرورش۔ کفالت اور حفاظت کے تمام انتظام اِنہی کو سپرد فرمائے ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست ؁ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہم کو جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے معاملات میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا استقلال اور پاداری بھی حضرت ابوطالب علیہ السّلام کی ہمّت اور استقلال کی پوری اور کافی مثال ثابت ہوتی ہے۔ اور اِس میں شک نہیں کہ اِس گرانقدر اور گرانمایہ خدمت کے متعلق آپ نے بھی وہی تدبیریں اختیار فرمائیں جو آپکے جدِّ اعلےٰ آپ سے قبل اختیار فرما چکے تھے۔ کیوں نہو۔ الولد سرٌ لابیہ ع این خانہ تمام آفتاب است۔

یہ استقلال اور استحکام آپکے موروثی اور خاندانی اوصاف تھے۔کچھ مستعار اور اغیار کے عطایا و ایثار تو تھے ہی نہیں جو کسی کی حیرت اور تعجب کا باعث ہوسکیں۔

بہرحال۔جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے اس نونہالِ چمنِ آرزو حضرتِ قائمِ آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کو کامل پانچ برس تک جن جن مصیبتوں سے پالا اور جن جن آفتوں کو آپ کے سر سے ٹالا وہ اپنی آپ مثال اور اپنا آپ جواب ہو رہی ہیں۔اور حقیقت میں کوئی کیساہی دردِ بھرا باپ کیوں نہ ہوتا عموماً ان دن رات کے صدمات اور خوفناک اندیشوں کا کبھی متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ضرور تھا کہ وہ کبھی نہ کبھی اِس کوفت اور ضیق سے گھبرا کر اپنے معصوم بچّہ کی شبانہ روز حفاظت سے کسی وقت ضرور غافل ہوجاتا اور یوں اپنے دُرِّ بے بہا کو اپنے ہاتھوں سے کھو بیٹھتا۔واقعی یہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ہی کا کلیجہ تھا کہ محبتِ پدری کے غیر متحمل تقاضوں کے ساتھ جو فطرتِ انسانی کا مخصوص لازمہ قرار پاچکے ہیں۔حزم و احتیاط کا پورا خیال رکھنا اور اپنے ارمان و تمنا کی بڑھتے ہوئے حوصلوں کے ساتھ اس اسرارِ ربّانی کے مخفی رکھنے کا ہر دم و ہر لحظہ لحاظ کرنا۔اپنی تمام راحت و آرام کو اُسکی حفاظت اور آرام رسانی کی خدمات پر تصدق کر دینا اور اُس کو ہر دم و ہر لحظہ اپنے معاندین و مخالفین کی بدبین نگاہوں سے بچائے رکھنا۔یہ ایسے امور تھے جو معمولی طبیعت والے انسان کے ہرگز کام نہیں تھے۔نہ معمولی طبیعتیں اپنی پُرجوشیوں پر اتنا صبر کرسکتی ہیں اور نہ اپنے نکلتے ہوئے ارمانوں کو اس استقلال اور تحمّل سے روک سکتی ہیں اور نہ پرورش و حفاظت کی پوری انجام دہی اور ادا کاری اِس ہمت اور جگرداری کے ساتھ انجام دے سکتی ہیں۔اس میں کوئی کلام نہیں جیسا کہ مشاہدِ تاریخی کے تمام قدیم اخبار و آثار صاف طور سے ثابت کر رہے ہیں کہ یہ خدمات بھی خاصکر اُنہی ذواتِ عالیات سے متعلق کی جاتی ہیں جو خاصانِ ربّانی اور برگزیدگانِ یزدانی کے معزز القاب سے مخاطب فرمائے جاتے ہیں۔

آپ کی امامت کا زمانہ

بہرحال۔جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پرورش کے متعلق آپکے پدرِ بزرگوار کے اشفاق اور محبت والفت کے ضروری حالات قلمبند کرکے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔اوپر بیان ہوچکا ہے کہ کُل پانچ برس تک آپ کو اپنے پدرِ بزرگوار کے دامنِ اشفاق میں پرورش پانے اور راحت اُٹھانے کی نعمت نصیب ہوئی۔۲۶۰ھ ہجری میں جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کے ایسے شفیق باپ کا سایہ آپ کے سر سے اُٹھ گیا اور آپ اُسی وقت سے منجانب اللہ منصبِ امامت پر مامور ہوئے۔اور اپنے والدِ ماجد کی تجہیز و تکفین کی خدمات بجالاکر۔جیسا کہ مفصّل طور پر اس سے پہلی کتاب میں بیان ہوچکا ہے۔فرائضِ امامت کی انجام دہی میں مشغول ومصروف ہوئے۔

ہم ابتداہی میں لکھ آئے ہیں کہ آپ کے تمام معاملات اسرارِ ربّانی اور آیاتِ یزدانی پر مبنی تھے۔اس لیے نمازِ جنازۂ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام اور اہلِ قم کے تصفیۂ اموال کے معاملات و مشاہدات کو دیکھکر

جو علے الاتصال آپ سے ظاہر ہوئے اُن تمام مومنین نے جو اِس موقع پر حاضر تھے آپ کی امامت حقّہ کا اقرار کامل کر لیا۔ مگر چونکہ نظامِ قدرت اور تدبیرِ مشیّت کے مطابق آپکو اپنی امامت کی تمام خدمات بالکل مخفی طور پر انجام دینے کا حُکم مقدر ہو چُکا تھا اور یہ بھی مقدر ہو چُکا تھا کہ آپ اپنے زمانۂ امامت میں بھی عام نگاہوں سے اُسی طرح مخفی اور پوشیدہ رہینگے جس طرح اپنے پدرِ عالیمقدار کے زمانہ میں پوشیدہ رہتے تھے۔ اِس لیے جہاں تک مختلف سیر و تاریخ کی کتابوں سے تفحّص و تجسّس کیا گیا ہے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ بعد ان معاملات کے جن کا ذکر ابھی اوپر کیا گیا ہے جناب امام العصر علیہ الصلوٰۃ والسّلام پھر دولتسرا میں اندر تشریف لے گئے۔ اور پھر اُس وقت کے بعد سے غیبتِ کبرٰے کے آغاز تک جس کو قریب قریب تہتّر برس کی میعاد کہنی چاہیے۔ سوائے چند سعادتمندانِ خالصین کے کسی اور کو اس زمانہ میں آپ کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ ہم نے جہانتک اِن خوش نصیب حضرات کی تلاش کی ہے۔ ہمکو اِن حضرات کی تعداد نہایت کم معلوم ہوئی ہے۔ یہ حضرات وہی ہیں جو خلوص و عقیدت کے اعتبار سے یکتا اور منتخب روزگار ثابت ہوتے ہیں۔ اِسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ نظامِ مشیت نے آپکی رؤیت کی امتناعی مصلحتوں کو اُس وقت سے اِس وقت زیادہ ضروری اور لازم سمجھا تھا۔ اور اُس زمانہ سے زیادہ اِس زمانہ کو آپ کی مضرت اور ایذارسانی کا درپئے اور کوشاں تجویز کیا تھا۔ تاریخ و سیر بھی اِنہی ضرورتوں کی اور اِن کے اِنہی اسباب کی تصدیق کرتی ہیں اور ثابت کر رہی ہیں کہ زمانۂ موجودہ میں آپ کے ہلاک کرنے۔ آزار پہنچانے اور نام مٹانے میں زیادہ مستعدی اور دلیری دکھلائی جاتی تھی جیسا کہ بہت جلد ہمارے آیندہ سلسلۂ بیان سے ظاہر ہوگا۔

غیبتِ صغرٰے کی ضرورت اور اُس کی مصلحت

اب اس مقام پر ہم کو ایک امر صاف کر دینا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے آپ کا منظرِ عام میں آنا اور پھر ہمیشہ یا مدّتِ دراز تک (از غیبتِ صغرٰے تا بزمانۂ ظہور) پوشیدہ رہنا کس مصلحت پر مبنی بتلایا جائیگا۔ اگر حقیقت میں اختفا ضروری تھا تو چند ساعت کے لیے اِس عارضی القاء اور فوری رؤیت کی کیا ضرورت تھی۔

حقیقت میں عام طور سے ایسے سوال اور ایسے شبہے وہی لوگ پیش کرینگے جو اخبار و آثارِ قدیمہ سے بالکل ناواقف ہونگے۔ یا وہ حضرات جن کو تصرّفاتِ قدرت میں آج تک تامّل باقی ہوگا۔ ہم اُن کی تشفی کے لیے عرض کرنیکو موجود اور تیار ہیں کہ اوّل تو جب اُس قادرِ مطلق کے اسرارِ قدرت اور آثارِ مشیّت کو پورے طور سے سمجھنا بحکم محکم وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ تنہا انسان ہی کے لیے نہیں بلکہ طبقۂ رفیعۂ ملائکہ اور سائر فرقۂ روحانیہ کے واسطے بھی ممنوع ہو چُکا ہے۔ پھر اُس کی غایت اور علل کو دریافت کرنا محض فضول اور بیکار ہے مگر چونکہ غیبتِ صغرٰے کی مصلحت کا خاص مسئلہ ایسا واضح اور روشن ہے جسکی دلائل نہایت آسانی سے انسان کی سمجھ اور عقل میں آسکتی ہیں اس لیے ہم ایسے حضرات (شبہہ کرنے والوں) کو اِسکی کافی اور کامل مثال اُممِ سابقہ کے اخبار و آثار میں دکھلا کر سمجھا دیتے ہیں

ہیں کہ چونکہ آپ کی امامت کا خاص مسئلہ مذبذبین اور شاکین کے دائرہ میں برابر مشتبہ چلا آتا تھا اور ابھی تک کسی قدر باقی ہے اس لیے جنابِ صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ضرور تھا کہ آپ اپنی امامت کی ماموری کے وقت اپنا جمالِ جہاں آرا مومنین و نیز تمام حاضرین کو دکھلا کر مطمئن کر دیں کہ پھر کسی معترض کو اس اعتراض کے پیش کرنے کا موقع نہ ملے کہ محض ایک ایسے شخص کی اقتدا اور امامت واطاعت کا دعوے کیا جاتا ہے جس کو آج تک کسی نے دیکھا بھی نہیں۔ اور آیندہ بھی مخالفین اپنی سوءِ فہمی سے مخالفتِ مومنین کی پُرجوشیوں میں اِس کہنے پر نہ تیار ہو جائیں کہ پھر تم لوگوں نے وجودِ خدا اور وجودِ امام میں کون شئے الفرق یا مابہ الامتیاز باقی چھوڑی ہے۔

انہی دونوں وجہوں سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی امامت کے زمانہ میں ضرورت کے مطابق جسطرح اِس نورِ الٰہی کی زیارت کرائی تھی اُسی طرح آپ نے بھی اپنے عہدِ معدلت مہد میں مصلحتِ وقتی کے موافق اپنے جمالِ جہاں آرا سے دیدۂ مشتاقین کو پُرنور اور قلوبِ مومنین کو محظوظ و مسرور فرمایا تھا تاکہ یہ اعتراضات درمیان سے اُٹھ جائیں اور یہ شبہے دلوں سے مٹ جائیں اور معترضین کو اعتراض کا کوئی موقع نہ ملے۔ مگر فی زمانہ چونکہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات سے آپ کی حفاظت و کفالت کا سارا انتظام جاتا رہا اور اب کوئی شخص ایسا نہیں پایا گیا جو آپ کی حفاظت اور خبرگیری کی کامل صلاحیت رکھتا ہو۔ اِس لیے آپ کا قطعی طور پر اخفاء اور انزواء کی خاص حالتوں میں رہنا قرینِ مصلحت سمجھا گیا۔

یہ انتظام اور مصلحتِ خداوندی کے یہ خاص اہتمام بھی کچھ نئے نہیں تھے۔ اسکی مثالیں انبیائے سابقین علےٰ نبینا و آلہٖ وعلیہم السلام کے دائرہ میں کثرت سے ملتی ہیں جن لوگوں نے آثارِ قدیمہ کا مطالعہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ جب کسی نبی صاحبِ شریعت یا رسول علیہ السلام کو مخالفین نے ایسا ستایا۔ آزار پر آزار پہنچایا۔ یہانتک کہ اُس کی ہلاکت کا یقین ہونے لگا تو ایسی حالتوں میں نظامِ قدرت نے یہی انتظام کیا کہ ایک وقتِ معین تک عام اِس سے کہ وہ کتنا ہی قلیل یا طویل کیوں نہو اِس سے بحث نہیں۔ اُس خاصۂ الٰہی کو اُس مقامِ خاص سے ہٹا کر عام نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی کر دیا کہ پھر مخالفین میں سے کسی فردِ واحد کو اُسکی خبر نہ ہو سکی۔ ایک مدتِ خاص کے بعد جب عام فتنہ و فساد کی شورشوں میں سکون آگیا اور ملک و قوم میں اطمینانی حالت اور صلاحیت پیدا ہو گئی تو پھر اُس حجتِ خدا کو اُس کے مقامِ ماموریت پر واپس کر دیا۔ مگر تاہم اِس حالتِ اختفاء میں بھی کیا وہ خاصۂ خدا اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی سے باز رہا۔ نہیں کبھی نہیں۔ بلکہ وہ موجودہ جگہ کے مقامی لوگوں میں خدا کی معرفت اور عام ہدایت کے اعلان کرتا رہا۔ دیکھو جنابِ ادریس علےٰ نبینا و آلہٖ وعلیہ السلام ایک زمانہ تک اپنی قوم و ملک کے لوگوں کو دینِ الٰہی کی تعلیم فرماتے رہے۔ مگر جب اُن کا ہمعصر بادشاہ اُن کا دشمنِ جانی ہو گیا تو خداوندِ عالم نے ایک زمانۂ دراز تک اُنکو اُن لوگوں سے علحدہ کر دیا۔ آپ ایک زمانہ تک پہاڑ کے دروں میں قیام فرما رہے۔ پھر بعد مرورِ ایام جب دنیا میں اطمینان اور عام امن و امان کے آثار قائم ہو گئے تو آپ کو پھر اپنی قوم کی طرف رجوع فرمانے کا حکم دیا گیا۔ اِسی طرح جنابِ صالحؑ حضرت ہودؑ اور جنابِ یونسؑ

علےٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام کے واقعات ہمارے بیان کی پوری تصدیق و توثیق کرتے ہیں۔ یہ حضرات اور انکے ایسے اور دوسرے تمام بزرگوار جن کو ایسی دشواریاں پیش آئی ہیں اُنکی جانوں کی حفاظت اور دینِ خدا کی اشاعت اور اعانت کے قصد و ضرورت سے اُنکی غیبت کے ایسے ہی احکام مشیّت الٰہی نے جاری فرمائے ہیں۔

اب میرے بیان سے جو مشاہدِ تاریخی کا خلاصہ ہے ثابت ہوگیا کہ جنابِ صاحب العصر علیہ السّلام کے مخفی رکھے جانے میں بھی وہی اسباب اور امور مضمر تھے جو انبیائے سابقین علےٰ نبینا و آلہ و علیہم السّلام کو قدیم زمانہ میں پیش آچکے تھے۔ بہرحال۔ اتنی توجیہ اور توضیح کو تمہیداً عرض کرکے اب ہم آپ کی امامت کے متعلق وہ واقعات اور حالات قلمبند کرتے ہیں جو آپ نے اپنے موجودہ اختفاؤ انزوا کی خاص حالتوں میں نافذ فرمائے۔

یہ تو ساری دنیا کو معلوم ہے کہ حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے پاس یہ چھوڑا ہی کیا گیا تھا جس کا وہ انتظام کرتے۔ یا جس کی نسبت وہ اپنے حکم و احکام جاری فرماتے۔ نہ مالی دولت باقی تھی نہ ملکی جاہ و حشمت نہ دنیا میں اُن کے لیے کوئی اختیار باقی تھا اور نہ اعتبار۔ زمانہ کی کس مپرسی اور عام نامہربانی کی یہ کیفیت ہو رہی تھی کہ معمولی سے معمولی اور ادنے سے ادنے بازاری آدمیوں کی لفاظی اور عام فریبی کی باتوں کو آمنّا و صدّقنا کہکر تسلیم کرلیا جاتا تھا مگر ان کے اقوال وارشاد کی اقتدا کو جو بالکل نصوصِ الٰہی اور منشورِ حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ماخوذ ہوا کرتے تھے۔ ایک ساعت کے لیے بھی نہیں مانا جاتا تھا۔ اُن کے قول وارشاد کی منظوری یا غیر منظوری تو درکنار معمولی اور بازاری لوگوں کے مقابلہ میں اُن کے وجودِ ذیجود کو لاشئے کی فضولیات سے تعبیر کیا جاتا تھا پھر ایسی کس مپرسی کی حالت میں کیا بتلایا جاسکتا ہے کہ ان حضرات نے دنیا میں کیا کام کیا۔ اور نظامِ عالم یا اصلاحِ اُمّت کے متعلق آپ سے کون کونسے امور پیش آئے کوئی ریاست۔ کوئی علاقہ۔ کہیں کی حکومت تعلّق رکھتی ہو تو اُس میں آپ کے نظامِ سیاسی اور احکامِ تمدنی کی خوبیاں دکھلائی جاسکیں۔ اگر یہ نہیں تو کسی مملکت یا سلطنت میں بڑے بڑے عہدے او. مناصب پر فائز ہوں تو اُن کی انجام دہی میں آپ حضرات کی استعداد و جامعیّت۔ قابلیّت و صلاحیّت کے جوہر اور نمونے دکھلائے جاتے ہیں۔ خاص ذاتی اعتبار سے کوئی بہت بڑے صاحبِ دولت ہوں تو اُس کی کیفیت لکھی جائے۔ کوئی فروغ یافتہ تجارت کا ذریعہ ان حضرات سے وابستہ پایا جائے تو اُس کی ترقی اور افزائش میں انکے کمال دکھلائے جائیں۔ یہاں تو اِن تمام باتوں میں سے ایک بات بھی ان حضرات کے ساتھ پائی نہیں جاتی۔ پھر انکے حالات میں کیا لکھا جائے۔

غرض دنیاوی تعلقات میں سے کوئی تعلق ان حضرات سے وابستہ نہیں پایا جاتا۔ پھر ایک معمولی سیرت نگار کے لیے اِن حضرات کے نظامِ مخصوصہ کو قلمبند کرنا۔ اور اُن کو ایسی حالت میں دنیا کے سامنے پیش کرنا جب دنیا اُن سے بالکل لاعلم اور ناواقف ہے سخت سے سخت اور دشوار سے دشوار امر معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً جنابِ صاحب الامر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حالات آپ کی غیبت صغرےٰ کے زمانہ سے لیکر غیبتِ کبرےٰ کے وقت تک لکھنا اور اُن کو نظامِ تالیف کے مطابق سلسلہ وار بیان کرنا دشوار ہے اور نہایت دشوار۔ اِس میں جو سب سے بڑی

دشواری ہے وہ یہ ہے کہ ایک سے لیکر گیارہ اماموں تک کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں وہ ظاہری طور پر واقع ہوئے اور عام نگاہوں کے سامنے گزرے۔ سب نے دیکھا۔ عام اِس سے کہ اُنہیں مانا یا نہ مانا۔ مگر آپ کی امامت کے نظام اور تمام احکام کو۔ یہانتک کہ آپ کی ذاتِ ہمایوں صفات کو بھی معدودے چند خوش قسمت حضرات کے سوا کسی نے بھی نہ دیکھا۔ اس لیے آپ کے واقعہ نگار کو آپ کے خاص حالات قلمبند کرنے میں سخت دشواری ہے۔ جسکو ہم ابتدا سے دکھلاتے آتے ہیں۔

بہرحال۔ اتنی تمہید کے بعد ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اوپر یہاں تک بیان ہوچکا ہے کہ علائق دنیاوی کے متعلق آپ حضرات سے کوئی امر وابستہ نہیں تھا۔ نہ آپ حضرات دنیا کے لیے تھے اور نہ دنیا آپ حضرات کے لیے۔ یہ ایک ایسا جملہ ہے جو ظاہری طور پر تو ہر کس وناکس اپنی غلط فہمی اور ناواقفیت کی وجہ سے فوراً کہہ بھی دیتا ہے اور لکھ بھی دیتا ہے مگر حقیقت کی نظر سے جب دیکھا جائے تو ایسا کہنا یا اقرار کرنا صریح غلطی ہے۔ کیونکہ اصولاً وجودِ امام کے بغیر جس طرح دنیا کا قیام ناممکن تسلیم ہوچکا ہے ویسا ہی نظام بھی اِس دلیل سے کہ جب قیام ہی نہیں تو نظام کیسا۔ حدیث کی کتابوں میں اسکی تفصیل اور توجیہ قرآن وحدیث کی قوی اور مستحکم دلیلوں سے ثابت کیجا چکی ہے۔ دنیا ابتدائے آفرینش سے آخر وقت تک وجودِ امام کی پوری محتاج ہے یہ ایک تسلیمی امر اور مسلّمہ اور متفقہ مسئلہ ہے جسپر علمائے اسلام کے علاوہ دنیا کے مختلف ملل وادیان اور قبائل و اقوام کے حکماء۔ فضلاء اور عقلاء جس کی ضرورت اور احتیاج کو بیک کلام و یکزبان تسلیم کرچکے ہیں اور یہ امر واضح ہوکر تمام دلائل وقرائن سے ثابت ہوچکا ہے کہ اگر فی الواقع سلاطین اور عام حکمرانانِ ملکی معاملات سیاسی و تمدنی کے علاوہ ضروریات دینی اور امور ہدایت کے لیے بھی کافی اور کامل سمجھے جاتے جس طرح کہ بعد پیغمبر اسلام علیہ السلام بعض اہلِ اسلام نے اُن کی پاک تعلیم کے خلاف اس مسئلہ کو اپنے قیاس اور سوء فہمی سے ایسا ہی سمجھا اور ایک فرمانروا میں دونوں قوتوں کا وجود تسلیم کرلیا تو پھر ان عام ملکی فرمانرواؤں کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت محض بیکار ثابت ہوجاتی۔ حالانکہ مشاہدِ تاریخ بتا رہے ہیں کہ کوئی زمانہ اور کوئی وقت ایسا نہیں گزرا ہے جس میں بمقابلۂ بادشاہانِ ملکی پیغمبر یا رسول (علیہ السلام) نہ بھیجا گیا ہو۔ یا کسی وقت میں سلسلۂ نبوت ورسالت بمقابلۂ حکومت وسلطنت غیر ضروری سمجھکر موقوف اور بند کردیا گیا ہو۔ اور نہ سوائے تین چار پیغمبرانِ اولی العزم علے نبینا وآلہ وعلیہم السلام کے کسی اور بزرگ میں اِن دونوں قوتوں کے اجماع کے کوئی ثبوت پائے جاتے ہیں۔ اِن امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظامِ روحانی ہمیشہ احکامِ دنیاوی سے علٰحدہ رکھے گئے۔ اور کبھی کسی دنیاوی حکمران کو باوجودیکہ وہ دنیا میں کیسا ہی ذی اقتدار اور صاحب اعتبار کیوں نہ ثابت ہوا ہو خدا کے اعزاز واسرارِ روحانی نہیں سپرد فرمائے گئے۔ اور نہ کسی زمانہ میں وہ اِس کے اہل اور سزاوار سمجھے گئے۔ بلکہ وہ اِن امور کی تعلیم وہدایت کی ضرورتوں کے وقت ہمیشہ انہی حضرات کے محتاج اور زیر بارِ احسان بنائے گئے۔ ان امور سے اِن حضرات کی عُلوِ شان ہی کا اظہار نہیں ہوتا ہے بلکہ اُس قادرِ مطلق اور حکیمِ برحق کو اپنی قوت وجبروت کا جلوہ دکھلانا بھی منظور تھا فعّال لما یرید انّ اللہ علیٰ کل شیٔ

خبیر وھو علیٰ کُلّ شیٔ قدیر۔

اب ہم اِن امور کی تفسیر میں کہ اِن حضرات سے کَون کَون مصالح اور نظامِ عالم متعلّق تھے بیان کیے دیتے ہیں اور انکی مثال امم قدیمہ کے پارینہ اخبار و آثار کو چھوڑ کر صرف امتِ مرحومۂ مصطفویہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں دکھلائے دیتے ہیں جسکی حمایت۔ حفاظت اور اعانت کے فرائض خدمت جزوِ امامت قائم ہو چکے تھے۔ جو نظام کہ اِن حضراتِ مقدّسین سے خاص طور پر وابستہ تھے وہ نظامِ امّت۔ احکامِ دینیہ کی حفاظت۔ معرفت الٰہیہ کی اشاعت اور امورِ شرعیہ کی حمایت و اعانت کے امور تھے۔ اب اِن امور کو دیکھکر ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ فرائض۔ یہ خدمات۔ کبھی اور کسی طرح مُلکی سیاست اور نظامِ حکومت کی ذمّہ داریوں سے کم نہیں تھے۔ بلکہ اگر حقیقی طور پر دیکھے جائیں تو اِن کی ذمّہ داری اور جوابدہی اُن سے کہیں زائد تھی اور ایسی تھی کہ مخلوق سے لیکر خالقِ مطلق تک اُسکا سلسلہ قائم اور باقی تھا۔ ان قرائن اور اسباب کو مدِّ نظر رکھکر ہر شخص بآسانی نتیجہ نکال لے سکتا ہے کہ ایک امام منصوب من اللہ کے فرائض ایک حکمران مامور عن النّاس کی خدمات سے کہیں زیادہ سخت اور دشوار معلوم ہوتے ہیں۔ اِسی لیے عام فطرتِ انسانی اُن کی انجام دہی اور ادا کاری سے بالکل قاصر اور مجبور ہے۔ ہاں اِن فرائض اور اِن کی تمام شرائط کو وہی نفوس بجا لا سکتے ہیں۔ اور اِن خدمات کو وہی وجودِ ذیجود پورا کر سکتے ہیں جن کی انسانی ترکیبیں نورانی اجزا سے مرکب کی گئی ہیں۔ اور جن کے فضل و کمال کی تحصیل کی تعلیم بالکل روحانی اور وہبی طریقوں سے پہنچائی جاتی ہے۔ نہ کسی ظاہری اور کسبی ذریعہ سے۔ اُنکے تعیّن اور ماموری سے پہلے اُنکے قلوب کے امتحان لیے جاتے ہیں۔ اُن کے اوصاف و کمال کی کامل آزمائش کر لیجاتی ہے۔ اور جب وہ ہر طرح سے **نفسِ مطمئنّہ** کے درجۂ علیہ میں پورے اُتر جاتے ہیں اور فادخلی فی عبادی کی عرش الکمال تک پہنچے ہوئے ثابت ہوتے ہیں۔ تب کہیں ان تمام مراتب کے طے ہو جانیکے بعد یہ عظیم الشان اور جلیل القدر مناصب اِن بزرگواروں کو تفویض فرمائے جاتے ہیں۔ یہ امور آپس کی پنچایت۔ طرفداری اور رعایت سے تھوڑے ہی دستیاب ہوتے ہیں اور ایسا تھوڑا ہی ہو سکتا ہے کہ دس آدمی متفق ہو کر ایک جگہ جمع ہو گئے اور احمد کی پگڑی محمود کے سر بندھ گئی۔

یہ امور بالکل قدرت کے خاص نظام سے متعلّق تھے اور ان میں انسانی تجویز و تدبیر کی مطلق گنجائش نہیں تھی اِسی وجہ سے یہ امور دنیاوی سلاطین کے سپرد نہیں کیے گئے اور یہی وہ خاص وجہیں تھیں جن کی وجہ سے ان حضرات کی مالی حالت اگرچہ روز بروز کم ہوتی گئی۔ دنیا کی کس مپرسی اور زمانہ کی نامہربانی نے انکو پانی کی طرح آنکھوں سے گرا دیا مگر با ایں ہمہ جس جاہ و جلالت اور شان و عظمت سے یہ حضرات اپنے حصیرِ قناعت پر گوشہ نشین اور عزلت گزیں رہتے تھے ویسی نموداری اور ذی اقتداری کسی فرمانروائے سلطنت کو اپنے سریرِ حکومت پر نصیب نہیں ہوتی تھی۔ یہ ایک ایسا مسلّمہ امر ہے جس پر تمام اسلامی فرقوں کا اعتراف و اتفاق ہو چکا ہے۔ اور اہلِ اسلام کے علاوہ دنیا کی تمام قومیں بھی اِس کو تسلیم کر چکی ہیں اور اسی سے آیۂ کریمہ العزۃ للہ و لرسولہ وللمؤمنین

کے اصلی مدعا کو بخوبی سمجھ لیا جاسکتا ہے۔

بہرحال۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اتنا اوپر بیان ہوچکا ہے کہ امام عصر کو سلاطین کی احتیاج نہیں مگر سلاطین کو امام عصر کی ضرور احتیاج ہے۔ دنیا کو ہر وقت امام کی ضرورت ہے اور امام اپنے منصب امامت کے اعتبار سے تمام مخلوق کی ہدایت اور حفاظتِ شریعت کا ذمہ دار ہے۔ امام منصوب من اللہ کے مقابلہ میں امام ماموعن النّاس کا کوئی وجود اور کوئی ہستی ثابت نہیں ہوتی جیساکہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے مدارج ومناصب میں ترقی کرتا ہوا کتنا ہی اعلےٰ کیوں نہ ثابت ہو مگر وہ امام منصوب من اللہ کا فضائل ومراتب میں کبھی مساوی اور برابر نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح عام اِس سے کہ کتنی ہی بڑی عظمت وجلالت اور شان وشوکت کا کوئی بادشاہ اور بہت ہی بڑی اقلیم کا فرمانروا کیوں نہو۔ اور وہ اپنی موجودہ ثروت واقتدار کی بدولت چاہے دنیا بھر سے مستغنی اور بے پرواکیوں نہو۔ مگر تاہم وہ امام منصوب من اللہ کا کسی نہ کسی وقت میں محتاج ضرور ہوگا۔ اور جب اُس کو امورِ شرعیہ اور نصابِ دینیہ کی ضرورتوں سے مقابلہ ہوگا تو وہ آخرکار ہر طرف سے مجبور ہوکر پھر اُنہی نفوسِ قدسیہ کی طرف رجوع کریگا۔ کیونکہ ان امور کی کشود کاری سوائے اِن حضرات کے کسی دوسرے سے دنیا میں ممکن نہیں ہے۔ نظامِ قدرت اور نصابِ مشیّت نے ایسا نہیں کیا کہ ان حضرات کے مسئلۂ ترجیح کو کسی وقت دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی رکھا ہو۔ سیر وتواریخ کی کتابوں سے جہاں تک اِن امور کا تفحّص وتجسّس کیا جاتا ہے یہ امر اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے ہر وقت اور ہر زمانے میں اپنی قدرت کے اعلان کے ساتھ ان حضرات کے کمالِ فضیلت کا اظہار فرمادیا ہے اور تنہا اظہار ہی نہیں فرمایا ہے بلکہ اُن تمام خاص مخالفین سے جو ان حضرات کے ساتھ ہمیشہ سے مساوات اور ہمسری کے دعوے کرتے چلے آتے ہیں اور اُنکے مقابلہ میں اُنکے محامد واوصاف سے اپنی ذات کو بھی موصوف بتلاتے ہیں۔ ایک آدمی کے سامنے نہیں ہزارہا آدمیوں کے سامنے اُن سے اِن کے شرف وفضیلت کا اعتراف واقرار کروادیا اور اِسی تصدیق وتوثیق کو اُن کی حقیت وفضیلت کا اصلی معیار قرار دیدیا۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء

مخالفین کا اِن حضرات مقدّسین کے شرف وفضیلت پر اقرار اور اُن سے استمداد اور اُنکی اعانت کا اعتراف کرنا ہم ذیل میں قلمبند کرکے کمالِ قدرت کے ادنےٰ نمونے اور کرشمے کو دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

تاریخ وسیر کی چھوٹی بڑی تمام کتابیں بتلارہی ہیں کہ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زمانہ کی توجہ کا رُخ اور اہلِ زمانہ کے التفات کی نظر اُن کی ذرّیاتِ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے بالکل پھر گئی اور یہ حضرات رفتہ رفتہ پھر تو ایسے نابرساں بناکر چھوڑ دیے گئے کہ کوئی بھی شخص دنیا میں اُنکو کسی کام کے قابل نہ سمجھتا تھا اور معدودے چند لوگوں کے سوا کوئی دوسرا شخص ان کے فضائل ومدارج کا جاننے والا اور اِنکی پوری شان اور معرفت کے ساتھ پہچاننے والا مشکل سے ملتا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ع اے فلک آں ابتدا ایں انتہائے اہلبیتؑ۔

جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد خلافت کے جدید مدبّرین نے خلافت۔ امامت۔ ولایت۔ غرض دنیا بھر کے محاسن و محامد کا مرکز اُسی شخص کو قرار دیا جو اہلِ حل وعقد (اہلِ عرب کی پنچایت) کی طرف سے خلافت کا منتظم قرار دیا گیا ہو مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان حضرات کے عجز و نا قابلیت کی کُل کیفیت ظاہر ہو گئی اور ان کے ظاہری اور مصنوعی دعووں کی ملمع کاری اور تمام بیرونی قلعی کھُل گئی۔ اور تمام دینی اور شرعی مسائل کی ضرورتوں میں کیا اکثر سیاسی اور تمدّنی امور کی مشکلوں اور ضرورتوں میں بھی اِن کو پھر اُسی نفسِ نفیس کی امداد واعانت اور اصابتِ رائے کی محتاجی ہوئی جو ان کے زمانہ میں امام منصوب من اللہ کے درجۂ اعلےٰ پر ممتاز تھا۔ چنانچہ حضرت عمر کے یہ اقوال اور اُن کے عجز و معذوری کے اعتراف میرے بیان پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ وہو ہٰذا۔

لا ابقانی اللہ بعدی یا علی (علامہ خجندی) لا یفتین احد فی المسجد وعلی حاضر (امام عبد البر) اقضانا علی (امام سلفی) لولا علیّ لھلک عمر (ابن حجر) اعوذ باللہ من معضلۃ لیس لھا ابو الحسن (محب طبری)، یا ابن ابیطالب ما زلت کاشف کلّ شبہۃ و موضع کلّ حکم (طبرانی) اللّٰھم لا تنزل لی شدّۃ الا ابو الحسن فی جنبی (امام طبری) عجزت النّساء ان یلدن مثل علیّ ابن ابیطالب (ایضًا)

الخ متواتر اور متعدد اعتراف اور اقرار کی موجودگی میں وہ کون شخص ہوگا جو اب بھی اِن حضرات کے مسئلۂ ترجیح و تفضیل کو ناتمام یا مشتبہ بتلائیگا۔

بہر حال۔ ان اعترافات نے بتلادیا کہ دنیا کے تمام درجہ اور طبقہ کے لوگوں کو امام منصوب من اللہ کی ضرورت اور محتاجی ضروری اور لازم ہے ہم نے جہاں تک اِس امر پر غور کیا ہے ہم کو ثابت ہوا ہے کہ کچھ مسائلِ شرعیہ اور امورِ دینیہ کی ضرورتوں پر موقوف نہیں بلکہ نظامِ ملکی کی ضرورتوں کے وقت بھی خاص خلافتِ راشدہ نے بھی جس کے برحق ہونے پر آج اسلام کا سوادِ اعظم ایمان لایا ہوا معلوم ہوتا ہے امام منصوب من اللہ کی طرف رجوع کی ہے۔ اور اُن میں بھی اُن کی ہدایت کے مطابق ویسا ہی کام کیا ہے جیسا کہ امورِ شرعیہ کی تعمیل کی ہے۔ اور اسی وجہ سے اِن امور میں اُن کو برابر اور مسلسل کامیابی ہوتی گئی ہے۔ جن لوگوں نے اسلامی تاریخ کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ محاصرۂ روم اور فارس کے اہم مسائل پیش آنے کے وقت مجلس شورےٰ میں حضرت عمر نے تمام صحابہ میں سے جنابِ امیر المؤمنین علی ابنِ ابیطالب علیہ السلام کے استصوابِ رائے سے کام کیا۔ ہم نے اپنی کتاب سراج المبین فی تاریخ امیر المؤمنین علیہ السّلام حصۂ اوّل میں ان واقعات کو پوری تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ ومن شاء فلیرجع الیہ۔

اب اِس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وجودِ امام علیہ السّلام کی ضرورت کچھ امورِ شرعیہ اور ضروریاتِ دینیہ ہی میں درکار نہیں ہوتی تھی بلکہ سیاستِ مدن وغیرہ وغیرہ تمام ضرورتوں میں اُسکی اطاعت اور متابعت ضروری اور مفید ثابت ہوتی ہے۔ ہم نے اپنے موجودہ سلسلہ کے ہر نمبر میں ترتیب و تفصیل سے

اس امر کو بیان کر دیا ہے اور جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کے وقت سے لیکر حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے زمانہ تک امور شرعیہ و نصاب دینیہ کو چھوڑ کر سیاست مدن کے اُن واقعات اور مشکلات کو واضح طور سے لکھدیا ہے جس میں اِن حضراتؑ سے پوری مدد لی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہے کہ اِن واقعات سے ثابت ہوگیا کہ دنیا اور دنیا کا کوئی کام ایسے نہیں ہیں جن میں امام زماں کی ہدایت اور اعانت کی ضرورت نہ پائی جاتی ہو۔ باایںہمہ اگر دنیا کی غافل قومیں ایک حد اور مُدّت تک اُن کے وجود کو بیکار اور غیر مفید سمجھیں تو اُن کی حالتوں پر خود کردہ را علاجے نیست کی مثال صادق آئیگی۔ اور اس میں خود اُن کا قصور اور اُن کے فہم و شعور کا پورا فتور ثابت ہوگا۔ نہ اس میں امام زماں کی کوئی خطا ظاہر ہوتی ہے اور نہ کوئی فرو گزاشت۔ اسکی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہوکر خانۂ کعبہ کو خانۂ خدا نہ سمجھے اور اس لیے مناسکِ حج نہ ادا کرے تو خانۂ کعبہ زاداللہ شرفہا کی نہ کوئی منزلت گھٹ سکتی ہے اور نہ اُسکی عظمت و حرمت میں کوئی کمی پیدا ہوسکتی ہے۔ جو کچھ باز پرس اور جوابدہی لازم آئیگی وہ اُسی مرد مسلمان کے سر جائیگی جو اس کے آداب کا قائل اور معترف ہوکر اس بات کی ہتکِ حرمت اور ترکِ عظمت کا باعث ہوا۔ اسی طرح ایک مسلمان کیا۔ خدانخواستہ سارے جہان کے مسلمان خانۂ خدا کے آداب کو ترک کر دیں تاہم اُس کی عظمت میں کوئی کمی نہیں آسکتی اور نہ اُس کے لیے یہ مجبوری ہوسکتی ہے کہ وہ خود اِن مسلمانوں سے اپنی عظمت کیے جانے کی درخواست کرے یا متمنّی بنے۔ بلکہ ایسی حالت میں بھی اُنہی مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اپنی ضلالت و جہالت سے تائب ہوکر پھر اُس حرم محترم کی طرف رجوع کریں اور اُسکے آداب بجالائیں۔

بہرحال۔ میرے اس تمام و کمال بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ سلاطین اور فرمانروایانِ مُلکی نے اپنے مُلکی یا مالی اعتبار و اختیار کے مقابلہ میں حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کو کسی لائق نہیں سمجھا اور نہ اپنی مُلکی رعایا کو اُنکی اقتدا اور متابعت کرنے دی تاہم اُنکے فضائل و مراتب میں کوئی کمی نہیں آئی۔ نہ وہ اپنے مناصب سے علٰحدہ کیے گئے اور نہ اپنے فرائض کی ادا کاری اور انجام دہی سے جُدا ہوئے۔ اُنکی خاص حالتیں اگرچہ کیسی ہی گری گزری کیوں نہوں اور وہ اپنی ناداری اور عسرت کی وجہ سے بالکل دربستگی اور دست و پاشکستگی کی حالتوں میں کیوں نہ بسر کرتے ہوں۔ تو اس سے کیا۔ اُنکے ارشاد و ہدایت کے آثار اُنکی عظمت و جلالت کے اقتدار اُسی طرح تمام بلادِ اسلامی میں جاری اور قائم رہے۔

آپ کے نظامِ امامت

اتنا تمہیداً عرض کرکے پھر ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام نے اپنے پدرِ عالیمقدار حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کی وفات کے بعد اپنے عہدۂ جلیلہ اور منصبِ رفیعۂ امامت کے فرائض جو منجانب اللہ آپ کے سپرد فرمائے گئے تھے انجام دینے شروع کر دیے مگر چونکہ ابتدا ہی سے نظامِ مشیّت نے آپکے تمام امور کو ایک خاص اختفا کی حالت میں رکھا جانا عین مصلحت سمجھا تھا جس کو ہم مفصّل طور سے اوپر کی بحث میں بیان کرآئے ہیں۔ اِس لیے اِن فرائض کے متعلق تمام احکام بہت بڑی حزم و احتیاط کے ساتھ

اُنہی سفراء اور نائبین کے ذریعہ سے انجام دیے جاتے تھے جو حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے زمانہ ہی سے مؤمنین خالصین کے اغراض و مقاصد کو آپ کی خدمت میں عرض کیا کرتے تھے۔ مگر چونکہ اُن کے عہدِ کرامت مہد سے آپکے وقت کی دشواریاں بڑھ گئی تھیں جن کے اسباب عنقریب ہمارے سلسلۂ بیان سے مفصّل معلوم ہونگے۔ اس لیے اُن انتظامات میں پہلے سے زیادہ اضافات فرمائے گئے۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے وقت میں تو صرف رقمِ خمس وغیرہ کے ایسے امور کی وصولی میں سفراء اور نائبین وغیرہ کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ پھر بھی آپ کی خدمت میں مومنین کا جمع ہونا۔ چونکہ مخالفین کے ازدیادِ مخالفت اور آپکی تکلیف و زحمت کا باعث ہوتا۔ اس ترکیب سے روک دیا گیا تھا۔ مگر آپ کے عہد میں یہ دشواری اور مجبوری روز بروز ترقی کرتی گئی۔ قیامت تو یہ ہوئی کہ بیرونی جوڑ توڑ لگانیوالے تو علیحدہ رہے۔ جنابِ قائم آلِ محمد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مخالف اور جانی دشمن آپ کے گھر والے نکلے۔ جنہوں نے محض جھوٹی اور بے سروپا باتیں آپکی طرف سے لگا کر خلیفہ کو اور بھڑکا دیا۔ اِس لیے جیوں جیوں اِن مخالفین کی مخالفانہ گرم بازاری بڑھتی گئی ویسے ہی ویسے آپ کے نظامِ امامت میں رازداری اور حفاظت و ہوشیاری کے اضافات بھی منجانب اللہ زیادہ ہوتے گئے۔

جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کی وفات کے وقت سے رؤیت عموماً موقوف ہو کر خاص خاص۔ وہ بھی صرف معدودے چند خوش قسمت حضرات تک مخصوص و محدود رکھی گئی تھی۔ آپکے خاص زمانہ میں تو عام یا خاص۔ رُویت کا شرف عموماً سب کے لیے ممنوع ہو گیا۔ اور جملہ امور کی اطلاع اور احکام و نصابِ ہدایت کی تمام اجراء و اعلان سفراء و نائبین سے متعلّق کر دیے گئے۔ اور انہی حضرات کو حضوری اور زیارت کی دولت بھی نصیب ہوتی رہی۔ مگر جب مخالفین کی شورش اور زیادہ ہوگئی تو یہ سفراء بھی عموماً زیارت سے محروم رہنے پر مجبور کر دیے گئے۔

سفراء و نائبین و حاجزین کے حالات

اگرچہ سفراء۔ حاجزین اور نائبین وغیرہ کے انتظام جنابِ امام علی نقی علیہ السّلام ہی کے زمانہ سے تھوڑے تھوڑے شروع تھے۔ اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ میں یہ انتظام کامل ہو چکے تھے۔ مگر جیساکہ ہم اپنی کتاب العسکری علیہ السّلام میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ حضرات مؤمنین سے رقومِ خمس وصول کر کے خدمتِ امام میں پہنچا دیا کرتے تھے۔ جنابِ قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کے عہد میں بھی اگرچہ یہی خدمات ان حضرات سے متعلّق رہیں مگر وصولی خمس کی ضرورتوں کے ساتھ ہی اور تمام امور کی اطلاع و اجراء کا بھی کافی اضافہ فرما دیا گیا۔ جس کی کوئی اور وجہ سوائے اسکے نہیں ہو سکتی تھی کہ رُویت کے ممنوع ہو جانے کے باعث ہدایتِ عامّہ۔ استحفاظِ شریعت اور دیگر ضروریات کے اجراء و انجاح کی کوئی دوسری سبیل بغیر ان انتظامات کے نہیں تھی۔ اور اگر حقیقت میں یہ انتظام جاری نہ فرمائے جاتے تو شاید وقتِ ولادت سے لیکر غیبتِ صغرےٰ تک آپ کی حیاتِ والاصفات کا زمانہ محض بیکار ثابت ہوتا۔

بہر حال۔ اس وقت جن طریقوں سے احیائے سنت۔ حفظانِ شریعت اور اجرائے ہدایت کے انتظام کیے گئے وہ یہ تھے کہ بڑے بڑے شہروں میں دو دو تین تین بلکہ ان سے بھی زائد سفراء مقرر فرمائے گئے اور قریوں اور قصبوں میں ایک یا ایک سے زائد ان سفراء کے نائبین مقرر کیے گئے۔ اور قریوں اور قصبوں سے بھی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں نائبین سفراء کی ماتحتی میں حاجزین مقرر ہوئے۔ حاجز عربی کا اسمِ فاعل ہے جسکے معنی حدِ فاصل ہونیکے ہیں اور مجازاً ذریعہ۔ وسیلہ اور واسطہ کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور یہاں بطورِ مجاز انہی معنوں میں مستعمل ہے۔ بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی تھیں جہاں مومنین کی تعداد بالکل کم تھی اور باعتبار شمار کے وہاں ایک علٰحدہ سفیر۔ نائب یا حاجز مقرر کیے جانیکی مصلحت نہیں تھی۔ اس لیے ایسے ایسے دو دو۔ تین تین۔ چار چار مقامات کو ایک آبادی قرار دیکر ایک وکیل۔ سفیر یا حاجز کے سپرد فرما دیا گیا۔ پھر ان سفراء نائبینِ سفراء۔ حاجزین اور وکلاء پر وہ مقدس بزرگ راس الرئیس مقرر کیا گیا جو شہرِ بغداد میں بالاستقلال مقیم رہتا تھا۔ اور وہیں کا مقامی تھا۔ یہ تمام حضرات اپنے تمام مطالب و مقاصد کو اس کے ذریعہ سے امام زماں علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور وہ اپنی ہی معرفت تمام معروضاتِ مومنین پر آپ سے حکم و احکام حاصل کرتا تھا۔ اموالِ خمس کے جمع کرنیکے بھی یہی طریقے تھے مگر بعض حالات و واقعات کو دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات نے بلا واسطہ نوابین اور سفراء وغیرہم کے اپنے معروضات کے جواب پائے ہیں۔ مگر جہانتک اس مادہ میں ہماری تحقیق کام کرتی ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ امورِ مستثناۃ آپ کے ظاہری نظام سے علٰحدہ ہو کر آپ کے روحانی اعجاز و کرامات سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور نظامِ مشیت اور احکامِ قدرت پر موقوف ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسے امور کا ظہور انہی وقتوں میں پایا جاتا ہے جب کوئی مشتبہ اور مشکوک فی امر الامامۃ آپ کے درِ دولت پر حاضر ہوا ہے۔ اور اپنے مسائل کو امتحاناً اپنے دل میں رکھکر یا غیر امتحاناً عریضہ کی معمولی صورت میں لکھکر کسی خادمِ خاص کے ذریعہ سے خدمتِ مبارک میں بھیج چکا ہے۔

سفراء اور نائبین کے نام اور مقامِ ماموریت

اب ہم اپنے آیندہ بیان میں اُن حضرات کے نامِ نامی اور اُنکے مقامِ ماموریت درج کرتے ہیں جو آپکی طرف سے مامور ہو کر ان خدمات کو انجام دیتے تھے مگر قبل اس کے کہ ہم ان حضرات کی تفصیل کو بیان کریں ہمکو یہ لکھدینا نہایت ضروری ہے کہ ہم اِس تفصیل و تشریح سے کہ یہ حضرات ان خدمات و مناصب پر کس وقت سے کس وقت تک قائم رہے اور اُنکے دورانِ تعین میں اور کون کونسے واقعات پیش آئے۔ بالکل مجبور اور قطعی عاجز ہیں۔ اور اسی کی خاص وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ یہ امور بالکلیہ اسرارِ ربانی اور آیات و آثارِ یزدانی سے تعلق رکھتے تھے۔ انکی حقیقت معلوم کرنیکی کوشش کرنا مشیت کے نظام اور قدرت کے انتظام میں خواہ مخواہ مداخلت کرنا ہے جو انسان کی شان کے خلاف اور اُسکے امکان سے باہر ہے۔ مُلا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار جلد سیزدہم میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپکے نوابین کے سلسلہ مخصوصہ میں

سب سے پہلے عثمان ابن سعید عمری رضی اللہ عنہ کو امر نیابت تفویض کیا گیا۔ انکی وفات ۲۹۵ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ یہ بزرگ جناب امام علی نقی علیہ السلام کے اصحاب معتمدین سے بھی تھے اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بھی۔ انکی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے محمد ابن عثمان عمری رضی اللہ عنہ اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ انکی وفات ۳۰۵ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد نیابت کا عہدہ حسین ابن روح رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمایا گیا جو آپ کے آخر نائبین میں سے تھے۔ یہ بزرگ غیبت کبرےٰ کے چند سال پیشتر تک ان خدمات کو انجام دیتے رہے۔ بعد اسکے انتقال فرما گئے۔ انکے انتقال فرما جانے سے نیابت کا عہدہ قطعی طور پر موقوف ہو گیا اور پھر کوئی دوسرا نائب نہ ہوا۔ ان کا انتقال ۳۲۹ھ ہجری میں واقع ہوا اور ۳۳۰ھ ہجری سے غیبت کبرےٰ کے ایام شروع ہو گئے۔

بہرحال۔ یہ حضرات مقدسین تو وہی تھے جو جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے نائب اور قائم مقام ظاہری تسلیم کیے جاتے تھے۔ اب ہم وکلاء، سفراء، نائب سفراء اور حاجزین وغیرہ کے نام اور انکی ماموریت کے مقام ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ محمد ابن عبداللہ کوفی جو وکلاء کوفہ سے تھے اور بذات خاص اس عہدہ کی خدمات بجا لاتے تھے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے نائب خاص کے علاوہ شہر بغداد میں تین حضرات آپکی سفارت اور وکالت کی خدمات پر مامور تھے۔ یہ امر اس وجہ سے بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ دار الحکومت ہونیکی وجہ سے شہر بغداد (بغداد) تمام روئے زمین میں اسلامی دنیا کا مرکز تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہاں خاص طور پر ہزاروں شیعہ آباد تھے جو تقیہ کے احکام کے مطابق کتمان ایمان کے طریقہ پر قائم تھے۔ مگر باطنی طور سے وہ شریعت کے تمام اعمال احکام ظاہری کے مطابق بجا لاتے تھے۔ اور ایسا کرنیکے لیے وہ مجبور تھے۔ ان مقامی باشندوں کے علاوہ بلاد اسلامی کے تمام شیعہ اپنی ضرورت سے یہاں آتے تھے اور خاصکر نوابین اور سفراؤ وکلاء امام علیہ السلام سے ملکر شریعت کے احکام اور دریافت مسائل کی یہی ضرورتیں انکی بیشمار اور لاتعداد جماعتوں کو مختلف دیار وامصار سے یہاں کھینچ لاتی تھیں۔ پھر اتنے کثیر لوگوں کی مختلف اور متفرق ضرورتوں کو ایک نائب تنہا اپنی ذات سے کیسے انجام دے سکتا تھا اور اگر وہ اپنے خلوص عقیدت کی وجہ سے ان امور کو کسی نہ کسی طرح پورا بھی کرتا تو پھر رازداری اور احتیاط کے بند وبست کامل نہیں ہو سکتے تھے۔ افشائے راز کا خوف لگا تھا۔ اسی وجہ سے خاصکر شہر بغداد میں نائبین کے علاوہ متعدد سفراء۔ وکلاء کا مقرر کیا جانا نہایت ضروری اور مفید تھا۔ انہی امور پر لحاظ وغور کر کے شہر بغداد میں نائبین کے علاوہ بلالی اور عطار رحمہما اللہ تعالےٰ وکالت کے عہدہ پر مامور فرمائے گئے۔ کوفہ میں عاصمی اور محمد ابن عبداللہ کوفی وکالت کا کام کرتے تھے۔ اہواز میں محمد ابن ابراہیم ابن مہزیار مامور تھے۔ قم میں احمد ابن اسحٰق اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ ہمدان میں محمد ابن صالح اس عہدے پر مقرر تھے۔ رَے میں دو بزرگوار سفارت و وکالت کی خدمات بجا لاتے تھے۔ اس لیے کہ یہاں شیعہ آبادی اس وجہ سے زیادہ ہو گئی تھی کہ وہ غریب اور مصیبت زدہ شیعہ جو سلاطین عباسیہ کے ظلم سے خارج البلد کیے گئے تھے یہیں آ کر آباد ہوئے تھے۔ بہرحال اس علاقہ میں بستامی اور اسدی رحمہما اللہ تعالےٰ

عہدۂ سفارت و وکالت پر فائز تھے۔ آذربائیجان میں قسم ابن علاء رحمۃ اللہ علیہ سفارت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ شہرِ نیشاپور میں محمد ابنِ شاذان علیہ الرحمہ کو یہ عہدہ تفویض فرمایا گیا تھا۔

ان حضرات کی خدمات یہ تھیں کہ انکی خاص سکونت اور دیگر مقاماتِ قرب وجوار کے مؤمنین اپنی اپنے مسائل اور دیگر ضروریاتِ شرعیہ جن میں حکمِ امام علیہ السلام کی خاص ضرورت واقع ہوتی تھی انکے پاس لیکر آتے تھے اور اپنے مدعا کو خواہ زبانی یا تحریری ذریعوں سے بیان کرتے تھے۔ اور یہ حضرات اپنے انتظامات سے اُن کے یہ مراسلات آپ کی خدمتِ بابرکت میں پہنچا دیتے تھے اور اُسکے مناسب جوابات آپکے دستخط اور مُہرِ خاص سے منگاکر اُنکو حوالہ کر دیتے تھے اور یہی تحریری احکام شیعی دنیا میں توقیعاتِ مقدسہ کے نام سے مشہور ہیں۔ بعض اوقات مُؤمنین کی یہ زبانی گزارش یا تحریری عرضداشت خود بذاتِ خاص یہ سفراء اور وکلاء لوگ آستانِ مبارک پر حاضر ہوکر عرض کرتے تھے اور حکم واحکام لیکر اپنے اپنے مقامات پر واپس جاتے تھے مگر انکے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ ہر بار یہ حضرات آپکی زیارت سے بھی مشرف ہو سکیں۔ کبھی کبھی مشرف بھی ہوتے تھے اور کبھی نہیں بھی ماذون نہ ہونے کی حالت میں یہ حضرات کسی خادمِ امام کے ذریعے سے خدمتِ مقدّس میں پیش کرتے تھے۔ اور حکم واحکام منگا لیتے تھے۔ مگر واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفراء اور وکلاء بھی اکثر اوقات اپنی معروضات کو نوابینِ آنحضرتؑ کے ذریعے سے پیش کرتے تھے۔ مگر یہ امور زیادہ تر مالی معاملات میں ثابت ہوئی ہیں اور حقِ امامؑ یا اموالِ خمس وغیرہ کی اداکاری اور وصولی اسی طریقہ سے ہوتی تھی اور یہ وہی طریقہ تھا جو جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کے عہدِ امامت سے برابر جاری تھا۔

علاوہ اِن ضروریاتِ دینیہ کے جو اوپر لکھی گئیں وہ اموال۔ ہدیے اور انواع واقسام کے تحائف اور مختلف طرح کے اسباب۔ جنس اور اموال جو منجانبِ خدا اُور رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم حقِ امام علیہ السّلام قرار پا چکے تھے مُؤمنینِ خالصین اپنے اپنے مقامات سے سفراؤ وکلاء کے پاس خدمتِ امامؑ میں پہنچا دیے جانیکے لیے امانتاً جمع کر جاتے تھے۔ اور وہ حضرات اپنے توسّل اور معرفت سے یہ رقوم آپکی خدمت میں پہنچا دیتے تھے۔ آپکی خدمتِ بابرکت سے اُنکی رقم کی رسیدیں نام بنام ہر ارسال کنندہ کے نام علٰحدہ علٰحدہ مع سفراء کی معرفت کے مُہر و دستخط سے خاص طور پر نوّابین کے پاس آتی تھیں اور وہ لوگ سفراء کے پاس بھیجتے تھے۔ اور سفراء سے ارسال کنندگان کو ملجاتی تھیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان اموال کے داخل کرنیکے وقت یہ سفراء اور نوّابین بذاتِ خاص اُن مؤمنین (ارسال کنندگان) کی کوئی تفصیل یا فہرست داخل نہیں کرتے تھے۔ صرف تعدادِ رقوم اور اقسامِ اموال ہندرج کردی جاتی تھی جو از راہِ اعجاز اُن مُؤمنین کے نام فرداً فرداً رسیدیں اپنے مُہر و دستخط سے مزین کرکے ارسال فرمائی جاتی تھیں۔ سفراء اور وکلاء کی طرح نوّابین بھی بعض اوقات اِن رقوم کو اصالتاً داخل کرنے کی غرض سے آستانِ مقدّس پر حاضر ہونے کی جرأت کو مصلحت نہیں سمجھتے تھے تو اِن رقوم کو ایسے وقتوں میں خادمانِ خاص کی

معرفت خدمتِ اقدس میں بھیجدیا کرتے تھے۔
اکثر اوقات دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اموال کا خدمتِ مبارک میں رکھ لیا جانا ہمیشہ ضروری نہیں تھا بلکہ اکثر اوقات ملاحظہ سے مشرّف فرما کر پھر یہ رقوم واموال نوابین کے پاس بھیجدیے جاتے تھے اور پھر وہاں سے اُسی وقت یا کچھ عرصہ کے بعد مستحقین مؤمنین میں حسبِ ضرورت تقسیم کر دیے جاتے تھے۔ زیادہ تر اِن اموال کے صرف کرنے کے یہی طریقے اور اصول تھے اور حقیقتِ حال اور قرائن و واقعات بھی ایسا ہی تبلا رہے ہیں کہ تقسیمِ اموال یا اُن کا ذخیرہ کرنا اُس زمانہ میں اگر آپ کے خاص ذاتی اہتمام سے ہوتا تو کس قدر غیر مناسب اور مخالفِ مصلحت تھا۔ ہاں ان اموال و رقومِ مرسلہ کی جانچ البتہ آپکی ذاتِ ہمایوں صفات سے متعلق تھی اور وہ چیز جو اِن اموال میں غیر مشروع طریقہ سے حاصل کردہ پائی جاتی تھیں فوراً واپس کیجاتی تھیں۔ یہاں تک کہ ناقص روپئے اور تانبا ملی ہوئی اشرفیاں بھی خدمتِ قدسی برکت سے اُسی وقت واپس اور مسترد فرمائی جاتی تھیں اکثر اوقات کمی اور بیشی مال کی بھی فوراً خبر دیدی جاتی تھی اور سفراؤ وکلاء کو لکھدیا جاتا تھا کہ تمہاری مرسلہ اشیاء میں سے اتنی اشیاء نہیں ہیں یا اتنی رقم کی جگہ تمنے اتنی ہی رقم بھیجی ہے۔ اتنی ابھی اور باقی ہے۔ یہ امور اکثر سفراؤ وکلاء کے اتفاقی سہو ونسیان کی وجہ سے واقع ہوجاتے تھے کیونکہ بعض اوقات یہ اشیاء سفراء اپنے مقام پر لیجاتے تھے لہذا آپکی خدمت میں نہیں پہنچتی تھیں۔ مگر ایسی خاص حالتوں میں اُنکو اُنکی فروگزاشتوں سے آگاہ کردیا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ مؤمنین کے اموال کے ساتھ سفراؤ وکلاء کی خاص چیزیں بھی ملکر چلی آتی تھیں وہ فوراً اُنکے پاس لوٹا دی جاتی تھیں اور اُن لوگوں کو حقیقتِ حال سے مطلع کردیا جاتا تھا۔

آپ کے نظامِ امامت کے متعلق چند واقعات

اب ہم ذیل کے بیانات میں چند ایسے واقعات قلمبند کرتے ہیں جن سے ہمارے اوپر کے بیان اور دعوے کی کامل تصدیق ہوتی ہے۔

(۱) یحیےٰ ابن کثیر نوبختی بیان کرتے ہیں کہ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے نائب اور سفیر حضرت ابو جعفر ابنِ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بار مؤمنین قم کا کچھ مال خدمتِ امام علیہ السّلام میں بھیجا دیے جانیکے لیے آیا۔ اُس شخص آرندۂ مال نے وہ امانت انکے حوالہ کرکے جونہی چاہا کہ اُن کی خدمت سے واپس آئے وُونہی جناب صاحب الامر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت سے ایک حکمنامہ حضرت ابو جعفر کے نام صادر ہوا۔ اُسے پڑھکر اُنہوں نے حامل کو واپس بلایا اور کہا۔ مالِ امام علیہ السّلام میں سے کوئی چیز تمہارے پاس چھوٹ تو نہیں ہے؟ اُس نے کہا کچھ نہیں۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ اچھی طرح یاد کرلو۔ ایسا تو نہیں کہ کسی شئے کو تم اس وقت سہو کرتے ہو۔ اُس شخص نے جواب دیا کہ میں نے تمام وکمال چیزیں آپکے حوالہ کردیں۔ ابو جعفر رضہ نے فرمایا نہیں۔ کچھ نہ کچھ تمہارے پاس ضرور رہگیا ہے۔ اپنی فرودگاہ پر جاؤ اور اچھی طرح تلاش کرو اور اپنے ذہن میں بھی خوب یاد کرلو۔ چنانچہ وہ دو تین روز تک اپنے دل میں یاد کرتا رہا مگر کوئی چیز اُسکے ذہن میں نہ آئی

اور اُس نے اپنی فرودگاہ میں بھی ہر چند ڈھونڈھا مگر کچھ نہ پایا۔ اب وہ پھر حضرت ابو جعفرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ میں نے خوب تجسس و تلاش کیا۔ مالِ امام علیہ السلام میں سے اب کوئی چیز میرے پاس باقی نہیں ہے۔ جو چیزیں تھیں وہ سب آپکی خدمت میں حوالہ کر دیں۔ اُنہوں نے ارشاد فرمایا کہ حضرت قائمِ آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ مالِ امام علیہ السلام میں سے دو پارچۂ سرمائی جو فلاں شخص مومن نے مالِ امام علیہ السلام کے متعلق تمہیں دیے تھے وہ کہاں ہیں؟ اتنا سُننا تھا کہ اُس شخص کو فوراً یاد آگیا اور اُس نے کہا کہ البتہ یہ پارچے مجھے ضرور دیے گئے تھے لیکن مجھے اِس وقت یاد نہیں کہ میں نے اُنہیں کہاں رکھدیا ہے۔ یہ کہکر وہ پھر اپنی فرودگاہ پر واپس آیا اور اپنے اور اپنے تمام ہمراہیوں کے اسباب میں چھان مارا مگر کہیں اُن پارچوں کا نشان نہیں ملا۔ آخر عاجز ہو کر پھر ابو جعفرؓ کی خدمت میں واپس آیا اور حقیقتِ حال کہدی۔ ابو جعفرؓ نے ارشاد کیا کہ تمہیں حکم ہوتا ہے کہ فلاں پنبہ فروش کی دوکان پر تم بیٹھے تھے اور اُسکی روئی کے گٹھوں کو اُلٹ پلٹ کر رہے تھے۔ وہ دونوں پارچے وہیں چھوٹ گئے ہیں۔ وہیں چلے جاؤ اور اُنہی گٹھوں میں تلاش کرو۔ یہ سُنکر وہ شخص اُس مقام پر آیا اور حسب الارشاد اُن گٹھوں کے نیچے دیکھا تو وہ دونوں پارچۂ سرمائی دبے ہوئے پڑے تھے۔ اُس نے اُن پارچوں کو اُٹھالیا اور پھر ابو جعفر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس آیا۔ اُن کو دیا اور اپنے وطن کو لوٹ گیا۔

(۲) احمد ابن ابی رَوح بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو ایک مرتبہ دینور کی رہنے والی عورت نے بُلا بھیجا۔ جب میں اُسکے پاس گیا تو وہ مجھ سے کہنے لگی کہ میں تمہیں ناحیۂ مقدسہ کے بزرگوں میں سب سے زیادہ ثقہ اور معتمد سمجھتی ہوں اور تمہارے زہد و ورع سے بھی خوب واقف ہوں۔ میں تمہیں اس وقت ایک امانت سپرد کرتی ہوں۔ میں جسے کہوں تم اُسے پہنچا دو۔ میں نے کہا انشاء اللہ تعالےٰ میں ایسا ہی کرونگا۔ یہ سُنکر اُسنے مجھے ایک تھیلی دی اور کہا کہ اِس میں درہم سیے ہوئے ہیں مگر تم اسے کھولکر نہ دیکھنا۔ تاوقتیکہ اس کے پانیوالے کے پاس اسکو نہ پہنچا لینا۔ اور وہ پانیوالا بھی جب تک کہ تم کو اِس کے اندر کے درہموں کی پوری تعداد نہ بتلادے تم اُس کو یہ تھیلی نہ دینا۔ علاوہ اِسکے یہ میرا گوشوارہ ہے۔ اِسکی قیمت دس دینار ہے۔ اِس میں تین موتی گُندھے ہیں اُنکی قیمت بھی دس دینار ہے۔ مجھ کو حضرت صاحب الامر علیہ السلام سے ایک خاص حاجت ہے مگر اُسے خود بیان کرنا نہیں چاہتی بلکہ آپ ہی کی زبانِ صداقت ترجمان سے سُننا چاہتی ہوں۔ جب آپ اپنی زبانِ مبارک سے میری حاجت بیان فرمادیں اور اِسی طرح اس کیسہ کے اندرونی درہموں کی صحیح تعداد بتلادیں تو اُس وقت تم یہ دونوں چیزیں میری طرف سے اُنکی خدمتِ مبارک میں نذر کر دینا۔ میں نے کہا کہ اگر جنابِ صاحب العصر علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہاری حاجت مجھ سے خود بیان بھی فرمادیں تو میں اُسکی تصدیق کیسے کر سکتا ہوں اور (معاذ اللہ) اُسکو صحیح کیسے سمجھ سکتا ہوں۔ اِس لیے ضرور ہے کہ میں تمہاری اُس حاجت کو پہلے تمہاری زبان سے سُن لوں۔ تب البتہ حقیقت اور غیر حقیقت کی تمیز کر سکتا ہوں۔ یہ سُنکر اُس عورت نے کہا کہ میری حاجت یہ ہے کہ میری ماں نے میرے بیاہ میں دس دینار قرض لیے تھے۔ وہ مرگئی۔ مجھے اب تک یہ

معلوم نہیں ہوا کہ وہ دس دینار کس سے قرض لیے گئے تھے۔ اب میں حیران ہوں کہ وہ دس دینار کس کو دیکر اپنی غریب ماں کو عذابِ دین سے سبکدوش کر دوں۔ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام جب اِس کی خبر دیدیں تو تم یہ گوشوارہ اور کیسہ اُنکی خدمت میں میری طرف سے نذر کر دینا یا جسکو آپ فرمائیں یہ گوشوارہ حوالہ کر دینا۔

چونکہ جعفر ابن علی نقی علیہ السلام کی مخالفت کا یہ خاص زمانہ تھا اور لین اموال کی روک تھام کے لیے مومنین پر سخت تاکید کیجاتی تھی اور نہایت جبر ظلم اور تشدد کیا جاتا تھا۔ اِس وجہ سے میں نے اُس عورت سے احتیاطاً یہ بھی پوچھ لیا کہ اگر جعفر ابنِ علی نقی علیہ السلام مجھ سے اِس مال کو طلب کریں تو میں کیا جواب دونگا اُس نے کہا کہ بس یہی امور جو میں نے ابھی ابھی تم سے بیان کیے میرے اور اُنکے درمیان امتحان کے واسطے کافی ہونگے۔ اگر وہی تمکو اِس تھیلی کے درہموں کی تعدادِ صحیح اور قرض والے قصہ کی سچی خبر دیدیں تو تم بلا تامل یہ اشیا اُنہی کے حوالہ کر دینا۔

احمد کا بیان ہے کہ میں وہ امانت لیکر روانہ ہوا اور چند روزوں کے بعد شہرِ بغداد میں داخل ہوا اور حاجز ابن یزید وشا کے پاس گیا۔ اُسکو سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم کو مجھ سے کوئی خاص ضرورت ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اور وہ یہ ہے کہ میرے پاس مالِ امام علیہ السلام سے کچھ امانت ہے جسے میں تمہارے حوالہ کرنا چاہتا ہوں مگر اِس شرط سے کہ تم اُسکی پوری حقیقت مجھے پہلے بتلادو۔ یہ سُنکر اُس نے کہا کہ ایسی حالت میں تمہیں سر من رائے جانا چاہیے۔ وہیں تمہارا موجودہ مسئلہ حل ہو جائیگا۔ میں نے کہا لا الہ الا اللہ! یہ تو آپ نے مجھے بہت سخت کام بتلایا ہے۔ آخر کار میں مجبور ہو کر وہاں سے چلا اور سامرہ میں داخل ہوا اور قصد کیا کہ پہلے جعفر ابنِ علی علیہ السلام کے پاس جاؤں اور اُنکا امتحان لوں۔ پھر میں نے سوچا کہ مجھے پہلے آستانِ مقدس پر حاضر ہونا ضرور ہے۔ چنانچہ میں درِ دولت پر حاضر ہوا۔ فوراً ایک خادم اندر سے باہر آیا اور کہنے لگا کہ احمد ابنِ روح تمہارا ہی نام ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ یہ سُنکر اُسنے مجھے ایک رقعہ دیا جس میں یہ تحریر تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اے ابنِ روح! عاتکہ بنتِ دیرانی نے تم کو ایک تھیلی دی ہے اور تمکو گمان ہے کہ اُس تھیلی میں ایک ہزار دینار ہیں۔ حالانکہ اتنی تعداد نہیں ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ تم نے اپنی خدمت کو خوب ادا کیا اور صاحبِ امانت کی ہدایت کے مطابق ابھی تک اُس تھیلی کو کھولکر نہ دیکھا۔ اُس تھیلی میں ایک ہزار پچاس درہم ہیں۔ اِس کے علاوہ تمہارے پاس گوشوارہ بھی ہے۔ اُس عورت کے انداز میں اسکی قیمت دس دینار ہے اور اُس کا یہ اندازہ صحیح ہے۔ اِس گوشوارہ میں دو نگینے بھی ہیں اور اُن میں مروارید کے دانے بھی پروئے ہیں وہ بھی دس دینار پر خریدے گئے ہیں۔ لیکن فی الحال اُن کی قیمت زیادہ ملیگی۔ اِس گوشوارہ کو تو تم میرے فلاں خدمتگار کو دیدو کہ میں نے اُس کو اپنی طرف سے انعام میں دیدیا۔ اس کے بعد تم بغداد واپس جاؤ اور رقم ہمراہی حاجز کے سپرد کر دو۔ اور اُس سے اپنی زادِ راہ لیلو۔ اور عاتکہ کا سوال

کہ اُس کی ماں نے اُسکی عروسی کے خرچ میں دس دینار قرض لیے تھے۔ اب وہ اپنے قرض دہندہ کو نہیں جانتی ہے۔ اس امر کے متعلق اُسکو بتلایا جاتا ہے کہ اُس نے یہ دینار اُمِّ کلثوم بنت احمد سے قرض لیے تھے جسے وہ خوب جانتی ہے۔ مگر چونکہ اُمِّ کلثوم کا شمار فی الحال فرقۂ نواصب میں ہوتا ہے اس لیے عاتکہ کو چاہیے کہ یہ رقم اپنے اعزّہ اور اقارب پر صرف کر ڈالے اور اگر وہ اپنے اس فعل میں ہم سے اجازت طلب کرے تو میں اُسے اذن دیتا ہوں کہ وہ اِس رقم کو محتاج مؤمنین پر تقسیم کر دے۔ اے ابنِ روح! ہماری یہ تحریر تمہارے اطمینان۔ تصدیق و توثیق کے لیے کافی ہے۔ اب تم اِن امور کو ابو جعفر سے دُہرانے کا بیکار انتظار نہ کرو اور اپنے وطن کو براہِ راست واپس جاؤ کیونکہ تمہارا مخالف مر گیا اور خداوندِ عالم نے اُسکے اہل و عیال کے ساتھ اُسکے متاع و اموال بھی تم ہی سے متعلق فرما دیے ہیں۔

احمد ابنِ ابی روح کا بیان ہے کہ یہ حکم سُنکر میں فوراً واپس ہوا اور حاجز کو وہ تھیلی دی۔ کھولی تو اُس میں ایک ہزار پچاس دینار سیے ہوئے تھے۔ حاجز نے اُن میں سے تیس دینار مجھ کو زادِ راہ میں دیے۔ یہ رقم لیکر جونہی میں اپنی فرودگاہ پر واپس آیا وُہیں ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ تمہارے چچا نے قضا کی اور اُنکے اہل و عیال نے تمہیں بُلایا ہے۔ جلد چلو۔ میں فوراً اُس قاصد کے ہمراہ ہو لیا۔ مکان پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ فی الواقع میرے چچا نے جو مادام الحیات مجھ سے ناراض رہا کرتا تھا انتقال کیا۔ اُسنے اپنی میراث میں تین ہزار دینار مجھ کو دیے ہیں۔

(۳) جنابِ شیخ مفید نور اللہ مرقدہ کتابِ ارشاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ محمد ابنِ عبداللہ سیاری کا بیان ہے کہ حارث مرزبانی نے کچھ چیزیں مجھے دیں اور کہا کہ میں انہیں جہاں وہ چاہتے تھے (خدمت امام علیہ السّلام میں) پہنچا دوں۔ اُن میں ایک طلائی خلخال تھی۔ میں نے حسبِ خواہش اُسکے یہ تمام چیزیں خدمتِ بابرکت میں پیش کر دیں۔ سب چیزیں تو قبول فرما لی گئیں مگر وہ خلخال واپس کر دی گئی۔ اور مجھے حکم ہوا کہ اسکو توڑ ڈالو۔ چنانچہ میں اُس کو لیکر اپنے مقام پر چلا آیا اور حسب الارشاد اُسکو توڑا تو اُسکے اندر لوہے۔ تانبے اور پیتل کی ملی ہوئی ایک چیز داخل تھی۔ میں نے اُسے نکالکر اپنے پاس رکھ لیا۔ اور پھر خالص سونا خدمتِ امام علیہ السّلام میں پیش کر دیا۔ قبول فرما لیا گیا۔

(۴) کتابِ ارشاد میں علی ابنِ محمد کی اسناد سے تحریر ہے کہ اُنکے احباب میں سے کسی بزرگ کے پاس کچھ مالِ امام علیہ السّلام امانت رکھوایا گیا تھا کہ وہ اُسے آپکی خدمت میں پہنچا دیں۔ اُس میں ایک تلوار بھی تھی۔ اتفاقاً وہ تمام مال تو بجنسہٖ خدمتِ مطہّر میں پیش کر دیا گیا۔ مگر وہ تلوار سہواً چھوٹ گئی۔ سب چیزیں تو رکھ لی گئیں مگر ایک پرچۂ کاغذ پر لکھا ہوا آیا کہ منجملہ اِن اشیائے مرسلہ کے ایک تلوار نہیں ہے جسے تم سہو کر گئے ہو۔ اتنا اشارہ پاتے ہی مجھے خیال آ گیا اور وہ تلوار بھی خدمتِ اقدس میں فوراً حاضر کر دی۔

(۵) کتاب النجوم میں جعفر ابنِ محمد ابنِ جریر طبری کی اسناد سے مرقوم ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ابو العباس احمد سراج دینوری نے مجھ سے کہا کہ میں شہر اردبیل سے حج بیت اللہ کے شوق میں چلا اور شہرِ دینور میں داخل ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کی وفات کو کُل ایک یا دو سال گزرے تھے۔ اور شیعہ

امامِ زمان علیہ السّلام کی تحقیق کے خاص مسئلہ میں سخت متفکّر اور متحیّر تھے۔ جب میرے ہموطن مؤمنین نے میرا نام سُنا تو وہ سب شاد و مسرور ہوئے اور بہت سے لوگ میرے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ مالِ امام علیہ السلام میں سے ستّو دینار ہمارے پاس جمع ہیں اور ہم لوگ وہ تمام و کمال رقم تمہارے حوالہ کیے دیتے ہیں کہ جو نصابِ مخصوصہ اور طریقۂ مقررہ اِن اموال کے پہنچائے جانیکے لیے پیشتر سے مقرر ہوچکے ہیں اُنہی نصاب اور طریقہ سے تم ہماری رقم کو اُسکے مرکزِ اصلی تک پہنچا دو۔ میں نے اُنکے جواب میں کہا کہ ای میرے بھائیو! یہ ایامِ حیرت ہیں۔ اور میں خود اُس خانۂ مقدّس میں امامِ وقت کو نہیں پہچانتا۔ اُن لوگوں نے کہا اِسکی پروا نہ کرو۔ ہم تمکو نہ چھوڑینگے۔ اِس مال کو لیجاؤ اور تحقیقِ امام علیہ السلام کرکے اسکو اُنکی خدمت میں پہنچا دو کیونکہ تم سے بہتر اس کام کا کرنیوالا اب ہمکو نہیں ملیگا۔ تمہارے زہد و ورع اور صلح و اتّقا کا ہم لوگوں کو کامل یقین ہے۔ مگر ہاں اتنا کام ضرور کرنا کہ بغیر دلیلِ واضح اور برہانِ روشن کے دیکھے کسی شخص کو ہم لوگوں کی رقمِ امانت دے بھی نہ ڈالنا کہ مفت ضائع ہو جائیگی۔

احمد سراج کا بیان ہے کہ جب میں وہاں سے چل کر شہرِ قرمیسین میں پہنچا تو میرے احباب میں سے وہاں ایک صاحب احمد ابنِ حسن رہتے تھے۔ میں اُنکی ملاقات کو گیا۔ وہ مجھے دیکھکر بہت شاد و مسرور ہوئے اور پھر ایک ہزار دینار نقد اور انواع و اقسام کے کپڑے ایک گٹھڑی میں مضبوط باندھکر میرے حوالہ کیے اور مجھ سے اِس گٹھڑی کی نسبت کچھ نہ کہا اور نہ بتلایا کہ اِس میں کیا کیا ہے۔ مجھ سے صرف اتنا کہا کہ میری یہ امانت اپنی ہمراہ لیجاؤ مگر تاوقتیکہ کوئی شخص تم سے اسکی حقیقتِ حال کو خود نہ بتلائے تم کسی کو بھی اسے نہ دینا۔

خلاصہ یہ کہ میں نے اُن کی امانت بھی لیلی اور وہاں سے روانہ ہوکر شہرِ بغداد میں پہنچا۔ یہاں پہنچکر مجھے سفرا اور نائبینِ امام علیہ السلام کی تلاش و تحقیق پیدا ہوئی۔ مجھے لوگوں نے مختلف حضرات کے نام بتلائے۔ مگر ان حضرات میں خاص طور پر تین ہی بزرگواروں کے نام بتلائے گئے۔ مجھ سے کہا گیا کہ ایک صاحب باقطانی ہیں۔ دوسرے صاحب اسحٰق بن احمد نامی ہیں۔ تیسرے بزرگوار ابوجعفر عمری رضؓ ہیں۔ اِن تینوں حضرات کو امام علیہ السلام کی نیابت کا ادّعا ہے۔ اِن میں آپ جسے پسند کریں اُنکی معرفت اور وساطت کو اختیار کریں۔ یہ سُنکر سب سے پہلے میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا جن کا نام باقطانی تھا۔ جب میں اُنکے مکان پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ بڑے ذی وجاہت اور صاحبِ شان و شوکت ہیں۔ اُنکے طویلہ میں عرب کے اچھے اچھے اور قیمتی گھوڑے متعدّد۔ برابر برابر بندھے ہوئے ہیں اور خدمتگاروں کی معتدبہ جماعت علٰحدہ علٰحدہ خدمات پر مامور ہے اور اُنکے اِرد گرد بہت سے لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے۔ میں بھی اُنہی لوگوں کے حلقہ میں ایک طرف سلام کرکے بیٹھ گیا۔ باقطانی صاحب نے نہایت خندہ پیشانی اور اخلاق سے میرے سلام کا جواب دیا اور مرحبا کہکر مجھے بیٹھنے کی اجازت دی۔ میں اتنی دیر تک بیٹھا رہا کہ اُنکی صحبت کے تمام لوگ اُٹھ گئے۔ جب پوری خلوت ہوگئی تو وہ مجھ سے مخاطب ہوئے اور مجھ سے میرے آنے کی وجہ دریافت کرنے لگے۔ میں نے کہا کہ میں دینور کا رہنے والا ہوں۔ میں کچھ مال آپکی امانت میں دینے کے لیے لایا ہوں۔ اُنہوں نے کہا

کر اچھا دیدو۔ میں نے کہا کہ میں اُسے بلا مشاہدۂ حجّت دینے کا مجاز و مختار نہیں ہوں۔ یہ سنکر وہ کہنے لگے کہ اچھا کل آنا۔ میں اُس دن تو واپس آیا۔ دوسرے دن اُنکے پاس گیا۔ مگر آج بھی کوئی حجّت واضح اُن سے ظاہر ہوئی اِسی طرح تین روز متواتر آیا گیا مگر بے نیلِ مرام واپس آیا۔

اِسکے بعد میں اسحٰق ابنِ احمد کے پاس حاضر ہوا۔ اُنکو میں نے ایک جوانِ صالح پاکیزہ صورت پایا اور اُنکے مکان کی زیب و زینت اور سجاوٹ کو باقطانی کے مکان سے بھی زیادہ پایا اور اُنکے اصطبل میں گھوڑے۔ نوکر چاکر مال و متاع۔ غرض یہ تمام چیزیں باقطانی صاحب کے گھر سے کہیں زیادہ پائیں۔

بہر حال۔ یہاں بھی سلام کرکے میں نے ایک طرف اپنے لیے جگہ خالی کرلی۔ اور بیٹھ گیا۔ اور صاحب خانہ نے بھی باقطانی صاحب سے زیادہ اپنی خوش اخلاقی کا اظہار فرمایا اور مرحبا کہکر مجھ کو اپنے قریب بٹھلایا۔ میں اتنی دیر تک ضرور خاموش بیٹھا رہا کہ اُنکی صحبت کے تمام لوگ اُٹھ کر اپنے اپنے مقام کو واپس گئے۔ جب پوری خلوت ہوگئی تو اسحٰق نے مجھ سے میرے آنیکا باعث پوچھا۔ میں نے اُنکے استفسار میں بھی وہی کہا جو اِس سے قبل باقطانی صاحب سے عرض کرچکا تھا۔ اُنہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ تین روز تک میں پھر حجّتِ واضح کا متوقع بنا رہا۔ مگر ان سے بھی کوئی دلیل ظاہر نہ ہوسکی۔

اسحٰق ابنِ احمد کے بعد میں ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انکو میں نے ایک سن رسیدہ صاحبِ تواضع و انکسار بزرگ پایا۔ وہ اِس وقت کئی کپڑوں کے اوپر ایک سفید پیراہن پہنے ہوئے تھے اور بالوں سے بُنے ہوئے (کمّل) فرش پر بیٹھے تھے اور کوئی غلام یا مصاحب وغیرہ اُنکے آس پاس نہیں تھے۔ اور نہ میں نے اُنکے گھر میں غلام۔ گھوڑے۔ اونٹ۔ مال و اسباب۔ غرض کوئی سامانِ دولت دیکھے اور نہ اسبابِ امارت۔ جاتے ہی میں نے اُن کی خدمت میں سلام کیا۔ مجھے جواب دیا اور اپنے پاس بُلاکر بٹھالیا۔ اور مجھ سے میرے حاضر ہونیکی وجہ دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کی کہ ممالکِ کوہستان سے آرہا ہوں۔ کچھ مالِ امام علیہ السلام لایا ہوں۔ یہ سُنتے ہی مجھ سے ارشاد کیا کہ اگر حقیقت میں تم اِس مال کو اُسی بزرگوار کی خدمت میں پہنچانا چاہتے ہو جس کے لیے تم لائے ہو تو فوراً شہرِ سامرہ میں چلے جاؤ۔ اور وہاں جاکر آستانِ مبارک کے وکیلِ خاص کا نام دریافت کرلو اور اُسی کے ذریعہ سے یہ اموال خدمتِ امام علیہ السّلام میں پہنچا دینا۔

احمد دینوری کا بیان ہے کہ بغداد سے چلکر میں شہرِ سامرہ میں پہنچا اور خانۂ امام علی نقی علیہ السلام کے متصل جاکر میں نے وکیلِ خاص کا نام پوچھا۔ دربانِ خانہ نے کہا کہ وہ کسی کام سے اندر گئے ہیں مگر فوراً باہر آجائینگے۔ میں دروازہ پر کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تشریف لائے۔ میں نے سبقت کرکے سلام کیا۔ اُنہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور وہاں سے مجھے اپنے خاص مکان پر لے گئے۔ اور میری بڑی خاطر و مدارات کی۔ پھر مجھ سے میرے آنے کی وجہ پوچھی۔ میں نے کہا کہ علاقۂ کوہستان سے آرہا ہوں اور میرے ساتھ کچھ مالِ امام علیہ السّلام ہے جسے میں بمشاہدۂ حجّت تسلیم کرنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا کہ بہت بہتر۔ اِسکے بعد

میرے لیے کھانا آیا۔ مجھ سے کہا کہ تم کھانا کھالو اور آرام کرو۔ کیونکہ تم زحمتِ سفر سے بالکل چکنا چور ہوگئے ہو انشاءاللہ المستعان قبلِ مغرب میں تمکو تمہارے مدعائے دلی تک پہنچا دونگا۔

احمد دینوری کا بیان ہے کہ میں نے کہانا کھایا اور فوراً سو رہا۔ یہانتک کہ نمازِ مغرب کا وقت آگیا۔ میں اُٹھا اور میں نے نمازِ مغرب پڑھ لی۔ اور نماز پڑھکر دریا کے کنارے چلا گیا۔ اور غسل کرکے پھر اُنہی کے دولتخانہ پر واپس آیا۔ اور اپنے بستر پر لیٹ رہا۔ یہانتک کہ چوتھائی حصہ رات کا گزر گیا۔ اسی اثناء میں صاحبِ خانہ میرے پاس تشریف لائے اور ایک رقعۂ پیچیدہ مجھے عنایت فرمایا۔ میں نے اُسے کھولا تو اُس میں یہ عبارت مندرج تھی احمدِ دینوری آیا ہے اور ایک تھیلی میں سولہ[16] ہزار دینار لایا ہے۔ وہ تھیلی اِس اِس قسم کی ہے اور اُس پر اِس اِس طرح کے نشان ہیں۔ اِس تھیلی میں اور بھی تھیلیاں ہیں اور اُن میں ایسے ایسے نشان ہیں۔ اِن تھیلیوں میں ایک تھیلی فلاں شخص کی ہے جس پر اِس طرح کا نشان بنا ہوا ہے اور اُس میں اِس قدر دینار ریسے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے شخص کی فلاں تھیلی ہے اور اُس میں فلاں نشان موجود ہے اور اُس میں اتنے دینار ریسے ہوئے ہیں۔ حتےٰ کہ ایک ایک کرکے تمام تھیلیوں کی پوری حالت اور علامت اُس میں صاف صاف لکھی ہوئی تھی حالانکہ اِن ارسال کنندگان میں سے ایک کے نام سے بھی میں واقف نہیں تھا۔ سب سے اخیر میں خصوصیت کے ساتھ یہ مندرج فرمایا گیا تھا کہ اِس میں ایک تھیلی فلاں کاشتکار کی ہے جس کی فلاں علامت ہے اور وہ بنظرِ امتحان و تحقیق سائل کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔

احمدِ دینوری بیان کرتے ہیں کہ اِس تحریر کو پڑھکر مجھے کامل یقین ہوگیا کہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کو بھیجنے والوں کے نام اور اُنکی مرسلہ رقوم کی صحیح تعداد مجھ سے بہتر معلوم ہے۔ پھر اِسکے بعد اُسی تحریرِ مقدس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اطرافِ قریسین سے ایک اور بقچہ ہے جسے احمد ابنِ حسن مادرانی برادرِ اصواف نے اُس کو (احمدِ دینوری کو) دیا ہے۔ اِس بقچہ میں بھی ایک تھیلی ہے۔ جس میں ایک ہزار دینار ریسے ہوئے ہیں۔ دینار کے علاوہ اِس بقچہ میں فلاں فلاں قسم کے کپڑے ہیں اور اُن کے ایسے ایسے رنگ ہیں۔ یہانتک کہ ایک ایک کرکے اُس بقچہ کے تمام کپڑوں کی بھی پوری تفصیل قلمبند تھی۔

احمد کہتے ہیں کہ اس تحریر کو بالتمامہ پڑھکر میں نے فوراً خدائے سبحانہ وتعالےٰ کا سجدۂ شکر ادا کیا۔ اس لیے کہ اِس تحریرِ مقدس کے باعث وہ میرے تمام شکوک اور شبہے جو مجھے اپنی موجودہ حالت اور اشیائے امانت کے متعلق لگے ہوئے تھے بالکل زائل ہوگئے۔ اُس رقعہ میں یہ حکم بھی تحریر تھا کہ یہ تمام وکمال مال ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ کو حوالہ کردیا جائے۔

جب میں یہ تحریر پڑھ چکا تو وکیل امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ اب تم یہاں سے بغداد چلے جاؤ۔ میں تم سے اِس مال کے لینے کا مجاز نہیں کیا گیا۔ بلکہ ابو جعفرؓ تم سے اِسکے لینے کے لیے ماذون و مختار فرمائے گئے ہیں یہ سُنکر میں اُنکی خدمت سے رخصت ہوا اور بغداد میں پہنچکر حضرت ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ مجھ کو بغداد سے سامرہ اور سامرہ سے بغداد تک آنے جانے میں تین روز لگ گئے۔ مجھ کو ابو جعفرؓ نے جونہی دیکھا فرمانے لگے۔ کیا تم سامرہ نہیں گئے تھے۔ میں نے کہا میں وہاں گیا بھی اور آج واپس بھی آرہا ہوں۔ ابھی ہم سے اُنسے یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ بجنسہ ایک ویسا ہی رقعہ جیسا کہ اِن اشیاء کی حوالگی کے لیے میرے نام آیا تھا ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے نام بھی آیا۔ جس میں یہ تحریر فرمایا گیا تھا کہ تم یہ تمام وکمال چیزیں لیکر ابو جعفر محمد ابن احمد ابنِ جعفر کوفی کو دیدو۔ یہ حکم پاتے ہی ابو جعفرؓ نے فوراً کپڑے پہنے اور مجھ سے کہا کہ اپنی تمام اشیاء ہمراہ لیکر میرے ساتھ چلے چلو۔ میں نے فوراً اُن کے ارشاد کی تعمیل کی اور اپنا مال ومتاع لیکر اُنکے ہمراہ محمد ابنِ احمد ابنِ جعفر کے مکان پر پہنچا۔ میرے سامنے ابو جعفرؓ نے وہ تمام مال ایک ایک کر کے اُنہیں حوالہ کر دیا۔ پھر ہم اور وہ وہاں سے واپس آئے۔

احمدِ دینوری کا بیان ہے کہ یہ تمام مراتب طے کر کے میں بغداد سے براہِ راست حجِ بیت اللہ کی غرض سے مکّۂ معظمہ زادا اللہ شرفہا کی طرف چلا گیا۔ اور حجِ بیت اللہ سے مشرف ہو کر اپنے وطنِ مالوف شہرِ دینور میں بانیلِ مرام واپس ہوا۔ جملہ مؤمنین اُسی وقت میرے پاس جمع ہوگئے۔ میں نے وہ تمام توقیعاتِ مقدّسہ جن میں ان تمام لوگوں کے نام اور اُن کی اشیاء اور اُنکی اقسام۔ اُنکی وصولی ورسید کے ساتھ قلمبند فرمائے گئے تھے۔ اُن لوگوں کو دیدیئے۔ اُن لوگوں نے اُس پرچۂ مطہر کو جو خاص دستِ مبارک کی تحریر تھی اپنی آنکھوں سے لگایا اور پھر بمسرّت ومفاخرتِ تمام پڑھنا شروع کر دیا۔ جب اُس کاشتکار کے کیسہ کے ذکر پر آئے تو ان لوگوں میں وہ بھی موجود تھا۔ اپنے کیسہ کا حال سُنتے ہی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھتے ہی ہم سب اُسکو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ جب وہ پھر ہوش میں آیا تو اُس نے سجدۂ شکر ادا کیا اور کہا کہ شکر ہے اُس پروردگارِ عالم کا جس نے مجھ ایسے بندۂ حقیر کو راہِ راست دکھلائی۔ واقعی آج مجھ کو یقین ہوگیا کہ کسی زمانہ اور کسی حال میں دنیا حُجّتِ الٰہی سے خالی نہیں رہ سکتی۔ میرے کیسہ کی حقیقتِ حال یہ ہے کہ میں اصل میں زراعت پیشہ آدمی ہوں مگر میرا یہ مال اصل نہیں ہے مجھ کو ایک زرّاع نے یہ کیسہ خدمتِ امام علیہ السلام میں بھیجدینے کے لیے دیا تھا اور میں نے امتحاناً حقیقتِ حال کو پوشیدہ رکھکر اپنے نام سے دیا تھا اللّٰھم صلّ علیٰ محمّد وّآلِ محمّد (علیہم السّلام)

احمد آگے بیان کرتے ہیں کہ دینور کی ضرورتوں سے فراغت کرکے میں احمد ابنِ حسن کے پاس شہرِ قستین میں پہنچا۔ اُن سے ملا اور تمام واقعہ دُہرایا۔ اور وہ توقیعِ مبارک جو اُن کے خاص نام سے برآمد ہوئی تھی اُنکے حوالہ کردی۔ وہ بھی بمسرّتِ تمام سجدۂ شکر بجالائے اور کہنے لگے کہ اے احمد سراج! چاہے دنیا بھر کے امور میں شک کرو کوئی عذر نہیں کر سکتا مگر اِس امر میں ہرگز شک نہ کرنا کہ دنیا کسی وقت اور کسی حال میں وجود امام علیہ السّلام سے خالی ہو سکتی ہے۔ میں تم سے اِس وقت اپنے اوپر گزرا ہوا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں اُسے غور سے سُن لو۔

جب کرتگین (غلامِ ترکی معتضد باللہ) اور یزید ابن عبداللہ کے فیمابین شہرِ زور میں لڑائی ہوئی تو کرتگین نے یزید کو شکستِ کامل پہنچا کر اُسکی تمام جائداد اور مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔ میں کرتگین کا ملازم تھا۔ اُس نے مجھے اُس کی جائداد اور مال و متاع کی تلاشی اور ضبطی پر تعینات کیا۔ اور حکم دیا کہ اُس کے یہ تمام مال و متاع و اسباب ضبط کرکے کرتگین کے خزانہ میں بھجوا دوں۔ چنانچہ میں اُس کی طرف سے اس کام میں مشغول تھا کہ اتنے میں ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یزید ابن عبداللہ نے اِن مال و اسباب میں سے فلاں گھوڑا اور فلاں تلوار حضرت صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں نذر گزرانی جانیکے لیے رکھی تھی یہ سُنکر میں نے اُسکی چیزوں کی آیندہ ضبطی اور تلاشی میں اُن اشیاء کا خیال رکھا۔ حتّےٰ کہ سلاح خانہ میں وہ تلوار اور اُس کے اصطبل میں وہ گھوڑا برآمد ہوا۔ اگرچہ کرتگین کی طرف سے اِن تمام مال و متاع کا اُس وقت امین تھا مگر میری حمیت اور خلوص ہرگز اِسکا متقاضی نہ ہوا کہ میں اپنے ایک برادرِ ایمانی کی تمنائے دلی کو ضائع کر دوں اور اُن اشیاء کو جنھیں وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں خاص طور پر پیش کرنا چاہتا تھا خدمتِ امام علیہ الصلوٰۃ والسلام تک نہ پہنچاؤں۔ بلکہ ایک مخالفِ دین کے خزانہ میں بھجوا دوں۔ یہ سوچکر وہ دونوں اشیاء تو میں نے اپنے پاس رکھ لیں اور بقیہ چیزیں ایک ایک کرکے کرتگین کے پاس بھجوا دیں۔ ان دونوں چیزوں کی نسبت میں نے اپنے خزانچی کو حکم دے رکھا تھا کہ کبھی اُن چیزوں کو ہمارے پاس نہ لائے۔ شاید اُنہیں دیکھکر میرے دل میں خیانت پیدا ہو۔ میرا قصد تھا کہ انشاءاللہ المستعان بوقتِ اطمینان میں اپنے برادرِ ایمانی یزید ابن عبداللہ کی تمنا کے مطابق ان دونوں اشیاء کو خدمتِ امام علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ضرور پہنچا دونگا۔ میں اسی خیال اور فکر میں تھا کہ میرے کسی مخالف نے کرتگین کو اُن دونوں چیزوں کی خبر کر دی۔ اُس نے دونوں چیزیں منگا بھیجیں۔ پہلے تو میں چند بار بلطائف الحیل اُس کو ٹالتا رہا۔ مگر وہ میرے پیچھے پڑ گیا اور کسی طرح نہ مانا۔ آخر کار میں نے وہ دونوں چیزیں اُس کے حوالہ کر دیں۔ اور اُس موذی سے کسی نہ کسی طرح اپنا پیچھا چھڑایا اور اِن چیزوں کے عوض میں ایک ہزار دینار علٰحدہ کر دیے اور اُسی وقت سے یہ نیّت کر لی کہ انشاءاللہ المستعان اُن اشیاء کے معاوضہ میں یہ رقم جنابِ صاحب الزمان علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کر دونگا۔ ایک دن میں اپنے کارندوں کے ساتھ بیٹھا ہوا اپنا کام کر رہا تھا۔ اتنے میں ابوالحسن اسدی میرے پاس تشریف لائے۔ یہ بزرگ اکثر میرے پاس آیا کرتے تھے اور میں ہمیشہ اُن کے اغراض و مطالب کو اُنکے ارشاد کے مطابق پورا کر دیا کرتا تھا۔ آج مجھے مشغولِ کار دیکھکر یہ غریب دیر تک میری فرصت کا انتظار کرتے رہے میں انکی اتنی زحمت کو گوارا نہ کر سکا۔ اپنے کام کو چھوڑ کر انکی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ آپ کو میرے ساتھ جو ضرورت ہو اُسے ارشاد فرمائیے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ آپ خلوت کریں تو میں اپنا مدعا آپ سے عرض کروں۔ یہ سُنکر میں نے اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ میرے لیے خزانہ کے مکان میں خلوت کا انتظام کرے۔ چنانچہ فوراً خلوت کر دی گئی اور میں ابوالحسن رضہ اسدی کے ہمراہ اُس خلوت میں چلا گیا۔ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں پہنچکر مجھ کو ایک رقعہ پیچیدہ دیا

جو جناب قائم آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی طرف سے میرے نام صادر ہوا تھا۔ اُس [illegible]
احمد ابنِ حسن جو ہزار دینار تمہارے پاس گھوڑے اور تلوار کے عوض میں ہمارے مال سے جمع [illegible]
ہے ابوالحسن رحؒ اسدی کو حوالہ کر دو۔ اس تحریر کو پڑھتے ہی میں خدا کے سجدۂ شکر میں جُھک گیا اور جد[illegible]
تعالیٰ کا شکریہ اِن الفاظ میں ادا کیا کہ پروردگارا! میں نے اِس وقت تیری حُجّتِ موجودہ کو کامل طور سے پہچان لیا
کیونکہ دنیا میں کوئی شخص آج تک اِس راز سے آگاہ نہیں تھا۔ پھر اِس نزولِ رحمتِ خداوندی کی خاص شکرانہ
میں میں نے ایک ہزار پر تین ہزار دینار کا اور اضافہ کیا اور وہ تمام و کمال رقم ابوالحسن اسدی رحمۃ اللہ علیہ
کے سپرد کر دی۔

(۶) کتاب کافی میں علی ابنِ محمد اور سعید ابنِ عبد اللہ کی معتبر اسانید سے مرقوم ہے کہ حسن ابنِ نصر اور
ابو صدام اور اُن کے ساتھ ایک جماعتِ کثیر نے جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کی وفات کے بعد امر وکالت
و نیابت کی تلاش کی اور اِس فکر کے ساتھ اپنی تحقیق کا اتنا اضافہ اور کیا کہ اُس بزرگوار کی تلاش اور جستجو بھی شروع
کر دی جس کی طرف سے وہ حضرات ان خدمات پر مامور کیے گئے ہیں۔ اور اِس فکر و تلاش سے اُن کا اصلی مقصود
یہی تھا کہ وہ صاحب الزمان علیہ السّلام کی خدمت سے نائبین اور سفراء کی نسبت تحریری اجازت حاصل کریں۔
اِسی اثناء میں حسن ابنِ نصر ابو صدام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں تو حج بیت اللہ کو جاتا ہوں۔ ابو صدام نے جواب
دیا کہ امسال اِس عزم کو ملتوی کرتے تو اچھا ہوتا۔ حسن نے کہا کہ میں نے اِس کی نسبت ایک ہولناک خواب دیکھا ہے
اِس لیے مجھ کو وہاں جانا ضرور ہو گیا ہے۔ غرضکہ حسن نے حج کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور اپنے مال میں سے تھوڑا سا مال
نذرِ امام علیہ السّلام نکالکر احمد ابنِ یعلیٰ ابن حمّاد کو اُس رقم کا وصی مقرر کیا۔ اور اُنسے تاکید کر دی کہ جب تک
حجتِ واضح نہ دیکھ لی جائے کسی کو یہ مال نہ دیا جائے۔

حسن ابن نصر کا بیان ہے کہ یہ مراتب طے کر کے میں بغداد میں پہنچا اور ایک مکان کرایہ لیکر مقیم ہوا۔ اس اثناء
میں بعض وکلا تھوڑا کپڑا اور تھوڑا روپیہ میرے پاس لائے اور امانت رکھوا گئے۔ میں نے اُن سے پوچھا یہ کیا ہے؟
وہ صرف مجھ سے یہ کہکر چلے گئے کہ یہ وہی چیزیں ہیں جنہیں تم آپ جانتے ہو۔ ان کے جانیکے بعد ایک دوسرے
صاحب تشریف لائے اور وہ بھی کچھ نقد و پارچہ کی اقسام سے میرے مکان پہ رکھکر تشریف لے گئے۔ پھر تیسرے
بزرگ تشریف لائے اور اُنہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ یہانتک کہ اتنے بزرگوار پے درپے تشریف لاتے گئے اور
میرے پاس اپنے ہمراہ کا مال و اسباب جمع فرماتے گئے کہ میرا مکان اُنکی اشیائے امانتی سے بھر گیا۔ ان تمام لوگوں
کے بعد احمد ابن اسحاق جو بذاتِ خاص منصب وکالت و سفارت پر مامور تھے اپنے جمع کردہ اسباب و اموال کو جو
اُس وقت تک اُنکے پاس اطراف و جوانب کے مؤمنین کی طرف سے آج تک جمع اور موجود تھا لیے ہوئے میرے پاس
تشریف لائے اور مجھ سے تمام حالات سُنکر اور خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرما کر سخت حیران ہوئے۔ اس اثناء
میں ایک رقعۂ پیچیدہ میرے پاس اِس مضمون کا صادر ہوا کہ فلاں روز سے اِس وقت تک تمہارے پاس اتنا مالِ کثیر

م مال واسباب کولیکر سامرہ مبارک کی طرف چلے آؤ۔ یہ حکم سُنتے ہی میں لبیک گویاں
ناحیۂ مقدسہ (سرّ من رائے) کی طرف روانہ ہوا۔ اُس زمانہ میں بغداد و سامرہ کے مابین
رہزنی جماعت راہ روکے پوشیدہ رہا کرتی تھی اور وہ سب کے سب درویشی کے لباس میں رہزنی اور
قزّاقی کا پیشہ کیا کرتے تھے۔ میں جس وقت یہ مال و متاع مزدوروں پر اُٹھوا کر چلا تو آغاز ہی سے میرے دل میں
اُن لٹیروں کی طرف سے سخت خوف لگا ہوا تھا۔ مگر خداوندِ عالم نے مجھے اُن کے شر سے محفوظ و مصئون رکھا یہاں تک
کہ میں بخیر و عافیت شہرِ سامرہ میں پہنچ گیا۔ اور ایک مقام پر قیام کیا۔ فوراً دوسرا رقعۂ مطہرہ میرے پاس آیا۔
جس میں یہ تحریر تھا کہ تم اپنے مال و اسباب کو لیکر فوراً آستانِ مبارک پر حاضر ہو۔ یہ حکم پاتے ہی میں اُسی طرح
مزدوروں سے وہ تمام اسباب ڈھلوا کر آستانِ مبارک پر حاضر ہوا۔ میں جب اُس آستانِ مطہر پر حاضر ہوا اور قصد
کیا کہ دہلیز سے گزر کر دولتسرا میں داخل ہوں ویسے ہی ایک غلام حبشی نمودار ہوا اور اُس نے مجھ سے پوچھا کہ
تم ہی حسن ابنِ نصر ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ اُس نے جواب دیا اندر چلے جاؤ۔ چنانچہ میں اپنے دونوں مزدوروں
کو ہمراہ لیے عصمت سرا میں داخل ہوا۔ پہلے صحن میں آیا۔ پھر ایک دالان میں داخل ہوا جو بالکل خالی تھا۔ یہاں
پہنچکر میں نے وہ تمام مال و اسباب مزدوروں سے اُتروا لیا۔ اتنے میں ایک مکان کے دوسرے گوشہ کی طرف
میری نظر گئی اور میں نے دیکھا کہ اُس میں ایک ظرف کے اندر بہت سی روٹیاں رکھی ہوئی ہیں۔ اتنے میں دو ایک
اور خادم آگئے اور اُن میں سے ایک نے اُس روٹی کے ڈھیر سے ایک ایک روٹی اُٹھا کر میرے دونوں مزدوروں
کو دی اور اُن دونوں کو وہاں سے باہر کر دیا۔ پھر مجھے اُس مکانِ مقدس میں ایک طرف پردہ پڑا ہوا دکھلائی
دیا اور اُسی حجابِ مقدس سے آواز برآمد ہوئی کہ اے حسن ابنِ نصر! خدائے سبحانہ و تعالےٰ کی اُس نعمت و احسان
کا شکریہ ادا کرو جو تمہارے حالِ خاص پر اِس وقت نازل فرمائی گئی ہے اور کسی قسم کے شک یا وسوسہ کو اپنے
دل میں راہ نہ دو۔ کیونکہ شیطان چاہتا ہے کہ تمہیں شکوک اور عام وسوسوں میں ڈالکر خراب کرے۔ پھر ایک پارچۂ
کفن اُس پردے سے باہر نکالکر مجھے عنایت فرمایا گیا اور ارشاد ہوا کہ اِسے لیلو اور رکھلو کہ سخت سے سخت ضرورت
تم کو اسکی بہت جلد پیش آنیوالی ہے۔ میں نے بہزار مفاخرت وہ عطیۂ گرانقدر لے لیا اور آپ کی خدمتِ مبارک
سے واپس آیا۔

سعد کا بیان ہے کہ حسن ابنِ نصر اِس سفر سے واپس آکر ماہِ رمضان المبارک میں قضا کر گئے اور اُسی پارچۂ
مطہر میں کفنائے گئے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

(۷) شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے کتاب امالی میں ابراہیم ابن مہزیار سے نقل فرمایا ہے کہ اُنکا بیان ہے کہ جنابِ
امام حسن عسکری علیہ السّلام کی وفات کے بعد تعیینِ امام علیہ السّلام کے مسئلہ میں بہت بڑا شک واقع ہوا۔ میرے
باپ کے پاس اُسی زمانہ میں مالِ امام علیہ السّلام سے بہت سا مال و اسباب جمع ہوا تھا۔ میں نے اُس تمام مال و
اسباب کو کشتی پر لادا اور اپنے باپ کے ساتھ چلا۔ راستہ میں میرے باپ کو سخت تپ آئی۔ اُسی حالت میں میرے

باپ نے مجھے بلاکر وصیت کی کہ مجھے گھر واپس لے چلو۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اِسی تپ سے میں مرجاؤنگا۔ میرے بعد تم اِس اسباب و متاع کی نسبت ہمیشہ اپنی نیّت۔ امانت اور دیانت درست رکھنا۔ اور اسکی تعمیل میں ہمیشہ تقوٰے۔ ایمانداری اور پرہیزگاری کو ملحوظ رکھنا۔ یہ سُنکر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرے باپ نے ایک امرِ مُبہم اور غیر معتبر کی نسبت مجھے کیا وصیت کی ہے۔ میں نے اِس مال کو لیکر یہ قصد کیا کہ میں بغداد میں جاؤں اور وہاں ایک علٰحدہ مکان لیکر قیام کروں۔ اور کسی کو اپنی حقیقتِ حال سے خبر نہ کروں۔ اگر کوئی ایسی ہی دلیل اس امر میں کافی طور سے وجودِ امام علیہ السّلام اور ثبوتِ نظامِ نیابت اور سفارت وغیرہ کے متعلق مجھ پر ظاہر ہوجاوے جیسا کہ اکثر جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کے عہدِ امامت میں ظاہر ہوا کرتی تھی تب البتہ یہ مال تسلیم کرونگا۔ ورنہ میں یہ تمام وکمال مال و متاع تصدّق کردونگا۔

الغرض اپنے دل میں یہی ارادہ مصمم کرکے میں شہر بغداد میں پہنچا اور دریا کے کنارے پر ایک مکان کرایہ پر لیا اور چندے اُس میں مقیم رہا۔ رات دن اپنے اموالِ ہمراہی کی نسبت متفکر اور متردّد تھا کہ ایک روز ایک صاحب میرے پاس تشریف لائے اور ایک چھوٹا سا رقعہ پیچیدہ میرے ہاتھ میں دیکر رخصت ہوگئے۔ اُس رقعہ کو میں نے کھولا تو اُس میں یہ عبارت مندرج تھی۔

اے محمد! تمہارے پاس فلاں فلاں مال ہے اور اُس کی فلاں فلاں پہچان ہے۔ تم یہ تمام مال و اسباب حاملِ رقعۂ ہٰذا کو دیدو۔ میں یہ حجّت واضح دیکھکر اور اِن اشیاء کے متعلق وہ اخبار و علامات معلوم کرکے جنہیں میں خود بھی نہیں جانتا تھا سخت متحیّر اور دم بخود ہوگیا۔ اور سمعنا و اطعنا کہکر وہ تمام چیزیں حاملِ رقعہ کو اُسی وقت حوالہ کردیں۔ اُنکے واپس جانے کے بعد مجھے خوشی بھی ہوئی اور ملال بھی۔ خوشی تو اس وجہ سے کہ جو میرے دل میں تشکیک اور شبہے تھے وہ بالکل زائل ہوگئے۔ اور جن دلائل اور حجّتوں کے ساتھ میں اپنے ہمراہی مال کو دینا چاہتا تھا اُن سے کہیں زائد اور بہتر مجھے معلوم ہوگئیں مگر اس کے ساتھ ہی میرے ملال کا باعث یہ ہوا کہ میں نے وساوسِ شیطانی میں مبتلا ہوکر اور بیجا شکوک و اوہام کو اپنے دل میں راہ دیکر اپنی موروثی منصبِ سفارت کو جو میرے باپ کو جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کے وقت سے حاصل تھا مفت ضائع کیا۔ اگر یہ خیالاتِ فاسد میرے دل میں نہ سمائے ہوتے تو جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کبھی میرے خاندانی اعزاز و مناصب کو مجھ سے منتزع نہ فرماتے۔ یہی سوچ سوچکر میں برابر ملول و محزون رہا کرتا تھا۔ یہانتک کہ چند روز کے بعد پھر ایک صاحب دوسرا رقعۂ پیچیدہ مجھ کو عنایت فرما گئے جس میں یہ مضمون تحریر فرمایا گیا تھا۔

اے محمد! تمہیں ہم نے تمہارے باپ کے عہدے پر مامور و منصوب کردیا۔ خدا کا شکر بجالاؤ اور کسی قسم کا غم و ملال نہ کرو۔

(۸) کتابِ اکمال الدین و اتمام النعمۃ میں محمد ابنِ علی اسود سے منقول ہے کہ مجھے ایک بار ایک مومنہ نے ایک کپڑا دیا کہ میں اُس کو اُس کی طرف سے امام علیہ السّلام کی خدمت میں پہنچا دوں۔ میرے پاس علاوہ

اِس پیرزن کے اُن دنوں بہت سے اور مؤمنین کے بھی مال جمع تھے۔ چنانچہ میں اُن تمام اموال کو اپنے ہمراہ لیے ہوئے بغداد میں پہنچا۔ جونہی شہر میں داخل ہوا دیکھا کہ ابوجعفر عمری رضی اللہ عنہ رستہ میں استادہ ہیں۔ اُنہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنا مال محمد ابن عباس قمی کو سپرد کر دو۔ چنانچہ میں نے وہ تمام مال اُن بزرگوار کے حوالہ کر دیا۔ مگر اُس پیرہ زن کا کپڑا اُنہیں دینا بھول گیا۔ دوسرے دن ابوجعفر عمری رض کا پیغام میرے پاس پہنچا کہ اُس پیرہ زن کا کپڑا ابھی اُنہی کو دیدو جسے تم بھول گئے ہو۔ یہ سُنکر مجھے اُس کپڑے کا فوراً خیال آیا۔ اب جو میں نے اُسے ڈھونڈھا تو نہ پایا۔ سخت پریشان اور پشیمان ہوا۔ اِسی اثناء میں ابوجعفر عمری رضی اللہ عنہ کا دوسرا پیام پہنچا اِس مضمون کا کہ پریشان نہو۔ تلاش کرو۔ انشاءاللہ المستعان تم اُسے بہت جلد پالوگے۔ بہرحال میں نے اُسے نہایت مستعدی سے تلاش کیا تو تھوڑی دیر میں وہ میرے اسباب ہمراہی کے اندر مِل گیا اور میں نے صاحب مشار الیہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔

(۹) اُسی کتاب میں نعیم شاذانی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ اُن کا بیان ہے کہ میرے پاس ایک بار مالِ مؤمنین سے چار سو اسی ۴۸۰ دینار جمع ہوئے۔ میں نے بیس ۲۰ دینار اپنے پاس سے ملاکر اور پانچسو ۵۰۰ پورے کرکے ابوالحسن اسدی رحمۃ اللہ علیہ کو جو جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے سفراء میں سے تھے حوالہ کر دیے اور جو رقعہ کہ خدمتِ امام علیہ السّلام میں اُنکی معرفت ارسال کیا تھا اُس میں اپنے ملائے ہوئے بیس ۲۰ دیناروں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ابوالحسن اسدی علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ میری مرسلہ رقم کی جو رسید مجھ کو ابوجعفر رضی اللہ عنہ کی معرفت وصول ہوئی اُس کی یہ عبارت تھی کہ تمہارے پانچسو ۵۰۰ درہم مرسلہ جس میں بیس ۲۰ روپیہ تمہارے خاص مال سے تھے مجھے مِل گئے۔

(۱۰) پھر ایک دوسرا واقعہ نعیم شاذانی اِس طرح بیان کرتے ہیں کہ اِس کے بعد میں نے پھر تھوڑا سا مالِ مؤمنین خدمتِ امام علیہ السّلام میں روانہ کیا۔ مگر اتفاق سے مؤمنین ارسال کنندگان کے نام و نشان لکھنا بالکل بھول گیا۔ اُس کی رسید اِس مضمون کے ساتھ تحریر فرمائی گئی کہ تمہارا اس قدر مرسلہ مال مجھے پہنچا جس میں سے اتنا فلاں شخص کا مال ہے اور اتنا فلاں شخص کا۔

(۱۱) نعیم شاذانی ابوالعباس کوفی علیہ الرحمہ کی زبانی ناقل ہیں کہ ایک بار تھوڑا سا مالِ مؤمنین خدمتِ امام علیہ السّلام میں پہنچا دیے جانے کی غرض سے جمع کیا گیا تھا مگر میرا خیال اُسکی نسبت یہ ہوا کہ تاوقتیکہ کوئی حجّت واضح نہ دیکھ لیجائے یہ مال ناحیۂ مقدّسہ کے لوگوں کو نہ سپرد کیا جائے۔ یہ تجویز کرکے میں شہر سامرہ میں پہنچا۔ میرے پہنچتے ہی ایک توقیع مبارک میرے نام برآمد ہوئی جس میں خاص دستِ مبارک سے ارسال کنندگان کے نام تحریر فرمائے گئے تھے اور یہ بھی لکھا تھا کہ اگر اِس خیال سے تمکو امرِ ہدایت مقصود ہے تو بیشک ہدایت تمہارے شاملِ حال ہوگی اور اگر اِس کے سوا تمہاری کوئی دوسری خواہش ہے تو انشاءاللہ تعالےٰ وہ بھی پوری کردی جائیگی۔ اب تمکو یہ حکم ہوتا ہے کہ تم اپنے اموالِ ہمراہی کو لیکر آستانِ مبارک پر حاضر ہوجاؤ

یہ حکم سُنتے ہی میں نے اُس میں سے بلا وزن کیے ہوئے چھ دینار نکال لیے اور باقی کو خدمتِ امام علیہ السّلام میں سفیرِ خاص کی معرفت بھیجدیا۔ ابھی میں آستانِ مقدّس پر حاضر رہکر منتظر تھا ہی کہ ایک دوسری توقیع میرے نام برآمد ہوئی جس میں تحریر تھا کہ اِس مال میں سے چھ۶ دینار تم نے بلا وزن کیے ہوئے نکال لیے اُنہیں فوراً مجھے واپس دیدو۔ اور اُن چھ دیناروں میں ہر ایک کا وزن پانچ دانق ڈیڑھ حبّہ ہے۔ اُس شخص کا بیان ہے کہ یہ حکم پاتے ہی میں نے وہ رقم آپ کی خدمتِ بابرکت میں اُسی وقت بھیجدی۔ میں نے جس وقت اُنکو وزن کیا تو اُن میں سے ہر ایک کا وزن پانچ دانق ڈیڑھ حبّہ ہی تھا۔ صدق اللّٰہ تعالےٰ وحجتہ۔

(۱۲) محمد ابنِ یعقوب کلینی علیہ الرّحمہ محمد ابنِ حسن مروزی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے مالِ امام علیہ السّلام میں سے دو۲سَو دینار حاجز وشّا کے پاس بھیجدیے۔ اُسکی رسید ناحیۂ مقدّسہ سے میرے نام اِس عبارت میں وصول ہوئی کہ اے محمد ابنِ حسن! تمہارے ذمہ حقِّ امام علیہ السّلام میں ہزار دینار چاہیے ہیں۔ جن میں سے مجھے اِس وقت دو۲سَو دینار حاجز وشّا کی معرفت پہنچے۔ اب اِسکے بعد اگر تم بقیہ رقم کو کسی کو امانت میں سپرد کرنا چاہو تو ابوالحسین رضؓ اسدی کو جو شہر رَے میں رہتے ہیں دیدیا کرو۔ محمد راوی کا بیان ہے کہ اس حکم کے نافذ ہونیکے دو تین دن بعد حاجز وشّا کی وفات کی خبر مجھے معلوم ہوئی۔

بہرحال۔ اتنے مختلف اور متعدد واقعات جن کا بڑا ذخیرہ اِس وقت ہمارے پیش نظر ہے لکھکر ہم آپکی امامت اور اُس کے موجودہ نظام کو ذیل کے بیان میں کامل تصریح اور کافی توضیح کے ساتھ قلمبند کردینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر باعتبار واقعات کے تمام حالات ایک طرح اور ایک قسم کے نہیں ہیں اِس لیے اُن کو ایک سلسلہ میں یکجا بیان کردینا ناظرینِ کتاب کی طبع پر ناگوار اور دشوار گزریگا۔ اسلیے ہم ہر ایک واقعہ کے متعلق اُسکی علٰحدہ علٰحدہ تفصیل کرکے پوری وضاحت سے کام لیتے ہیں۔

(۱) اِس واقعہ میں قم کے ایک شیعہ باشندے نے مالِ امام علیہ السّلام سفیر کے پاس جمع کرتے وقت تھوڑا سا مال جمع کرانا سہو کردیا تھا۔ ہرچند اُس نے تلاش کی مگر اُس کو نہ پایا۔ آخرکار اُس کو وہ اشیا جہاں وہ رکھکر بھول گیا تھا بتلادی گئیں۔ اِس واقعہ سے ثابت ہوگیا کہ آپکی امامت کے نظام میں اِن اقسام کی سہو یا فروگزاشت آپکے ذاتی علم و اطلاع سے باہر نہیں ہوتی تھی۔ جن لوگوں نے خلافتِ باطنی کے اخبار و آثار کو ملاحظہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ بغیر اِن مشاہد اور مقاصد کے خلافت و ولایت کا ظاہر بیں نگاہوں میں معیارِ صداقت پر کامل اُترنا اور ثابت ہونا عموماً سخت دشوار اور ناممکن ہے۔

(۲) اِس واقعہ میں آپکی امامت کے متعلق مختلف اقسام کے نظام معلوم ہوتے ہیں۔ اوّل تو اُنہی باطنی نظام کے اصول پر عاتکہ کی تمام اشیائے مرسلہ کی صحیح مقدار۔ اقسام اور اوزان کی پوری خبر دیدینا جن کا خود لانیوالے کو بھی علم نہیں تھا۔ اِس کے علاوہ عاتکہ کو خود بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اُسکی ماں نے اُسکی شادی میں کس سے قرض لیا ہے۔ اِس امر سے بھی پوری اطلاع دیدی گئی اور صاف صاف لفظوں میں

بتلا دیا گیا کہ اُمِّ کلثوم نامی عورت سے دس دینار لیے گئے تھے۔ یہانتک تو نظامِ باطنی کے اصول پر آپکی امامت کے فرائض ادا کیے گئے۔ اب ظاہری طریقہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو عاتکہ کو اِس معاملہ کی حقیقت سے آگاہ کردینا بھی امامِ وقت علیہ السلام کے فرائض میں داخل تھا۔ کیونکہ وہ اِس معاملہ میں اس وقت تک بالکل لاعلم تھی۔ مگر اپنی متوفّیہ ماں کی سبکدوشی اور گلو خلاصی پر مستعد اور تیّار۔ اب ایسی حالت میں اگر عاتکہ کی اطلاع اور ہدایت سے تغافل اختیار کیا جاتا تو ایک مومنہ اور اُسکی ماں دونوں قرض کے مواخذہ میں ہمیشہ گرفتار رہتیں۔ اور یہ امر امام منصوب من اللہ کی شانِ عدالت وعصمت کے خلاف ثابت ہوتا۔ اور یہی وہ معاملات ہیں جن سے امام منصوب من اللہ اور امام مامور من النّاس کے فرق وما بہ الامتیاز معلوم ہوتے ہیں۔ اِن امور کے علاوہ عاتکہ کو صورتِ موجودہ میں ایک خاص مسئلۂ شرعیہ کے حکمِ شرعی کی بھی خبر دیدی گئی۔ اور بتلا دیا گیا کہ اب وہ اپنی ماں کے قرض لیے ہوئے دس دینار کو اُمِّ کلثوم کو نہیں دے سکتی۔ کیونکہ وہ فرقۂ حقّہ سے نکل کر گروہِ نواصب میں مل گئی ہے۔ اِس لیے مستحقین مؤمنین پر اُس رقم کا ایثار زیادہ تر احوط ہے۔ یہ حکم زبانی دیکر بخیالِ مزید احتیاط یہ بھی لکھدیا گیا کہ اگر کوئی شخص اِس حکم کو زبانی سمجھ کر عمل کرنا نہ چاہے اور اگر عاتکہ خواہش کرے تو اُسے اِس فعل میں مختار ہونے اور مؤمنین مستحقین پر اِس رقم کے ایثار کرنیکا تحریری حکم بھی عنایت فرمایا جائیگا۔ دنیا کے اگر دیدۂ بصیرت وا ہوں تو وہ اِس واقعہ سے تمام حالات دریافت کرسکتے ہیں کہ جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے نظامِ امامت اور احکامِ ہدایت وغیرہ وغیرہ باطنی اور ظاہری دونوں طریقوں سے دنیا اور اہلِ دنیا کے لیے ویسے ہی مفید تھے جیسے تمام انبیاء اور اوصیاء علیہم السّلام کے ظاہری نظامِ رسالت اور احکامِ امامت۔ دنیا کے وہ کوتہ اندیش اور کم بیں جو آپکی امامت کو غیبت کی موجودہ حالت میں دیکھکر محض بیکار اور فضول سمجھتے ہیں وہ اِن تمام واقعات کو غور سے پڑھکر دیکھیں اور سمجھیں کہ آپکی امامت کے موجودہ نظام سے دنیا اور دنیا کے لوگوں کو کیسی اور کتنی ہدایت ملتی تھی اور اُن کی دینی اور دنیاوی دونوں ضرورتیں کس آسانی اور سہولت سے انجام پاتی تھیں۔

یہ سب امور تو عاتکہ بنتِ دیرانی کی ہدایت اور ضرورتوں کے متعلّق بتلائے گئے۔ اب خاص اُن سفیر صاحب کی نسبت جو اِس واقعہ میں ہدایت فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ اِن بزرگوار نے بھی اپنے عمِّ نامہربان کے متعلّق ایک غرض خاص طور پر اپنے دل میں پوشیدہ رکھی تھی اور اُسکو اِس وقت تک کسی نوع سے ظاہر نہیں فرمایا تھا اسکے متعلّق بھی اُنہیں کافی اطلاع دیدی گئی اور صاف صاف لفظوں میں لکھدیا گیا کہ تمہارے تمام خوف و اندیشہ کی باتیں جاتی رہیں۔ تمہارا چچا مرگیا۔ اب اُسکے تمام عزیز واقارب تمہارا راستہ دیکھ رہے ہیں۔ اور علاوہ بریں وہ اپنی مالیت سے تم کو تین ہزار دینار میراث میں بھی دے گیا ہے۔

حقیقت میں یہ ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ تھا جو ابن ابی روح رحمۃ اللہ علیہ کو مدّت سے بےچین اور سخت متفکر

ومتردد بنائے ہوئے تھا۔ اور وہ اس کی طرف سے اپنے سفر کی موجودہ حالت میں بھی سخت مضطرب تھے۔ مگر انتشار و اضطرار کی موجودہ حالت میں بھی وہ اپنے اِس عہدے کی انجام دہی کو جو انکی وفاداری اور دیانت شعاری کا اصلی معیار تھا اپنا پہلا فرض سمجھتے تھے۔ دنیا کے تمام افعال نیّت پر مبنی ہوتے ہیں جس استقلال اور دیانت داری سے وہ کام کرتے گئے ویسے ہی اچھے نتیجے اُن کو ملتے گئے۔ چنانچہ سفارت و وکالت کے فرائض انجام دینے کے بعد جن امور کے لیے وہ بیچین اور مضطرب الحال ہو رہے تھے اُن میں اُنکی پوری تشفی اور تسکین کر دی گئی۔ اور وہ خاطر خواہ فائز المرام ہو کر اپنے مقام کو واپس گئے۔ اب انکے متعلق امام علیہ السّلام کے اخلاق و اشفاق کے اظہار میں اتنا اضافہ اور فرمایا گیا کہ اُنکی اتنی زحمت اور تکلیفوں کے معاوضہ میں جو اُنہوں نے سفر میں اُٹھائی تھیں اور اپنے امورِ ضروری کو اتنے دنوں تک معطّل چھوڑ دیا تھا اور اپنی سفارت کی خدمات کو صرف انجام دیا تھا اُنکو تیس روپیہ زادِ راہ کے لیے عنایت فرمائے گئے جو اُنکی اور تمام مؤمنین کی عام رضامندی کا بہت کچھ باعث ہوا۔ ظاہری طور پر تو اس امرِ خاص سے آپکے اشفاق و اخلاق ظاہر ہوتے ہیں مگر اِنکے ساتھ ہی غور کرنے سے یہ امر بھی اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ رقوم جو آپ کی خدمت میں بھیجی جاتی تھیں وہ ایسے ہی ضروری امور میں صرف کیجاتی تھیں جن سے عام مؤمنین کو پورا فائدہ پہنچتا ہو۔

(۳) یہ بہت بڑا واقعہ ہے اور اِس میں نظامِ امامت کے ساتھ ہی آپکے سفیروں اور وکیلوں کی پوری ماہیت بھی درج ہے۔ دنیا کی رفتار بھی عجیب و غریب ہے۔ اور سب سے زیادہ اسکی رفتار کا پہچاننا اور اِسکے نیرنگِ انداز کو جاننا دشوار ہے۔ اِس واقعہ میں سرّاج دینوری کے ایسے قابل اور ثقہ بزرگ کو سب سے پہلے جو مشکل پیش آئی وہ سفراء اور وکلاء کی تلاش تھی۔ چونکہ شروع ہی سے انکی سفارت و وکالت کی تصدیق و توثیق مشاہدۂ براہین پر موقوف رکھّی گئی تھی۔ اِس لیے وہ اصلی سفیر اور وکیل کے پیدا کرنے میں ضرور مجبور تھے۔ اُنکو جن لوگوں کے نام پہلی بار بتلائے گئے وہ اِنکے نزدیک صحیح نہ اُترے۔ اور بالآخر وہ اُس حقیقی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کی طرف سے وکالت کے عہدے پر مامور تھے۔ مگر اِس وقت یہ بھی مصلحتاً ان کے انجاحِ مطالب کے لیے ماذون نہیں فرمائے گئے اور اِسکی وجہ یہ تھی کہ جن مؤمنین کی طرف سے یہ نیابت کے عہدے پر مامور ہو کر آئے تھے وہ لوگ اپنے امامِ وقت علیہ السّلام کی معرفت اور اُنکے وجودِ ذیجود کے براہین و دلائل کو پورے طور سے جاننا چاہتے تھے۔ نہ کہ سفیروں کے اصلی اور غیر اصلی ہونے کو۔ امامِ وقت سلام اللہ علیہ کا فرض تھا کہ مؤمنین سے پہلے سفیر کی خاص تشفی اور تسکین کر دیں۔ مگر چونکہ نظامِ امامت کے متعلق معرفتِ امام اور اور اُکے حالاتِ سفراء بھی پُرضرور تھے۔ اِس لیے دونوں امور کی اطلاع بیک وقت پہنچائی گئی۔ اور بتلا دیا گیا کہ سفراء کو امامِ زمان علیہ السّلام کی خدمت سے حقیقت میں اِن اموال کی امانت اور رازداری سپرد تھی۔ مگر اِن کے خاص معاملے میں حضرت ابو جعفر عمری رضی اللہ عنہ بھی ماذون نہ فرمائے گئے۔ اِس میں یہ مصلحت خاص مضمر تھی کہ ابو سرّاج دینوری اور اُنکے ہمراہی مؤمنین کو اپنے اصل امام علیہ السّلام کی تلاش تھی اور اُنکی تمام

سفارت کا منشاء بھی یہی تھا۔ اِن وجہوں سے براہِ مستقیم آستانِ مقدّس پر بُلائے گئے۔ مگر چونکہ معرفتِ سفیر بھی ضروری تھی۔ ورنہ نظامِ امامت میں فرق پڑتا۔ اِس لیے آستانِ مقدّس پر بُلا کر اور اُنکے اموالِ ہمراہی کی تمام انواع و اقسام کے متعلق پوری خبر پہنچا کر۔ پھر اُن کو ابوجعفر عمری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس بھیجدیا گیا اِسلیے کہ اُنکی معرفتِ امام بھی کامل ہو جائے اور تمیزِ سفیر بھی پوری ہو جائے۔ اب دوسری مصلحت جو اِس خاص واقعہ میں مضمر تھی وہ یہ تھی کہ اِس کے لیے حضرت ابوجعفر عمری رضی اللہ عنہ ماذون نہیں فرمائے گئے بلکہ اُنکی جگہ ایک دوسرے بزرگ شہر قُم کے رہنے والے اِن تمام چیزوں کے لینے کے لیے خاص طور پر ماذون فرمائے گئے۔ اور یہ تمام امور ابو سراج دینوری اور اُنکے دیار کے مؤمنین کی عام ہدایت کے لیے عمل میں لائے گئے تا کہ اُن لوگوں کو اپنے امام اور سفیر دونوں بزرگواروں کی پوری معرفت حاصل ہو جائے۔ اور موجودہ امامت کے نظام کی حقیقت بھی اُنپر کھل جائے جسکی تلاش اور تفحّص میں متحیّر اور متفکّر رہکر اُسکے ادراک کو اپنے خلوص اور عقیدت کا معیار قرار دے چُکے تھے۔ جب اِس طرح موجودہ نظامِ امامت کے بعض مصالح اُنکے خاص امور میں اُنکو دکھلا دیے گئے اور امامِ زماں علیہ السّلام اور اُنکے سفراء کی معرفت بھی اُنکو پورے طور سے کرادی گئی اور اِن تمام امور کی طرف سے اُس دیار و امصار کے تمام مؤمنین کی تشفّی اور تسکین کر دی گئی تو پھر اُنکی رقوم مرسلہ کے مخارج کے حالات اور تفصیل سے بھی اُنکو مطّلع کر دیا گیا۔ اور بتلا دیا گیا کہ تمہاری بھیجی ہوئی رقوم تمہارے امام علیہ السّلام یا سفراء وغیرہ کے عین المال قرار پا کر اُنکے ذاتی مصارف میں نہیں لائے جاتے بلکہ یہ تمام و کمال مال نصابِ شرعیہ کے مطابق مؤمنینِ مستحقین پر تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ اُن بزرگِ قمی کو اِس رقم کے حوالہ کر دیے جانے سے ابو سراج اور اُنکے ہموطن مؤمنین ہی کو نہیں بلکہ تمام دنیا کو معلوم ہو گیا کہ حالتِ موجودہ میں مؤمنینِ قُم یا وہ لوگ جو اُس اطراف و جوانب میں آباد تھے اِن رقوم کے زیادہ مستحق تھے۔ یہی وجہ تھی جو یہ رقم حضرت ابوجعفر کی جگہ اُن قمی سفیر کو عنایت فرمائی گئی کہ وہ مستحقین اصلی پر اسکو تقسیم فرما دیں۔

حقیقت میں اگر دنیا کے دیدۂ بصیرت کشادہ ہوں تو وہ دیکھ لے کہ امام منصوب من اللہ کی امامت کا نظام اگرچہ مخفی ہوتے ہیں مگر تاہم اِس سے کتنے فائدے ظاہری طور پر دنیا کو پہنچتے ہیں۔ منکرینِ غیبت کے لیے یہ واقعہ پورا ہادی اور رہبر ہے۔

پھر آخر میں حسن دینوری رئیس قنسرین کے زبانی واقعہ نے جو خاص اُنکے مشاہدہ میں آچکا تھا اِس امر کی تصدیق کر دی۔ اب تو ابو سراج دینوری کو اپنے شکوک و شبہہ کی جگہ پورا الیقین ہو گیا اور اِس سے قبل جتنے جتنے شکوک اور شبہے اُن کے دل میں خطور کر رہے تھے یکبارگی زائل اور رفع ہو گئے۔ کیونکہ اُنکی تسکین و تشفّی دونوں طریقوں سے کر دی گئی۔ ایک تو یہ تمام امور اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیے۔ دوسرے حسن کے خاص مشاہدات نے اُنکے خلوصِ اعتقاد کو اور کامل کر دیا اور وہ اِن امور میں جن پر اُنکے ایمان و ایقان کا دار و مدار تھا پورے طور سے ہدایت پا گئے۔ فالحمد للہ۔

(۴) حسن ابنِ نصر کا واقعہ ہے جو قریب قریب ایسا ہی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مگر اس میں جو خصوصیت ہے وہ یہی کہ ابو سرّاج دینوری قبل ہی سے نظامِ امامت کے قائل تھے اور حسن ابن نصر نہیں۔ وہ ہمیشہ سے اِس مسئلہ میں مشکوک اور متامّل تھے۔ اِس لیے انکی ہدایت ابو سرّاج کی ہدایت سے زیادہ ضروری تھی۔ بالآخر اِنکی ہدایت کے سامان خاص اُنہی کے سامنے فراہم کیے گئے اور امرِ مشتبہ فیہ کی تمام خدمات اُنہی کی ہاتھوں سے انجام کرائی گئیں جن کو وہ اپنے والدِ مرحوم و مغفور کی نسبت ایک خیالی امر سمجھے ہوئے تھے اور آج تک اُس کے متعلق مشکوک اور مخدوش تھے۔ چنانچہ قیامِ بغداد کے ایّام میں تمام مُومنین آتے گئے اور انہی کے پاس اپنے اپنے اموال جمع کراتے گئے۔ ابو سرّاج رحمۃ اللہ علیہ کو تو خیر سامرۂ مقدّسہ میں بُلاکر وکیلِ خاص کی معرفت ہدایت فرمائی گئی مگر حسن ابن نصر علیہ الرّحمہ کو شہرِ مقدّس میں بُلواکر بلا واسطۂ غیرے و بلا شراکتِ احدے آستاں بوسی کا اعزازِ خاص عنایت فرمایا گیا۔ اور خاص طور پر ناحیۂ مقدّسہ کے اندر بُلائے گئے تا اینکہ بنفسِ نفیس زبانِ مبارک سے اُن کی ہدایت فرمائی گئی اور چونکہ اُنکی اجلِ موعود کا زمانہ قریب آ گیا تھا اِس لیے اُنکو ملبوسِ خاص کا کفن بھی خلعت فرمایا گیا۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جہانتک آپ کی امامت کے انتظامی واقعات دیکھے گئے ہیں اُنسے ثابت ہوتا ہی کہ یہ مسالک خاصکر اُنہی حضرات کے ساتھ قائم رکھے گئے ہیں اور اپنی امامت کے نظامِ مخفیہ کی تھوڑی بہت ماہیت اُنہی کو بتلادی گئی ہے جو بفحوائے آیۂ کریمہ فمنہم مّن قضٰی نحبہ اپنی موت سے قریب آ چکے تھے کیونکہ اُن سے افشائے راز کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ حسن رضؓ ابنِ نصر کا نتیجہ بھی ایسا ہی ہوا جیسا کہ سعد کی زبانی اوپر مرقوم ہو چکا۔

(۵ و ۶) چنداں تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں رکھتے اسلیئے اُنکی شرح خواہ مخواہ طوالت کا باعث ہوگی۔

(۷) اِس واقعہ میں جس طرح ابراہیم ابنِ مہزیار کی ہدایت فرمائی گئی اُس میں ایک خصوصیت اور نوعیت ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے مرحوم والدِ ماجد جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے سفیروں میں سے تھے۔ اِنکے پاس بھی اموالِ مومنین جمع ہوتے تھے اور یہ اُن کو بشرائطِ امانت و دیانت خدمتِ امام علیہ السّلام تک پہنچا دیتے تھے۔ غریب اب کی بار اثنائے راہ میں اپنی اجلِ موعود سے دوچار ہو گئے جیسا کہ اوپر سلسلۂ بیان سے واضح ہو چکا ہے۔ اتفاق سے ابراہیم رضؓ بھی اب تک آپ کے نظامِ امامت سے مشکوک اور مشتبہ تھے۔ اِس لیے اُنہوں نے اپنے والدِ مرحوم کی ادائے وصیّت میں اپنی طرف سے تساہل اور تغافل اختیار کیا اور اُسپر قیامت یہ کی کہ اُس رقمِ موصٰی لہ کو اپنے قیاس کے حکم کے مطابق صرف کرنا چاہا۔ جو شریعت کے موافق بالکل ممنوع اور غیر مشروع تھا۔ اِن وجوہ سے اِن کی ہدایت ایک خاص خصوصیت کے ساتھ کی گئی اور اسی ہدایت کے ساتھ اِن کے والدِ مرحوم کے فرائضِ منصبی بھی جو وہ اپنی حیات کے زمانہ میں مخفی طور پر کیا کرتے تھے پوری تشریح اور توضیح کے ساتھ ظاہر کر دیئے گئے۔ چنانچہ اوپر کے بیان سے ظاہر ہوا کہ جب ابراہیم رضؓ نے اُس تمام و کمال مال کو ایک مکان میں شہرِ بغداد کے

جمع کر دیا اور اُس کو تمام لوگوں سے پوشیدہ رکھا۔ اور دو چار روز کے توقف کے بعد اُس کو عام مسلمین پر تقسیم کر دینا چاہا اِسی اثنا میں تمام مؤمنین از خود اپنے اپنے مال لے لیکر ان کے پاس آنے لگے اور اپنے اپنے ہمراہی اسباب و اموال جمع کرانے لگے۔ یہانتک کہ احمد ابنِ اسحٰق کے ایسا ذی وجاہت اور معتمد علیہ بزرگ بھی اپنا مال انہی کے پاس جمع کرا گئے۔ یہ غریب ہر چند اُن لوگوں کو ٹالتے تھے مگر وہ لوگ نہ مانے۔ جب دو چار روز میں انکے پاس مالِ کثیر جمع ہوگیا تو یہ سخت پریشان ہوگئے۔ یہانتک کہ توقیعِ مبارک کے ذریعہ سے خدا خدا کرکے اُنکو وہ تمام و کمال مال ایک شخصِ خاص کو دیدینے کا حُکم آگیا۔ جب اُنہوں نے توقیعِ مبارک کی وہ عبارت پڑھی جو خاص دستِ مطہر کی لکھی ہوئی تھی تو انکے تمام شکوک اِنکے دل سے نکل گئے۔ مگر اِسکے ساتھ ہی اپنے وہم وقیاس کی بدولت اپنے موروثی منصب ولایتِ امام علیہ السلام کے منتزع کرلیے جانیکا پورا یقین کرلیا جس پر انہیں سخت ملال ہوا۔ مگر یہ ہے اخلاقِ کریمانہ کی شان۔ اور یہ ہے خُلقِ عظیم کا اصلی مقتضا۔ دو تین ہی دن کے بعد انکی بحالی اور تقرری کا حکم بھی آگیا۔ جس کی عبارت اصل واقعہ کے ساتھ اوپر تحریر ہو چکی ہے۔ ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حُسنِ تدبیر پر غور کرنیوالے جانتے ہیں کہ ایسے ایسے معاملات میں ہدایت اور تنبیہ کے بعد فوراً اپنے الطافِ عمیم اور اخلاقِ عظیم کا اظہار بھی فرمادیا جاتا تھا۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وّ آلِ محمّد۔

(۸) یہ واقعہ محمد ابنِ علی اسود رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہے۔ اِس میں کوئی خصوصیت اور نوعیت نہیں ہے اور جو ہے وہ اِسی قدر کہ اِس سے یہ امر بخوبی ثابت ہوجاتا ہے کہ ایسے اوقات میں جب سفراء یا وکلاء اپنی امانت میں سے کوئی چیز داخل کرنا بھول جاتے تھے تو اُن لوگوں کو وہ بھولی ہوئی چیز فوراً یاد دلادی جاتی تھی۔ اور یہی امر اُنکی ہدایت اور تصدیقِ معرفت کے لیے کافی ہوجاتا تھا۔ چنانچہ یہ بزرگوار بھی اپنے ہمراہی اموال میں سے اُس پیرہ زن کا دیا ہوا کپڑا قمی صاحب کو دینا بھول گئے۔ دوسرے دن انکو اِن کے سہو کی خبر کردی گئی۔ اِنہوں نے تلاش تو کی مگر اتفاق سے نہ ملا۔ پھر اِن کو تلاش کرنے کی تاکید کی گئی تو آخر جہاں یہ رکھکر بھول گئے تھے وہیں سے وہ کپڑا مل گیا۔

(۹ و ۱۰) چونکہ یہ دونوں واقعات ایک ہی راوی سے متعلق ہیں اِس لیے ہم دونوں واقعات کو یکجا بیان کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ دونوں مشاہدے ابو نعیم شاذانی سے مرقوم ہیں۔ اوّل کی نسبت وہ اپنی خصوصیت کا یوں ذکر کرتے ہیں کہ میں نے چار سو اسّی ۴۸۰ روپیہ میں اپنے پاس سے بیس ۲۰ روپیہ ملاکر پورے پانچسو ۵۰۰ کی رقم کامل کردی اور خدمتِ امام علیہ السلام میں بلا تفصیل و اظہارِ حقیقت روانہ کردیا۔ آستانِ مقدس سے اِس کی رسید میں جو توقیعِ مقدسہ برآمد ہوئی اُس میں اِس بیس ۲۰ روپیہ کی پوری حقیقت درج تھی جس کو سوائے ہمارے اور کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا۔

دوسرے واقعہ کی بابت اُن کا بیان ہے کہ میں نے اموالِ مؤمنین مختلف انواع و اقسام کے خدمتِ امام علیہ السلام میں بھیجے مگر اُنکے انواع و اقسام کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور نہ اُنکے بھیجنے والوں کے نام لکھے۔ رسید جو

برآمد ہوئی اُس میں تمام انواع واقسام۔ اُن کے مالکوں کے نام مع اُنکی سکونت اور مقام کے پوری تفصیل کے ساتھ درج تھے۔

(۱۱) یہ واقعہ ابو العباس کوفی کے مشاہدات میں داخل ہے۔ مگر اسکے راوی بھی ابو نعیم شاذانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ابو العباسؓ ایک بار کچھ مال لیکر آستانِ مقدس پر پہنچے۔ دل میں سوچے کہ بدون ادراکِ حجت اُسکو کسی کو نہ دونگا۔ دلیلِ حجت قائم ہونیکے لیے اس رقم میں سے کُل چھ۶ دینار بلا وزن کردہ نکال لیے اور بقیہ مال کو خادم خاص کی معرفت بھجوا دیا۔ فوراً توقیع مبارک کے ذریعے سے چھ دینار کی حقیقت اور اُنکے صحیح وزن لکھ بھیجے گئے۔ اُنھوں نے اُنہیں وزن کیا تو وزنِ مسطورہ بالکل ٹھیک پائے۔ فوراً صدق اللہ وحجتہ کہکر وہ چھ۶ دینار بھی خدمت امام علیہ السلام میں روانہ کر دیے۔

(۱۲) اس واقعہ کے راوی محمد ابن حسن مروزی ہیں۔ اُنکو جو ہدایت ہوئی وہ یہی ہے کہ انکے مرسلہ دو۲۰۰ سو روپیوں کی رسید میں اتنا اور اضافہ کر دیا گیا کہ ابھی سو۱۰۰ روپیہ کی رقم مالِ امام علیہ السلام میں سے تمہارے ذمہ اور واجب الادا ہے۔ جس کا ذکر تو اُنہوں نے اپنے عریضہ میں نہیں کیا تھا مگر اُسکا علم اُن کو ضرور تھا۔ پھر اُسی توقیع مقدس میں یہ تفصیل بھی تحریر تھی کہ اصل میں تمہارے پاس مجموع ہزار دینار مالِ امام علیہ السلام سے امانت تھے جس میں سے ایکی بار حاجز کی معرفت پھر دو۲۰۰ سو روپیہ وصول ہو کر اب کُل سو۱۰۰ روپیہ تمہارے ذمہ باقی رہگئے۔ اب اگر تم کو روپیہ بھیجنا ہو تو شہر رے میں ابو الحسین اسدی کو حوالہ کر دینا۔ ابو الحسین کی خصوصیت کی وجہ بھی فوراً معلوم ہو گئی کہ غریب حاجز کا ایک دو روز ہی کے بعد انتقال ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ اور اُنکا عہدہ ابو الحسین علیہ الرحمہ کو تفویض فرمایا گیا۔

بہرحال۔ اِس باب میں ہم نے اتنے واقعات آپ کے نظامِ امامت کے متعلق لکھدیے جن سے ہمارے اوپر کے تمام دعووں کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ موجودہ نظامِ امامت۔ ہدایت وارشاد کے تمام فرائض پورے طور سے انجام دیتے تھے۔ اور ایسے لوگوں کی جو خاصکر آپکے پوشیدہ اور زیادہ مخفی رہنے کے باعث آپ کے نظام کی طرف سے تامل کرتے تھے۔ پوری تشفی اور کامل اطمینان کیا جاتا تھا۔ جن لوگوں نے حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات پڑھے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ آپ کے نظامِ امامت جو ان حضرات کے حُسنِ تدبیر کا ایک نام ہے بالکل نظامِ مشیت اور احکامِ قدرت سے تعلق رکھتے تھے۔ جیسی اُس طرف سے تاکید ہوتی تھی ویسی ہی اِس طرف سے تعمیل ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ زمانہ اور زمانہ والوں نے دیکھ لیا کہ اِنکے محاسن تدبیر اور اصابت رائے کے مقابلہ میں سلاطین عصر اور فرمانروایان دہر کی طرف سے اِن کے قتل وہلاکت کی کیسی کیسی تدبیریں عمل میں لائی جاتی تھیں۔ مگر ایک بھی مفید کار نہیں ہوتی تھی اور بخلاف اِن مخالفانہ ترکیبوں کو وہ حافظِ حقیقی اُن کی حفاظت وصیانت کے اپنی طرف سے ایسے سامان کر دیتا تھا کہ پھر انکے مخالفین اور معاندین انکا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے تھے ع دشمن چہ کند

چو مہرباں باشد دوست نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حضرات سلام اللہ علیہم اپنے اِن فرائضِ مخصوصہ کو اپنی اپنی حیات کے زمانہ میں نہایت اطمینان سے انجام دیئے گئے۔ جیسا کہ ہم اِس سلسلہ کے سابق تمام نمبروں میں پوری تفصیل کے ساتھ دکھلا چکے ہیں۔

اُن تمام امور پر غور کر کے جو اوپر گیارہ کتابوں میں مفصّل اور مسلسل طور پر بیان ہو چکے ہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کے زمانۂ امامت میں بھی مخالفین کی شورش اور کاوش اُسی طرح اپنے انتہائی درجہ تک پہنچی ہوئی تھی جن کے مقابلہ میں آپ کے نظامِ امامت کا اجرا پانا ایک ظاہر بین نگاہ میں ضرور دشوار خیال کیا جاتا تھا۔ مگر یہ واقعات جو ابھی ابھی مختلف رواۃ کے ذریعہ سے اوپر بیان کیے گئے ثابت کر دیتے ہیں کہ اِن مخالفانہ تراکیب۔ تدابیر اور ظلم و تہدید کی موجودگی میں بھی آپ کی امامت کے احکام تمام بلادِ اسلام میں برابر نافذ ہوتے رہے اور جن اصول اور حدود تک اُنکا نفاذ ضروری تھا وہ برابر قائم اور جاری رہا اور اُن کے اجرا اور نفاذ سے ہدایت و ارشاد کے فرائض انجام ہوتے رہے۔ اور سینکڑوں بندگانِ خدا حقیقتاً ایسی تاریکی اور عام ظلمت کے زمانے میں جب غفلت اور جہالت کے پردے عموماً لوگوں کی آنکھوں پر پڑے تھے۔ راہِ راست اِسی کے ذریعہ سے پاتے تھے۔ اور اپنے تمام شکوک۔ وساوس اور شبہات کو جو بشریت کے تقاضہ سے اکثر اُن کے دلوں میں خطور کر جاتے تھے دور اور زائل کر لیتے تھے۔ اور اِسی کے ساتھ آپ کی امامت کے باطنی احکام اور مخفی نظام کی ضرورت اور مصلحت اور انکی حسنِ تدبیر سے کامل طور پر آگاہ ہو جاتے تھے۔

ہم اپنی موجودہ بحث کو یہانتک پہنچا کر آپ کی امامت کے نظام کے دوسرے امور کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم آپ کے نظام کے بقیہ حالات کو ایک جُداگانہ باب میں بارِ دیگر علیحدہ بیان کرینگے۔ مگر نہیں۔ شاید میرا ایسا کرنا سلسلۂ بیان اور موجودہ ترتیبِ مضامین کے خلاف سمجھا جائے۔ اِس لیے ہم اِن تمام مضامین کو یکجا جمع کرنا اور ایک ہی سلسلہ میں بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

بہرحال۔ ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ موجودہ بحث کے متعلق جتنے واقعات اوپر لکھے گئے ہیں اُن میں تمام تر اموالِ خمس کی بابت آپ کے مختلف نظام و احکام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور دوسری قسمِ نظام اور نوعِ احکام کی کوئی تفصیل نہیں کیگئی ہے۔ اگر کسی واقعہ سے کوئی دوسری چیز معلوم بھی ہوتی ہے تو وہ ضمناً خیال کیجائیگی نہ اصلاً۔ اِس لیے اِس سے غلط فہمی پیدا ہونیکا پورا احتمال ہے کہ شاید آپ کے نظام اموالِ خمس ہی کے انتظام تک محدود و موقوف تھے۔ اِس لیے ہم کو آپ کے دوسرے احکام بھی اُسی تفصیل سے لکھدینا نہایت ضروری اور لازم ہیں۔

اِن ضرورتوں پر غور کر کے ہم اب اپنے آیندہ سلسلۂ بیان میں آپ کے وہ نظام اور احکام درج کرتے ہیں جو آپ نے ہدایتِ عام۔ اجرائے احکامِ اسلام اور احیائے سنّتِ حضرتِ خیر الانام علیہ و آلہ الصلوات من رب العلام

کے متعلق نافذ فرمائے ہیں۔ اور یہ ایسے ضروری اور مفید احکام تھے جنہوں نے سینکڑوں کیا ہزاروں مسلمانوں کی روزانہ عملی ضرورتیں پوری کر دیں۔ اور لوگوں نے احکامِ شرعیہ اور نصابِ دینیہ کے متعلق اپنی کامل تسکین اور کافی تشفی کر لی جن کی نسبت وہ اُس وقت تک کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور اپنی عدم واقفیت اور لاعلمی کے باعث اُنکی ضرورتوں کے وقت اُنکو طرح طرح کی دشواریاں اور مصیبتیں پیش آیا کرتی تھیں اور اُن کے عملیات میں سخت حرج واقع ہوتا تھا۔

آپ کی امامت کے دوسرے نظام

شیخ طوسی علیہ الرحمہ کتاب الغیبۃ میں حسین ابنِ علی ابنِ بابویہ قمیؒ کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جس سال قرامطہ نے تمام بلادِ اسلامیہ میں فتنہ و فساد پھیلا رکھا تھا اور خلافتِ بغداد کے خلاف میں پورے طور سے مخالفت اور دست بقبضہ ہونیکی جرأت اور بغاوت اختیار کی تھی تو اُن کے اثر سے تمام مُلک میں سخت بدامنی اور بےچینی پھیلی ہوئی تھی۔ اور ہر شخص انتشار اور اضطرار کی حالتوں میں گرفتار تھا حسین کے والد علی بن بابویہ نے بھی رات دن کے موجودہ فکر و انتشار کے خیال سے سفر بیت اللہ اختیار کرنیکا قصد کیا۔ اور اپنے خاص حُسنِ تدبیر سے اِس تہلکۂ عظیم سے بچنے کی یہ خاص ترکیب نکالی جو ہم خرما و ہم ثواب کی مصداق تھی۔ اور یہ سوچکر ایک عریضہ جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کی خدمت میں لکھا اور اپنے حج بیت اللہ کے لیے اذن طلب کیا۔ حسینؒ راوی حدیث کا بیان ہے کہ جواب میں تحریر فرمایا گیا کہ امسال تمہارے لیے حج کرنا بہتر نہیں ہے۔ یہ جواب پاکر آپ کی خدمت میں پھر لکھا گیا کہ امسال میں حج بیت اللہ کے لیے نذر کر چکا ہوں تو کیا ایسی حالت میں قضائے نذر میرے لیے جائز ہو گی؟ جواب میں ارشاد کیا گیا کہ صورتِ موجودہ میں تم مجبور رہو۔ بہتر ہے۔ حج بیت اللہ معظّم کو جاؤ۔ مگر سب سے آخر والے قافلہ کے ساتھ جانا۔ حسینؒ کا بیان ہے کہ میرے والدِ ماجد حسب الارشادِ امام علیہ السلام اُس قافلہ کے ساتھ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے جو سب سے آخر میں ہمارے شہر سے مکّہ معظمہ زاد اللہ شرفہا کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اور الحمد للہ بخیر و عافیت پہنچ گئے اور ان سے پہلے جتنے قافلے گئے تھے اُن سب کو قرامطہ نے لوٹ لیا اور اُن میں کا کوئی فردِ واحد بیت اللہ معظّم تک صحیح و سالم نہ پہنچ سکا۔

(۲) ابنِ قولویہ علی ابنِ محمد کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ میرے دوستوں میں سے ایک صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اُنہوں نے اُس کی رسمِ عقیقہ کی نسبت جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کی خدمت میں یہ پوچھا تھا کہ بچّہ کا عقیقہ یا رسمِ تطہیر ولادت کے کئے دن بعد کیجائے؟ جواب میں حکم آیا کہ نہ کرو۔ چنانچہ ولادت کے ساتویں دن وہ بچّہ مر گیا۔ میں نے یہ واقعہ خدمتِ مبارک میں لکھ بھیجا۔ ارشاد ہوا کہ غمگین نہو۔ خدائے سبحانہ و تعالےٰ تمہیں بہت جلد دو بیٹے عنایت فرمائیگا جو انشاءاللہ المستعان تمہارے بعد تمہارا نام و نشان بنکر دنیا میں قائم رہینگے۔ اُن میں سے بڑے کا نام احمد اور چھوٹے کا جعفر رکھنا۔ چنانچہ حسب الارشاد میرے ہاں دو لڑکوں کی ولادت واقع ہوئی اور میں نے ایک کا نام احمد اور دوسرے کا جعفر رکھا۔ اور بفضلہ تعالےٰ دونوں حیّ القائم رہے۔

(۳) اِس واقعہ کے بعد وہی راوی بیان کرتے ہیں کہ اِن بچّوں کی ولادت کے بعد میں نے حجِ بیت اللہ کا قصد کیا اور اِس قصد سے اپنے اہل و عیال کو وداع کیا۔ اسی اثناء میں بغیر تحریک ایک توقیعِ مقدّس میرے نام برآمد ہوئی جس میں تحریر تھا کہ میرے نزدیک تمہارا یہ سفر قرینِ مصلحت نہیں ہے۔ مگر تمہیں اختیار ہے چاہے جاؤ یا نہ جاؤ۔ یہ حکم دیکھکر خلافِ حکم کرنیکی تو کسی طرح جرأت نہ کرسکا مگر شرفِ حج سے محروم رہجانیکا بھی سخت صدمہ ہردم و ہر لحظہ بنا رہتا تھا۔ اِسی اثناء میں ایک دوسری توقیع وارد ہوئی جس میں تحریر تھا کہ تم غمگین و ملول نہو۔ انشاء اللہ المستعان سالِ آیندہ تم حجِ بیت اللہ سے مشرف ہوگے۔ سالِ آیندہ جب حج کا زمانہ قریب آیا تو میں نے پھر خدمتِ مبارک میں اِس امر کی اطلاع کی۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ ضرور جاؤ۔ پھر میں نے عرض کی کہ اس سفر میں میں نے محمد ابن عباس کو اپنا ہم سفر قرار دیا ہے کیونکہ مجھے اُنکی رفاقت اور امانت پر پورا اعتماد ہے۔ جواب میں حکم آیا کہ اگر محمد ابن عباس کی جگہ ابوالحسین اسدی تمہیں ملجائیں تو بہتر ہے۔ تم اُنکو اپنا رفیق اور ہم طریق بنانا۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ میں نے جملہ امور کو حسب الارشاد تعمیل کیا۔ مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفہا پہنچا تو معلوم ہوا کہ سالِ گزشتہ بدوؤں کے ظلم سے بہت سے حجاج کی جانیں تلف ہوئیں۔ اور قافلوں کو اُن کے ہاتھوں بڑی بڑی مصیبتیں پیش آئیں۔ بخلاف سالِ گزشتہ کے سالِ موجودہ میں کوئی تردد اور فکر نہیں تھی۔ ہر شخص نے بآرام و اطمینان حجِ بیت اللہ کے تمام ارکان ادا کیے اور میں بھی مناسکِ حج ادا کرکے صحیح و سلامت اپنے مقام کو واپس آیا۔

(۴) حضرت قسم ابنِ علا رضی اللہ عنہ جو جنابِ امام علی نقی علیہ السّلام کے وقت سے لیکر آپکے موجودہ زمانۂ امامت تک وکالت و سفارت کے عُہدے پر مامور تھے اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک امر کے لیے آپکی خدمت میں استدعا کی جس میں ایک حاجت یہ بھی تھی کہ میں بوڑھا ہوگیا اور اِس وقت تک میری کوئی اولاد نہیں ہے جو بعد میں میری یادگار ہوسکے۔ اس کے ساتھ ہی میری دو اور بھی حاجتیں تھیں۔ چنانچہ میری اُن دونوں حاجتوں کے تو مفصّل جواب دیے گئے۔ مگر اولاد والی حاجت کی بابت کچھ نہ تحریر فرمایا گیا جس کی وجہ سے مجھ کو سخت اندیشہ اور فکر دامنگیر ہوئی۔ بارِ دیگر میں نے اِس امرِ خاص کے لیے عریضہ لکھا۔ اب کی بار مجھے جواب میں لکھا گیا کہ میں نے تمہاری استدعا کا جواب نہ دیا اِس لیے کہ میں نے اِس مادۂ خاص میں خداوندِ تعالےٰ سے درخواست کی ہے کہ وہ تمہیں فرزند عطا فرمائے۔ اور جو تمہارے گھر میں لڑکی کا حمل ہے اُس کو اپنی قدرتِ کاملہ سے لڑکے کی شکل میں مبدّل فرمادے۔ یہ خط پڑھکر مجھے سخت تعجب ہوا کیونکہ مجھ کو اپنی زوجہ کے حاملہ ہونیکا مطلق علم نہیں تھا۔ میں نے اپنی زوجہ سے اِس امر کو دریافت کیا تو اُس نے اِس کی تصدیق کی۔ اور کہا کہ جو بیماری امتناعِ حمل کی مجھے عرصہ سے لاحق تھی وہ بالکل زائل ہوگئی۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد لڑکا پیدا ہوا۔

(۵) علی ابنِ محمد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک توقیعِ مبارک عام شیعہ گروہ کے نام برآمد ہوئی

جس میں تحریر فرمایا گیا تھا کہ اِن ایام میں کوئی شخص عتباتِ عالیات کاظمین شریفین۔ کربلائے معلےٰ۔ نجفِ اشرف اور سائرِ مشاہدِ مقدسہ کی زیارت کو نہ جائے۔ اِس حکم سے تمام شیعہ پبلک میں ایک عام بیچینی اور انتشار پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ دو چار مہینے گزرنیکے بعد وزیرِ بغداد نے باقطانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی خلوت میں بلاکر کہا کہ شیعیانِ بنی فرات اور اہلِ برس کو بُلا کر کہو کہ مقابرِ مقدسہ کی زیارت کو نہ جائیں کیونکہ مجھ کو حکمِ سلطانی ہوا ہے کہ ایسے لوگوں کی تلاش اور تفحصِ احوال کرکے گرفتار کروں۔ عنقریب وہ لوگ گرفتار ہوکر مادام الحیات قید میں رکھے جائینگے۔

اِسی ایک واقعہ سے آپ کے نظامِ امامت کے فوائد اور منافع علےٰ رُوس الاشہاد معلوم ہوجاتے ہیں۔ جو حضرات کہ اپنی کوتہ اندیشیوں کے باعث آپ کے نظامِ امامت کو دنیاوی مصالح کے لیے ضروری اور مفید نہیں سمجھتے وہ تنہا اِسی واقعہ کو دیکھکر سمجھ لیں اور یقین کرلیں کہ آپ کے موجودہ احکام نے شیعہ گروہ کی کتنی غریب جانوں کو ضائع اور برباد ہوجانے سے بچایا۔ اور اُنکو ایک ایسی آنیوالی بلا سے مطلع فرمادیا جسکی اُنہیں مطلق اطلاع اور خبر نہیں تھی اور وہ اپنی لاعلمی کے باعث بہت جلد سخت سے سخت تہلکہ میں ایکبارگی پڑجاتے۔

(۶) غالب رازی کا بیان ہے کہ میں اپنے چند رفیقوں کے ہمراہ حضرت ابی رَوح رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ اُنہوں نے میرے رفیقوں میں سے ایک صاحب کی طرف مخاطب ہوکر پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ اُنہوں نے میری نسبت معرّفۃً یہ عرض کی کہ یہ زرارہ ابنِ اعین کی اولاد سے ہیں۔ پھر وہ خود مجھ سے مخاطب ہوئے اور میرے حسب ونسب کی نسبت مجھ سے دریافت فرمانے لگے۔ میں سنے عرض کی کہ اے سیّد! میں بکر ابنِ اعین کی اولاد سے ہوں جو زرارہ کے برادرِ عینی تھے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ اِس میں کلام نہیں آپ خاندانِ اعلےٰ اور دودمانِ والا سے ہیں۔ آپ کے پدرِ بزرگوار بہت بڑے نامور اور باا‌ثر گزرے ہیں۔ اِس اثنائے گفتگو میں میرے رفیق نے اُن سے عرض کی کہ اے سیّد! اِس وقت مجھے آپکی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ آپ میری طرف سے ایک امرِ خاص کے متعلق امام علیہ السّلام کی خدمتِ بابرکت میں ایک عریضہ لکھدیں۔ اُنہوں نے کہا بہتر میں ابھی لکھے دیتا ہوں۔ یہ سُنکر مجھے بھی یہ خیال ہوا کہ میں بھی اپنے ایک امرِ خاص کے لیے خدمتِ امام علیہ السّلام میں عرض کروں۔ اور وہ امر ایسا رازِ مخفی تھا جسکو سوائے میرے اور کوئی دوسرا جانتا ہی نہیں تھا۔ اور وہ راز یہ تھا کہ میری زوجہ (ابو العباس کی ماں) ہمیشہ سے میری سخت مخالف تھی۔ اور اُسکے سلوک میرے ساتھ اچھے نہیں رہتے تھے۔ لیکن باوجود مخالفت کے اُسکی محبّت میرے دل سے کسی طرح کم نہیں ہوتی تھی۔ اور میں ہمیشہ اُس کا گرویدہ بنا رہتا تھا۔ اِسی راز کو اپنے دل میں مخفی رکھکر میں نے اسے خدمتِ امام علیہ السلام میں پیش کرنے اور فیما بین رسمِ اتحاد قائم ہونیکے لیے دعا فرمائی جانیکے لیے استدعا کی۔ اور یہ نیت دل میں کرکے میں نے حضرت ابی رَوح رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے بھی خدمتِ امام علیہ السلام میں کچھ عرض

کرنا ہے۔ مگر اُسے لکھکر افشا کرنا نہیں چاہتا۔ صرف حاجتِ خاص لکھکر خدمتِ بابرکت میں مستدعی ہوتا ہوں
چنانچہ صرف اتنا ہی لکھکر میں نے اپنا اور اپنے رفیق کا عریضہ خدمتِ امام علیہ السّلام میں بھیجدیے جانیکے
لیے حضرت ابی رُوح رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا۔ اُنہوں نے وہ دونوں رقعے اپنے پاس رکھ لیے پھر
ہم لوگ اُن کے پاس سے ہٹ آئے۔ جب اِس واقعہ کو تھوڑا زمانہ ہوگیا تو ہم لوگ دریافتِ احوال
کی غرض سے پھر حضرت ابی رَوح علیہ الرّحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم لوگوں کو دیکھتے ہی اُنہوں نے
ایک رقعۂ پیچیدہ نکالا اور ہم لوگوں کے پاس رکھدیا۔ ہم لوگوں نے اُس توقیعِ مبارک کو پڑھا تو اُس میں پہلے
ہمارے رفیق کے مدعا کا حسبِ دلخواہ جواب مندرج تھا۔ جسے پڑھکر وہ بہت خوش ہوئے۔ اِسکے بعد
میری استدعا کا جواب تحریر تھا اور اُسکی عبارت سراپا ہدایت یہ تھی کہ سوالِ رازی کے متعلق خدائے
سبحانہ وتعالےٰ سے دعا کر دی گئی ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اُسکے اور اُسکی زوجہ کے فیمابین اصلاح جاری
اور قائم فرمادے۔ یہ تحریر پڑھکر میں بہت مسرور ہوا اور آپ کا رعبِ عظیم مجھ پر مستولی ہوا۔ اِسکے بعد میں اور
میرا رفیق دونوں وہاں سے واپس ہوئے۔ اثنائے راہ میں میرے رفیق نے مجھ سے کہا کہ تمنے بھی تو اپنی استدعا
کا جواب پالیا۔ میں نے کہا ہاں۔ اور اُسکے ساتھ مجھے سخت حیرت اور تعجّب لاحق ہے۔ میرے رفیق نے کہا کہ
مجھے خود تعجب ہوتا ہے کہ تم اِن معاملات میں حیرت کیوں کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ معاذ اللہ۔ میرے تعجّب کا
خدانخواستہ اور کوئی مطلب نہیں ہے۔ صرف اِسی قدر کہ یہ ایک ایسا راز تھا جس سے سوا میرے کوئی دوسرا
اِس وقت تک آگاہ نہیں تھا۔ میرے رفیق نے کہا کہ سبحان اللہ! تم ناحیۂ مقدّسہ کے نظام میں شک کرتے ہو۔
غرض اِس گفتگو کے بعد پھر ہم لوگ اپنے اپنے مکان کو واپس چلے آئے۔ مجھے کوفہ جانیکا اتفاق ہوا۔ اور میں اپنی
سُسرال کو نہ گیا جہاں میری زوجہ مجھ سے ناراض ہوکر اور میرے گھر سے اُٹھکر جا رہی تھی مگر میں اپنے گھر گیا۔
خلافِ معمول میرے واپس آنیکی خبر سُنکر میری زوجہ خود بخود میرے گھر واپس آئی اور آتے ہی مجھ سے اپنی
بدسلوکی۔ بیرحمی اور کج خُلقی کی نسبت بہت معذرت کی اور اُسکے عوض میں میری بڑی دلجوئی۔ عظمت اور
خدمت کی۔ اور اُسی دن سے موافقت۔ مرافقت اور اخلاص واتحاد کے باہمانہ تمام طریقے جاری کیے۔
اور مخالفت ومفارقت کے قدیم دستور درمیان سے اُٹھادیے۔ یہانتک کہ اجلِ موعود نے ہمارے اور
اُس عفیفہ کے درمیان دائمی مفارقت کر دی۔ خدائے ارحم الرّاحمین اُسکی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

(۷) ایسا ہی واقعہ ابو الفرح محمد ابنِ مظفرؔ کی زبانی نقل ہے۔ وہ شہرِ کوفہ کے بازارِ ابی غالب کے
رہنے والے تھے۔ اُنہوں نے اِس واقعہ کو پانچویں ذیقعدہ روزِ یکشنبہ ۳۵۶ھ کو بیان کیا۔ اس طرح کہ میں نے
ایک عورت سے عقد کیا۔ اور وہ پہلی عورت تھی جس کے ساتھ میں نے نکاح کیا تھا۔ میں اُن دنوں اپنی پوری
جوانی پر تھا۔ اور تخمیناً بیسؔ برس کی عمر کا تھا اور شادی کے بعد کئی برس تک اپنی سُسرال میں مہمان رہا۔ اور
اس اثنا میں برابر اِس فکر میں رہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح میں اپنی زوجہ کو اپنے گھر رخصت کرا لیجاؤں۔ مگر جب

اِس امر کا اظہار اپنی سُسرال والوں سے کرتا تھا وہ برابر انکار کرتے تھے۔ اِسی مدّت میں اُسے حمل ہوگیا۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد لڑکی پیدا بھی ہوئی اور مر بھی گئی۔ اتفاقاً میں نہ اُسکی ولادت کے وقت موجود تھا اور نہ اُسکی وفات کے وقت۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ میری زوجہ کے نہ رخصت کردینے کے سبب میں ناراض ہوکر سُسرال سے اپنے گھر چلا آیا تھا۔ لڑکی کے مرجانیکے بعد ہم میں اور سُسرال والوں میں اِس امر پر تصفیہ ہوگیا کہ وہ لوگ میری زوجہ کو رخصت کردیں۔ یہ وعدہ وعید کرکے میں اپنے گھر چلا آیا اور وعدہ کے دن اپنی بی بی کو لانیکے لیے گیا تو اُن لوگوں نے بدستورِ سابق پھر ویسے ہی انکار اور ممانعت پیش کی۔ اتفاقِ وقت سے پھر وہ اِن ایام میں حمل سے ہوگئی۔ غرضکہ پھر کہنے سننے سے آپس میں مصالحت ہوگئی۔ مگر یہ مصالحت بھی دیرپا نہ رہی۔ تھوڑے ہی دن کے بعد پھر ویسے ہی فتنہ و فساد کے دروازے کُھل گئے۔ پھر میری موجودہ غیبت کے زمانہ میں میری دوسری لڑکی پیدا ہوئی اور اُسکی ولادت سے کامل دو برس تک فیمابین عداوت اور مخاصمت قائم رہی۔ اِس حالت میں شہرِ بغداد میں میں داخل ہوا۔ اور چونکہ اہالیانِ کوفہ کے ملجاؤ ماوائی زمانہ ابو جعفر محمد ابنِ احمد تھے اور قرابت میں وہ بمنزلہ میرے باپ اور چچا کے ہوتے تھے اور وہ اُس وقت تک بغداد ہی میں مقیم تھے۔ اس لیے میں نے اُنہی کے پاس قیام کیا اور اپنے اِسی قیام کے زمانہ میں جو جو فسادات اور عداوت کہ فیمابین ہمارے اور ہماری سُسرال والوں کے قائم تھی وہ ایک ایک کرکے اُن سے بیان کردی۔ اُنہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم یہ حالات و واقعات لکھکر خدمتِ امام علیہ السلام سے اِس اپنے معاملہ خاص میں دعائے فرج کی استدعا کرو۔ چنانچہ اُن کے ارشاد کے مطابق میں نے ایک عریضہ کی صورت میں اپنے تمام ماجرے کی مفصّل اور مسلسل صورتِ حال قلمبند کی اور اُسکو خدمتِ فیضدرجت میں پہنچا دیے جانیکی غرض سے ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ کردیا۔ اُنہوں نے اُس کو محمد ابنِ علی علیہ الرحمہ کے سپرد فرمادیا اور اُنہوں نے جنابِ حسین ابنِ رَوح رضی اللہ عنہ کی خدمتِ بابرکت میں پہنچا دیا۔ کیونکہ اُس زمانہ میں وکیلِ خاص کے عہدہ پر وہی فائز تھے۔ اور یہ تمام اُمور اُنہی کے توسّل سے آستانۂ مقدّس تک پہنچائے جاتے تھے۔ اِن معاملات کو عرصہ ہوگیا۔ بالآخر ایک بار میں حسین ابنِ رَوح رضی اللہ عنہ کی خدمت میں استفسارِ حقیقت کی غرض سے گیا۔ اُنہوں نے میری عرضِ حال سُنکر جواب دیا کہ میرے نزدیک تاخیرِ جواب تمہارے حق میں زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ عجلت میری طرف سے ہوگی اور تاخیر امام علیہ السّلام کی طرف سے۔ یہ سُنکر میں اُنکی خدمت سے اُٹھ آیا۔ جب اِس گفتگو کو بھی عرصہ گزر گیا اور پھر کچھ حقیقتِ احوال نہ معلوم ہوئی۔ یہانتک کہ مجھے اسکا خیال بھی بھول گیا تو ایک دن حسین ابنِ رَوح رضی اللہ عنہ نے خود مجھے طلب فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو مجھے ایک پیچیدہ رقعہ دیکر ارشاد فرمایا کہ یہی تمہاری استدعا کا جواب ہے۔ اگر تم چاہو تو اسکی نقل لیلو۔ میں نے اُسے پڑھا تو اُس میں تحریر تھا کہ خداوندِ عالم نے زن و شوہر کے معاملات میں اصلاح فرمادی۔ اور مخالفت فیمابین سے اُٹھادی۔ یہ پڑھکر میں نے اُس توقیعِ مبارک کی ایک نقل لیکر اپنے ہمراہ رکھلی اور اصل تحریرِ مقدّس اُنکو واپس دیدی۔

پھر میں کوفہ آیا تو میں نے اپنی زوجہ کو اپنا نہایت مطیع اور فرمانبردار پایا۔ اور پھر وہ مادام الحیات میری اطاعت و فرمانبرداری کی تمام خدمات نہایت خوبی سے بجالاتی رہی۔ اُس کے بطن سے میری متعدّد اولادیں وجود میں آئیں۔ جو میرے بعد دنیا میں میری یادگار ہیں۔ حالانکہ میں نے اُس کے ساتھ مختلف اقسام کی بدسلوکیاں اور سختیاں ایسی ایسی کی تھیں جن کو عام طور سے عورتیں برداشت نہیں کر سکتیں لیکن باوجود ان تمام امور کے کبھی اُس عورت کا مُنہ میری طرف سے میلا نہوا۔ اور نہ اُس کے گھر والوں نے کبھی سابق شکایتوں کے متعلق مجھ سے اشارۃً یا کنایۃً ذکر کیا۔ یہانتک کہ اجلِ موعود نے ہمارے اور اُسکے درمیان دائمی مفارقت پیدا کردی۔

(۸) یہی ابی غالب اپنا ایک دوسرا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ سے پہلے میں نے ایک عریضہ اِس مضمون کا خدمتِ امام علیہ السّلام میں روانہ کیا کہ میں اپنی اراضی خدمتِ امام علیہ السّلام میں نذر کرتا ہوں بقبول فرمائی جائے۔ اُس وقت اِس نذر سے میری نیّت تقرّبِ خدا حاصل کرنیکی مطلق نہیں تھی۔ بلکہ میرا تمام مقصود یہ تھا کہ میں طائفۂ نوبخت سے سازش کرکے دولتِ دنیاوی اور آرام وعشرت حاصل کروں۔ میرے اِس عریضہ کا ایک مدّت تک جواب نہیں آیا۔ میں نے جواب حاصل کرنیکے لیے بار بار عریضے پر عریضہ لکھا اور شرف جواب عطا فرمائے جانیکے لیے اصرار پر اصرار کیا تو آخر کار مجھے یہ جواب عنایت ہوا کہ جس شخص کی امانت و دیانت پر تمہیں پورا اعتماد ہو اُس کے نام اپنی اراضی لکھدو۔ کیونکہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر تمکو اِسی اراضی کی ضرورتِ شدید پیش آنیوالی ہے۔ یہ حکم پاکر میں نے وہ اراضی موسٰے ابنِ حسن زجوجی ابنِ کوفہ کے نام لکھدی کیونکہ مجھکو اُنکی امانت و دیانت پر پورا اعتماد تھا۔ اِس تحریر کو لکھے ہوئے ابھی کوئی زمانہ نہیں ہوا تھا کہ عرب کی ایک راہزن قوم نے میرے گھر پر چھاپہ مارا اور نقدیات وغیرہ سے جو کچھ میرے گھر میں تھا اُسی اُٹھا گئی اور مال واسباب کے متعلق میرے تمام گھر میں ایسی جھاڑ دھیر دی کہ ایک تنکا تک بھی باقی نہیں چھوڑا۔ اُنہوں نے اس پر بھی اکتفا نہیں کی۔ مجھ کو مقیّد بھی کرلیا۔ میری تمام جائداد جو تلف کردیگئی وہ چار ہزار کامل کی مالیت تھی۔ غرضکہ میں اُنکی اسیری میں ایک مدّت تک رہا۔ اور انواع واقسام کے مصائب وشدائد دن رات اُٹھاتا رہا۔ آخر کار میں نے اپنی آزادی کو پندرہ سو درہم دیکر بارِ دیگر خرید کرلیا۔ اور ہمارے اُسکے درمیان یہ معاملہ طے پایا کہ رقم موعودہ کی کامل اداکاری کے بعد وہ ہم کو سابق بدستور آزاد کردینگے۔ اور پھر ہم سے کوئی واسطہ اور سروکار نہ رکھینگے۔ مگر یہ سب کچھ تو ہوگیا۔ اتنا روپیہ کس کے پاس تھا جو یہ سب انتظام کیے جاتے۔ میں نے اپنی آزادی پانے کی تمنّا میں اِس رقم کی اپنے تمام احباب سے منّت وسماجت کی مگر کہیں سے کوئی بندوبست نہو سکا۔ اور کسی نے مجھ کو ایک حبہ نہ دیا۔ میں نے اسکے لیے اتنی کوشش کی کہ مختلف مقامات پر متفرق قاصد متواتر بھیجے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا اور اُلٹے اِن بندوبستوں میں میرے پانچسو روپیہ اور صرف ہوگئے۔ آخر کار ایک شخص سے میں نے اتنی رقم قرض لی اور قیدِ رہزناں سے مخلصی پاکر اپنے شہر کوفہ میں پہنچ گیا۔ پھر اُسی اراضی کو بیچا اور یہ دین ادا کیا۔ اور

مجھکو اُسی وقت قولِ امام علیہ السّلام کی کامل تصدیق و توثیق ثابت اور معلوم ہوگئی۔

(۹) ابنِ نوحؒ کی زبانی علی ابنِ حسین ابنِ یوسف قمیؔ کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ علی ابنِ حسین قمیؔ نے اپنی چچیری بہن کے ساتھ جو محمدؔ ابنِ موسٰے کی صاجزادی تھیں عقد کیا۔ لیکن ایک زمانہ تک اُنسے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ میں نے حضرت ابنِ قسم کے ذریعہ سے خدمتِ امام علیہ السّلام میں یہ استدعا کی کہ عطائے اولاد کے لیے درگاہِ قاضی الحاجات میں دعا فرمائی جائے۔ اِس کے جواب میں مجھے تحریر فرمایا گیا کہ اس بی بی سے تمہاری کوئی اولاد ہونیوالی نہیں مقدّر کی گئی ہے۔ ہاں تمہاری کنیز دیلمیہ سے تمہارے بیٹے ہونگے۔ جو صاحبِ علم و فقیہ مشہور ہونگے۔ انشاء اللہ المستعان۔ چنانچہ میعادِ مقررہ کے بعد اُسی کنیزِ دیلمیہؔ سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کے نام محمدؔ۔ حسنؔ اور حسینؔ رکھّے۔ جن میں سے محمدؔ اور حسینؔ بہت بڑے عالم۔ فقیہ اور محدث نکلے۔ دونوں دینیات میں اپنا عدیم و نظیر نہیں رکھتے تھے۔ باقی حسنؔ۔ جو اُنکے برادرِ اوسط تھے وہ علومِ ظاہری میں تو چنداں معرفت پیدا نہ کرسکے۔ ہاں زہد و عبادت میں البتہ اِس قدر محو تھے کہ اُنکو دنیا کے ایک کام سے بھی کوئی واسطہ اور سروکار نہیں تھا۔ محمدؔ اور حسینؔ (رحمہا اللہ تعالےٰ) کی جامعیّت۔ قابلیت اور استحفاظِ احکامِ شریعت وغیرہ کی یہ کیفیت تھی کہ ذکرِ حدیث اور بیانِ وعظ وغیرہ کے خاص اوقات میں انکے حسنِ تقریر۔ فصاحت و بلاغت اور کلام کی سلاست کو سُن سُنکر تمام لوگ حیران اور انگشت بدنداں رہکر خاموش رہجاتے تھے اور کسی کو یارائے کلام نہیں ہوتا تھا اور اُن کے آگے کوئی بول نہیں سکتا تھا اور نہ اپنے لبہائے تقریر کھول سکتا تھا۔ بلکہ بکمال اعتراف ہر شخص یہی کہتا تھا کہ تمام فضل و کمال دعائے امام علیہ السّلام کے باعث ہے۔ ورنہ ساداتِ قُمؔ میں صاحبِ علم و استعداد بہت سے حضرات موجود ہیں مگر نہ انکے ایسا کسی کو فروغ حاصل تھا اور نہ شہرت۔

(۱۰) کتابِ اکمال الدین میں حسنؔ ابنِ فضلِ یمانی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں شہر سرمن رائے میں مقیم تھا کہ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کی خدمت سے ایک کیسۂ سربستہ میرے لیے آیا جس میں چند دینار تھے اور اسکے ساتھ دو کپڑوں کے طاقے بھی تھے۔ میں نے اِس تحفۂ مبارک کو لینا پسند نہ کیا اور واپس کیا اور اپنے دل میں یہ سوچا کہ میری موجودہ حیثیت ایسی نہیں ہے کہ میں ایسا چھوٹا اور بےمقدار تحفہ قبول کروں۔ اِن اشیاء کا قبول کرنا میرے موجودہ اقتدار کے خلاف اور بدنامی کا باعث ہوگا۔ مگر میں جب اِن چیزوں کو واپس کرچکا تو پھر مجھے سخت ندامت اور حیرانی بھی لاحقِ حال ہوئی۔ اور بالآخر میں نے اپنی اِس گستاخی کی خاص معذرت میں ایک عریضہ بھی لکھّا اور خدمتِ بابرکت میں بھیجدیا اور اُسی وقت یہ نیّت کرلی کہ اگر وہ اشیاء پھر آپ کی طرف سے مجھے واپس ملینگی تو انشاء اللہ المستعان میں اُنہیں بغیر دیکھے اور بغیر کھولے ویسے ہی اپنے باپ کے پاس لیجاؤنگا۔ اور اُنہی کو دیدونگا۔ اور وہ جس مصرف میں چاہینگے اُسے لائینگے۔ اِس عریضہ کے جواب میں مجھے تحریر فرمایا گیا کہ حقیقتاً تم نے اِس کیسہ کے پھیر دینے میں خطا کی ہے۔ کیا تمہیں آج تک معلوم نہیں کہ میں اپنے

انفاق و ایثار کے ایسے معاملات خاصکر اپنے اُنہی احباب کے ساتھ کیا کرتا ہوں جو میرے نزدیک کامل الایمان اور خالص الاعتقاد ثابت ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ اُن لوگوں نے اِن ہدایا اور تحائف کو یمن و برکت کے خیال سے خود مجھ سے مانگا ہے۔ اور میں نے بھی اپنی غایت مسرّت سے اُنکی مطلوبہ چیزیں اُنکو بھیجدی ہیں۔ لیکن اس وقت بخلاف اُن لوگوں کے تم نے خاصکر میرے الطاف و احسان کو خفیف و حقیر سمجھا اور واپس کر دیا۔ مگر اب چونکہ تم خدائے سبحانہ و تعالےٰ سے عفوِ تقصیر کے خواستگار ہوئے۔ اس لیے اُس غفور و رحیم نے تمہاری تقصیر کو معاف فرمایا۔ مگر چونکہ اب تمہارا یہ قصد ہے کہ وہ رقم خود تم اپنے مصرف میں نہ لاؤ۔ اس لیے وہ رقم تو تمہیں نہیں بھیجی جاتی ہے۔ ہاں وہ دونوں طاقے کپڑے کے البتہ پھر بھیجے جاتے ہیں۔ اِس لیے کہ تم اِنہی کپڑوں میں احرام باندھو اور حج بیت اللہ زاد اللہ شرفہا کو چلے جاؤ۔

(۱۱) ابو محمد اور جنانی رحمہما اللہ تعالےٰ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے شہر کے احوال میں سخت بدامنی اور بےچینی پیدا ہو گئی۔ اور عموماً کوچہ و بازار میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا۔ آخرکار ہم اپنے شہر سے اُٹھکر بغداد میں چلے آئے اور یہاں اٹھارہ روز تک مقیم رہے۔ اِسی اثناء میں ایک بزرگ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور فرمانے لگے کہ اب تم اپنے شہر کو واپس جاؤ۔ اُن کا یہ ارشاد سُنکر مجھے سرتابی کی مجال تو نہیں ہوئی مگر بغداد سے نکلنے کے لیے کسی طرح بھی طبیعت نہیں چاہتی تھی۔ بہرحال ہم طوعاً و کرہاً اُسی حالت میں شہر بغداد سے نکلے اور شہرِ سامرہ میں پہنچے اور قصد کیا کہ چندے یہاں قیام کیا جائے۔ مگر پھر اپنے گھر کی پریشانی اور غیر اطمینانی کی وجہ سے یہاں بھی طبیعت نہیں لگی اور گھر واپس جانیکی پوری نیّت ہو گئی۔ الغرض وہاں سے چلا۔ ابھی راستہ ہی میں تھا کہ پھر وہی بزرگ میرے پاس تشریف لائے۔ اُنہوں نے ایک خط نکالکر مجھے دیا جو میرے اہل و عیال نے لکھا تھا۔ اُس کی یہ عبارت تھی۔ "الحمد للہ اب شہر میں امن و امان ہو گیا اب تم چلے آؤ۔"

(۱۲) راویانِ سابقین رحمہما اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ مالِ امام علیہ السّلام میں سے ایک ہزار دینار جو حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے بھیجے تھے وہ میرے پاس امانتاً جمع تھے۔ میں نے قصد کیا کہ وہ تمام و کمال رقم خدمتِ امام علیہ السلام سے پہنچا دی جائے۔ اِس لیے ہم لوگ بمعیتِ ابو الحسین اور اسحٰق ابن جُنید رض روانہ ہوئے۔ ابو الحسین نے وہ خُرجین (تھیلی) جس میں وہ مال رکھا تھا اُٹھالی۔ جب ہم لوگ اُس محلّہ میں جو قبرِ ابو حنیفہ سے قریب ہے پہنچے تو ہم لوگوں نے اُن گدھوں کو تلاش کرنا شروع کیا جن کو ہم قبل سے کرایہ کر چکے تھے۔ اِسی تجسس و تلاش میں جب ہم قریۂ ناطول کے قریب پہنچے تو ہم نے آخرکار ابو الحسین سے کہا کہ تم خُرجین کو لیے ہوئے دوڑ کر قافلہ سے ملجاؤ۔ اور ہم یہاں کرایہ کا ایک گدھا ابنِ اسحٰق کے واسطے پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بوڑھا آدمی ہے۔ بغیر سواری کے پیدل نہیں جا سکتا۔ اور نہ کبھی منزل تک پہنچ سکتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے نہایت دقت سے کرایہ کا ایک خچر پیدا کیا اور اُس پر اسحٰق کو سوار کرا کے قریۂ حیرہ کے قریب

قافلہ کو آلیا۔ اور پھر وہاں سے ہم لوگ بہمراہی قافلہ روانہ ہوئے راستہ میں میں نے ابوالحسین کو خرجین اُٹھائے ہوئے دیکھکر کہا کہ خدا کا شکر ادا کرو کہ اُس نے یہ منصبِ عالی تمہیں عطا فرمایا۔ اُس نے جواب میں کہا البتہ میں خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی اس عنایتِ خاص کے لیے شکر بجالاتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیشہ یہ مبارک خدمات مجھ سے لیا کرے۔ الغرض تھوڑے عرصہ کے بعد ہم لوگ بخیروعافیت شہرِ سامرہ میں داخل ہوگئے۔ اور وہ تمام وکمال مال وکیلِ امام علیہ السّلام کی خدمت میں پہنچا دیا۔ وکیل نے وہ رقم ایک رومال میں باندھکر ایک غلامِ حبشی کی معرفت آپکی خدمت میں بھیجدی۔ عصر کے وقت ابوالحسین وہ خالی بقچہ میرے پاس اُٹھالائے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت ابوقسم رح وکیلِ امام علیہ السّلام نے مجھ سے فرمایا کہ وہ غلامِ حبشی جو رومال میں تمہارا مرسلہ مال لیکر بھیجا گیا تھا یہ روپیہ لایا ہے۔ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں یہ روپیہ اُس شخص کو دیدوں جو یہ مال اپنی پشت پر اُٹھاکر لایا ہے۔ اور وہ ابوالحسین اسدی تھے۔ ہم لوگوں نے وہ روپئے اُن سے لے لیے ابوالحسین رح اسدی اُس وقت ہمارے پاس موجود نہیں تھے۔ کچھ دیر کے بعد آئے تو بغیر ہماری کسی تحریک کے کہنے لگے کہ اثنائے سفر میں جب تم بمقامِ حیرہ ہم سے آملے تو ہم نے اپنے دل میں اُس وقت یہ آرزو کی تھی کہ کیا اچھا ہوتا اگر جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کے حضور سے کچھ روپئے مجھے عنایت فرمائے جاتے تو میں اُنہیں تبرک سمجھکر اپنے پاس رکھتا۔ ایک مرتبہ میں نے اور ایسی ہی تمنّا کی تھی جس وقت ہم تم دونوں فوج میں نوکر تھے اُن سے یہ روئداد سُنکر فرطِ مسرّت کے مارے مجھ سے تحمّل اور ضبط نہ ہوسکا اور بیساختہ ابوالحسین کو گلے سے لگاکر کہنے لگا کہ لو۔ جو خدائے واہب العطایا نے تمہاری استدعا کے مطابق تمہیں عطا فرمایا ہے۔ ابوالحسین رح اسدی نے بکمالِ مسرّت وہ روپئے مجھ سے لے لیے اور الحمد للہ رب العالمین و صلے اللہ علے محمد و آلہ الطیّبین الطاہرین کہکر اپنے پاس رکھ لیے۔

بہرحال۔ ہم نے اتنے واقعات اپنے بیان کی تصدیق میں لکھدیے جو ہمارے مدعائے تالیف کو پورے طور سے ثابت کرتے ہیں۔ ان مشاہدات اور خاص معاملات کو پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ غیبتِ صغریٰ کے ایام میں آپ کے باطنی نظام تمام لوگوں کے انجاحِ مطالب اور رفعِ حوائج کے لیے ویسے ہی مؤید۔ معاون اور مفید ثابت ہوتے ہیں جیسے اور ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی ظاہری امامت کے نصاب۔ ان تمام واقعات کو غور سے پڑھکر بخوبی یہ تصفیہ کرلیا جاسکتا ہے کہ تفقدِّ احوال النّاس یا فلاح وصلاحِ عامّہ کی بابت وہ کونسے امور رہ گئے ہیں جو آپ کے موجودہ نظام میں داخل نہیں پائے جاتے ہمارا ذاتی خیال جہانتک کام کرتا ہے یہ امر پورے طور سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام ان مطالب و مقاصد کے متعلق نہیں چھوڑا گیا ہے۔ اور تمام لوگوں کی استدعا۔ تمنّا اور حاجت اُنکی خواہشوں کے مطابق پوری فرمادی گئی ہیں جس نے جیسی خواہش جس وقت کی یا جیسی درخواست اور جیسی استدعا آپکی خدمتِ بابرکت میں کی ویسی ہی پوری فرمادی گئی۔ جیساکہ اوپر کے واقعات سے مفصّل اور مسلسل طور پر ظاہر ہوگیا۔

آپ کے ان اقسامِ نظام کو تمام کر کے اب ہم آپکے وہ مخصوص احکام بیان کرنیکا شرف حاصل کرتے ہیں جو خاص طور پر اجرائے احکامِ شریعت اور احیائے سنّتِ نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے متعلق نافذ فرمائے گئے ہیں۔

اجرائے شریعت اور احیائے سنّت

(۱) چند مسائل کی تحقیق میں بعض فریب پیشہ حضرات کا یہ دعوےٰ تھا کہ یہ جناب قائم آل محمد علیہ السلام کے جواب نہیں ہیں۔ بلکہ ہمارے کمال استعداد اور جامعیت کے خاص نمونے ہیں۔ یہ دعویدار شلمغانی حضرت تھے جنکی عالم فریبی کی پوری حقیقت ہم ایک جداگانہ بحث میں عنقریب لکھینگے۔ انشاء اللہ المستعان۔

بہرحال۔ یہ مسائل اور اِنکے جواب لکھکر ناحیۂ مقدسہ میں بھیجے گئے۔ انکے جواب میں جو توقیع حضرات سائلین کے نام برآمد ہوئی اُس کی عبارت یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ قَدْ وَقَفْنَا عَلٰى هٰذِهِ الرُّقْعَةِ وَمَا تَضَمَّنَهُ فَجَمِيْعُهُ جَوَابُنَا وَلَا مَدْخَلَ لِلْمَخْذُوْلِ الضَّالِّ الْمُضِلِّ الْمَعْرُوْفِ بِالْعَزَاقِرِيِّ لَعَنَهُ اللّٰهُ فِيْ حَرْفٍ مِّنْهُ وَقَدْ كَانَتْ اَشْيَاءُ خَرَجَتْ اِلَيْكُمْ عَلٰى يَدَيْ اَحْمَدَ بْنِ بِلَالٍ وَغَيْرِهِ مِنْ نُظَرَائِهِ وَكَانَ مِنِ ارْتِدَادِهِمْ عَنِ الْاِسْلَامِ مِثْلُ مَا كَانَ مِنْ هٰذَا عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَغَضَبُهُ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمہارے خط کے مضامین سے میں مطّلع اور آگاہ ہوا۔ تم نے اُن سوالات کے متعلق جن کو اپنے خط میں لکھا ہے۔ مجھ سے پوچھا ہے۔ میں تم لوگوں کو مطلع کرتا ہوں کہ وہ تمام میرے ہی جواب ہیں اور اُن میں اُس رسوا۔ گمراہ اور گمراہ کنندۂ خلائق جس کو عزاقری کہتے ہیں۔ خدا کی اسپر لعنت ہو۔ اُسکا ایک حرف بھی داخل نہیں ہے۔ اور اِس سے قبل جواب احمد ابن بلال وغیرہ کی معرفت جا چکا ہے جو اُسکے ارتداد عن الاسلام سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔ خدا کی لعنت اور غضب اُن سب پر ہو۔

(۲) اِن توقیعاتِ مبارکہ کی نسبت جو دائرۂ مؤمنین میں آپ کی طرف منسوب کیجاتی تھیں پوچھا گیا تو ذیل کی عبارت میں صدورِ حکم فرمایا گیا۔

اِلَّا مَا اسْتُبِيْنَتْ فَاِنَّهٗ لَا ضَرَرَ فِيْ خُرُوْجِ عَلٰى اَيْدِيْهِمْ وَاِنَّ ذٰلِكَ صَحِيْحٌ۔ یعنی جن احکام کی بابت یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص معتمد کی معرفت یہ حکم نافذ ہوا ہے تو اُس کے صحیح ماننے جانے میں کوئی ضرر نہیں ہے۔

(۳) ایک بار ایسا ہی واقعہ اور پیش ہوا تھا جس میں پوری صراحت کے ساتھ ذیل کے احکام صادر فرمائے گئے تھے۔

اَلْعِلْمُ عِلْمُنَا وَلَا شَيْءَ عَلَيْكُمْ مِّنْ كُفْرِ مَنْ كَفَرَ فَمَا صَحَّ لَكُمْ مِّمَّا خَرَجَ عَلٰى يَدِهٖ بِرِوَايَةِ غَيْرِهٖ مِنَ الثِّقَاتِ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ فَاحْمَدُوا اللّٰهَ وَاقْبَلُوْا وَمَا شَكَكْتُمْ فِيْهِ اَوْ لَمْ يَخْرُجْ اِلَيْكُمْ فِيْ ذٰلِكَ اِلَّا عَلٰى يَدِهٖ فَرُدُّوْهُ اِلَيْنَا لِنُصَحِّحَهٗ اَوْ نُبْطِلَهٗ وَاللّٰهُ تَقَدَّسَتْ اَسْمَائُهٗ وَجَلَّ ثَنَاؤُهٗ وَلِيُّ تَوْفِيْقِكُمْ

وَحَسِبُنَا فِي أُمُورِنَا كُلِّهَا وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔

یعنی۔ اصل علم ہمارا علم ہے۔ اور جو شخص کہ کافر ہو گیا اُسکے کفر سے تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ پس اگر کوئی حکم (توقیع) کسی ایسے شخص کے ذریعے سے تمہیں معلوم ہوا ہو اور اُسکی صحت علمائے ثقہ رحمہم اللہ تعالےٰ نے بھی کردی ہو تو تم اُس وقت اپنے پروردگار کا شکر بجالاؤ اور اُس میرے حکم کو قبول کر لو۔ اور ایسے احکام جن کے لیے کوئی توقیع برآمد نہیں ہوئی اور تم نے اُسکی نسبت کسی گمراہ یا غیر معتبر شخص کی زبانی کوئی حکم سُنا ہے اور اب اُس کے کرنے اور نہ کرنے میں تمہیں تامل ہے تو تم اُس حکم کو فوراً ہماری طرف رجوع کردو۔ ہم تمکو اُس کے صحیح حکم سے آگاہ کر دینگے۔ اور بتلا دینگے کہ یہ حکم صحیح ہے یا نہیں۔ اور خدا تعالےٰ کا اسم مقدس پاک ہے اور وہی قابلِ ستائش ہے اور وہی تمہارا توفیق دہندہ ہے اور ہر امور میں تمہارا کفایت کرنیوالا۔ اور وہی سب سے اچھا ہمارا وکیل اور کفیل ہے۔

(۴) حضرت قسم ابن علاء رضی اللہ عنہ نے ایک طول و طویل اور پرتفصیل عریضہ خدمتِ اقدس میں تحریر فرمایا اور یہ مضمون اُس میں قلمبند کیا کہ "میرے شہر میں ایک جماعت کے لوگ ہیں جو استظہارِ حق کے خواہاں ہیں۔ اِن لوگوں کے نام جو گرامی نامہ حمایتِ دین کے متعلق تحریر ہوا تھا پہنچا۔ علی ابن محمد ابن حسین ابن مالک مشہور بہ ابن ابی دُولَہ جو ص کے داماد ہیں۔ ان کا نام اِس گرامی نامہ میں درج نہیں ہے۔ اپنا نام تحریر نہ پاکر وہ نہایت محزون و ملول ہیں۔ خدا تعالے اپنی تائید آپ کے امور میں نازل فرمائے۔ اب علی ابن محمد نے مجھ سے اِس امرِ خاص میں خواستگاری کی ہے کہ آپکی خدمت میں اُنکی طرف سے عفوِ تقصیر کے لیے استدعا کیجائے کہ آپ اپنے اخلاقِ کریمانہ سے اُن کے قصور کو معاف فرمائیں اور اُن کے نام نہ لکھے جانیکی وجہ تحریر فرمادیں۔ اگر حقیقت میں اُن سے کوئی خطا واقع ہوئی ہے تو وہ اُس سے توبہ و انابت کریں اور اگر کوئی ایسا امر لاحق نہیں ہوا تو اپنی تحریر گرامی سے اُنکی تسکینِ خاطر فرمادی جائے"۔ اِس طولانی عرضداشت کا جواب اِن مختصر لفظوں میں مرحمت ہوا۔

لَمْ نُكَاتِبْ إِلَّا مَنْ كَاتَبَنَا۔

میں نے اُنہی کو خط لکھے جنہوں نے مجھے خط لکھے تھے۔

(۵) ابو العباس احمد ابن خضر کا بیان ہے کہ میں ایامِ غیبتِ صغرےٰ میں آپکی رؤیت اور زیارت کی تمنا میں از حد بیچین تھا۔ اِسی اثنا میں بغیر کسی تحریک کے ایک توقیع مبارک میرے نام سے برآمد ہوئی جسکی عبارت یہ تھی۔

مَنْ بَحَثَ فَقَدْ طَلَبَ وَمَنْ طَلَبَ فَقَدْ دَلَّ وَمَنْ دَلَّ فَقَدْ أَشَاطَ وَمَنْ أَشَاطَ فَقَدْ أَشْرَكَ۔

جس شخص نے میری جستجو کی وہ حقیقتاً میری تلاش میں میرے پیچھے پڑ گیا۔ اور جو شخص میری تلاش میں میرے پیچھے پڑ گیا وہ ضرور تمام خلائق کو میرا نشان بتلادیگا۔ اور جس شخص نے خلائق کو میرا نشان بتلادیا وہ میرے قتل و ہلاکت کا باعث ہوا۔ اور جو شخص میرے قتل و ہلاکت کا باعث ہوا وہ مشرک بھی ہوا اور کافر بھی۔

ابو العباس کا بیان ہے کہ اِس توقیعِ مقدس کے پڑھتے ہی جسکے لفظ لفظ اور حرف حرف سے آپکے حسنِ تدبیر

اور نظامِ امامت کے اعلےٰ جوہر نمایاں ہوتے تھے۔ میرے تمام اشتیاق اور برسوں کی تمناؤں کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اسرارِ مشیت کی سطوت و عظمت اِس طرح مجھ پر طاری ہوگئی کہ میں نے یہ قصد اور یہ خیال ہمیشہ کے لیے اپنے دل سے نکال ڈالا۔ اور پھر کبھی اسکی طرف کوئی خیال نہیں کیا۔

(۶) سائل نے نمازِ جنابِ جعفرِ طیار علیہ السلام کی نسبت استفسار کیا کہ حالتِ قیام میں یا رکوع و سجود کی حالتوں میں ذکرِ تسبیح اُس سے سہو ہوگیا۔ اور نماز تمام ہونے سے پہلے ذکرِ سہو شدہ کا اُسکو خیال آگیا تو ایسی حالت میں وہ اپنے سہو کردہ ذکرِ تسبیح کو ادا کرے یا نماز کو تمام کرلے۔ بعد اسکے ذکرِ تسبیح کو ادا کرے؟ سائل کی سوال کا جواب توقیعِ خاص کے ذریعے سے اِس عبارت میں عنایت فرمایا گیا۔

اِذَا هُوَ سَهَا فِي حَالَةٍ مِّنْ ذٰلِكَ ثُمَّ ذَكَرَ فِي حَالَةٍ اُخْرٰى قَضٰى مَا فَاتَهٗ فِي الْحَالَةِ الَّتِي ذَكَرَ۔

جب ایسی حالتوں میں سے کسی حالت میں سہو واقع ہوا اور وقت گزر جانیکے بعد وہ یاد آئے تو جو چیز کہ اُس سے فوت ہوئی ہے ادا کر سکتا ہے۔

(۷) زن و شو کے معاملات میں پوچھا گیا کہ آیا عورت اپنے شوہر کی مشایعتِ جنازہ میں شریک ہوسکتی ہے؟ جواب میں ارشاد ہوا۔

تَخْرُجُ فِي جَنَازَتِهٖ۔

مشایعتِ جنازہ کر سکتی ہے۔

(۸) پھر دریافت کیا گیا کہ بیوہ کو ایامِ عدت میں اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تحریر فرمایا گیا۔

تَزُوْرُ قَبْرَ زَوْجِهَا وَلَا تَبِيْتُ عَنْ بَيْتِهَا۔

شوہر کی قبر کی زیارت کر سکتی ہے مگر رات کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلنا اُسے جائز نہیں ہے۔

(۹) پھر استفسار کیا گیا کہ وہ اپنے کارِ ضروری کے لیے بھی ایسی حالت میں باہر جا سکتی ہے؟ حکم ہوا۔

اِذَا كَانَ لَهَا حَقٌّ خَرَجَتْ فَقَضَتْهُ وَاِذَا كَانَتْ لَهَا حَاجَةٌ وَلَمْ يَكُنْ لَهَا مَنْ يَنْظُرُ فِيْهَا خَرَجَتْ لَهَا حَتّٰى تَقْضِيَ وَلَا تَبِيْتُ عَنْ مَنْزِلِهَا۔

اگر اُسکو کسی شخصِ غیر سے اپنا کوئی حق لینا ہے تو وہ اُس سے لے سکتی ہے اور اُسکے لیے باہر جا سکتی ہے۔ اور اگر اس کے علاوہ کوئی کام ہو اور کوئی دوسرا کام کرنیوالا اُس کے عوض میں موجود نہو تو وہ باہر جا سکتی ہے۔ مگر رات کے وقت البتہ اپنا گھر نہیں چھوڑ سکتی۔

(۱۰) دریافت کیا گیا کہ کتبِ اعمال مثل "ثواب القرآن فی الفرائض" وغیرہما میں وارد ہے کہ آپکی خدمت سے حکم ہوا ہے کہ مجھے سخت تعجب ہوتا ہے اُس شخص کی غفلت پر جو اپنی نماز میں سورۂ انا انزلناہ کی تلاوت اور قراءت کو ترک کرتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اُس کی نماز کیسے مقبولِ بارگاہِ احدیت ہوتی ہے۔ پھر دوسری جگہ حکم ہوا ہے

کہ وہ نماز کسی طرح خوب و بہتر نہیں کہی جاسکتی جس میں سورۂ قل ہو اللہ احد کی تلاوت نہیں کیجاتی۔ پھر تیسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اپنی نماز میں سورۂ ہمزہ کی تلاوت کرتا ہے وہ دولتِ دنیا پر فائز ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جائز ہے کہ سورہائے انا انزلناہ اور قل ہو اللہ کو ترک کر کے سورۂ ہمزہ کی تلاوت کیجائے اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ ان دونوں سوروں کے ترک کرنے میں اجابت اور قبولیتِ نماز میں احتمال واقع ہوتا ہے۔ اِس کا جواب توقیعِ مبارک کی مفصلۂ ذیل عبارت میں تحریر فرمایا گیا۔

توقیع۔ اَلثَّوَابُ فِی السُّوَرِ عَلٰی مَا قَدْ رُوِیَ وَاِذَا تَرَکَ سُوْرَۃً مِّمَّا فِیْھَا الثَّوَابُ وَقَرَءَ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ وَاِنَّا اَنْزَلْنٰہُ لِفَضْلِھِمَا اُعْطِیَ ثَوَابَ مَا قَرَءَ وَثَوَابَ السُّوْرَۃِ الَّتِیْ تَرَکَ وَیَجُوْزُ اَنْ یَقْرَاَ غَیْرَ ھَاتَیْنِ السُّوْرَتَیْنِ وَتَکُوْنُ صَلٰوتُہٗ تَامَّۃً وَّلٰکِنْ یَکُوْنُ تَرَکَ الْفَضْلِ۔

ثواب اُن سوروں کی تلاوت کا ایسا ہی ہے جیسا کہ وارد کیا گیا ہے۔ اور اگر کوئی سورہ اِن سوروں میں سے جنکا ثواب لکھا ہے ترک کر دے اور بجائے اُس کے سورۂ قل ہو اللہ احد اور سورۂ انا انزلناہ اُنکی فضیلت کی وجہ سے پڑھے تو ثواب اُن سوروں کا جو اُسنے پڑھے اور اُن سوروں کا بھی جو اُسنے ترک کر دیے دونوں اُس کو عطا کیے جائینگے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ان دونوں کے سوا دوسرے سورے بھی پڑھے جائیں۔ اُنکی نماز تمام ہو جائیگی۔ لیکن فضیلت کا ثواب اُسے نہیں ملیگا۔

(۱۱) وداعِ رمضان المبارک کی نسبت پوچھا گیا کہ عموماً وداعِ ماہِ مبارکِ رمضان شبِ آخر میں پڑھی جاتی ہے۔ اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ روزِ آخر جب ہلالِ عید نمودار ہو پڑھنا چاہیے۔ اِن دونوں صورتوں میں کون صورت اختیار کیجائے؟ جواب میں ارشاد ہوا۔

اَلْعَمَلُ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ فِیْ لَیَالِیْہِ وَالْوَدَاعُ یَقَعُ فِیْ اٰخِرِ لَیْلَۃٍ مِّنْہُ فَاِنْ خَافَ اَنْ یَّنْقُصَ جَعَلَہٗ فِیْ لَیْلَتَیْنِ۔

اعمالِ ماہِ مبارکِ رمضان تمام تر رات کو کیے جاتے ہیں اِس لیے وداع بھی آخر شب میں کرنی چاہیے۔ اگر کمی ایام کا خیال ہے تو دونوں راتوں (اُنتیس ۲۹ اور تیس ۳۰) کو وداع کریں۔

(۱۲) نماز کے بارے میں پوچھا گیا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے جب تشہدِ اوّل سے فارغ ہوا اور تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہوا تو اُسکے لیے تکبیر کہنا واجب ہے یا نہیں۔ بعضے اسکے وجوب کے قائل نہیں۔ صرف بِحَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَقُوَّتِہٖ اَقُوْمُ وَاَقْعُدُ کے ذکر کو کافی سمجھتے ہیں۔ اِس مسئلہ کے جواب میں ارشاد ہوا۔

حَدِیْثَیْنِ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَاِنَّہٗ اِذَا انْتَقَلَ مِنْ حَالَۃٍ اِلٰی اُخْرٰی فَعَلَیْہِ تَکْبِیْرٌ وَّاَمَّا الْاٰخَرُ فَاِنَّہٗ رُوِیَ اَنَّہٗ اِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ السَّجْدَۃِ الثَّانِیَۃِ فَکَبَّرَ ثُمَّ جَلَسَ ثُمَّ قَامَ فَلَیْسَ عَلَیْہِ لِلْقِیَامِ بَعْدَ الْقُعُوْدِ تَکْبِیْرٌ وَّکَذٰلِکَ التَّشَھُّدُ الْاَوَّلُ یَجْرِیْ ھٰذَا الْمَجْرٰی وَبِاَیِّہِمَا اَخَذْتَ مِنْ جِھَۃِ التَّسْلِیْمِ کَانَ صَوَابًا۔

اس میں دو حدیثیں وارد ہیں ایک یہ کہ جب مصلّی ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو تو اُس وقت اُسکو تکبیر کہنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور دوسری یہ ہے کہ جب سجدۂ دومی سے سر اُٹھایا تو تکبیر کہنا واجب ہو گیا۔ پھر بیٹھ جائے پھر اُٹھے۔ پس بیٹھنے کے بعد اُٹھنے کے لیے اُسے تکبیر کہنا واجب نہیں ہے۔ اور اسی طرح تشہدِ اول کی بھی صورت ہے اور ان دونوں صورتوں میں سے جسپر عمل کیا جائے وہ صحیح ہوگا۔

(۱۳) قربانی کے متعلق سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا کہ اُسکے ہدی کے لیے اونٹ مول لیکر اُسکی طرف سے منیٰ میں نحر کر دے۔ چنانچہ اُس شخص نے اونٹ تو خرید لیے مگر قربانی کرتے وقت اُس کا نام لینا بھول گیا۔ جب ذبح کر چکا تو نام یاد آیا۔ تو آیا ایسی قربانی اُس شخص اصلی کی طرف سے صحیح ہوگی یا نہیں؟ جواباً تحریر ہوا

لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ وَقَدْ أَجْزٰى عَنْ صَاحِبِهٖ۔

اِس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اُس کے دوست کی طرف سے جائز ہے۔

(۱۴) ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا کہ ایک شخص کو تحصیلِ اموالِ موقوفات کا عہدہ سپرد ہے اور وہ اُن اموال کو جو اُس کے قبضہ میں ہیں اپنے لیے حلال جانتا ہے اور اموال موقوفات کے لے لینے سے کوئی پرہیز نہیں کرتا۔ ایسی حالت میں مجھ کو اکثر اُن دیہات میں جانیکا اتفاق ہوا جو اُس کے زیر انتظام ہیں اور اُسکو میں اکثر وہاں پاتا ہوں۔ اور مجھے اُس کے پاس جانیکا بھی اتفاق ہوتا ہے اور اکثر کھانے کا وقت بھی ہو جاتا ہے۔ وہ مجھے کھانے کی تکلیف دیتا ہے۔ اگر میں اُسکے کھانے سے انکار کرتا ہوں تو وہ مجھ سے سخت عداوت کرتا ہے اور اُسکی موجودہ عداوت میری مختلف اقسام کی مضرت کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی خاص حالت میں مجھے اُسکا کھانا کھانا جائز ہوگا یا نہیں۔ اور اگر میں اُسکے کفارہ میں تصدق کرنا چاہوں تو اُس تصدق کی کیا مقدار ہونی چاہیے۔ اور اگر یہ وکیلِ موقوفات کسی شخص کے پاس کوئی شے کھانے کی ہدیہ کے طور پر بھیجتا ہو اور اتفاق وقت سے میں بھی اُسکے پاس موجود ہوں اور وہ مجھ سے کہے کہ اِس میں سے کچھ کھالو یا اپنے گھر لیجاؤ حالانکہ مجھے خوب معلوم ہے کہ فرستندۂ ہدیہ وکیلِ موقوفات اِن اموالِ موقوفات کے تصرف میں کوئی خوف نہیں کرتا ہے تو اگر وہ ہدیہ میں لے لوں یا اُس میں سے کچھ اپنے گھر لیجاؤں تو میرے اس عمل سے خاص میرے لیے کوئی حرج ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب ذیل کی عبارت میں مرحمت کیا گیا۔

اِنْ كَانَ لِهٰذَا الرَّجُلِ مَالٌ اَوْ مَعَاشٌ غَيْرُ مَا فِيْ يَدِهٖ فَكُلْ طَعَامَهٗ وَاقْبَلْ بِرَّهٗ وَاِلَّا فَلَا۔

اگر اُس شخص کی کوئی جائداد یا آمدنی سوائے اموال موقوفات کے اُسکے اختیار میں ہے تو اُسکا کھانا بھی کھایا جا سکتا ہے اور تحفہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ اور اگر کوئی دوسری معاش نہیں ہے تو جائز نہیں ہوگا۔

(۱۵) ارکانِ نماز، واجب و سنّت اور سجدۂ شکر کی نسبت استفسار کیا گیا کہ نمازِ واجب میں مصلّی قنوت کی دعا پڑھکر اپنے ہاتھ اپنے مُنہ اور سینہ کی طرف سیدھا کر لیتا ہے مطابق اُس روایت کے کہ وارد ہوا ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالےٰ اِس سے کہیں زیادہ بزرگ ہے کہ وہ اپنے بندے کے ہاتھوں کو دعا کرنیکے بعد خالی پھیر دے۔

بلکہ وہ اپنی رحمت سے اُسکے ہاتھوں کو لبریز کر دیتا ہے۔ اور دوسری روایت کی رو سے ہاتھوں کو مُنہ پر پھیر لینا منقول ہوا ہے۔ آیا یہ عمل جائز ہے یا نہیں۔ بعض علماء سے مروی ہے کہ نماز میں دونوں صورتوں میں صرف ایک ہی پر عمل جائز ہو سکتا ہے۔ جواب میں ارشاد فرمایا گیا۔

رَدُّ الْيَدَيْنِ مِنَ الْقُنُوْتِ عَلَى الرَّاْسِ وَالْوَجْهِ غَيْرُ جَائِزٍ فِي الْفَرَائِضِ وَالَّذِي عَلَيْهِ الْعَمَلُ فِيْهِ إِذَا رَفَعَ يَدَهُ فِي قُنُوْتِ الْفَرِيْضَةِ وَفَرَغَ مِنَ الدُّعَاءِ أَنْ يَرُدَّ بَطْنَ رَاحَتِهِ مَعَ صَدْرِهِ تِلْقَاءَ رُكْبَتَيْهِ عَلَى تَمَهُّلٍ وَيُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ وَالْخَبَرُ وَهُوَ فِي نَوَافِلِ النَّهَارِ وَاللَّيْلِ دُوْنَ الْفَرَائِضِ وَالْعَمَلُ بِهِ فِيْهِمَا أَفْضَلُ۔

نمازِ واجبی میں ہاتھوں کو سر اور مُنہ پر پھیرنا جائز نہیں ہے۔ اور جس چیز کے ساتھ نمازِ واجبی میں عمل کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب مصلّی قنوت پڑھ چُکے تو وہ اپنے ہاتھوں کو آہستگی اور سہولت کے ساتھ اپنے سینہ کے مقابل لاکر اپنے زانو تک پہنچائے اور تکبیر کہے اور پھر رکوع میں جلد چلا جاوے۔ مُنہ پر ہاتھ پھیر لینے کی خبر بھی صحیح ہے مگر نوافلِ شب و روز میں۔ نہ کہ نمازہائے واجب میں۔ اور نوافل میں اُس عمل کے ساتھ بجالانا یعنی ہاتھوں کو مُنہ پر پھیر لینا افضل ہے۔

(۱۶) سجدۂ شکر کے بارے میں پوچھا گیا کہ نمازِ واجبی کے ساتھ سجدۂ شکر واجب ہے یا نہیں۔ کیونکہ بعض اسکو بدعت بتلاتے ہیں تو نظر برآں نمازِ فرائض میں واجب نہیں اور اگر واجب بھی ہے تو اسکا وجوب صرف نمازِ مغرب اور اُس کے قبل کی چار رکعتہائے نوافل تک محدود و مخصوص ہوگا۔ آیا یہ حکم صحیح ہے اور اس پر عمل جائز ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ کا جواب ذیل کی عبارت میں صادر ہوا۔

سَجْدَةُ الشُّكْرِ مِنْ أَلْزَمِ السُّنَنِ وَأَوْجَبِهَا وَلَمْ يَقُلْ أَنَّ هٰذِهِ السَّجْدَةَ بِدْعَةٌ إِلَّا مَنْ أَرَادَ أَنْ يُحْدِثَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ بِدْعَةً وَأَمَّا الْخَبَرُ الْمَرْوِيُّ فِيْهَا بَعْدَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ وَالْاِخْتِلَافُ فِي أَنَّهَا بَعْدَ الثَّلَاثِ أَوْ بَعْدَ الْأَرْبَعِ فَإِنَّ الدُّعَاءَ وَالتَّسْبِيْحَ بَعْدَ الْفَرَائِضِ عَلَى الدُّعَاءِ تَعْقِيْبَ النَّوَافِلِ كَفَضْلِ الْفَرَائِضِ عَلَى النَّوَافِلِ وَالسَّجْدَةُ دُعَاءٌ وَتَسْبِيْحٌ وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَكُوْنَ بَعْدَ الْفَرْضِ فَإِنْ جُعِلَتْ بَعْدَ النَّوَافِلِ أَيْضًا جَازَ۔

یعنی سجدۂ شکر لازم ترین سنّت سے ہے اور کبھی کسی نے اسکو بدعت نہیں بتلایا۔ مگر اُس شخص نے جس نے خود دینِ خدا میں احداث و اختراع کیا ہوگا۔ اب اِس امر کا جواب کہ سجدۂ شکر خصوصاً بعد از نمازِ مغرب و قبل از چہار رکعت نوافلِ مغرب کے ساتھ لازم ہے۔ یہ ہے کہ دعاء اور تسبیحات کی فضیلت جو بعدِ فرائض بجالائی جائیں اُن دعاؤں پر جو نوافل کے ساتھ ادا کیجائیں بجنسہ ایسی ہی ہیں جیسا کہ فرائض کے فضائل نوافل پر ثابت ہیں۔ اور سجدہ اصل میں دعاء و تسبیح ہے۔ اور افضل یہی ہے کہ فرائض کے بعد بجالایا جائے۔ اور اگر بعدِ نوافل بجالائیں تو بھی جائز ہوگا۔

(۱۷) بیع و شراء کے متعلق یہ سوال کیا گیا کہ ہمارے چند برادرانِ ایمانی ایسے ہیں جنھیں ہم پہچانتے ہیں ایک قطعۂ زمین نو آباد قید خانۂ شاہی سے ملحق ہے جس میں حاکمِ وقت کا بھی حصّہ ہے۔ اور قبضہ۔ مگر جابرانہ اور محض غاصبانہ

اکثر اوقات بعض اہلِ شہر اُسے بغیر اجازت جوت بو لیتے ہیں اور اسکی وجہ سے عمّالِ شاہی اُنکو سزا بھی دیتے ہیں اور حتّی الامکان ملازمینِ سلطانی اُسکی پیداوار پر قابض و متصرّف ہونے سے اہلِ شہر کو باز رکھتے ہیں۔ اب وہ زمین بوجہ ویران رہنے کے کچھ ایسی قیمت بھی نہیں رکھتی اس لیے کہ کامل بیس برس سے محض افتادہ پڑی ہوئی ہے۔ یہ مذکورۂ بالا برادرانِ ایمانی اُس کے خریدنے سے انکارِ محض کرتے ہیں اس لیے کہ اُنکو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ قطعۂ زمین کسی زمانہ میں کسی شخصِ خاص نے وقف کیا تھا جس کو سلطانِ وقت نے جبراً لے لیا ہے۔ پس صورتِ مسطورہ میں اگر زمینِ مذکورہ کی بیع سلطانِ وقت کی طرف سے جائز ہے اور اُس میں کوئی حرج شرعی نہیں ہے تو اسکا خرید لینا ہمارے برادرانِ مؤمنین کے لیے نہایت مفید اور نافع ثابت ہوگا۔ اور زمینِ مذکورہ بھی شاداب و آباد ہو جائیگی۔ اور وہ حصّۂ زمین ایسا ہے کہ آسانی سے سیراب ہو سکتا ہے اور عمدہ پیداوار دے سکتا ہے۔ اور اگر اُسکی بیع سلطانِ وقت کی جانب سے حلال نہیں ہے تو حکمِ امتناع جاری فرمایا جائے۔ جواب یہ آیا۔

اَلضَّیْعَۃُ لَا یَجُوْزُ اِبْتِیَاعُھَا اِلَّا مِنْ مَالِکِھَا اَوْ بِاَمْرِہٖ وَرِضًا مِّنْہُ۔

سوائے مالکِ زمینِ مذکورہ کے بیع کیے ہوئے یا کم سے کم اُس کا حکم یا اُسکی رضا و استمزاج لیے ہوئے معاملۂ مسطورہ صحیح و جائز نہیں ہوگا۔

(۱۸) کنیز اور غلام کے متعلّق پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنی ایک کنیز کو اپنے ایک غلام کے لیے حلال کر دیا وہ کنیز بچہ جنی۔ اِس مردِ غلام کو اُس کنیز کے بچّہ دینے پر شک گزرا۔ مگر اس بچّہ کو اپنا بچّہ کہہ دینے کے سوا اُس مردِ غلام کو کوئی دوسرا چارہ نہیں ہوا۔ آخر اُس نے قبول کر لیا۔ مگر اُس کے دل میں یہ شک ہمیشہ بنا رہا کہ یہ بچّہ اُس کا نہیں ہے۔ اِس وجہ سے اُس بچّہ کو کبھی اپنے ساتھ نہیں رکھتا۔ اور نہ اُسکو اپنی اولاد و اعقاب میں داخل اور شامل سمجھتا ہے۔ پس اگر وہ بچّہ بھی مثل اُن بچوّں کے ہے جو اس مرد سے پوری نسبت رکھتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اُس کو بھی اپنی طرف مثل اپنی دوسری اولادوں کے منسوب کرے۔ یا اگر یہ بچّہ اُس کی اور اولادوں سے حسب نسب میں کمتر ہے تو وہ اپنی جائداد و اموال میں بمقابلہ دیگر اولاد کے اُسکو کچھ کم حصّہ دے۔ اِس سوال کے جواب میں ذیل کی توقیع مبارک صادر فرمائی گئی۔

اَلْاِسْتِحْلَالُ الْمَرْءَۃِ تَقَعُ عَلَی الْوُجُوْہِ وَالْجَوَابُ یَخْتَلِفُ فِیْھَا فَلْیَذْکُرِ الْوَجْہَ الَّذِیْ وَقَعَ الْاِسْتِحْلَالُ بِہٖ مَشْرُوْحًا لِیُعْرَفَ الْجَوَابُ فِیْمَا یَسْئَلُ عَنْہُ مِنْ اَمْرِ الْوَلَدِ اِنْشَاءَ اللہُ الْمُسْتَعَانُ۔

ایک عورت کا حلال کیا جانا کئی وجہ سے واقع ہوتا ہے اُسکی مختلف صورتیں ہوتی ہیں سائل کو صورتِ تحلیل پہلے لکھنی چاہیے تاکہ بچّہ کی پوری حقیقت سے جواب دیا جائے۔ انشاء اللہ المستعان۔

(۱۹) سنہ ۳۰۸ ہجری میں محمد ابنِ عبد اللہ حمیری نے آپکی خدمت میں ایک بہت بڑا عریضہ لکھا اور یہ بیان کیا کہ ہماری قوم و ملّت کے بعض اربابِ علم و یقین اور اکثر خواتینِ باتمکین آج ۲۲ برس سے ماہِ رجب کے روزے رکھتی ہیں اور اپنے اُن روزوں کو علے التسلسل شعبان و رمضان کے روزوں سے ملا دیتی ہیں بخلاف اس سیرت کے

ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ روزے معصیت میں داخل ہیں۔ اِس مسئلہ کے جواب میں ذیل کی عبارت تحریر فرمائی گئی۔
یَصُوْمُ مِنْهُ اَیَّامًا اِلٰی خَمْسَةَ عَشَرَ یَوْمًا ثُمَّ یَقْطَعُهٗ اِلَّا اَنْ یَصُوْمَهٗ عَنِ الثَّلٰثَةِ الْفَائِتَةِ لِلْحَدِیْثِ اَنْ نِعْمَ شَهْرُ الْقَضَاءِ رَجَبُ۔

ماہِ رجب میں پندرہ روز تک تو روزہ رکھیں پھر منقطع کر دیں۔ مگر اپنے قضا کردہ روزوں میں سے تین روزے اِس مہینہ میں ضرور رکھیں کیونکہ اِس امر میں حدیثِ خاص وارد ہے اور اُس کے الفاظ یہ ہیں کہ ماہِ رجب قضا روزوں کے ادا کرنیکے لیے سب سے اچھا مہینہ ہے۔

(۲۰) دریافت کیا گیا کہ ماموم اُس وقت شریکِ جماعت ہوا جب امام ذکرِ رکوع میں مشغول تھا۔ وہ اپنے موجودہ الحاق بالجماعت اور ذکرِ رکوع کو جو اُس نے امام کے ساتھ کیا ہے رکعتِ فوت شدہ کے برابر جانتا ہے۔ بخلاف اِس کے بعض اصحاب کا خیال ہے کہ تا وقتیکہ یہ شخص اُس تکبیر کی آواز کو جو امام پیش از رکوع کہتا ہے نہ سُن لے اپنے صرف ذکرِ رکوع یا محض اقتدائے امامِ جماعت کو ایک رکعتِ فوت شدہ کی جگہ نہیں شمار کر سکتا۔ اِس مسئلہ کا جواب اِن لفظوں میں قلمی ہوا۔
اِذَا لَحِقَ بِالْاِمَامِ مِنْ تَسْبِیْحِ الرُّکُوْعِ تَسْبِیْحَةً وَّاحِدَةً اعْتَدَّ بِتِلْكَ الرَّکْعَةِ وَاِنْ لَّمْ تَسْمَعْ تَکْبِیْرَةَ الرُّکُوْعِ۔

اگر وہ شخص ایسی حالت میں بھی امامِ جماعت سے ملجاوے کہ جب اُسکو ذکرِ رکوع میں صرف ایک بار سبحان اللّٰہ کہنے کو اور رہگیا ہو تاہم اُسکی ایک رکعت شمار میں آئیگی۔ خواہ اُسنے امامِ جماعت کی تکبیر قبل از رکوع کی آواز کو سُنا ہو یا نہیں۔

(۲۱) دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے نمازِ ظہر کے بعد نمازِ عصر پڑھی جب نمازِ عصر کی دو رکعت پڑھ چکا تو اُسے خیال آیا کہ اُسنے نمازِ ظہر کی کُل دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ ایسی صورت میں اُسے کیا کرنا چاہیے؟ جواب میں تحریر فرمایا گیا۔
اِنْ کَانَ اَحْدَثَ بَیْنَ الصَّلٰوةِ حَادِثَةً تَقْطَعُ بِهَا الصَّلٰوةُ اَعَادَ الصَّلٰوتَیْنِ وَاِذَا لَمْ یَکُنْ اَحْدَثَ حَادِثَةً جَعَلَ الرَّکْعَتَیْنِ الْاَخِیْرَتَیْنِ تَتِمَّةً لِّلصَّلٰوةِ الظُّهْرِ وَصَلَّی الْعَصْرَ

اگر اُس نے درمیان نماز کے کوئی ایسا امر کیا ہے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے تو اُسے دونوں نمازوں کا اعادہ کرنا چاہیے اور اگر ایسا امر کوئی اُس سے سرزد نہیں ہوا ہے تو اُن دونوں رکعتوں کو جو اُس نے نمازِ عصر کے حساب میں پڑھی ہیں نمازِ ظہر کے "تتمہ" میں محسوب کرے۔ بعد اِس کے نمازِ عصر پڑھ لے۔

(۲۲) سوال ہوا کہ آیا اہلِ بہشت کے لیے توالد و تناسل بھی لازم آسکتا ہے یا نہیں؟ ناحیۂ مقدسہ سے اِس مسئلہ کا جواب اِس عبارت میں مرحمت فرمایا گیا۔
اِنَّ الْجَنَّةَ لَا حَمْلَ فِیْهَا لِلنِّسَاءِ وَلَا وِلَادَةَ وَلَا طَمْثَ وَلَا نِفَاسَ وَلَا شَقَاءَ بِالطُّفُوْلِیَّةِ وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِی الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ کَمَا قَالَ سُبْحَانَهٗ فَاِذَا اشْتَهَی الْمُؤْمِنُ وَلَدًا خَلَقَهُ اللّٰهُ

عَزَّ وَجَلَّ بِغَيْرِ حَمْلٍ وَّلَا وِلَادَةٍ عَلَى الصُّورَةِ الَّتِي يُرِيْدُ كَمَا خَلَقَ اٰدَمَ عِبْرَةً۔

عورتوں کو بہشت میں ولادت حیض۔ نفاس اور تمام نسائی ضرورتوں کی کوئی حاجت نہیں ہوگی اور وہ تمام تکلیف و محنت جو ابتدائے طفولیت سے لیکر سنِ رشد تک اُٹھانی ہوتی ہے وہ ایک بھی نہیں ہوگی۔ کیونکہ بہشت میں وہ تمام چیزیں فراہم ہیں جن کی خواہشیں دلہائے مؤمنین کو ہوا کرتی ہیں اور جن کے نظارے اور دید کی ضرورت عموماً آنکھوں کو ہوتی ہے۔ چنانچہ خدائے سبحانہ وتعالےٰ قرآن مجید میں خود فرماتا ہے کہ مؤمن کو جس شے کی خواہش جس طرح اُس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اُسی صورت اور اُسی حالت کے مطابق خداوندِ تعالےٰ اُس شے مطلوبہ کو اُس بندۂ مومن کے لیے پیدا کر دیتا ہے۔ اور عورتوں کو بہشت میں حمل ہونے اور بچہ جننے وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور تمام اشیاء وہاں ایسی ہی مخلوق ہونگی جیسے کہ حضرت آدم علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السّلام کو اُس نے عبرت اور تنبیہِ خلائق کے لیے خاص طور پر بغیر اِن معمولی ذرائع کے خلق فرمایا ہے۔

(۲۳) استفسار کیا گیا کہ ایک آدمی نے دوسرے سے مبلغ ایک ہزار ۱۰۰۰ روپیہ قرض لیا۔ اُسکے اِس دعوے کے ثبوت میں اُس کے پاس شاہدِ کامل اور معارفِ صادق موجود ہیں۔ مگر اُس کو ابھی اِسکا دعوےٰ رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی تھی کہ اُس نے پھر اُسی شخص کو ایک دوسرے تمسّک کے ذریعہ سے پانچسو ۵۰۰ روپئے قرض دیے۔ اور اِسکے بھی کافی ثبوت اُس کے پاس موجود ہیں۔ اِس کے بعد اُس نے تیسرے تمسّک کی رو سے اُسکو تین سو روپئے ۳۰۰ اور دیے اور اِسکا ثبوت بھی تیار ہے۔ غرضکہ اِن دونوں رقومِ تمسّکات کے علاوہ وہ ایک ہزار ہے جس کا دعوےٰ اُس نے رجوع کیا ہے۔ مدعاعلیہ بجواب دعوےٰ مدعی بیان کرتا ہے کہ اِن تمام تمسّکات کا کُل روپیہ ایک ہزار ہے۔ جس کا دعوےٰ پیش ہو چکا ہے۔ مدعی کو اِس جوابِ مدعاعلیہ سے قطعی انکار ہے۔ صورتِ مرقومہ میں وہ ہزار درہم ایک بار ادا کر دیا جائے یا بار بار کرکے سب تمسّکاتِ مقیّدہ ادا کاری لازم ہے۔ اور حقیقت میں یہ تمام وکمال رقم وہی ایک ہزار رقمِ مدعابہا ہے یا علٰحدہ علٰحدہ ہزار۔ پانسو ۵۰۰ اور تین سو ۳۰۰۔ توقیعِ مبارک کے ذریعہ سے سائل کو اِس مسئلہ کا جواب اِن الفاظ میں تحریر فرمایا گیا۔

يُؤْخَذُ مِنَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ اَلْفُ دِرْهَمٍ وَّهِيَ الَّتِيْ لَا شُبْهَةَ فِيْهَا وَتُرَدُّ الْيَمِيْنُ فِي الْاَلْفِ الْبَاقِيْ عَلَى الْمُدَّعِيْ فَاِنْ نَكَلَ فَلَا حَقَّ لَهٗ۔

مدعاعلیہ سے ایک ہزار روپیہ لینا چاہیے اور یہ وہی ایک ہزار کی رقم ہے جس کی نسبت فریقین سے کسی کو بھی کوئی عذر اور کلام نہیں ہے۔ باقی ہزار درہم کے لیے مدعی سے شرعی قسم لیجاوے۔ اگر وہ حلفِ شرعیہ سے انکار کرے تو حقیقت میں اُس کو مدعاعلیہ سے اِس رقم کی وصولی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

(۲۴) پوچھا گیا کہ خاکِ تربتِ جنابِ امام حسین علیہ السّلام میت کے ساتھ قبر میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب میں تحریر فرمایا گیا۔

تَوْقِيعُهُ مَعَ الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهٖ وَتَخْلِيطُهُ بِحُنُوطِهٖ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔
خاکِ مرقدِ منوّرِ جناب امام علیہ السّلام کو میّت کے ساتھ شامل کرنا جائز ہے انشاءاللہ المستعان۔
(۲۵) استفسار کیا گیا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے فرزندِ گرامی حضرت اسمٰعیل رضؑ کے کفن پر اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمادیا تھا اِسْمٰعِيْلُ يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ آیا ہم لوگوں کے لیے بھی اپنی میّت کے پارچہائے کفن پر اس کا لکھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور آیا ہم اِن فقرات کو خاکِ تربتِ حضرت امام حسین علیہ السّلام سے لکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب میں تحریر ہوا۔
يَجُوْزُ ذٰلِكَ۔ جائز ہے۔
(۲۶) پوچھا گیا کہ خاکِ تربتِ حضرت امام حسین علیہ السّلام سے تسبیح تیّار کرکے اُس پر سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو اس میں کوئی فضیلتِ خاص بھی ہے یا نہیں؟
جواب میں حکم ہوا۔
يُسَبِّحُ بِهٖ فَمَا مِنْ شَيْءٍ مِّنَ التَّسْبِيْحِ اَفْضَلُ مِنْهُ وَمِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ الرَّجُلَ يَنْسِي التَّسْبِيْحَ وَيُدِيْرُ السُّبْحَةَ فَيُكْتَبُ التَّسْبِيْحُ۔
تسبیح خاکِ شفا پر ذکر جائز ہے۔ کسی دوسری شئے پر ذکرِ تسبیح کو وہ فضیلت حاصل نہیں ہے جو اس پر اور جو فضیلتِ مخصوصہ اِسکو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ذکرِ تسبیح کو بھول جائے اور صرف اِس کے دانوں کو گردش دیا کرے تو اُس کو ذکرِ تسبیح کا پورا ثواب دیا جائیگا۔
(۲۷) پوچھا گیا کہ خاکِ پاک پر سجدہ صحیح ہے۔ اور اِس میں بھی کوئی فضیلتِ خاص ہے؟ حکم ہوا۔
يَجُوْزُ ذٰلِكَ وَفَضْلٌ مِّنْهُ۔ جائز ہے اور اِس میں بھی فضیلت ہے۔
(۲۸) استفسار کیا گیا کہ ایک شخص زیارتِ قبورِ پُرانوارِ حضراتِ ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے لیے جایا کرتا ہے۔ اُس کو اُن قبورِ مطہّرہ کے آگے سجدہ جائز ہے یا نہیں۔ آیا یہ بھی اُس کے لیے جائز ہے کہ وہ قبرِ مطہّرات کے نزدیک نماز پڑھے اور اگر نماز پڑھے تو قبرِ مطہّر کی پشت پر کھڑا ہو۔ اور مزارِ خالص الانوار کو قبلہ کی طرف آگے لیلے۔ یا سرِ مطہّر کی جانب استادہ ہو۔ یا بائیں جانب کھڑا ہو کر نماز ادا کرے۔ آیا جائز ہے کہ قبرِ منوّر کو اپنی پشت پر لیکر اُس کے آگے قبلہ کی طرف اِس طرح کھڑا ہو کہ قبرِ مطہر اُسکی پسِ پُشت واقع ہو۔ ناحیۂ مقدسہ سے اِسکا جواب اِس عبارت میں صادر ہوا۔
اَمَّا السُّجُوْدُ عَلَى الْقَبْرِ لَا يَجُوْزُ فِيْ نَافِلَةٍ وَّلَا فَرِيْضَةٍ وَلَا زِيَارَةٍ وَّالَّذِيْ عَلَيْهِ الْعَمَلُ اَنْ يَّضَعَ خَدَّهُ الْاَيْمَنَ عَلَى الْقَبْرِ وَاَمَّا الصَّلٰوةُ فَاِنَّهَا خَلْفَهٗ وَيَجْعَلُ الْقَبْرَ اَمَامَهٗ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُّصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَلَا عَنْ يَّسَارِهٖ لِاَنَّ الْاِمَامَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ لَا يُتَقَدَّمُ عَلَيْهِ وَلَا يُسَاوٰى۔

قبور پر سجدہ کرنا کسی صورت میں عام اِس سے کہ بقصدِ زیارت ہو یا نوافل یا فرائض جائز نہیں ہے۔ باقی رہا جس امر پر عمل ہوسکتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ سیدھے رخسارے کو قبرِ مطہرّ پر رکھے اور نماز ہر قبرِ منوّر کی پشت پر اِس طرح ادا کرے کہ قبرِ منوّر کو اپنے مُنہ کے آگے رکھّے۔ اور قبرِ مطہرّ کے آگے کھڑے ہو کر یا بالاسر یا پایئں پا نماز کا ادا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ امام علیہ السلام کے آگے کھڑا ہونا یا اُن کے برابر کھڑا ہونا یا اُنکے یمین و یسار کھڑا ہونا جائز نہیں ہے۔

(۲۹) پوچھا گیا کہ دو رکعتِ آخرِ نماز میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ بعض میں وارد ہے کہ اِن رکعات میں تنہا سورۂ حمد پڑھنا چاہیے اور یہی کافی فضیلت رکھتا ہے اور بعض کے نزدیک تسبیحِ اربعہ کا پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہوتا ہے اِن دونوں میں جس کو فضیلت ہو تحریر فرمایا جائے۔ جواب میں ارشاد ہوا
قَدْ نَسَخَتْ قِرَآءَةُ اُمِّ الْكِتَابِ فِيْ هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ التَّسْبِيْحَ وَالَّذِيْ نَسَخَ التَّسْبِيْحَ قَوْلُ الْعَالِمِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُلُّ صَلٰوةٍ لَا قِرَآءَةَ فِيْهَا فَهِيَ خِدَاجٌ اِلَّا لِلْعَلِيْلِ اَوْ مَنْ يَّكْثُرُ عَلَيْهِ السَّهْوُ فَيَتَخَوَّفُ بُطْلَانُ الصَّلٰوةِ عَلَيْهِ۔

اِن دونوں صورتوں میں سورۂ حمد کا پڑھنا تسبیحاتِ اربعہ کی قرأت کو منسوخ کر دیتا ہے۔ اور وہ چیز کہ جس نے تسبیحاتِ اربعہ کی قرأت کو منسوخ کر دیا ہے وہ قولِ امام علیہ السّلام ہے کہ جو نماز بغیر سورۂ حمد پڑھی جاتی ہے وہ منقطع اور خالی از خیر ہے۔ مگر ہاں وہ شخص البتّہ پڑھ سکتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اگر ہم سورۂ حمد پڑھینگے تو ہمکو سہو ہو جائیگا یا ہمارا مرض بڑھجائیگا۔

(۳۰) استفسار کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنے مال میں سے کچھ نذرِ خدا نکالا اور یہ نیّت کی اپنے اِس مال کو اپنے کسی برادرِ مومن پر ایثار کر دیگا مگر اِس نیّت کے بعد وہ اپنے عزیز و اقارب میں سے خاص ایک شخص کو محتاج پاتا ہے۔ تو کیا ہوسکتا ہے کہ بخلافِ نیّتِ سابق وہ اپنے اُس مال کو بجائے عام برادرانِ ایمانی کے اپنے اِس عزیز اور قریب برادر کو حوالہ کر دے۔ ناحیۂ مقدسہ سے یہ جواب عنایت کیا گیا۔
يَصْرِفُهُ اِلٰى اَدْنَاهُمَا وَاَقْرَبِهِمَا مِنْ مَّذْهَبِهٖ فَاِنْ ذَهَبَ اِلٰى قَوْلِ الْعَالِمِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ الصَّدَقَةَ وَبَيْنَ اَقْرِبَآئِهٖ ذُوْرَحِمٍ وَّمُحْتَاجٌ فَلْيَقْسِمْ بَيْنَ الْقَرَابَةِ وَبَيْنَ الَّذِيْ نَوٰى حَتّٰى يَكُوْنَ قَدْ اَخَذَ بِالْفَضْلِ كُلِّهٖ۔

اُس مال کو ایسے شخصوں میں سے اُسی کو دینا چاہیے جو اُسکی قرابت میں عزیز تر اور قریب تر ہو۔ اگر چاہے تو اِس قولِ امام علیہ السّلام پر عمل کر سکتا ہے کہ خدا تعالےٰ ایسے شخص کا صدقہ ہرگز قبول نہیں کرتا جو ایسی حالت میں صدقہ دوسروں کو دیتا ہے جب اُسکی قرابت اور عزیزداری میں فقیر اور محتاج خود موجود ہوتے ہیں تحقیق کہ اُسے لازم ہے کہ اپنے اُس مال کو اپنے عزیز محتاج اور اُس غیر شخص محتاج کے فیمابین تقسیم کر دے جسکی نسبت وہ پہلے سے نیّت کر چکا ہے۔ تاکہ اُسکو دونوں فضیلتیں اور دونوں ثواب بیک وقت حاصل ہو جائیں

(۳۱) دریافت کیا گیا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام سے پوچھا گیا تھا کہ آیا لباسِ خز میں جو بالکل خرگوش کے بالوں سے تیّار کیا جاتا ہے نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ ارشاد ہوا تھا کہ نہیں۔ مگر حضور کی خدمتِ بابرکت سے ایک توقیعِ مقدس برآمد ہوئی ہے جس میں حکمِ جواز نافذ فرمایا گیا ہے۔ اب اِن دونوں احکامِ مطہّرہ میں سے کس ایک پر عمل کرنیکی اجازت دی جاتی ہے؟ اس مسئلہ کا یہ جواب عنایت فرمایا گیا۔

اِنَّمَا حُرِّمَ فِيْ هٰذِهِ الْاَوْبَارِ وَالْجُلُوْدُ فَاَمَّا الْاَوْبَارُ وَحْدَهَا فَلَا وَقَدْ سُئِلَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ عَنْ قَوْلِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يُصَلّٰى فِي الْاَذْنَبِ وَلَا بِالثَّوْبِ لَوِيْقِ بَدَنِهٖ فَقَالَ اِنَّمَا عَنٰي بِالْجُلُوْدِ دُوْنَ غَيْرِهَا۔

اِن پشموں میں مع پوست کے نماز پڑھنا حرام ہے۔ اور تنہا پشم والے کپڑے میں نماز پڑھنا حلال ہے اور بعضے علماء جو قولِ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نقل کرتے ہیں اُس کے یہ معنی ہیں کہ پوستِ روباہ میں جو مصلّی کے بدن سے ملصق ہو نماز جائز نہیں ہے۔ سوائے اِسکے کوئی دوسری مراد نہیں ہوسکتی ہے۔

واضح ہو کہ اوپر کے یہ چند سوالات وہ ہیں جن کو محمد ابنِ عبداللہ حمیری رضی اللہ عنہ نے جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کی خدمت میں لکھکر استفسار کیا تھا۔ اِن کے جوابات کے آخر میں جو عبارت خاص دستِ مبارک سے اُنکو لکھی گئی تھی وہ یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ لَا لِاَمْرِ اللّٰهِ تَعْقِلُوْنَ وَلَا لِاَوْلِيَائِهٖ تَقْبَلُوْنَ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِي النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُوْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اِذَا اَرَدْتُمُ التَّوَجُّهَ بِنَا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَاِلَيْنَا فَقُوْلُوْا كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى سَلَامٌ عَلٰى اٰلِ يٰسِيْنَ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ احکامِ خدا و ائمہ سلام اللہ علیہم کو نہ خود تم لوگ سمجھتے ہو اور نہ اُسپر خوض و غور کرتے ہو۔ اور نہ اولیاء اللہ علیہم السّلام کے سمجھانے سے سمجھتے ہو اور نہ اُن کے احکام کو قبول کرتے ہو۔ اور اِس میں بھی خدا کی حکمتِ بالغہ مضمر ہے کہ اُن قوموں کو حضراتِ انبیاءؑ و اولیاء علیہم السّلام کا بتلانا اور سمجھانا کوئی نفع نہیں بخشتا۔ سلامِ خدا ہو ہم پر اور اُن بندوں پر جو صلح اور نیکوکار ہیں۔ جیسا کہ خدائے حمید نے قرآنِ مجید میں ہم پر اِن لفظوں کے ساتھ سلام فرمایا ہے۔ سلام ہو آلِ یٰسین پر۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمد و آلِ محمد۔

بہرحال۔ ہم نے اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں آپ کے چند ایسے احکام جو صرف ہدایتِ عام اور تعلیمِ اُمّت کے تنہا اصول پر نافذ فرمائے گئے ہیں پوری تفصیل کے ساتھ مندرج کیے ہیں۔ جو ہمارے مدعائے تالیف کو پورے طور سے ثابت کر دیتے ہیں اور سمجھا دیتے ہیں۔ اِن احکام کو پڑھکر اور انکی مختلف صورت اور ضروریات پر کامل غور کرکے ہر شخص نہایت آسانی اور سہولت سے خود سمجھ سکتا ہے کہ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے ایّامِ امامت میں بھی جن کی ظاہری صورت غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں بھی قطعی طور پر حالتِ اختفا میں رہی یہ فرائض اور شرائطِ امامت کامل طور سے ادا ہوتے رہے۔ یہ مسائل عموماً وہی ہیں جنکی ضرورت سب کو ہوا کرتی

ہے۔ اِن تمام مندرجۂ بالا سوالات کے جواب کا پہنچانا امامِ وقت کا کام تھا۔ جو باوجود اُن تمام دشواریوں کے جو آپکے دورانِ امامت میں پیشِ نظر تھیں پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ اہلِ ایمان کو پہنچائے گئے۔ اور ان تمام مطالب و مقاصد میں اُنکی کافی تسکین اور کامل تشفی فرما دی گئی۔ ہم نے جہانتک آپ کی دقت اور دشواریوں پر غور کیا ہے یہ امر ہم کو اچھی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کے زمانہ کی دشواریاں اور سختیاں کچھ ایسی شدید اور ناقابلِ برداشت تھیں جو اور اماموں کو اپنے زمانۂ امامت میں اُٹھانی نہیں پڑی تھیں۔ ہم اُن کی کامل تفصیل ایک علٰحدہ باب میں انشاء اللہ المستعان عنقریب درج کرتے ہیں۔ ابھی ہم کو اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں جو پہلے بیان کر دینا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا یہ دعوٰے کہ آپ کی امامت اگرچہ بالکل باطنی تھی اور اُسکے تمام احکام بالکل اسرارِ الٰہی کی صورت میں ہوتے تھے لیکن اُن کا نفاذ اور اُس کے طریقے ظاہری طور پر محسوس ہوتے تھے۔ اور ہر شخص بقاعدۂ مشاہدات اُن کا قائل اور اُن پر عامل ہوتا تھا۔ آپکی امامت کے نظام بھی اعلٰے تدبّر سے خالی نہیں تھے بلکہ احکامِ شرعیہ اور نصابِ دینیّہ کے اجرا کا نفاذ تو اُسی طرح فرمایا جاتا تھا جیسا کہ اور امامتِ ظاہری کے ایام میں۔

جن لوگوں نے ہمارے مرقومۂ بالا واقعات اور مشاہدات کو پڑھا ہے وہ جہالِ زمانہ کے اُن فضول اعتراضات کی حقیقت کو پورے طور سے سمجھ گئے ہونگے جو اپنے واہی خیالوں میں یہ دعوٰے کرتے ہیں کہ ایسے امام کی امامت سے جو خلائق کی نظروں سے قطعی طور پر پوشیدہ بتلایا جاتا ہو عامۃ النّاس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ تو دنیا جانتی ہے کہ کچھ جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السّلام تک محدود و موقوف نہیں ہے۔ حضرت امیر المؤمنین علی ابنِ ابیطالب علیہ السّلام ہی کے بعد سے اِن تمام حضرات کو امورِ مُلکی سے کوئی واسطہ اور تعلّق باقی نہیں رہا تھا بلکہ فرمانروایانِ عصر اور حکمرانانِ وقت نے ان کے رہے سہے اقتدار اور اعتبار کو بھی ساری دنیا سے اُٹھا دینا چاہا۔ بلکہ قریب قریب اُٹھا ہی دیا۔ اور انکی وہ حالت پہنچا دی کہ اِس مقدس دائرہ اور عام لوگوں کے طبقہ میں مشکل سے امتیاز کیا جا سکتا تھا۔ دنیا کے عام اور تمام فقرا بھی کسی قدر فراغت اور اطمینان سے بسر کرتے تھے۔ مگر یہ نہیں۔ ہم اپنی موجودہ تالیف کے ہر نمبر میں اس مضمون کو ہر بزرگوار کے حال کے ساتھ مسلسل اور مفصّل طور پر برابر لکھتے آئے ہیں۔ جب بے سروکاری اور ترکِ تعلّق کی یہانتک حالت پہنچی ہوئی ہو تو پھر حضرت قائمِ آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کے زمانہ میں وہ مُلکی واقعات جو آپ سے تعلّق رکھتے ہوں کیسے پائے جا سکتے ہیں یا لکھے جا سکتے ہیں۔ تو اب سوائے احیائے سنّت۔ حفظانِ شریعت وغیرہ وغیرہ اور دیگر امورِ شرعیہ۔ جو نظامِ ہدایت کے متعلّق منجانب اللہ آپکی امامت کے فرائضِ منصبی قرار پا چکے تھے۔ اور وہ کون دوسرے امور تھے جو آپ کے احوال کے ساتھ بیان کیے جاتے۔

ہمارے موجودہ سلسلۂ تالیف سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے بعد اِن تمام حضرات علیہم السّلام کے متعلّق سوائے اُن امورِ شرعیہ کے جن کا ذکر اوپر ابھی ہو چکا ہے اور کوئی دوسرے

امور نہیں تھے۔ اور جس طرح اُن بزرگواروں نے اپنی ظاہری امامت کے ایام میں اپنے اپنے فرائض کو پوری ہوشیاری اور حسنِ تدبیر سے انجام دیا اُسی طرح جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام نے بھی اِن امور کو اُسی احتیاط بیداری اور یادداری کے ساتھ ادا فرمایا۔ جو ہر وقت و ہر زمانہ میں مصلحتِ خداوندی کا عین مقصود قرار پاچکا تھا۔ جیسا کہ مندرجۂ بالا واقعات سے ظاہر اور ثابت ہوچکا۔ اور اُن سب سے آپکی امامت کے فیوض و استفادات مشاہدات کے پورے معیار پر پہنچ چکے۔

اب اِسی سے بآسانی سمجھ لیا جاسکتا ہے کہ امامت اور اُسکے نفاذِ احکام کو عام اِس سے کہ وہ ظاہری ہوں یا مخفی کبھی کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔ تائیدِ ربانی اور مشیّتِ یزدانی اپنے تمام افعال اور خدمات کو اِن حضرات سے اُسی طرح انجام اور تمام و کمال کرالیتی ہے جس طرح ازل سے اُسکی مشیّت اور ارادے میں آچکا ہے۔ لہٰذا انتظامِ ظاہری کے نہ ہونیکے سبب تدابیرِ باطنی کے وجود سے انکار کرنا شعارِ عقل نہیں کہا جاسکتا۔

بہرحال۔ اِس بحث کے متعلق صرف اتنا ہی لکھکر ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور اپنے آیندہ بیان میں وہ واقعات اور اُن کے اسباب درج کرتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوجائیگا کہ سلاطینِ عصر کے ہاتھوں سے جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کو اپنے امور میں کیسی کیسی دشواریاں اور دقتیں اُٹھانی پڑی ہیں۔ اور اپنے پدرِ عالیمقدار جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کے روزِ وفات سے لیکر تا ابتدائے ایامِ غیبتِ کبریٰ آپ کے تجسّس و تلاش۔ آپ کے قتل و ہلاکت کے کیا کیا سامان فراہم کیے گئے ہیں۔ اور شریعتِ اہلبیت علیہم السّلام کے احکام۔ اُن کے اجرا اور اُنکی متابعت کی وجہ سے شیعہ فرقہ کے لوگوں کو متواتر کتنی اور کیسی مصیبتیں پیش آئی ہیں۔ اور اُنکو اپنے کتنے جانی اور مالی نقصانات اُٹھانے پڑے ہیں۔ اپنے اِسی بیان کے مقدمہ میں ہم موجودہ خلفائے عباسیہ اور اُنکی سلطنت کی موجودہ کیفیت کو بھی نہایت اختصار کے ساتھ خلاصہ کے طور پر دکھلاکر اپنے ناظرین کو اُن لوگوں کے اعمال و افعال سے آگاہ کیے دیتے ہیں۔ جو اپنی دولت و ثروت اور حکومت و سیاست کے ظاہری اقتدار و اعتبار پر اپنے آپ کو حضراتِ ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ہمسر اور مساوی سمجھتے تھے۔ اور تمام دنیا کو اسی کا سبق دیتے تھے۔ جن حضرات نے ہمارے موجودہ سلسلہ کے تمام نمبروں کو مسلسل اور بالاستیعاب دیکھا ہے اُنکو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم نے کچھ اسی کتاب میں خاصکر یہ التزام تالیف اور انتظامِ ترتیب تنہا قائم نہیں کیا ہے۔ بلکہ اپنی تمام کتابوں میں اُن لوگوں کے طور و اطوار اور اصولِ حکمرانی دکھلاکر پورے طور پر ثابت کردیا ہے کہ اُنکی اخلاقی کمزوریاں ہرگز اس قابل نہیں تھیں جو ان خاصانِ خدا اور ذواتِ مقدسہ سے کسی محاسن اور محامد میں مقابلہ کرسکیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم کو یہ اعتراف بھی ضرور ہے کہ اِن حکمرانانِ عصر اور فرمانروایانِ زمانہ کا یہ خیال بھی اِس وقت کچھ نیا اور اُنکا خاص ایجادی نہیں تھا۔ بلکہ یہ اُن کی قدیم جہالت تھی۔ اور ایسا پُرانا اور لاعلاج جنون تھا جو کسی وقت اُنکے سر سے نہیں اُترتا تھا۔ اگر غور سے کام لیا جائے اور کامل طور پر تحقیق کیجائے تو معلوم

ہو جائیگا کہ بیرونی لوگوں میں امرِ خلافت کے جاتے ہی جس کی ابتدا سن گیارہ ۱۱ ہجری کے تیسرے مہینہ سے قائم ہوئی اہلبیت علیہم السلام سے ہمسری کے دعوے پیدا ہو گئے مگر مساوات کے خیالات اُس وقت صرف اُسی شخص کے دماغ تک محدود پائے جاتے تھے جو تختِ خلافت پر متمکن ہوتا تھا۔ مگر چھتیس ۳۶ برس کے بعد یہ خیال یکایک اتنی ترقی پکڑ گیا۔ اتنا عام ہو گیا کہ خلافتِ چہارم میں مختلف قوم و قبیلہ کے لوگ خلیفۂ عصر کے مقابلہ میں اپنے آپکو ہر طرح سے خلافتِ نبوی اور حاکم شرعی ہونیکے لیے پورا سزاوار سمجھنے لگے۔ اگرچہ اِن خیال والوں کی پیدائش بھی تیسری خلافت کے آخر زمانہ سے ثابت ہوتی ہے مگر اُس وقت تک اُنکے اِن مخالفانہ خیالوں پر مروان ابن الحکم کی بدسلوکیوں کا پردہ حائل تھا۔ اور خلیفۂ عصر سے مقابلہ اور مقاتلہ کے جواب میں یہ دکھلایا جاتا تھا کہ مروان کی حرکات نے اِن لوگوں کو خلیفۂ عصر کے ساتھ گستاخانہ طور پر پیش آنیکے لیے مجبور بنا دیا۔

بخلاف اسکے چوتھی خلافت کے زمانہ میں جناب امیر المومنین علی ابنِ ابیطالب علیہ السّلام کی مدّتِ حکومت میں تو مروان یا کسی دوسرے کی وزارت۔ مشورت یا مداخلت وغیرہ کی کوئی شکایت نہیں تھی۔ پھر آپکے خلاف جو دنیا کی دنیا اُٹھ کھڑی ہوئی اور تمام بلادِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے ہل من مبارز کی صدائیں بلند ہونے لگیں اِسکی کیا وجہ بتلائی جائیگی۔ اسکی وجہ اور اِسکے اسباب وہی تھے جن کو ہم اپنے سلسلہ کے نمبر اوّل میں پوری تفصیل کے ساتھ دکھلا آئے ہیں کہ اِس زمانہ میں ہر شخص اپنے آپ کو خلافت کا دعویدار اور حکومت کا سزاوار و شایان تصوّر کرتا تھا۔ اور خلیفۂ عصر سے مساوات اور موازنہ تو درکنار مقابلہ اور مقاتلہ پر ہمہ دم ہر لحظہ تلا رہتا تھا۔ چنانچہ ۳۶ھ ہجری سے لیکر ۴۰ھ ہجری کے ماہِ رمضان تک اِسکی متواتر کوششیں ہوتی رہیں۔

بہرحال۔ اِن واقعات سے معلوم ہو گیا کہ خلفائے عباسیہ نے بھی ابتدا سے لیکر اِس وقت تک جو جو مخالفانہ کارروائیاں اپنے معاصر رئیسِ اہلبیت علیہ السّلام سے پیش کیں وہ سب اسی مساوات و ہمسری کے غلط اصول پر مبنی تھیں۔ کیونکہ محض امرِ حکومت کے ہاتھ میں آتے ہی عام اِس سے کہ وہ قہر و غلبہ۔ غضب و جبر۔ یا کسی اور حکمت عملی اور حیلۂ دنیاوی سے حاصل ہوا ہو۔ وہ اپنے آپ کو اسلام اور اہلِ اسلام کے تمام دنیاوی۔ روحانی اور ایمانی امور کا پیشوا اور مقتدا سمجھنے لگے تھے اور یہی سارے زمانہ کو بھی سمجھانے لگے تھے۔ اور سلاطینِ بنی امیّہ کی طرح انکا خیال بھی یہی تھا کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد اُنکے تمام کمالات اور فضائل و مراتب میراث میں انہی کو ملے ہیں۔ اور کسی دوسرے کو نہیں۔ بہرحال اپنے موجودہ تمہیدی مضامین کو یہانتک پہنچا کر ہم اُن سلاطینِ عباسیہ کے حالات کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جو جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے ہمعصر واقع ہوے تھے۔

معتمد کی سلطنت کا زمانہ

یہانتک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جنابِ امام حسنِ عسکری علیہ السّلام نے آٹھویں ۸ ربیع الاول سنہ ۲۶۰ ہجری کو انتقال فرمایا۔ وہ معتمد کی حکومت کا زمانہ تھا۔ معتمد کی حکومت کا حال کسی قدر اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اِسی کے

وقت کا بہت بڑا واقعہ صاحب الزنج کا خروج ہے جو ۲۵۵ھ ہجری سے شروع ہو کر معتمد کی سلطنت کو ڈانواڈول کیے ہوئے تھا۔ اور آئے گئے دن نئی نئی مصیبتیں۔ طرح طرح کی دقتیں تمام کاروبارِ ملکی میں برابر پیش لاتا تھا معتمد کی عمر تمام ہو گئی مگر صاحب الزنج کے ساتھیوں کے حملات کم نہوئے بلکہ اور ترقی کرتے گئے۔

معتمد نے اپنے مرنے سے چند روز پیشتر اپنے بیٹے مفوض باللہ کو اپنی ولیعہدی سے معزول ہونیکے لیے مجبور کر دیا۔ اور اُسنے تمام صلحاؤ علمائے شہر اور امراؤ ارا کینِ سلطنت کے بہت بڑے مجمع میں حکمِ سلطانی کے مطابق اپنی معزولی کے ننگ وعار کو قبول کر لیا۔ جب مفوض اپنے عہدہ سے خارج اور کنارے کر دیا گیا تو معتمد نے اُسکی جگہ اپنے بھانجے معتضد کو اپنے بعد اپنا ولیعہد اور قائم مقام قرار دیا۔ اِسکے علاوہ معتمد نے تمام مساجد میں وعظ کہنے کی عام ممانعت کر دی۔ اُس کے وقت میں منجمّ اور کہانت پیشہ لوگوں کو بہت بڑا عروج ہوا۔ اور تمام شاہراہ۔ بازار اور مجمع کے خاص خاص مقاموں میں اُن کی نشست اور مجلس قائم ہونے لگی۔ معتمد نے بغداد کے تمام صحافوں اور کتب فروشوں کو بُلا کر حکمِ عام دیدیا کہ علمِ مناظرہ اور فلسفہ و حکمت کی کتابوں کو نہ کوئی خریدے اور نہ بیچے اور نہ کوئی جلد بند اِن کتابوں کی جلد باندھے۔

معتمد کے خاص اطوار اور کردار و رفتار کی نسبت ابنِ اثیر اور روضۃ الصفا اسلام کے مشہور مورخین کا بیان ہے کہ معتمد عموماً عیّاش مزاج اور عیش پسند تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے اوقات کو انواع و اقسام کے لہو ولعب اور نشاط و طرب میں گزارتا تھا۔ اور کاروبارِ خلافت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ جملہ کاروبار موفق کے سپرد تھے۔ جیسا وہ چاہتا تھا کرتا تھا۔ کسی کو اُس کی تجویز میں مداخلت کی مجال باقی نہیں تھی۔ اُسکی صحبت کے بیٹھنے والے نائک اور قوّال تھے۔ اور وہی اُس کے جملہ امور میں پیش پیش تھے۔ معتمد اپنے تمام امور میں اُنہی لوگوں کی صلاح و مشورت سے کام لیتا تھا۔ اور اُنہی کی ہدایت کے مطابق وہ اپنی صحبتِ عیش کی ترتیب محفلِ عیش و نشاط کی زیب و زینت اور جلسۂ شراب و کباب کی آرائش میں ہمہ دم و ہر لحظہ مصروف و مستغرق رہتا تھا۔ اور اُنہی سامانوں کے ساتھ انواع و اقسام کے الوانِ نعمت مطبخِ سلطانی سے تیار ہو کر آیا کرتے تھے۔ اور یہی چٹورے چاٹ جایا کرتے تھے۔ معتمد نے اپنی سلطنت کا تمام زمانہ انہی سامانوں میں صرف کر ڈالا۔

یہ تھے معتمد کے ذاتی حالات اور یہ تھے اُسکی حیات کے روزانہ مشاغل۔ مگر باایں‌ہمہ کہ وہ اپنے ذاتی عیش و عشرت میں سراپا مستغرق تھا۔ مگر تاہم وہ اپنے معاصر بنی فاطمہ علیہا السلام کی ایذا رسانی کے خیال اور ارادے سے کبھی باز نہ آیا۔ اِسکی ذاتِ خاص سے جیسے جیسے ظلم اور جیسی جیسی ایذائیں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کو اُٹھانی ہوئیں وہ پوری تفصیل کے ساتھ اِس سے پہلی کتاب میں لکھ دی گئی ہیں۔ اور انہی حالات کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے قتل کرنے میں معتمد کو کون شے مجبور کر رہی تھی۔ اِن واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ معتمد کی تمام کوششیں رائگاں گئیں۔ اور اُس کے تمام مخالفانہ حملات سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام محفوظ و مصئون رہکر اپنے بعد اُس ودیعتِ الٰہی کو منصبِ امامت پر

قائم فرما گئے۔ جس کے منصوب کرنیکے لیے وہ خدائے سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مامور ہوئے تھے۔

بہرحال۔ معتمد نے جو کچھ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ اپنے زمانۂ سلطنت میں کیا وہ ہم اس سے پہلی کتاب میں لکھ آئے ہیں۔ اب ہم حسب وعدہ وہ واقعات ذیل میں لکھتے ہیں جنکو معتمد آپکی وفات کے بعد جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے تجسس وتلاش اور تفحصِ احوال میں اپنی مخالفت سے کام لیا۔ اور کیسے کیسے جابرانہ اور ظالمانہ حکم واحکام اِس کے متعلق جاری کیے۔

ہم اپنی پہلی کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ معتمد کو آپکا وجود تو اُسی وقت ثابت ہو گیا تھا جس وقت جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی نمازِ جنازہ کی کیفیت اُسکو معلوم ہوئی تھی۔ اِس اسرارِ ربّانی اور قدرتِ یزدانی کو دیکھکر اُس کے حواس مختل ہو گئے۔ مگر تاہم کسی قدر خودداری کو راہ دیکر اُس نے اپنی تشویش کا اظہار نہ ہونے دیا اور عیسےٰ کو بارِ دیگر امامتِ نماز کا حکم دیکر اِس راز کو فوراً مخفی کر دیا۔ مگر پھر آگے چلکر اُس نے اپنے تفحصِ احوال کو پوری مستعدی اور سرگرمی سے تحقیق کرنیکی بلیغ کوشش کی اور اپنی اِس کوشش میں اُسنے حضرت امام علی نقی علیہ السّلام کے دوسرے صاحبزادے جعفر کو اپنی طرف ملا لیا مگر اِس خوابیدہ بخت (معتمد) کو یہ خبر کہاں تھی کہ مشیّت کے نظام اِس سے پانچ برس پہلے اپنا پورا کام کر چکے ہیں۔ اور آپکی ولادت کی خبر اُس وقت تک جعفر کو کانوں کان نہیں تھی۔ معتمد نے اِس وقت جعفر سے جو سازباز کی یا جعفر نے معتمد سے جو میل جول بڑھایا۔ اُسکی وجہ جانبین کی خودغرضی کے سوا کچھ اور ثابت نہیں ہوتی۔ معتمد کی تو یہ خواہش تھی کہ اُس کو جعفر کے ذریعہ سے آپ کا رتی رتی حال ملجائیگا۔ اور جعفر کی یہ تمنا تھی کہ معتمد کے وسیلہ سے حصولِ ثروت اور دولت ہوگا۔ اور علاوہ بریں سلطانِ عصر اور حاکمِ وقت کے نوازش والطاف دکھلا کر شیعہ گروہ سے اپنی امامت کا بآسانی اقرار کرا لیا جائیگا۔ چونکہ فیمابین خودغرضی حائل تھی اِس لیے اُن میں سے ایک دوسرے کا فوراً رفیق اور شریک بنگیا۔ مگر حقیقت میں جعفر بھی جناب قائم آلِ محمد علیہ السّلام کے حالات سے ویسے ہی لاعلم اور بے خبر تھے جیسا معتمد۔ اِس لیے یہ بھی مسئلۂ وجود کے ویسے ہی منکر ہوئے جیسا معتمد۔ حالانکہ واقعۂ امامتِ نمازِ جنازہ سے اِن کو پوری حقیقت معلوم ہو چکی تھی۔ مگر چونکہ انکا کام بھی اُس وقت انکار ہی سے نکلتا نظر آتا تھا۔ اِس لیے انہوں نے بھی معتمد کے ساتھ اِن واقعات کو بالکل چھپا ڈالا۔ اور آپکی ولادت اور وجود کے مسئلہ سے قطعی انکار کر دیا۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ معتمد کو انکے (جعفر کے) چھپانے اور انکار کرنے سے کیا فائدہ ہونیوالا تھا۔ اور ایسے ہی جعفر کو اِن حرکات سے کونسے نفعے پہنچنے کی امید تھی۔ جن لوگوں نے اُس وقت کے حالات کو بالاستیعاب دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ معتمد اگر واقعاتِ نمازِ جنازہ کو نہ چھپاتا تو پھر آپکا وجود تمام دنیا کے لوگوں کو اُسی وقت ثابت ہو جاتا۔ اور پھر اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا تھا اور وجودِ ذیجود کا

چھپانے۔ مٹانے اور اُس کے متعلق اسلام کی تمام پیشین گوئیوں کو جو عند الفریقین اسنادِ صحیحہ اور معتبرہ سے ثابت ہوتی ہیں محض وہم اور گمانِ غلط بتلانے میں اُس کی تمام کوششیں جنکو وہ اپنے باپ متوکل کی وفات کے بعد ہی سے برابر اور متواتر عمل میں لارہا تھا سرے سے بیکار اور رائگاں چلی جاتیں۔ اور پھر طالبانِ حق اور سالکانِ طریقۂ قادرِ مطلق۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک بشارتوں کے مطابق اُسی ودیعتِ الٰہی اور وصی رسالت پناہی صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ کی اقتدا کو اپنا افتخار اور شعار بناتے۔ جو قائم برحق امام الزمان اور صاحب العصر علیہ السّلام کے گرانمایہ خطاب والقاب سے سرفراز و ممتاز فرمایا گیا ہے۔ پھر ایسے برگزیدۂ ربّانی کے مقابلہ میں معتمد کے عارضی اور فانی ثروت و اقتدارِ سلطانی کی کیا ہستی تھی اور عام نگاہوں میں اُسکی کیا وقعت تھی۔

معتمد کو تو اِس کے اختفا اور انکار سے یہ مطلب تھا جعفر کو جو اس سے حاصل ہونیوالا تھا وہ یہ تھا کہ اگر وہ اپنے خاص مشاہدۂ نماز کو نہ چھپاتے اور آپکے مسئلۂ ولادت سے نہ انکار فرماتے تو کہاں جاتے۔ ایسی دلیل واضح اور حُجّتِ روشن کے مقابلہ میں انکی امامت کا کون قائل ہوتا۔ اور ایسے اعجاز و کرامت کے سامنے اُنکے زبانی دعووں کی کیا سماعت ہوسکتی تھی۔ ان وجوہ سے جعفر کو بھی معتمد کا ہمکلام اور ہمزبان ہونا ضرور تھا۔

بہرحال۔ جہانتک تاریخی طور سے اِسکی تلاش کیجاتی ہے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اِن دونوں آدمیوں نے ملکر اِس مسئلۂ خاص میں اپنی متحدہ کوششوں سے کام لیا اور اپنی کج فہمی کے تقاضے سے اسکے متعلق سب سے پہلے جو فساد اور غلط گمانی تمام دنیا میں پھیلانی چاہی وہ جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام کو قطعی لاولد مشہور کرنا تھا۔ اِس کا بہت بڑا ثبوت جعفر کا خاص اقرار تھا جو بحیثیت بھائی ہونیکے عوام کے ظاہری اطمینان وتشفی کے لیے پورے طور سے کافی ہوگیا۔ اگرچہ اسکا اثر دیرپا اور ہمیشہ کے لیے نہیں ہوا مگر تاہم اِن اہلِ فریبوں نے اہلِ اسلام کے عقائد میں بخلافِ بشارتِ حضرتِ ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انواع واقسام کے اختلاف اور فسادات پیدا کر دیے۔ مگر بمصداقِ الحقّ یعلوا ولا یعلے تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ غلط فہمی رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی اور جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے احکام سفراؤ وکلاء کے ذریعہ سے گروہِ مؤمنین میں چاروں طرف نافذ ہونے لگے۔ جیساکہ پوری تفصیل کے ساتھ ایک جُداگانہ باب میں اوپر بیان ہوچکے ہیں۔ انہی احکام اور دیگر نظام کے نفاذ اور دوسرے مشاہدات کے طریقوں سے مؤمنین کو آپکے وجودِ ذیجود کا پورا یقین ہوگیا اور معتمد کی وہ تمام سوءِ تدبیریاں جو اُسنے آپکے خلاف میں پیش کی تھیں بالکل رائگاں اور بے سود ثابت ہوئیں۔ اور اخیر میں تقدیرِ ربانی کے سامنے تدبیرِ انسانی کچھ بھی کام نہ کرسکی۔

بہرحال معتمد نے اِن امور میں جس امر سے ابتدا کی وہ جنابِ نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کی گرفتاری تھی۔ کیونکہ اِس کی خبر اُس کو تحقیق ہوچکی تھی کہ وہ مولودِ مسعود آپ ہی کے بطنِ مبارک سے وجود میں آیا ہے۔

جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کی گرفتاری

معتمد نے سب سے پہلے حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کی گرفتاری کا حکم دیا اُس کے اِس ظالمانہ حکم کی فوراً تعمیل کیگئی اور حضرتِ موصوفہ ظالم معتمد کے سامنے لائی گئیں۔ جہانتک میری تحقیق کام کرتی ہے مجھ کو اسلام کی تاریخ میں یہ دوسری مثال ثابت ہوتی ہے کہ اِس خاندانِ اعلیٰ اور دودمانِ والا کی مخدراتِ عظمےٰ حاکمِ وقت اور فرمانروائے زمانہ کے دربارِ عام میں جائزہ سلطانی کے لیے لائی گئیں۔ اور اسلام کے سلاطینِ جبابرہ کی فہرست میں یزید ابنِ معاویہ کے بعد معتمد ابن متوکل کا دوسرا نمبر خصوصیت کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے جس نے پاسِ شریعت کے ساتھ ہی عرب ہونیکی عزت اور قومِ قریش ہونیکی حمیت بھی ہمیشہ کے لیے ضائع کردی۔ اور دنیا میں اپنے لیے وہ ننگ و عار اختیار کی جو اُسکی پیشانی کا سیاہ داغ بنکر قیامت تک اُسکی بدافعالی اور شامتِ اعمالی کا یادگار بنا رہا۔

بہرحال۔ عُلیا مکرمہ حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا جیسا ابھی ابھی بیان ہوچکا ہے اُس شقی القلب کے سامنے لائی گئیں تو اُسنے جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کی نسبت استفسار کیا تو آپ نے نہایت ہوشیاری اور عاقبت اندیشی سے اپنی حفاظتِ جانی اور اسرارِ خداوندی کے اختفا اور کتمان کی خاص غرض سے انکار کیا اور کہا کہ مجھ سے اس وقت تک کوئی ولادت نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ میں ابھی تک حاملہ ہوں۔ اور میرے وضع کے ایّام پورے نہیں ہوئے ہیں۔

خدا کی قدرت اور خدا کی شان۔ انکے بیان پر معتمد کو فوراً یقین ہوگیا اور اُس نے اپنے موجودہ اضطراب کی فکر میں اس کو ہزار غنیمت سمجھکر کہ جب ولادت ہوگی تو مولود فوراً قتل کردیا جائیگا عُلیا مکرمہ جنابِ نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کو قاضی ابوشوراب کی حراست میں قید کردیا۔ اور قاضی پر سخت تاکید کردی کہ وہ اُنکی حفاظت و نگرانی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے۔ اور جس وقت ولادت واقع ہو فوراً خبر کیجائے کہ وہ اپنی آیندہ تجویزوں کو اِسکے متعلق فوراً عملی صورت میں لائے۔

حجاز و یمن میں صاحب الزّنج کے حملات

واللہ یفعل مایشاءُ وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ معتمد کی کیا بساط تھی جو اُسکے ظاہری نظام پر کوئی اعتماد کیا جاسکتا۔ اور اُسکا کیا مُنہ جو احکامِ مشیّت سے اپنے نصابِ سیاست کو بڑھالیجاتا۔ اِدھر جنابِ نرجس علیہا السّلام کو قاضی ابوشوراب کی حراست میں آئے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ احکامِ مشیّت نے دنیا کا رنگ ہی بدل دیا۔ اور حکومتِ بغداد میں وہ انقلابِ عظیم پیدا ہوا جس نے یکایک معتمد کے ہوش و حواس کھودیے۔ وہ کیا تھا؟ صاحب الزّنج کا حجاز اور اطرافِ یمن میں یکایک حملہ تھا جس نے چاروں طرف سے بلادِ سلطانی میں تاخت و تاراج مچادی۔ اور نظامِ عباسیہ کو درہم و برہم کرڈالا۔ اور حجاز و یمن کے تمام علاقوں میں اپنا پورا تسلط ایسا جمالیا کہ اُنکے مقابلے کی سلطنتِ بغداد کو کوئی حوصلہ اور جرأت

باقی نہیں رہی۔ معتمد کے ایکباری ایسے کمزور ہوجانے اور ہمّت ہار دینے کی بہت بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنی قوّت آلِ صفّار کے مقابلہ میں بالکل صرف کرچکا تھا۔ اُس کا خزانہ اور لشکر اِس مہم میں دونوں خرچ ہوچکا تھا۔ اور پھر آخر اُسکی اِن ہفت سالہ کوششوں کا جو نتیجہ بھی نکلا وہ یہی تھا کہ معتمد کو آخر ایک گوشہ ایرانی علاقہ کا صفّاریوں کے لیے خالی کردینا ہوا۔ جیساکہ تاریخوں سے ظاہر ہے۔

ابھی یہ بلا کسی نہ کسی طرح اُسکے سر سے ٹلی تھی کہ صاحب الزّنج کی دوسری آفت اُس کے سر آدھمکی۔ جو چیزیں کہ غنیم کی مدافعت اور مقابلہ کے لیے ضروری تھیں اُنکی کمزوریاں تو ظاہر تھیں۔ پھر معتمد کے کامیاب ہونے اور اِس بلائے عظیم سے نجات پانیکی کیا امید کیجا سکتی ہے۔ مگر تاہم معتمد نے اپنی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور اُس کے بھائی موفق نے بھی اُسکا خوب ساتھ دیا اور سردارِ فوج ہونیکی حیثیت سے اپنے فرمانروا بھائی کی خدمات بڑی وفاداری اور جاں نثاری کے ساتھ ادا کیں۔ جس کے کسی قدر تفصیلی حالات اِس سے پہلی کتاب میں بیان ہوچکے ہیں۔ موفق کی کوششیں ضرور اُسکے مقاصد کے موافق ہوئیں اور اُس نے اپنے مخالف سردار کا سر کاٹکر بھائی کے پاس بھیجدیا۔ اور اُنکی باقیماندہ جماعت کو جو سرِ دست عراق کے تمام علاقوں میں بدامنی کا باعث ہورہی تھی پسپا اور منتشر کردیا۔ اور عام ملکی فسادمیں کسی قدر اطمینان ضرور پیدا کردیا۔ مگر افسوس کہ وہ اِس کے بعد فوراً ہی مرگیا۔ اُس کے مرتے ہی فرقۂ مخالف نے اپنی مخالفت کو ازسرِ نو پھر تازہ کردیا۔ اور غنیم سے میدان خالی پاکر اپنی تاخت و تاراج کے ویسے ہی سر بفلک طوفان اُٹھائے۔ معتمد کو وہی دقتیں اُٹھانی ہوئیں جو اِس سے پہلے وہ اُٹھاچکا تھا۔ اور وہ اسی کشمکش میں چودہ برس تک مصروف رہا۔ اگرچہ یہ کوششیں بھی معتمد کی ذاتی نہیں تھیں۔ بلکہ یہ احمد ابنِ موفق کی کارگزاریاں تھیں۔ جو الولد سرٌّ لابیہ کے معنوں میں ہوکر اپنے چچا کے حقوق کو نہایت خوبی سے انجام دے رہا تھا۔ کیونکہ معتمد کی عیش پسندی۔ آرام طلبی اور تن آسانی اتنے مہمّاتِ مُلکی اور شدائدِ جنگی کی برداشت لانے کی کہاں طاقت رکھتی تھی۔

خیر بہر حال۔ جنابِ نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کے معاملات کی طرف سے اُسکی غفلت اور چشم پوشی کا ایک تو یہی باعث ہوا اور علاوہ اِس کے دوسرا باعث جو معتمد کی چشم پوشی کا محرک ہوا وہ موفق کا اہلبیتِ کرام علیہم السّلام کی طرف سے کسی قدر بہ نرمی پیش آنا تھا جیساکہ عنقریب موفق کے خاص حالات میں بیان کیاجائیگا۔ انشاءاللہ المستعان۔

بہر حال۔ معتمد کی ان مجبوریوں کے حالات کو یہانتک پہنچاکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہانتک اوپر بیان ہوچکا ہے کہ معتمد حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا سے یہ معلوم کرکے کہ ابھی تک ولادت سے فراغت نہیں ہوئی ہے مطمئن ہوگیا۔ اور اُن کو اُسی وقت قاضی ابوشوراب کے حوالہ کردیا۔ اِسکے بعد وہ صاحبِ زنج اور صفّاریوں کے معاملات میں خود ایسا گرفتار و مبتلا ہوگیا کہ اپنے سر و پا کی بھی

مطلق خبر نہیں رکھتا تھا۔ اِس لیے معتمد کی جگہ موفق نے بھی کچھ تو ان امور کی مشغولیت اور کچھ اپنی طبعی ملائمت کی وجہ سے آپ کے معاملات کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ آپ چھ مہینے تک قاضی صاحب کی حراست میں رہکر پھر اپنی عصمت سرا کی طرف واپس کر دی گئیں۔ اور اِسکے بعد پھر آپ سے حمل و ولادت کے بارے میں کوئی خاص سوال نہیں کیا گیا۔ اور یہ خاص مسئلہ ہمیشہ کے لیے طے ہو گیا۔ اور سلطنت کی طرف سے پھر کوئی بازپرس نہیں کی گئی۔

یہ تو معتمد کی کارروائیاں تھیں۔ جو اُس نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کی وفات کے بعد فوراً ہی شروع کر دیں۔ اور جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کی سراغ رسانی اور تفحصِ احوال کی غرض سے عمل میں لائی گئیں۔

حضرت جعفرِ توّاب کی غلط فہمی کے حالات

اب معتمد کے ساتھ ہم کو جعفرِ توّاب کی غلط فہمیاں بھی لکھدینی ضروری ہیں۔ اگرچہ جناب نرجس علیہا السّلام کی گرفتاری بھی جعفر کی تحریک سے بتلائی جاتی ہے۔ اور اِسکی مثال بالکل ویسی ہی پائی جاتی ہے جیسی محمد بن اسمٰعیل ابنِ جعفرِ صادق علیہ السّلام کی روئداد حضرت امام موسی کاظم علیہ السّلام کے خلاف ہارون رشید کے زمانہ میں واقع ہوئی جس کو ہم پوری تفصیل کے ساتھ علومِ کاظمیہ میں قلمبند کر چکے ہیں۔

بہرحال۔ حضرت جعفرِ توّاب نے اپنی پہلی غلط فہمی کی ابتدایوں کی کہ اہالیانِ قُم کی ادائے خمس والی شرائط اور امتحان میں جب اُن کا نقص فی الامامت ثابت ہو گیا تو یہ غریب ایسے خفیف ہوئے کہ اپنی اُسی شرم اور غصہ کی جھنجھلاہٹ میں اُٹھے اور معتمد کے پاس پہنچے۔ اور اُس موذی سے اپنے پدرِ بزرگوار جناب امام علی نقی علیہ السّلام اور اپنے برادرِ عالیمقدار حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے ایام میں ان اموال کی تحصیل کے متعلق جیسے جیسے خفیہ اور پوشیدہ انتظام تھے یا اُنکے جو جو مخفی ذرائع قائم تھے ایک ایک کر کے سب بتلا دیے۔ اور اپنے اس معروضہ کے اخیر میں غرض یہ ظاہر کی کہ اِن لوگوں سے یہ مال مجھ کو دلایا جائے۔ معتمد کے یہ اُن دنوں معتمد علیہ تو ضرور ہی تھے۔ اِن کا بیان سُنکر اُسنے شیعیانِ قُم کو بُلا بھیجا۔ وہ آئے تو اُن سے کہا کہ تم اپنے ہمراہی اموال جعفر کے حوالہ کر دو۔ اُن خالص الاعتقادوں نے خلیفہ کو دعائے دولت دیکر نہایت صفائی اور متانت سے جواب دیا کہ حقیقتِ حال یوں ہے کہ ہم وہ جماعت ہیں جو ہمارے مُلک اور زبان میں اجیر (اُجرت پر کام کرنیوالے) کہے جاتے ہیں۔ ہم لوگ بذاتِ خاص اِن اموال کے مالک نہیں ہیں بلکہ اُنکے اصلی مالکوں کی طرف سے صرف وکیل اور امین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اور اُن لوگوں نے ہم لوگوں کو اپنے یہ مال اِس شرط و عہد پر حوالے کیے ہیں کہ ہم اُنکی یہ امانت اُس شخص کو دیدیں جو ہم کو اعجاز و کرامات کے پورے دلائل دکھلا کر اپنی ذات کو اس مال کے لینے کا پورا مستحق ثابت کر دے۔ چنانچہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کی حیات کے زمانہ میں ہم لوگ برابر اُنکی ذات سے ایسے ہی اعجاز و کرامات دیکھتے رہے۔ آپ ہم کو

اُن اموال کی اقسام - تعداد - اوزان اور اُن کے جملہ اوصاف واوضاع سے پوری خبر دیدیتے تھے۔ اور اُنکے مالکوں کے نام اور اُن کے بھیجنے والوں کے پتے اور نشان کامل طور سے بتلا دیتے تھے۔ جب اُنکی زبانِ معجز بیان سے ہم اُن کی یہ تفصیل اپنے خاطر خواہ سُن لیتے تھے تب اموالِ ہمراہی اُنکے حوالے کر دیتے تھے جبتک آپ اس دارِ فانی میں بقیدِ زندگانی رہے ہم لوگ برابر آپ کی خدمت سے شرف اندوز ہوتے رہے اور برابر ایسے ہی مشاہدات آپکی خدمت سے ظاہر ہوتے رہے۔ اے امیر! اب اُنکے مرجانیکے بعد اگر یہ شخص بھی اُنہی اوصافِ مشہورہ اور مخصوصہ کے ساتھ موصوف ہے تو اِسکا فرض ہے کہ وہی اعجاز وکرامات جو ہمارے امورِ خاص کے ساتھ متعلّق ہیں ہم کو دکھلائے۔ تب ہم لوگوں کو البتہ اُن امور کے مشاہدات کے بعد اِسکو یہ مال دینے میں کوئی عذر اور کوئی کلام نہیں ہوگا۔ اور تا وقتیکہ یہ مشاہدات ہم نہ دیکھ لیں ہم کسی کو یہ مال نہیں دینگے۔ بلکہ اِنکو اپنے ہمراہ لیجاکر اُن کے مالکوں کو واپس کر دینگے۔

اُن کے یہ بیانات سُنکر جعفر نے معتمد سے کہا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں اور ہمارے بھائی پر بیرون از عقل محض جھوٹی جھوٹی باتوں کی تہمت لگاتے ہیں۔ اور اُن پر علمِ غیب رکھنے کا پورا الزام اور اتہام باندھتے ہیں جس کو خدائے عالم الغیب کے سوا کوئی دوسرا جان نہیں سکتا۔ معتمد نے جعفر کی اِس تعریض پر کوئی توجہ نہیں کی۔ بلکہ بخلافِ امید اُن کو یہ جواب دیا کہ حقیقت میں یہ لوگ اِن اموال کی نسبت دوسروں کی طرف سے امین ہیں اور رسول۔ اور وہ ادائے رسالت کے سوا اور کسی امر کے مجاز نہیں ہوسکتے۔ ایسی حالت میں تا وقتیکہ جو شرائطِ ادا کاری اِن لوگوں کو بتلائے گئے ہیں وہ تم میں نہ پائے جائیں یہ اپنے ہمراہی مال تمہیں کیسے دے سکتے ہیں؟ معتمد کا یہ جواب سُنکر جعفر کی تمام امیدیں منقطع ہوگئیں اور سوائے خاموشی کے اُن سے کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑا۔ اِسی اثنا میں اُن خالص الاعتقادوں نے معتمد سے پھر درخواست کی کہ چونکہ ہم لوگ مسافر اور غریب الوطن اور یہاں کے راستوں سے ناواقف ہیں اِس لیے مستدعی ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ کر دیا جائے کہ ہمیں اصل راستے سے لگادے۔ معتمد نے اپنا ایک خاص ملازم اُن لوگوں کے ہمراہ کر دیا اور وہ اِس رہبرِ سلطانی کے ساتھ واپس ہوئے۔ جوں ہی بیرونِ شہر پہنچے تھے کہ ایک طرف سے آواز آنی شروع ہوئی کہ اے فلاں ابنِ فلاں اور اے فلاں ابنِ فلاں۔ شہرِ قُم کے رہنے والو! تمہارے مولا تمہیں بلاتے ہیں۔ تم اُنکے حکم کو مانو اور اُنکی متابعت کو اختیار کرو۔ یہ لوگ آواز پر پھرے تو اُنھوں نے ایک غلام زنگی کو یہ آواز دیتے ہوئے پایا۔ اُس کے قریب پہنچکر اُس سے پوچھا کہ کیا تم ہی ہمارے مولا اور امام ہو؟ وہ یہ سُنکر کانپنے لگا اور کہنے لگا کہ توبہ! توبہ! (استغفر اللہ ربّی واتوب الیہ) میں تمہارے مولا کا غلام ہوں اور تمہاری ہی طرح اُنکے حکموں کا مطیع ومنقاد۔ آؤ تم سب کے سب ہمارے ساتھ اپنے امام علیہ السّلام کی خدمت میں چلے چلو۔ چنانچہ اہلِ قُم کا بیان ہے کہ ہم لوگ اُس غلام حبشی کے ساتھ چلے اور خانۂ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام میں داخل ہوکر ہم نے حضرت قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کو دیکھا کہ

ایک پُرتکلف تخت پر باشان وشوکت بیٹھے ہیں۔ آپکا جمالِ جہاں آرا ماہِ شبِ چہاردہ کو مات کر رہا تھا۔ آپ اُس وقت لباسِ سبز زیبِ تن فرمائے تھے۔ ہم نے حاضرِ خدمت ہوتے ہی نہایت ادب سے سلام کیا اور آپنے نہایت خوش اخلاقی سے ہمارے سلام کا جواب دیا۔ اور پھر ہمارے تمام مال و اسبابِ ہمراہی کے اقسام۔ اوضاع اور اوزان پوری طرح سے بتلا دیے۔ آپکے کلامِ صداقت التیام کو سُنکر جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کا وقت اور آپ کے ذاتی اوصاف ہماری آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔ اور ہم لوگوں نے اُسی وقت سے آپ کو حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کا وارثِ اصلی اور قائم مقامِ حقیقی یقینی طور پر تسلیم کر لیا۔ اور وہ تمام وکمال مال جو ہمارے ساتھ تھا خدمتِ مبارک میں حاضر کر دیا۔

اِس کے بعد اُن لوگوں نے اپنے اپنے مسائل جو مختلف احکامِ شرعیہ اور نصابِ دینیہ کے متعلق اُنکو پوچھنے ضروری تھے آپ سے پوچھے اور خاطر خواہ جواب آپکی خدمتِ مطہرہ سے حاصل کیے۔ اہلِ قُم کہتے ہیں کہ جب ہمارے سوالوں کے جواب ہمیں عنایت فرما چُکے تو ارشاد کیا کہ اب آپ حضرات کو ہمارے پاس آنیکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اِس آمد و رفت سے ہمارے موجودہ نظام میں بہت بڑا فساد ہونیکی امید ہے۔ بلکہ ہماری مضرّتِ جسمانی اور نقصانِ جانی کا بھی پورا یقین ہوتا ہے۔ اِن وجوہات سے اب تم کو نہ ہمارے پاس آنیکی ضرورت ہے اور نہ کسی مال و اسباب کے لانے کی۔ اِن امور کے لیے سفراؤ وکلاء اور اُنکے معتمد نائبین تمام قبائل و بلادِ مؤمنین میں ہماری طرف سے مامور ہیں جو ہماری طرف سے اِن خدمات کو انجام کرینگے۔ اتنا ارشاد فرما کر آپ ہم لوگوں میں سے ابو العباس محمد ابنِ جعفر قمیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ خدائے ارحم الرّاحمین تجھ کو تیری وفات کی مشکلات اور شدائد میں صبر عطا فرمائے۔ اور اجرِ عظیم کے مدارجِ عالی پر پہنچائے۔ یہ فرما کر قدرے حنوط بھی اُنہیں مرحمت فرمایا۔ پھر ہم لوگ آپ کی خدمتِ قدسی برکت سے رخصت ہوئے اور قریبِ شہرِ مدائن پہنچکر محمد ابنِ جعفر قمیؒ نے رحلت فرمائی۔

اِس واقعہ سے جعفر کا جو کچھ مرکوزِ خاطر تھا وہ یہی کہ اُنہوں نے بمقتضائے بشریت منصبِ امامت کو تعلیم کے معمولی درجہ میں ڈالنا چاہا تھا اور معتمد کی قربت اور شرفِ صحبت کو اپنے حصولِ مقصود کا قوی ذریعہ سمجھا تھا۔ مگر اُن کو اپنے پہلے ہی ارادے میں شکست پہنچی۔ اور جس ذریعہ سے اُنکی تمام امیدیں وابستہ تھیں وہ انکی مطلق امداد نہ کر سکا۔ بالآخر جو جس کا حق تھا وہ اُسے پہنچ گیا۔ اور حقیقت میں اسی ایک واقعہ سے حق و باطل کا پورا امتیاز ہو گیا۔

جب جعفر کو اس ترکیب سے اپنی کشود کاری اور مقصد براری کی کوئی صورت نہیں دکھلائی دی تو اُنہوں نے اپنی سوء تدبیری سے اپنی کامیابی کی ایک دوسری تجویز پیدا دی جو حقیقت میں پہلی ترکیب سے بھی زیادہ بیکار اور عضول ثابت ہوئی اور انکو سوائے مضرّت و نقصان اور ذلت و پشیمانی کے اخیر میں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی چنانچہ ملاء مجلسی علیہ الرحمہ جنابِ شیخ صدوق اعلی اللہ مقامہ کے اسناد سے تحریر فرماتے ہیں کہ جعفر نے اِس کے بعد مبین ز اد

روپیہ کا نقد نذرانہ معتمد کی خدمت میں پیشکش گزرانا اور یہ استدعا کی کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام آپکے برادرِ مرحوم کا منصبِ امامت اُنکو عطا کیا جائے۔

حقیقت تو یوں ہے کہ جعفر کو اِس وقت تک منصبِ امامت کے اوصافِ مخصوصہ اور اُسکی معرفتِ کُلّی حاصل ہی نہیں تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اسی لاعلمی اور عدم واقفیت کی وجہ سے وہ اپنے برادرِ عالیمقدار علیہ السلام کے منصبِ امامت کو منجانب اللہ نہیں جانتے تھے بلکہ اسکو بھی محض معمولی طور پر موجودہ سلطنت کا ایک عہدہ تجویز فرماتے تھے جو بالکلیہ حاکمِ وقت اور فرمانروائے عصر کے اختیار کی بات تھی۔ انہی وجہوں سے جعفر نے معتمد سے ایسی لایعنی درخواست کی۔ جس کے جواب میں معتمد نے نہایت آزادی اور صفائی سے جواب دیا کہ تمہارے برادرِ بزرگوار علیہ السلام کا منصب میری طرف سے نہیں تھا بلکہ وہ حضرت واہب العطایا کی جانب سے تھا۔ یہ عہدہ تفویضِ سلطانی نہیں تھا بلکہ عطایائے ربّانی تھا۔ مجھ کو دیکھو کہ میں نے اپنی ابتدائی حکومت کے ایّام اِسی فکر اور غور میں تمام کر دیے کہ اپنی قوت و اقتدار کے ذریعہ سے اُن کے مدارج و مراتب میں کسی طرح کی کوئی کمی اور نقص پیدا ہو۔ مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اِن تمام کوششوں میں سے ایک میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ بخلاف اِس کے میں نے جیوں جیوں اُنکے استخفافِ مراتب کی فکر کی اُن کے مدارج میں اور ترقی پر نمایاں ترقی ہوتی چلی گئی۔ اور آخر میں۔ میں اُن کا کچھ نہ کر سکا۔ اگر شیعوں کے نزدیک تمہاری ذات میں بھی وہی اوصاف پائے جاتے ہیں تو پھر تم کو ہماری کسی استعانت و استمداد کی کوئی محتاجی اور ضرورت باقی نہیں ہے۔ اور اگر اِن لوگوں کے نزدیک تمہاری ذات میں وہ محامد و اوصاف پائے نہیں جاتے اور تم کو اُس قدر و منزلت کا نہیں سمجھتے اور تم میں وہ فضل و کمال اور علم و معرفت اور تقوے و عبادت نہیں دیکھی جاتی جو جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کی ذاتِ مجمع الحسنات میں پائی جاتی تھی۔ پھر ایسی حالت میں اگر میں تمہارے برادرِ عالیمقدار کے منصبِ امامت پر مامور و منصوب بھی کر دوں تو میرا یہ مامور و منصوب کرنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

معتمد کی زبانی ایسا خشک جواب پاکر جعفر کی کشتِ امید پر یکایک ایسی بجلی گری کہ اُنکو بالکل سکتہ کا عالم ہو گیا۔ اور وہ بھی اپنے بادر ہوا خیالوں میں ایسے نا امید ہو گئے کہ پھر تا عمر کبھی اسکی طرف بارِ دیگر کوئی خیال نہ کر سکے اور اپنے دیگر مشاغل میں مصروف رہکر اپنی حیات کے ایّام بسر کرنے لگے۔

ہم نے جہانتک ان بزرگ کے حالات دیکھے ہیں ہم کو یہ ثابت ہوا ہے کہ اِن کے اطوار و اوضاع میں اُتنی ہی باتیں تھیں جو اُن سے پہلے اکثر ذرّیتِ امام علیہ السلام اور ساداتِ کرام میں پائی گئی ہیں۔ اور جن میں سے بعض حضرات کے ذکر ہم اُن کے خاص خاص مقامات پر اپنے موجودہ سلسلۂ تالیف میں مفصّل اور مسلسل طریقہ سے قلمبند کر چکے ہیں ہمکو سمجھ لینا چاہیے کہ جسطرح اُن تمام حضرات سے اپنے اپنے امور میں لغزشیں واقع ہوئیں اُسی طرح اپنے زمانہ میں اُنسے بھی

اصول معمولی پر اندازہ کرنیکو تیار ہو جاتی ہیں اور ہر وقت و ہر دم اُسکو اپنے امکان۔ اپنی قوت اور اختیار کے اندر یقین کرتی ہیں۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد حضرت جعفر توّاب نے بھی بدقسمتی سے مسئلہ امامت کو ایسا ہی سمجھا جو اُنکے غیر معصوم ہونے اور مقتضائے بشریت ثابت کرنیکے لیے پورے طور پر کافی ہے۔ بالآخر اُن کو اپنی موجودہ غلط فہمی پر انفعال ہوا اور توقیع مقدسہ کے ذریعہ سے انکی براءت ثابت ہوئی اور آپ کے تمام معاملات اخوانِ حضرت یوسف علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام کے مقابل اور مماثل ٹھہرائے گئے

معتمد کے دیگر مظالم اور شیعوں کے مصائب

جعفرِ توّاب کے حالات کو خاتمہ تک پہنچا کر ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں معتمد سے خشک جواب پاکر حضرت جعفرِ توّاب تو گھر میں خموش ہو بیٹھے۔ اور اِنہی کے ایسا معتمد بھی اپنے مقام پر خاموش ہو بیٹھا۔ اور اُنکے سکوت اختیار کرنیکا وہی باعث ہوا جس کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کر چکے ہیں یعقاریوں کی تاخت کے بعد صاحب الزّنج کے یلغاریوں نے اُس کو بالکل مجبور اور لاچار بلکہ قریب قریب اُس کی تمام سیاسی تدابیر و تجاویز کو کامل چودہ برس تک فضول اور بیکار بنا دیا۔ اور وہ رات دن اِن تردّدات اور تفکّرات میں ایسا غلطاں و پیچاں رہتا تھا کہ اُسکو کسی دوسرے ملکی معاملات کی کوئی فکر باقی نہیں تھی۔ اس سکوت اور خموشی سے جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے نظامِ مُلکی اور آپکے معتقدین کے گروہ میں قدرے سکون توفر ہو پیدا ہوگیا۔ مگر تاہم وہ اپنے مراسم اور فرائض کو علانیہ طور پر ادا کرنے کی مطلق جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ جسطرح سے متوکل کے ایامِ سلطنت سے خوفِ جان۔ تقیہ اور کتمانِ ایمان کی مجبوریوں میں گرفتار تھے اُسی طرح تا ایندم مجبور رہے اگر حاکمِ وقت اور فرمانروائے عصر اِن امور میں بذاتِ خاص کسی قدر ساکت ہو گیا تھا تو کیا۔ اُس کے وزرا اور دیگر ارکینِ سلطنت جو سراپا تعصّب کے تیار مجسّمے ہو رہے تھے۔ وہ اپنی اشتعال انگیز اور مخالفت خیز حرکات سے کب باز آنیوالے تھے۔ وہ کچھ تو اپنی ذاتی مخالفت کے تقاضوں سے اور کچھ طمع دولت اور جلبِ منفعت کی غرضوں سے گروہِ شیعہ کے پیچھے پڑ گئے۔ اور ایسے کہ اِس غریب اور ناپرساں گروہ کو اِن کے پنجۂ دمی صمت و مخالفت سے اپنا پیچھا چھڑانا دشوار ہو گیا۔ اگرچہ اِس سے قبل بھی کئی بار یہ مصیبتیں اِن غریبوں کے سر پڑ چکی تھیں مگر اُن تمام شدائد و مصائب سے اِس وقت کے مظالم کہیں زیادہ تھے۔ اِن مظالم کے ادنےٰ نتیجے یہ تھے کہ خاندان۔ قبیلے کے قبیلے اپنے گھر بار چھوڑ چھاڑ خانہ بدوشی کی غیر متحمّل مصیبتوں کو برداشت کرکے دور و دراز ملکوں میں نکل گئے اور دوسرے لوگوں کی خدمت۔ اور اطاعت پر اپنی زندگی کے ایّام بسر کرنے لگے۔ اُن میں سے جو کسی قدر مستطیع اور اہلِ مقدرت تھے وہ بیرونی ممالک میں نکل کر تجارت اور زراعت کے ذریعے سے اپنے دن گزرانے لگے بعض اُن میں سے ایسے دست و پا شکستہ تھے جو اِن دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کی صلاحیت بھی نہ پیدا کر سکتے تھے۔ وہ غریب دامانِ صحرا اور درّہائے جبال میں آوارہ اور پریشان و حیران پھر کر اپنی زندگی کے دن کاٹتے پھرتے تھے۔
اُن آفت رسیدوں کے بالآخر یہ نتیجے نکلے

سنسان اور سنگلاخ زمینوں میں اپنی غربت اور مصیبت کے سر پٹک پٹک کر مر گئے۔ رحمہم اللہ تعالےٰ۔
ہم نے جہاں تک اِن آفت زدوں اور مصیبت نصیبوں کے حالات و واقعات پر غور کی نگاہ کی ہے ہمکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِن لوگوں میں سب سے زیادہ بد قسمت یہی تھے جو جلاوطنی اور مسافرت و غربت کی سخت سے سخت مصیبتیں اُٹھا اُٹھا کر مر گئے ؎

اس بیکسی کی موت کسی کو خدا نہ دے
مٹی جسے عزیز نہ دے آشنا نہ دے

(مرزا دبیر مرحوم)

اُن غریبوں کا آج صفحۂ روزگار پر نہ کوئی نام لیوا باقی ہے اور نہ پانی دیوا اور اگر کوئی پایا جاتا ہے تو اُنکی غربت کے واقعات اور مصیبت کے حالات۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ زمانہ شیعوں کے لیے سخت مصیبت کا زمانہ شمار کیا جاتا ہے اور عباسیوں کی سختیاں اِن لوگوں پر بنی امیہ کی بے رحمیوں سے کبھی کم نہیں خیال کیجاتی ہیں۔ چنانچہ اُس زمانہ کا ایک واقعہ نمونہ کے طور پر ہم ذیل میں درج کرتے ہیں جس سے اِن تمام حالات کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السّلام کے موجودہ نظامِ امامت کو درہم و برہم کرنے میں سلطنت کی طرف سے کتنی سعی و کوشش کیگئی ہے۔

حسن ابنِ حسن علوی کا بیان ہے کہ معتمد کے ندیموں میں کسی ندیم نے اُسکو اطلاع کی کہ جنابِ قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کی طرف سے اطرافِ عالم میں سفراء اور وکلاء وصولی خراج کے لیے مامور ہیں۔ اور وہ لوگ یہ رقوم مُلک کی شیعہ رعایا سے وصول کر کے برابر آپ کی خدمت بابرکت میں پہنچایا کرتے ہیں۔

ندیم صاحب کو نہیں معلوم کیسے صحیح اسناد اور قوی ذریعہ سے یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ اُنہوں نے تمامی سفراء اور وکلائے امام علیہ السّلام کے نام بھی بتلا دیے۔ اُس زمانہ میں عبید اللہ ابنِ سلیمان معتمد باللہ کا وزیر تھا۔ اُسنے یہ روئداد سنکر خلیفۂ عصر کو اُن لوگوں کے تفحص و تجسس کی صلاح دی۔ معتمد نے کہا کہ تجویز تو ضرور صحیح ہے۔ مگر ہر چیز کسی طرح کی ہو اچھی یا بُری کسی حُجت اور دلیل کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اگر ایکبارگی یونہی اُنکا تجسس۔ تلاش اور گرفتاری جاری کر دی جائیگی تو عام طور سے شکایت کا باعث ہوگا۔ اس لیے بہتر ہے کہ کچھ لوگ مصنوعی طریقہ اور عیارانہ چال سے اِن وکلاء اور سفراء کے پاس تھوڑا بہت مال دیکر بھیجے جائیں۔ وہ لوگ یہ رقم دکھلا کر اُن سے کہیں کہ یہ مالِ امام علیہ السّلام ہے اور تم لوگوں کی معرفت خدمتِ امام علیہ السلام میں بھیجنا چاہتے ہیں۔ آپ اسکو ہم سے لے لیں اور حسبِ دستور اس کی رسید ہمکو دیدیں۔ جب یہ جاسوس اس عیاری اور ہوشیاری سے وہ رقم اُن لوگوں کو دیکر اُسکی رسید لے لیں تو اِس کے بعد اُنہی رسیدوں کے ذریعہ سے ہم اُن لوگوں کو گرفتار کرینگے۔ اور یہ طریقہ ہمارے لیے کسی شکایت کا باعث نہوگا۔ یہ ترکیب و تجویزِ سلطانی وزیر کو بہت پسند آئی اور اُس نے اِسی کے مطابق عملدرآمد شروع کر دیا۔ مگر قبل اِسکے کہ یہ کارروائیاں آغاز ہوں ناحیۂ مقدسہ سے تمام وکلاء کے نام یہ حکمنامہ جاری ہوا جس

اُس سے پوری واقفیت نہ رکھتا ہو۔

اس توقیعِ مبارک کی ہدایت سے تمام وکلاء اور سفراء جو اس منصب پر مامور تھے آگاہ ہو گئے۔ اِس اثناء میں وزیر کی تدبیر بھی ظاہری طور پر جاری ہوئی۔ اور طرح طرح کی عیاری اور مکاری کے ساتھ دنیا کے ایمان فروش ایمان والوں کے مصنوعی لباس میں مؤمنین کی گرفتاری اور دل آزاری کی غرض سے شہر در شہر۔ قریہ در قریہ اور گلی در گلی تفحص کرنے اور سُراغ لگانے لگے۔ مگر چونکہ اُنکی عیارانہ تدبیر سے پہلے یہاں تمام سفراء اور وکلا حقیقتِ احوال سے آگاہ ہو چکے تھے اِس لیے معتمد کی یہ سوچی ہوئی چال اور اُسکے وزیر کا پھیلایا ہوا دامِ تزویر اِن خالص الاعتقاد لوگوں کا کچھ نہ کر سکا۔ اور بالکل بیکار اور بے اثر ثابت ہوا۔ مگر اسپر بھی اِن لوگوں نے اپنی کوششوں کا سلسلہ نہ چھوڑا۔ چنانچہ اِنہی جاسوسانِ شاہی میں سے ایک حضرت مال کثیر لیکر محمد ابنِ احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ یہ بزرگوار مشاہیرِ وکلاء میں تھے اور عراق کی سرحدی شیعہ آبادیوں کے تمام اموال اِنہی کے پاس جمع ہو کر خدمتِ امام علیہ السّلام میں پہنچتے تھے۔ جب یہ جاسوس مال لیکر اُن کی خدمت میں پہنچا اور اپنا ہمراہی مال دکھلا کر اِنکو اپنے دام میں لانا چاہا تو انہوں نے صاف طور سے انکار کر کے کہدیا کہ تمہارا یہ وہم بالکل غلط اور سراسر بیجا ہے۔ میں اِن امور سے ذرا بھی واقف نہیں ہوں۔ اور نہ یہ امور مجھ سے کوئی تعلق یا واسطہ رکھتے ہیں۔ اور نہ اِس مادۂ خاص میں کوئی ذاتی علم و اطلاع رکھتا ہوں۔ اِتنا سُنکر بھی وہ حضرت اِن بزرگ کی خدمت میں اظہارِ حال کی غرض سے بہت دیر تک اصرار کرتے رہے۔ مگر اِس کامل الایمان اور راسخ الاعتقاد بزرگوار کی رازداری اور وفاشعاری ذرا بھی لغزش یا جنبش نہ کر سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جاسوس صاحب اپنی ترکیب و تدبیر میں بالکل محروم و مایوس رہکر اُنکی خدمت سے واپس آئے۔

اِسی ایک واقعہ کو پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ سلطنت کی طرف سے کتنے لوگ اِس عیاری اور مکاری کے لباس میں سفراء اور وکلاء کی فریبدہی اور اغوا کے لیے مقرر ہوئے ہونگے۔ کیونکہ کچھ ایک ہی شخص تو وکیل اور سفیر تھا ہی نہیں۔ اِن بزرگواروں کی بھی آخر ایک معتد بہ جماعت تھی۔ جن میں چند نفوسِ مقدسہ کے نام نامی اور اُنکی ماموریت کے مقام ہم اِسی کتاب میں اوپر لکھ چکے ہیں۔

اِس واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ معتمد اور اُسکے امراء و ارکینِ دولت نے نظامِ امامت کے درہم و برہم کرنے یا کم سے کم اُنکے اسرار و اخبار پر پورا علم و اطلاع پا جانے کی کوششوں میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اگر وہ اسرار حقیقت میں مشیتِ یزدانی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تو ضرور تھا کہ یہ تلاش اور تجسسِ سلطانی جو تدبیرِ انسانی کا اعلےٰ نظام کہا جاتا ہے اِن امور کا پورا سراغ اور کامل پتا لگا لیتی۔ مگر چونکہ یہ تمام امور کلیتہً نظامِ مشیت ہی کے احکام تھے اِس لیے انسان کی تلاش اور تحقیق اُسکے متعلق کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی تھی۔ بہر حال معتمد کی اِن مخالفانہ کارروائیوں سے جو کچھ اُسکا دلی مقصود تھا وہ کسی طرح اُس کو

حاصل نہوسکا۔ اور جو فائدہ کہ اُسکی نظر میں مترتّب ہونیوالا تھا وہ ایک بھی نہ پہنچ سکا۔ مگر ہاں۔ اُس کی ان کارروائیوں نے عام اہلِ اسلام کے عقائد میں جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کے وجودِ ذیجود کے مسئلہ کو ایک ایسا پیچیدہ اور اختلافی مسئلہ بنا دیا جس نے انواع و اقسام کے فساد پیدا کر دیے۔ اور طرح طرح کے اصول اور محض بے بنیاد اعتقاد اسلام میں پیدا کر دیے جن سے اسلام کے مذہبی افق میں مشرقی مذہبوں کی طرح اوہام پرستی کی جھلک نمایاں ہونے لگی۔ اِن تمام خرابیوں کی وجہ یہی تھی کہ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کے وجودِ ذیجود کے مسئلہ کو اِس عظمت اور وقعت سے گرا دینے اور اُسکو عام قلوب سے مٹا دینے کی کوشش کیگئی۔ جس سے کہ وہ منجانب اللہ موصوف و مخصوص فرمائے گئے تھے۔ اور اِن اوصاف و محامد کی بابت خدا اور رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے متعدّد نصوص موجود تھے۔ مگر چونکہ فی الحال آپ کا وجود ان لوگوں کے مطلب و مقصود کے منافی اور مضر ثابت ہوتا تھا اِس لیے اِس سے انکار ضروری اور لازمی تھا۔ اور اِسی مجبوری اور دشواری کے خاص لحاظ سے مسئلۂ تولید کے خلاف میں ایسے بے دلیل۔ غیر اصول اور بادر ہوا اخبار مشہور کر دیے گئے۔ جس نے ایسے صاف اور واضح مسئلہ کو خواہ مخواہ اختلافی بنا کر تمام اسلامی اُمّت میں گمراہی کے اعتقاد اور ضلالت کے خیالات پیدا کر دیے۔

اسلام میں مہدویت کے دعویدار

اب ہم اِن سوء اعتقادیوں کی ایک مختصر سی تفصیل ذیل میں درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائیگا کہ اِس مسئلہ کے متعلّق اسلام میں کس کس قسم کے مختلف خیالات مختلف زمانوں میں پیدا ہو گئے تھے۔ اِس میں شک نہیں کہ اسلام میں مہدی موعود سلام اللہ من ربّ الودود ہونیکا مسئلہ ایسا مقدّس اور مؤقر تسلیم کر لیا گیا تھا کہ ہر شخص بہزار آرزو و تمنّا اِس کا منتظر و مشتاق تھا کہ یہ عظمت و جلالت اُسکی قوم و قبیلہ کی خوش نصیبی اور امتیاز کا تمغہ بنکر حاصل ہو۔ اِس وجہ سے خلافتِ راشدہ کے ایّام تمام ہوتے ہی مسلمانوں نے اسکو بھی خلافت کا ردیف بنا کر اپنا اپنا کر لینا چاہا۔ اُنکی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سب سے پہلے بعض اہلِ اسلام نے جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کو مہدی موعود خیال کیا۔ کوفہ میں شہید ہونیکے بعد بصرے والوں نے آپ کی نسبت اپنی ان غلط فہمیوں کی بنا اِس قیاس پر قائم کی کہ خلافتِ راشدہ ہی امامتِ حقّہ تھی جسکا ختم کنندہ مہدی بتلایا گیا ہے۔ ایسے خیال والے وہی حضرات تھے جو حسنِ بصری کو آپ کا خلیفہ اور جانشین قرار دیتے ہیں۔ اور یہ حضرات اُس زمانہ میں سبایا کے لقب سے مشہور تھے۔

(۲) اِس کے بعد حضرت محمد حنفیہ رضؓ کے طرفداروں نے اِن اوصاف سے اُنکو مشہور و موصوف بتلایا۔ مگر امام زین العابدین علیہ السلام اور محمد ابنِ حنفیہ رضؓ کے فیما بین حجر الاسود کے قدرتی محاکمہ نے اِس غلط فہمی کی فوراً اصلاح کر دی۔

(۳) پہلی صدی کے ختم ہونیکے قریب بعضوں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو مہدی بتلایا۔ مگر آپنے خود اُنکی تنبیہ فرمائی اور اُنکو ایسی غلط فہمیوں سے روکا۔

(۴) بعضوں نے عبداللہ ابن افطح کو مہدی خیال کیا۔

(۵) ابتدائے دورانِ حکومتِ عباسیہ میں عبداللہ محض نے اپنے صاجزادے نفسِ زکیہ کو اِس لقب سے مشہور کرنا چاہا جس کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے خلاف بتلایا اور مقامِ اَبْوا کے خاص جلسۂ سادات میں ان کے اِس دعوے کے جواب میں صاف صاف کہدیا کہ آپ کا بیٹا مہدی موعود نہیں ہو سکتا۔ اور نہ مہدی موعود کے ظاہر ہونے کا یہ زمانہ ہے۔

(۶) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد بعض فرقہ نے حضرت اسمٰعیل ابن جعفر صادق علیہ السلام کو مہدی تجویز کیا۔

(۷) فرقۂ راجعیہ کے لوگوں نے حضرت امام موسے کاظم علیہ السلام کو مہدی موعود خیال کیا۔

بہرحال۔ اتنے واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ابتدا ہی سے اسلام میں مختلف فیہ چلا آتا۔ مگر خیر اسی میں ہے کہ دعویدار مہدویت تمام تر سادات اور اہلبیت علیہم السلام ہی ہیں۔ اور کوئی غیر نہیں۔ مگر تاہم چونکہ ہر شخص ہمیشہ اس میں اپنے ذاتی قیاس سے کام لیتا تھا اور ہمیشہ اِس کے متعلق اختراع و ایجاد کے ملوّے سب کے دماغ میں موجود اور تیار رہتے تھے۔ اِس لیے زمانہ کی ذراسی تحریک پر وہ تمام مُردہ خیالات پھر از سرِ نو ایک نئی صورت میں پیدا ہو جایا کرتے تھے۔ اور مخالفین کو اپنے مخالفانہ اور مغویانہ مشین کے کامیاب بنانے میں نہایت آسانی ہوتی تھی۔ مگر باایںہمہ اتنے مختلف عقائد جو مختلف زمانوں اور متفرق لوگوں میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے تھے وہ ایک میعادِ خاص کے بعد فوراً زائل بھی ہو جاتے تھے۔ اور مٹتے جاتے تھے اور اتنے غلط خیالات اور قیاسات میں ایک بھی صحیح اور درست نہیں ثابت ہوتا تھا۔ مگر اب اِس نکبت اور شامت کا کیا علاج ہو سکتا ہے کہ باوجود اتنے مشاہدات اور متواترات کے بھی اُنکے خیال قطعی طور پر مستاصل اور ختم نہوئے۔ بلکہ اُنکی اِس غلط فہمی۔ سوء تدبیری اور کوتہ اندیشی کا لگاتار سلسلہ اُس زمانہ سے لیکر جناب قائم آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کے خاص زمانہ تک چلا گیا۔ چنانچہ اب ہم اُن لوگوں کی تفصیل اور اُنکے عقائد ذیل میں لکھتے ہیں جنہوں نے آپ کی موجودگی میں دوسروں کو آپکی جگہ مہدی موعود قرار دیا۔

(۱) ان لوگوں میں سے پہلا گروہ تو وہ ہے جو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کو مہدی موعود اور حیّ القائم سمجھتا ہے۔ ان کے عقائد میں آپ کی وفات ثابت ہی نہیں۔ بلکہ وفات فرمانے کی جگہ وہ آپکے غائب ہوجانیکو تسلیم کرتے ہیں۔

(۲) بعض محمد ابن علیؑ کو اپنا مہدی مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ ایک مقام میں اب تک محفوظ

معصوم ہیں۔

(۳) بعض جعفر ابنِ علیؑ (جعفرِ توّاب) کو مہدی جانتے ہیں۔

(۴) بعض کا یہ خیال تھا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام نے اپنے بعد اپنا کوئی فرزند جو آپکے بعد آپکا قائم مقام اور جانشین ہو عقب میں نہیں چھوڑا۔ اِس لیے امرِ امامت ہمیشہ کے لیے موقوف اور منقطع ہوگیا۔ اب جس طرح منظورِ مشیّت ہوگا ظہور پذیر ہوگا۔

(۵) اکثر لوگ اِسی مسلک کو اتنے اضافہ کے ساتھ تسلیم کرتے تھے کہ سلسلۂ امامت ایک میعادِ مقررہ تک ضرور منقطع رہیگا۔ مگر قریب قیامت حسبِ نصوص محکمہ اِسکا سلسلہ از سرِ نو شروع ہوگا۔ مہدی موعود کی ولادت ہوگی اور وہ تمام حجّت و براہین آپ سے ظاہر و ثابت ہونگے جو مطابق نصوص آپکے متعلّق بتلائے جاتے ہیں۔ یہ وہی فرقہ ہے جو اُس وقت تمام فرقوں سے زیادہ خلفائے عبّاسیہ کے زیرِ اثر تھا اور باعتبار تعداد و شمار کے سب سے بڑا فرقہ تھا۔ کیونکہ موجودہ حکومت کے بھی یہی عقائد تھے۔

بہرحال۔ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے مسئلۂ امامت میں اتنے ظاہری اختلاف پیش تھے۔ جو عام اہلِ اسلام کے اعتقاد میں طرح طرح کے فساد پھیلا رہے تھے۔ اور انوارِ حقیقت کو دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی کر رہے تھے۔ جب یہ تمام واقعات ایک منصف مزاج اور عدالت پسند انسان کے سامنے پیش کیے جائینگے تو وہ تھوڑے ہی غور کے بعد اِس امر کو فوراً تسلیم کر لیگا کہ اِن تمام اختلافات اور فسادات کا باعث سلطنت کی خود غرضی اور نفسانیت ہے۔

حقیقت تو یوں ہے کہ اِس مسئلہ میں سلطنت کی طرف سے مخالفانہ کارروائیاں نہ پیش کیجاتیں تو پھر یہ مُردہ خیالات جو سوڈیڑھ سو برس سے قریب زوال پہنچ گئے تھے۔ پھر از سرِ نو زندہ نہ ہوتے۔ مگر چونکہ اِس مادّۂ خاص سے سلطنت نے جلبِ منفعت کے خاص اغراض قائم کر لیے تھے۔ اِس لیے اِن لوگوں نے پھر اِن خیالات کے منتشر کرنے اور اسکو پورے اعلان کی حدود تک قائم کرنے میں اپنی کوششوں کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اِس صورت میں ہمارا یہ سمجھ لینا اور لکھدینا ضرور صحیح ہوگا کہ خلفائے عباسیہ نے آپ کی مخالفت کا وبالِ آخرت تو اپنے سر لیا ہی تھا۔ اب اہلِ اسلام کے عقائد میں بھی اختلاف و فساد پھیلانے کا دوسرا عذاب اپنی گردن پر اُٹھالیا۔ اور اپنے آپ کو دنیاؤ عقبےٰ میں خدا کا گنہگار اور اُس کی عقوبت و عذاب کا مستحق اور سزاوار بنالیا۔

اب اِن تمام بیانات کے ساتھ ہمارے لیے یہ لکھدینا بھی نہایت ضروری ہے کہ آخر اِن تمام اختلافات اور فسادات کا نتیجہ کیا نکلا۔ ہم نے جہانتک اِس کے نتیجہ کی تحقیق کی ہے اِن تمام قیاسی اور وہمی طریقوں کا بھی آخر میں وہی نتیجہ ثابت ہوا ہے جو اِس سے قبل ایسے بے اصول اور بے بنیاد عقائد والوں کا نتیجہ ظاہر ہو چکا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ تھوڑے دنوں تک تو اِن کا اور اِنکے عقائد کا دنیا...

مگر پھر آگے چل کر ان تمام فرقوں کا نام و نشان باستشنائے فرقۂ آخرے کے۔ تمام دنیا سے مٹ گیا۔ اور یہ تمام فرقے رفتہ رفتہ اپنی غلط فہمیوں کی حقیقت معلوم کر کے اپنے عقائدِ باطلہ سے رجوع کر کے مسالکِ حقہ پر قائم ہو گئے۔ لیکن ایکی بار انکی غلط فہمیوں کا ایسا کامل استیصال ہوا کہ پھر روئے عالم میں آج تک ان فرقوں میں سے کسی ایک فرقہ کا نام بھی سُننے میں نہیں آتا۔

معتمد آپ کی ولادت کا قائل تھا

ہمارے اوپر کے بیانات سے اتنا معلوم ہو گیا کہ معتمد نے آپ کے انکارِ ولادت کے مسئلہ میں اپنے ساتھ قریب قریب تمام اہلِ اسلام کو اپنا شریک اور ہمخیال بنا لیا۔ اسکے بعد ہم اُسکے آیندہ حالات کو بیان کرتے ہیں۔

معتمد نے عام طور سے مشہور کر رکھا تھا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے لاولد انتقال فرمایا ہے اور آپکی کوئی اولاد دنیا میں موجود نہیں ہے۔ جو آپکے املاک و مقبوضات وغیرہ کا مالک اور وارث سمجھا جائے اسلیے آپکی تمام جائداد کے وارث جعفرِ توّاب ہیں۔ اور آپکی والدۂ گرامیقدر جو اُس وقت تک بقیدِ حیات تھیں۔ معتمد کا یہ حکم کیسا تھا اور کیونکر تھا؟ اِس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت تک جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی ولادت کا اُسکو مطلق علم ہی نہیں تھا حالانکہ اِسکی تردید و تکذیب خود اُسی کے کلام کما حقہ ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ جعفرِ توّاب کی درخواست عطائے عہدۂ امامت کے متعلق اُسنے کُھل کُھل کر صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ تم اِس منصب کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اگر رکھتے ہو تو گروہ شیعہ خود ہمیں اپنا پیشوا اور مقتدا بنا لیگا۔ میری کسی تحریک یا تاکید کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتمد جعفر کو قابلِ امامت نہیں جانتا تھا۔ اور گیارھویں امامت تمام ہو جانیکے بعد بارھویں امامت کے لیے اُسکے نزدیک بھی کوئی شخص جعفر کے سوا ضرور ہونا چاہیے تھا۔ اور جسکو ہونا چاہیے تھا اُسکی حالت اُس کو خود جعفر اور اپنے دیگر عمائد اور ارکینِ دولت کی زبانی نمازِ جنازہ کی امامت کے متعلق معلوم ہو چکی تھی۔ پھر اتنے ذاتی علم ہونیکے بعد بھی معتمد نے جس ضرورت سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی تمام جائداد جعفر کو وراثت میں دلوا دی۔ اُسی ضرورت نے آپکے اقرارِ ولادت کے بعد پھر اُس سے انکار بھی کرا دیا اور وہ وہی ضرورت تھی۔ جو بالکل ظاہر ہے اور نہایت واضح۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ معتمد حقیقت میں آپ کی ولادت کے مسئلہ کا پوری طرح سے قائل تھا۔ مگر اسکا اقرار اُسکے ذاتی مطالب و مقاصد کے لیے نہایت مضر تھا۔ اِس وجہ سے وہ اپنے اقرار کو کسی طرح اپنی زبان سے کہنا نہیں چاہتا تھا۔

کچھ معتمد ہی پر موقوف نہیں۔ ہم نے جہانتک حضراتِ ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے اوصاف و محامد اور فضائل و مناقب کے منکرین کے حالات و واقعات دیکھے ہیں ہمکو اُن سب کے حالات

یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ مخالف اِن ذواتِ مقدسہ کے تمام فضل و کمال کا پورا معترف ہے۔ اُنکے مدارج و مراتب کی دل میں ہمیشہ تصدیق کرتے تھے۔ مگر باایں ہمہ اپنے مُنہ سے کہنا نہیں چاہتے تھے۔

جن لوگوں نے ہمارے موجودہ سلسلۂ تالیف سیرت اہلبیت علیہم السلام کو ترتیب کے ساتھ ملاحظہ کیا ہے وہ معاویہ ابنِ ابوسفیان سے لیکر معتمد اور معتضد تک سب کو اِسی اصول کا پابند پائینگے۔ اِس میں بھی بہت بڑی مصلحتِ خداوندی مضمر تھی۔ کیونکہ بمصداق الفضل ماشہدت بہ الاعداء ان کے فضائل و مناقب کا اعتراف اُنکے مخالفین اور منکرین تک کرتے تھے۔ اب اِس سے بڑھکر اِنکی حقانیت کی اور دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ دشمن تک انکی فضیلت کا قائل ہے۔ عام اِس سے کہ وہ اپنی خودغرضی اور نفسانیت کی خاص وجہوں سے اِس کا اظہار کریں یا نہ کریں۔ اِس سے کوئی بحث نہیں۔

بہرحال۔ اِس وقت معتمد کی بھی بعینہٖ یہی حالت ہے۔ اور آپکے مسئلۂ تولید کے متعلق اُسکے اقراروں کی بھی یہی صورت۔ حقیقت میں جن لوگوں کے قلوب خلوص و عقیدت سے خالی ہوتے ہیں۔ اُنکی ضعیف الاعتقادی اور اوہام پرستی کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

بہرحال۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد جب جعفر نے وراثت کا معاملہ پیش کیا تو معتمد نے اُنکی دلجوئی اور اشک شوئی کی غرض سے اُنکے تنازعہ کو اُنکے خاطرخواہ فیصل کردیا جیساکہ اوپر بیان ہوا۔ ظاہری شریعت کے فتوے سے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کو لاولد قرار دیکر آپ کے متروکات کو آپ کے بھائی اور والدۂ گرامی کے درمیان حسبِ سہامِ شرعیہ تقسیم کردیے جانیکا حکم دیدیا۔ اِسکی رُو سے جعفر کو آپ کی جائداد میں تین ثلث سے زائد کا حصہ ملا۔ اور آپ کی والدۂ مقدسہ بحساب سدس کے ایک ثلث سے بھی کم کی سہیم ٹھیرائی گئیں۔ معتمد کی یہ جیسی کچھ حق تلفی اور ناانصافی تھی وہ اُس کے اِس فیصلہ سے ظاہر ہے۔

جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام نے اپنے کمال حسن اندیشی اور مآل بینی سے اِس ظلم اور اپنی محرومُ الارثی کی مصیبتوں پر صبر و تحمل فرمایا۔ اور نظامِ مشیت نے اُس کے اِن کردار کی فوری جزاؤ سزا کو مصلحت نہ سمجھا۔ کیونکہ ان امور کی تلاش اور تحقیق اُس وقت بہت سے اسرارِ مشیت کو افشا کردیتی۔ کیونکہ معتمد کے شدید سے شدید ظلم و تعدی اور سخت سے سخت جور و جفا نے آپکے مٹانے۔ ہلاک کرنیکے متعلق جیسے جیسے انتظام کیے تھے وہ کسی طرح سے شمار میں نہیں آسکتے ہیں۔ یہانتک تو نوبت پہنچادی تھی کہ وہ باوجود اتنی بیداری اور ہوشیاری کے بھی شیعہ گروہ کے وہ اشخاص جو مختلف مقامات میں سے خمس کے اموال و اسباب لیکر بغداد میں سفراء اور وکلائے امام علیہ السلام کے پاس آتے تھے اُنکو اتنی رازداری کی موجودہ حالتوں پر مزید احتیاط کا یہ حکم دیدیا گیا تھا کہ وہ سفیروں اور وکیلوں کو اپنے نام نہ بتلائیں۔ اور نہ اموال و اسباب کے بھیجنے والوں کی نام و نشان سے کوئی خبر دیں۔ اور نہ اموال و اسباب کے انواع و اقسام سے اُنکو مطلع اور آگاہ کریں۔ اور

اِسی طرح توقیعاتِ مقدسہ کے ذریعہ سے تمام شیعوں کو حکمِ عام دیدیا گیا تھا کہ وہ اِن لوگوں میں بھی جسکو مالِ خمس ادا کریں نہ اپنا نام و نشان بتلائیں اور نہ اپنی سپرد کردہ اشیاء کے انواع و اقسام سے مطلع کریں۔ اِن لوگوں سے صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ اِس مال کو فلاں مقام پر لیجا کر پہنچا دو۔ یا فلاں شخص کے حوالے کردو۔ اور اِس سے زائد ایک حرف اُس سے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہ تمام باتیں کیوں تھیں؟ صرف اِس لیے کہ اُس وقت میں شہر شہر۔ قریہ قریہ۔ گلی گلی۔ کوچہ کوچہ۔ اِن تمام امور کے سُراغ لیے جاتے تھے۔ سلطنت کی طرف سے جاسوسوں کی کثیر التعداد جماعت رات دن گشت پر گشت لگاتی تھی۔ اور جس اجل نصیب پر اُنکو ذرا بھی شبہہ ہوا اُسکی بلا تامل اُسی وقت گردن اُڑادی گئی اور اُسکی جان لینے میں ذرا بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ غرضکہ چاروں طرف شیعہ گروہ کی غریب جانوں کا خون کیا جاتا تھا۔ اور دنیا کے وسیع اور چوڑے میدان میں بے خوف و خطر اُنکے خون کا سیلاب بہایا جاتا تھا۔

اُس وقت آپ کے نظامِ امامت بالکل اسرار ہی اسرار تھے۔ اور ایسے کہ کسی کو اُنکی مطلق خبر نہیں تھی۔ اور نہ کوئی شخص اُن سے واقف ہوتا تھا۔ معتمد کی یہ ظلم و تعدّی روز بڑھتی ہی جاتی تھی اور شیعوں کی غریب جانوں پر یہ قیامت کی مصیبتیں انواع و اقسام کی صورتوں میں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ مُلک میں نہ کوئی کاروبار کرسکتے تھے اور نہ اپنی گزرانِ اوقات کے واسطے کوئی روزگار۔ نہ بازاروں میں جاسکتے تھے۔ نہ خوفِ جان کی وجہ سے کسی کے پاس آجاسکتے تھے۔ دوست آشنا عزیز و اقارب سے مِلنا جُلنا کیسا۔ باپ بیٹے کے ساتھ۔ بیٹا باپ کے ساتھ۔ آقا غلام کے ساتھ۔ غلام آقا کے ساتھ اپنا کوئی راز نہیں کہہ سکتا تھا۔ اور اگر ان امور کی اشد ضرورت واقع ہوتی تو فیمابین شرعی حلف اور عہد و پیمان قائم ہو لیتے تھے تو ایک دوسرے کے سامنے زبانِ تقریر کھولتا تھا۔ اور مُنہ سے بولتا تھا۔ اِس احتیاط پر بھی اُنکی غریب جانوں کی مخلصی نہوئی ہر ہوئی۔ تو آخر کار اِن بیچاروں نے محض خانہ بدوشی کی مصیبتیں اختیار کرلیں۔ یہ وہی حالات ہیں جن کو ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے حالات میں قلمبند کرآئے ہیں۔

شیعوں کی بربادی اور جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام کی مزید احتیاط

غریب شیعوں کی تو یہ کیفیت ہو رہی تھی۔ اب جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام کے نظامِ اُمّت اور اجرائے احکامِ امامت کی عموماً اُس وقت کیا حالت ہو رہی تھی۔ اُسکی کیفیت یہ ہے کہ جب ایک قوم اور فرقہ کے تمام قومی۔ تمدنی اور سیاسی امور سے اِس قدر تنفر اور بیزاری ظاہر کیجاتی ہے تو اُن کے مذہبی رسوم اور دینی امور سے تو بدرجۂ اولےٰ تنفر کا اظہار کیا جاتا ہوگا۔ یہ ایک ایسا امر مسلمہ اور یقینی ہے کہ ہر شخص اِس سے پوری واقفیت رکھتا ہے۔ پھر شیعوں کی ایسی عام پریشانی اور بے سر و سامانی میں اُنکی تعلیم و تلقین کے کیا سامان ہوسکتے ہیں۔ یا اُنکو حفاظتِ جان مال کی ہمہ دم فکروں سے اتنی فرصت اور فراغت کہاں تھی جواز خود اپنی دینیات کی ضرورتوں کی نسبت کوئی فکر کرتے۔ مگر تاہم اُنکے بے نظیر استقلال نے موجودہ انتشار و اضطرار کی خاص حالتوں میں بھی اپنی تعلیم و تلقین کے

فرائض جس اخلاص سے ادا کیے وہ ابھی ابھی پوری تفصیل کے ساتھ ایک طول وطویل بحث میں بیان ہو چکے ہیں دنیا کی مختلف تاریخیں دیکھنے والے مشکل سے اِس وقت کے شیعوں کے استقلال واستحکام کی مثال دنیا کی کسی دوسری قوم کے حالات میں دکھلا سکتے ہیں حقیقت میں اُنکی یہ راسخ الاعتقادی اور خالص الایمانی ایسی ہی بے نظیر۔ بے عدیل اور لاثانی ثابت ہوتی ہے کہ نصِّ قرآنی اور احکامِ ربّانی نے اِسی لیے اِن لوگوں کو کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ کے گرانمایہ القاب سے مخاطب فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیعُ اجرَ المحسنین۔

بہرحال۔ یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا جو محض اتفاقی طور پر ہمارے موجودہ سلسلۂ بیان میں حائل ہو گیا ہم اُسکے متعلق یہانتک بیان کر کے اپنے موجودہ تالیفی مضامین کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہانتک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب شیعہ گروہ کی غریب جانیں تقیہ کی حالت میں بھی تباہی وبربادی سے نہ بچ سکیں تو آخر کار اُنکی قوم کی قوم۔ قبیلے کے قبیلے دور و دراز ملکوں میں جلاءِ وطن ہو گئے۔ ترکِ وطن۔ مفارقتِ احباب اور فرقتِ اہل وعیال گوارا کر کے ممالکِ غیر میں چلے گئے۔ ان غریبوں کے سر تو یہ بیتی۔ نظامِ امامت کی یہ حالت ہوئی کہ کوئی شخص جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کا نام بھی اپنے مُنہ سے نہیں لے سکتا تھا۔ اور اِس امرِ خاص کے متعلق نہایت سخت تاکید کے ساتھ توقیعِ مبارک کے ذریعہ سے حکمِ امتناعی نافذ ہوا تھا۔ کہ کسی وقت اور کسی حالت میں اگرچہ وہ کیسا ہی ضروری کیوں نہو ہمارا نام نہ لیا جائے۔ بلکہ اپنے مقصود ومفہوم کو اشارۃً دوسرے الفاظ میں بیان کیا جائے۔ اِس اہتمام کی ضرورت اور مصلحت کو اکثر شیعوں نے نہ سمجھا۔ اتنی مجال۔ آزادی اور جرأت کہاں کہ خدمتِ مقدّس میں اصالتًا یا وکالتًا حاضر ہو کر اِس کا سبب دریافت کرتے۔ مگر ہاں بعض نے اپنے وکلاء اور سفراء سے اِسکی وجہ دریافت کی۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ ہمارے بیان پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

ابو عمر عثمان ابن سعید رضی اللّٰہ عنہ سے جو آپ کے اوّل نوّاب ہیں دریافت کیا گیا کہ آپکے اسمِ مبارک نہ لیے جانیکی کیا وجہ قائم کیجا سکتی ہے؟ اسکے جواب میں اُنہوں نے کہا کہ تمہارے سوال کرنے سے پہلے ہمکو تمہارے سوال کا جواب خدمتِ امام علیہ السّلام سے تعلیم ہو چکا ہے اور یہ حکم ہوا ہے کہ ہم اچھّی طرح سے تمام گروہِ شیعہ کو بتلا دیں اور سمجھا دیں کہ جو جو اوصاف ومحامد ہماری ذات کے متعلق وہ دریافت کریں بتلانا مگر اِسکے ساتھ ہی اگر وہ میرا نام تم سے پوچھیں تو تم نہ بتلانا۔ بلکہ اِس سوال کے جواب میں اُن سے کہدینا کہ زمانۂ موجودہ میں ہمارا نام لینا ہمارے شیعوں پر حرام کیا گیا ہے۔ اگر اِس پر بھی وہ نہ مانیں اور تم سے اِس کی وجہ دریافت کرنے پر اصرار کرتے رہیں تو تم اُنکو میرا یہ حکم پڑھکر سُنا دینا۔

چونکہ حاکمِ وقت کا یہ عقیدہ ہے کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام نے اپنے بعد اپنا کوئی فرزند عقب میں نہیں چھوڑا ہے۔ اور اِسی غلط قیاس پر اُسنے آپکی کُل متروکاتِ ظاہری کو اُنہی لوگوں پر تقسیم کر دیا ہے جو کسی طرح اِس تقسیم کے مستحق اور سزاوار نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن اِن تمام امور پر بھی میں نے اِس وقت تک صبر کیا اور کچھ نہ کہا بلکہ بالکل خاموش رہا۔ اور اِسی وجہ سے اُنکے وارث اور جائز وصی کی حالت زمانۂ موجودہ

میں ایسی ہو رہی ہے کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اور دوسری جگہ سے تیسری جگہ سخت پریشان اور بے سر و سامان پھر رہے ہیں اور کسی سے اپنا صحیح نام و نشان بتلانے اور معرفت کرانیکی جرأت نہیں کر سکتے۔ ایسی حالت میں اگر تم لوگ میرا نام اُسی طرح سے لیا کروگے جس طرح تم دنیا کے اور لوگوں کے نام لیا کرتے ہو تو پھر ہماری جستجو اور تلاش کرنیوالے ہمارے پیچھے پڑ جائینگے اور پھر ہم کو تم سے زیادہ ستائینگے اور آزار پر آزار پہنچائینگے جس کی وجہ سے نظامِ امامت اور اجرائے احکامِ شریعت میں سخت نقصان اور خلل واقع ہوگا۔

ایسی واضح اور روشن عبارت میں خود جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام نے اپنی غایت درجہ کی مجبوری اور معذوری کی حالتوں کو بیان کر دیا ہے جسے دیکھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اُن ایام میں تنہا شیعوں ہی پر سلطنت کی طرف سے یہ مظالم اور شدائد قائم نہیں تھے۔ بلکہ شیعوں پر اور شیعوں کے امام پر سلطنت اُس کے تمام اراکین کی طرف سے مخالفت کی یکساں صورت تھی۔ آپ کے بیانِ صداقت توامان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اُنہی مخالفین کے خوف سے اِس زمانہ میں ترکِ سکونت اور مہاجرت کی تمام زحمتوں پر مجبور تھے۔ جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ یہ اُسکے اہل و عیال ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ پریشاں حال پھرتے ہیں۔ اِس فقرہ سے ثابت ہو گیا کہ آپ شہرِ سامرہ میں فی الحال نہیں رہ سکتے تھے بلکہ اُن اسبابِ خاص کی وجہ سے جو اوپر تحریر کیے گئے غیر متعارف مقامات میں تشریف فرما رہتے تھے۔ اور وہاں بھی آپ قطعی اختفا کی حالت میں بسر کرتے تھے اور کسی شخص کو اپنی معرفت سے آگاہ نہیں فرماتے تھے۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اِس عالمِ پریشانی اور بے سر و سامانی میں آپ تنہا ہی نہیں تھے۔ بلکہ آپکے ساتھ آپکی والدۂ گرامی قدر عُلیا مکرّمہ حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا بھی شریک و رفیق تھیں۔ اور خدمتِ مقدسہ کے ہمراہ رکھنے میں بہت بڑی مصلحت یہ تھی کہ آپکے ہجرت فرمانیکے بعد حضرتِ موصوفہ کو مخالفین سے ایذا پہنچنے کا جو احتمال تھا وہ کسی طرح ہمراہ رکھنے میں باقی نہیں رہتا تھا۔ کیونکہ ابھی چند روز پیشتر اُن بے شرموں نے جو کچھ بے ادبی کی تھی وہ پوری تفصیل کے ساتھ اوپر قلمبند ہو چکی ہے۔ اِس خاص مصلحت کے باعث آپ کے تنہا چھوڑنے میں بہت سے امور کا خوف لگا ہوا تھا جو آپ کے موجودہ مصالح کے بالکل خلاف اور منافی ثابت ہوتے تھے۔

بہر حال۔ ہم اتنا لکھکر پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں کہ جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام کے اِس حکمِ عام سے آپکی مجبوری۔ محرومی اور مظلومی اور آپ کے مخالفین کی ستمگاری اور دل آزاری کماحقّہٗ ثابت ہو گئی جس کو دیکھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ آپکو اپنی موجودہ امامت کے فرائض کے متعلق احیائے سنّت اور اجرائے ہدایت کی خدمات اِن ایام میں کیسی دشوار ہو رہی تھیں۔ اور پھر اِس کے ساتھ ہی اپنے استحفاظِ جان کا سامان بھی کیسے مشکل اور عموماً خارج از امکان تھے مگر واقعات کے دیکھنے والے اور حالات کے مطالعہ کرنے والے پر اچھی طرح روشن ہے کہ آپ کے حسنِ تدبیر نے اور مصلحت بینی نے اِن تمام دقتوں کی موجودگی میں اپنی کامیابی کے لیے نہایت آہستگی اور سہولیت سے راستہ پیدا کر لیا اور پھر ایسا کہ دنیا کی دنیا آپکے سراغ۔ آپ کے

تجسس اور آپ کی تلاش میں اپنا سر پھرا تی رہی۔ مگر اُن میں سے کسی ایک کو بھی آپ کے کسی امر کا کوئی پتا اور نشان نہ ملا۔ نہ ملا۔ اسی کا نام تائید ربّانی ہے اور یہی خاصانِ یزدانی کی مخصوص علامت اور نشانی ہے۔

بہرحال۔ آپ کی پریشانی۔ بے سروسامانی اور حیرانی و سرگردانی کی تو یہ کیفیت تھی اور دشمنوں کی مخالفانہ تجسس اور تلاش کی شبانہ روز کوشش کسی طرح کم نہ ہوتی تھی بلکہ اُن کی کوشش چاروں طرف عام طور سے شورشیں پیدا کر رہی تھی۔ اور شیعوں کا قتل۔ شیعوں کی گرفتاری۔ شیعوں کی بربادی اور تباہی کے علاوہ آپ کی خاص پریشانی اور حیرانی کی نسبت جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے ہم کو ثابت ہوا ہے کہ سامرۂ مقدسہ سے ترکِ سکونت فرمانے کے بعد خانۂ اطہر میں اُس وقت کوئی شخص آپکی جدّۂ ماجدہ سلام اللہ علیہا کے سوا موجود نہیں تھا۔

والدۂ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام

جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام نے اپنی جدّۂ معظمہ کو اس سفر میں اپنے ہمراہ نہ لیا۔ اِس میں جو مصلحت خاص طور پر مضمر تھی وہ یہ تھی کہ حضرتِ مقدّسہ اپنے زمانہ کی بہت بڑی صاحبِ علم وفضل بہت بڑی محدثہ اور مقدّسہ مشہور تھیں۔ اور جملہ احکامِ شرعیہ اور اوامر دینیہ پر کامل علم وعبور رکھتی تھیں۔ مؤمنین کی کثیر التعداد جماعت آپکی خدمت میں حاضر ہوکر استماعِ حدیث اور اخذِ حدیث کی تحصیل کیا کرتی تھی۔ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کی شش سالہ قید وحراست کے زمانہ میں آپ نے یہ تمام خدمات نہایت آسانی اور اطمینان سے کامل طور پر انجام فرمائی تھیں۔

موجودہ انتشار و اضطرار کی حالتوں میں ارکانِ شریعت شکستہ اور شیعوں کے لیے ابواب ہدایت بستہ ہو رہے تھے۔ اور خوف وہلاکت کی وجہ سے کوئی شخص اِس کے اقدام پر جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ اِس لیے حضرت مقدسہ کا اِن امور کی انجام دہی کے لیے سامرہ میں موجود رہنا ضروری سمجھا گیا۔ کیونکہ مخالفین کو آپکی نسبت اِن امور کے شک اور شبہات مشکل سے ہوسکتے تھے۔ جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام کی تشریف بری کے بعد آپ تمام مؤمنین کو احکامِ دینِ مبین کی تعلیم وتلقین فرمایا کرتی تھیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو پہلے سے حضرتِ مطہرہ کے فضل وکمال اور استعداد وجامعیّت سے واقف تھے۔ وہ بغیر کسی تحریک کے آپکی خدمت بابرکت میں حاضر آکر اخذِ مسائلِ شرعیہ کیا کرتے تھے۔

بعض کو اِس میں تامّل ہوا اور وہ بنظرِ استفسار حضرت ابوسعید عمری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے حقیقتِ حال اور اِس کے اصلی باعث اور اسباب اُن سے بیان کردیے۔ مگر تاہم آپکے جواب سے اُن لوگوں کی تشفی نہیں ہوئی۔ وہ یہاں سے اُٹھکر جنابِ حکیمہ خاتون علیہا السّلام کی خدمت میں آئے اور مستفسر حالات ہوئے۔ چنانچہ ہم اِس واقعہ کو بحار الانوار کی جلد سیزدہم صفحہ ۱۴۰ مطبوعۂ تبریز۔ ایران سے ذیل میں نقل کرتے ہیں

احمد ابنِ ابراہیم کا بیان ہے کہ ۲۶۲ھ ہجری میں جنابِ حکیمہ دخترِ امام محمد تقی علیہ السّلام کی خدمت میں

ہم لوگ حاضر ہوئے۔ ہمارے آپ کے درمیان ایک پردہ حائل تھا۔ ہم اس پردہ کے باہر سے باتیں کرتے تھے۔ میں نے اُس وقت کی عام ضرورت کی وجہ سے اصولِ تقیہ کے مطابق مخفی طور پر عقائد کی بابت پہلے سوال کیا۔ اِسکے جواب میں آپ نے تمام امورِ خدائے وحدہ لاشریک کے اسماء وصفات سے لیکر نبوت و امامت کی معرفتِ کُلی تک جو جو ضروری احکام تھے بیان فرمائے۔ گیارہ اماموں (سلام اللہ علیہم) کے سلسلہ وار نام لیکر ارشاد فرمایا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد امرِ امامت آپکے فرزند کی طرف منتقل ہوگیا اور اُنہی کی ذاتِ ستودہ صفات پر امرِ امامت کی تمام خدمات ختم ہوگئیں۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ اتنا سُنکر میں نے خاصکر تجاہلِ عارفانہ کیا اور جنابِ موصوفہ سے پوچھا کہ کیا واقعی جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے بعد اپنا کوئی فرزند عقب میں چھوڑا ہے جو اِس زمانہ میں امرِ امامت کا متکفل ہے؟ حضرتِ موصوفہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ حقیقت میں جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد ہمارا امام اُن کا وہ فرزندِ رشید اور خلفِ صالح ہے جس کو حُجت کہتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ حُجتِ ابنِ حسن علیہما السلام کو آپ نے برای العین دیکھا ہے۔ اور اُنکی ولادتِ باسعادت کی خبر آپ کو محقق ہوئی ہے؟ اِسکے جواب میں ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ اور مجھے جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف سے اُسکی امامت کے متعلق نص صریح وصحیح پہنچ چکی ہے۔ میرے نام آپکا ایک مفاخرت نامہ بھی صادر ہوا تھا جس میں مرقوم فرمایا گیا تھا کہ میرے بعد امامت حُجت علیہ السلام کی ہوگی۔ آپکی وفات کے بعد میں نے آپکی والدۂ مقدسہ (عُلیا مکرمہ زوجۂ جنابِ امام علی نقی علیہ السلام) سے اُس مولود کی نسبت دریافت کیا تو حضرت موصوفہ نے جواب دیا کہ وہ مخفی ہیں۔ احمد کا بیان ہے کہ اِسکے بعد میں نے حکیمہ خاتون سے دریافت کیا کہ حجت علیہ السلام کے ایامِ غیبت میں لوگ اپنی ضروریاتِ دینی کو کس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور کون شخص اُن کے مسائل کا جواب دیتا ہے اور اُنکے شبہات وشکیات کو زائل کرکے اُن کے عقائد کو درست کرتا ہے۔ حضرتِ موصوفہ نے ارشاد فرمایا کہ جنابِ حجت علیہ السلام کی جدۂ ماجدہ جو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی والدۂ معظمہ ہیں تمام شیعوں کو لازم ہے کہ اپنے امور کو اُن کی طرف رجوع کریں۔ اور اُنہی کی تقلید اختیار کریں۔ یہ سنکر میں نے عرض کی کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے اِس حکم کے صدور میں کہ جمیع مؤمنین کو ایک عورت کی تقلید اختیار کرنیکا حکم دیدیا کس کی تاسی فرمائی ہے؟ آپنے ارشاد فرمایا کہ اِس امرِ خاص میں جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی تاسی سے کام لیا ہے جیسا کہ آپ نے بوقتِ شہادت اپنے باقیماندہ اہلبیت علیہم السلام کو تا صحتِ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنی خواہرِ معظمہ علیا مکرمہ جنابِ زینب خاتون سلام اللہ علیہا کی تقلید اختیار کرنیکا حکم فرمایا تھا۔ آپکے بعد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی اپنی خانہ نشینی اور عزلت گزینی کے ایام میں جنابِ

زینب صلوات اللہ علیہا کو اس امر کا مجاز فرمادیا تھا۔ ایک عرصہ تک سلاطینِ بنی امیہ کے خوف سے جنابِ امام زین العابدین علیہ السّلام کے تمام احکام حضرتِ زینب علیہا السّلام کی طرف منسوب کیے جاتے تھے۔ یہی حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے موجودہ نظام کی بھی صورت ہے۔ احمد ابنِ ابراہیم کا بیان ہے کہ جنابِ حکیمہ خاتون علیہا السّلام کا یہ مدلّل اور مفصّل جواب سُنکر مجھ کو آیندہ یارائے تقریر بالکل باقی نہ رہا اور میں نے اپنی موجودہ حالت میں حضرت واہب العطایا کا مخصوص شکریہ ادا کیا کہ اُسنے ذاتِ موصوفہ کے ذریعہ سے میری ارشاد و ہدایت کے ایسے سامان فراہم فرمائے جن سے میرے موجودہ عقائد میں تازہ استحکام و استقلال پیدا ہوگیا۔

بہرحال۔ جنابِ حکیمہؑ کی اِس تقریر سے ثابت ہوگیا کہ اُس وقت ہدایتِ مؤمنین کے امور میں کیسی دشواری اور دقّت واقع تھی۔ اور یہ زمانہ جماعتِ مؤمنین کے لیے کیسی آفت، مصیبت اور قیامت کا تھا۔ نہ حفاظتِ جان کی کوئی صورت ہوسکتی تھی اور نہ ہدایتِ ایمان کی کوئی ترکیب کارگر ہوسکتی تھی۔ اُن کی مجبوری تھی تو غایت درجہ کی اور معذوری تھی تو پرلے سرے کی۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ علمِ تاریخ کے وسیع عالم میں اِس سے (شیعہ قوم سے) بڑھکر کسی قوم کیسی قبیلہ یا کسی طریقہ کی مجبوری اور معذوری اور کیا ثابت کیجا سکتی ہے اور ان کے مقابلہ میں کسی اور قوم و ملّت کی ذلّت اور رسوائی کی مثال پیش کیجا سکتی ہے۔

بہرحال۔ جنابِ ریحانہ زوجۂ مقدّسۂ حضرت امام علی نقی علیہ السّلام کی اِن ایّام میں وہی کیفیت تھی جو حضرت حمیدۂ مصفّےٰ رضی اللہ عنہا زوجۂ مطہرۂ جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السّلام کی حالت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے آغازِ امامت میں پائی جاتی تھی کیونکہ تاریخ و سیر کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے آغازِ امامت میں منصور کی شدّتِ مخالفت کی وجہ سے جنابِ حمیدۂ مصفّےٰ ارشاد و ہدایت کے احکام اور تعلیم و تلقینِ مؤمنین کے اجرا کے لیے عام طور سے ماذون تھیں۔ اور جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السّلام کے اُس وصیّت نامہ میں جو آپ نے اپنی وفات کے بالکل قریب تحریر فرمایا تھا اُسکی عبارت میں آپکے بعد آپکے ورثا اور قائم مقاموں کے سلسلہ میں اُن خاتونِ مقدّسہ کا نامِ نامی بھی خاص طور پر داخل فرمایا تھا۔ اُن ایّام میں جو حکم و احکام خاتونِ مطہرّہ کی خدمت سے نافذ فرمائے جاتے تھے وہ بالکل حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام امامِ عصر اور حجّتِ زمانہ کے عین حکم یقین کیے جاتے تھے۔ اُسی طرح اِن ایّام میں بھی جو احکام تعلیم و ارشادِ مؤمنین اور احیائے شرعِ مبین کے متعلق حضرت علیا مکرّمہ جنابِ ریحانہ سلام اللہ علیہا کی خدمت سے نافذ ہوتے تھے وہ بعینہٖ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے احکام سمجھے جاتے تھے۔ (دیکھو بحار الانوار)

بہرحال۔ جن لوگوں نے حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات و واقعات کے مطالعہ

کی توفیق پائی ہے وہ جانتے ہیں کہ نظامِ امامت کے متعلق امامت کی تاریخ میں یہ تیسری مثال ہے۔ اس سے پہلے اسکی ایسی دو مثالیں اور قائم ہو چکی ہیں۔ اور جنابِ زینب وحضرت حمیدۂ مصفّٰے سلام اللہ علیہما نے ارشاد وہدایت کی خدمات کو اپنے اپنے ایّام میں مخالفین کی یورش اور عام شورش کی وجہ سے اور نیز امامِ عصر اور حُجّت اللہ زمانہ کے مصالح اور اسرارِ مخصوصہ کے محفوظ فرمانے اور اُسکی مقدّس جان کو قتل و ہلاکت سے بچانے کی خاص غرض سے نہایت اطمینان و فراغت سے کامل طور پر انجام دیا ہے۔ دنیا کی کم بین نگاہوں میں اگر مشاہدۂ حقیقت کے لیے کچھ بھی نور اور اُن کے ارتداد پسند دماغوں میں عقل وشعور باقی ہو تو اب بھی وہ انہی مخدراتِ عُلیہ اور پردگیانِ عصمت سرا کے حالات و واقعات کو پڑھکر اُس خانۂ کرامت نشانہ کی عظمت وجلال اور فضل وکمال کی حقیقت کا پورے طور پر نہایت آسانی سے اندازہ کر سکتے ہیں اور خود بغیر کسی تحریک کے سمجھ سکتے ہیں کہ جس خاندانِ اعلےٰ اور دودمانِ والا کی مخدّرات کی استعداد وجامعیّت اور کمال وقابلیّت کا یہ حال ہے تو اُس خانوادۂ مقدّس کے مردوں کے جوہرِ ذاتی اور محامدِ ذاتی کی کیا حالت ہوگی۔ جو بحکمِ محکم اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ ان مخدّرات سے فضل وکمال میں بدرجۂ اولےٰ سمجھے جاتے ہیں۔

بہر حال۔ اتنا تحریر کر کے ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ والدۂ مقدسۂ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام جن کے مبارک حالات ابھی اوپر لکھے گئے ہیں آپ کے ابتدائی ایامِ غیبت میں برابر تعلیم وارشاد کی خدمات نہایت قابلیّت اور جامعیّت کے ساتھ انجام فرماتی تھیں۔ مخالفین کو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اِس زمانہ میں آپکی تعلیم وتلقین کی کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ اور اسکی وجہ یہی تھی کہ آپکی خدماتِ ستودہ آیات پر اجتہاد یا تعلیم وارشاد کے امور کا مخالفین کو کسی وقت کوئی شبہہ یا گمان نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلکِ حقّۂ اثنا عشریہ میں عورتیں عموماً اجتہاد کے قابل نہیں سمجھی جاتیں۔ اور یہ امر فی نفس الامر ایسا ہی تھا۔ اِن ایامِ مخصوصہ میں بحالتِ مجبوری اِن ذواتِ مقدسہ اور مخدّراتِ مطہرہ سے اِن امور کی نسبت جو کچھ عمل میں آیا وہ اُن کا خاص اجتہاد نہیں تھا۔ بلکہ وہی احکام تھے جو اُنہوں نے ائمۂ سابق بالاحق علیہم السّلام سے مسموع فرمائے تھے۔ اِس لیے اُنکے جو احکام پائے جائینگے وہ اُنہی حضراتِ ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرف منسوب کیے جائینگے۔

بہر حال۔ جنابِ ریحانہ مادرِ گرامی قدرِ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام اُس وقت تک برابر ہدایت وتعلیم مؤمنین کی خدمات انجام دیتی رہیں جس وقت تک کہ جنابِ قائمِ آلِ عبا علیہ التّحیۃ والثّنا نے موفق باللہ کے زمانۂ سلطنت میں پھر سامرۂ شریفہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ اور آپ کے معاودت فرمانیکے تھوڑے ہی دن کے بعد یہ خاتونِ معظمہ رہگرائے عالمِ بقا ہو گئیں۔ سلام اللہ علیہا۔ اتنے دنوں کی ہجرت کے زمانہ میں جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کا قیام شہرِ حلّہ کے اطراف وجوانب میں خاص طور پر بتلایا جاتا ہے۔ چنانچہ شہر کے بیرون

ایک خاص مقام اب تک آپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور وہاں آپ کے قیام کی مبارک یادگار میں ایک خوشنما عمارت تیار کیگئی ہے جو اِس وقت تک قائم اور برقرار ہے۔ اور ہر سال مؤمنین مخلصین کی کثیر التعداد جماعت اُس مقامِ مطہّر کی زیارت سے برابر شرف اندوز ہوتی ہے۔ مگر چونکہ آپ کا یہ سفر بھی بالکل اسرارِ مشیّت کے متعلق تھا اِس لیے اِسکی نسبت بھی کوئی اخبار و آثار تفصیل کے ساتھ کسی کتاب میں پائے نہیں جاتے۔ اور حقیقت میں اِن امور کے متعلق انسان کا زیادہ تفحص و تلاش۔ کدّ و کاوش اور فکر و محنت نظامِ قدرت اور احکامِ مشیّت میں صاف صاف تصرّف اور کھُلی کھُلی مداخلت تصور کیجائیگی۔

ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو یہاں تک پہنچا کر آیندہ واقعات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے اوپر کے بیان سے کما حقّہٗ ثابت ہوگیا کہ جنابِ امامِ زمان علیہ السّلام کو اپنی امامت کے آغاز ایّام میں معتمد کی مخالفت کی وجہ سے کیسی کیسی دشواریاں پیش آئیں۔ ہدایت و ارشاد کے تمام ابواب مسدود ہوگئے اور احیائے شریعت و اجرائے ہدایت کے طریقے مفقود۔ عامۃ المؤمنین کی تعلیم و تلقین کے لیے کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔ عقائدِ حقّہ کا اعلان ہلاکتِ جان کا باعث ہوگیا۔ ہزاروں بیگناہ بندگانِ خدا کا خون بہا دیا گیا۔ اُنکے اموال۔ اُنکی جائدادتباہ و برباد کردی گئی۔ اِس پر بھی بس نہیں کی گئی۔ مخصوص جناب صاحب الامر علیہ السّلام کی گرفتاری کے لیے جاسوسوں کی کثیر التعداد جماعت سلطنت کی طرف سے مقرر کیگئی جو شہر بشہر قریہ بقریہ۔ کوچہ بکوچہ اور گلی در گلی۔ رات دن آپ کی تلاش۔ آپ کا سراغ اور آپ کا پتا لگاتی رہتی تھی آبادی کو چھوڑ کر غیر آباد مقاموں میں۔ میدانوں میں اور پہاڑوں میں آپکو برابر ڈھونڈھتی رہتی تھی۔

کیا کوئی شخص معتمد کے اِن سراغ رسانی کے انتظامات کو بڑھکر کسی دوسرے شخص کے ایسے تجسس و تلاش کی مثال پیش کرسکتا ہے۔ نہیں کوئی نہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ عرب کی تاریخ میں واقعۂ ہجرت کے بعد یہ دوسری مثال ثابت ہوتی ہے۔ اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ مشرکینِ مکّہ نے جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی گرفتاری کی فکریں کی تھیں اور پھر آپ کے ہجرت فرمانیکے بعد جس طرح آپکے تجسّس و تلاش میں تمام میدانوں اور ریگستانوں کی خاک پھانکی تھی۔ اُسی طرح دو سو ساٹھ برس کے بعد معتمد نے بھی جنابِ قائم آلِ محمد کی گرفتاری اور سُراغ یابی کی لا انتہا کوششوں میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ مگر اُس حافظِ حقیقی نے جس طرح اُس وقت اپنی ودیعت کو اپنی حفاظت و امانت میں رکھا اُسی طرح اِس وقت بھی اُس حکیم برحق اور مدبّرِ مطلق نے اپنی موجودہ حُجّتِ زمان اور حامئ شریعت و ناصرِ ایمان کو دشمنانِ دین اور عام مخالفین کے پنجۂ عقوبت سے محفوظ و مصئون رکھّا ع دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است۔

اگر خیرہ چشمانِ زمانہ کے دیدۂ بصیرت وا ہوں تو وہ انہی دونوں واقعات کی مشابہت اور مماثلت سے آپکے اُس اتحاد فی الخلقت والذّات کو پورے طور سے سمجھ سکتے ہیں جو جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام کو

حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ ظاہری اور باطنی دونوں طریقوں سے حاصل تھا۔

بہرحال۔ اِن امور کے ساتھ ہی ان حالات اور واقعات میں نظامِ مشیّت کی اُن خاموش تدبیرات اور نرم مصالح کے عمدہ نتائج بھی کما حقّہ ظاہر ہو گئے جو مخالفین کے پُر زور اور قوی حملات کے مقابلہ میں اختیار فرمائے گئے تھے۔ اور ہر شخص نے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ لیا کہ معتمد کے ایسے ظالم وجابر خلیفہ کی سخت اور شدید کارروائیوں کے مقابلہ میں ہجرت اور ترکِ سکونت کی نرم اور خاموش تدابیر اختیار کی گئیں۔ پھر تھوڑے ہی دنوں کے بعد اِن تمام امور میں دقت اور پریشانی کی جگہ کسی قدر سہولت اور آسانی فروغ پیدا ہو گئی۔ یہ سب کیا تھے؟ قدرت کے تصرّفات اور مشیّت کے خاص معاملات۔ جنکی تفہیم سے عقلِ انسانی بالکل مجبور اور قطعی معذور ہے۔

المعتضد باللہ کی سلطنت

یہاں تک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ معتمد نے اپنے بیٹے کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بھتیجے احمد بن موفق کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ اِس لیے معتمد کے مرتے ہی احمد اُسکی جگہ پر بغداد کا خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ احمد بن موفق نے تختِ خلافت پر بیٹھکر المعتضد کا لقب اپنے لیے تجویز کیا۔ اور دفتر و دیوان کے تمام صیغوں میں حکم و احکام اِسی لقب اور نام سے نافذ ہونے لگے۔

معتضد نے اپنے آغازِ حکومت میں سیاست۔ حکمرانی اور جہانبانی کے متعلق اپنی ایسی اچھی لیاقت اور مہارت دکھلائی کہ ہر شخص کو سلطنتِ بغداد کی گزشتہ عظمت وجلال اور شوکت واقبال کے پھر بہت جلد لوٹ آنیکا کسی قدر یقین ہو چلا تھا۔ اِس میں شک نہیں کہ اسلامی تاریخیں شہادت دے رہی ہیں کہ معتضد کے تختِ سلطنت پر بیٹھتے ہی وہ عام فتنہ و فساد جو مُلک کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے بالکلیہ فرو ہو گئے۔ اور عام پریشانی اور بدامنی جو رعایا کے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں عالمگیر ہو رہی تھی تسکین اور عام تشفی سے مبدّل ہو گئی۔ خراجِ سلطانی اور دیگر ابوابِ مُلکی و مالی جو بدامنی کی وجہ سے اکثر علاقوں میں بند تھے وہ سب کُھل گئے۔ اور بدستورِ قدیم جاری ہو گئے۔ غرضکہ وہ تمام وکمال قرائن جو ایک فرمانروا کے تسلط اور مُلک کے اطمینان اور عام امن وامان کے لیے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ وہ سب معتضد باللہ کے ایامِ سلطنت میں ظاہر ہونے لگے۔ اور اُنہی آثار واحوال کو مشاہدہ کر کے ہر شخص اِس سے یقین کرنے لگا کہ معتضد کی سلطنت اگر ایک میعادِ خاص تک قائم اور دیرپا رہ گئی۔ اور اُس کے اصولِ جہانداری اگر اِسی صورت سے جاری رہے تو اِس میں پھر کوئی شبہہ نہیں کہ خلافتِ عباسیہ کی گزشتہ سطوت وعظمت اور دولت وثروت جو منصور۔ ہارون اور مامون کے ایام میں حاصل تھی پھر اپنی قدیم حالت پر آجائیگی۔

مگر افسوس! ع خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم - تھوڑے ہی دن آگے چلکر ایسا خیال کرنیوالوں کو معلوم ہوگیا کہ حقیقت میں اُن کے یہ گمان خواب وخیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ اور جو کچھ کہ اس کے ظاہری اور ابتدائی عنوان سے امید کیجاتی تھی وہ محض نقش برآب تھی۔ بہر حال. جیسا ہوا اور جو کچھ ہو۔ اُسکی سلطنت کے پہلے دس برس نہایت خوبی سے گزرے۔ مگر اتنی مُدّت کے سکون وآرام کے بعد اُس کو اپنے معاملات میں پہلے پہل جس مشکل سے سامنا ہوا وہ قرامطہ کا عروج تھا اور خروج۔ قبل اسکے کہ ہم انکے حالات کو اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں قلمبند کریں ہم تمہید کے طور پر انکے مختصر حالات معرفی کی ضرورت سے ہدیۂ ناظرین کر دینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔

قرامطہ کے حالات اور اُنکے عروج کی کیفیت

قرامطہ ظاہری طور پر بالکل عابد اور تارک الدنیا معلوم ہوتے تھے مگر حقیقت میں وہ سب کے سب بڑے جفاکش، محنتی اور جری تھے۔ سخت سے سخت معرکوں میں قائم رہنا اور بڑی بڑی مصیبتوں میں اپنی جانوں پر کھیل جانا اُنکے لیے بالکل سہل اور آسان تھا۔ وہ کسی امر میں اپنی ہمّت نہیں ہارتے اور مشکل سے مشکل وقتوں میں کبھی بیدل اور برداشتہ خاطر نہیں ہوتے۔ اسلام میں اُنکے عقائد تصوّف اور علم الاشراق کے اصول پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر تاہم اُن لوگوں کو ہم کامل صوفی بھی نہیں کہہ سکتے۔ ہمکو چونکہ موجودہ مقام پر اُنکے عقائد سے خاص طور پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے اس لیے ہم اُنکے عقائد کی تفصیل کو اسلام کی تاریخ وسیر کی کتابوں کے مطالعہ پر حوالہ کرتے ہیں۔ جس کو ضرورت ہو وہ اِن کتابوں میں اُنکے طریقے کے اصولِ عقائد کو مفصّل طور پر دیکھ سکتا ہے۔ مگر ہاں آخر میں ہم اتنا ضرور لکھدینگے کہ اِنکے اصول اور عقائد پر غور کرنے سے اشراقیین اور کاملینِ علمِ تصوّف کے مسالک اور عقائد کی جھلک ضرور معلوم ہوتی ہے۔ خصوصیاتِ اعمال وترکیبِ ریاضت کے احکام وتدارک وغیرہ ایک دوسرے سے ملتے جُلتے دکھلائی دیتے ہیں۔

جن لوگوں نے اِن ایّام کے حالات کو غور سے دیکھا ہے اور تفصیل سے پڑھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اُس وقت علمِ تصوّف اور اشراق کی عام گرم بازاری اور شہرت تھی اور مختلف اصول وعقائد کی بنا پر نئے نئے فرقے۔ نئے نئے طریقے اپنے اپنے جداگانہ عقائد کے ساتھ اسلام میں پیدا ہوتے چلے جاتے تھے۔ اِن تمام فرقوں کا مرکز شہر بغداد تھا۔ جہاں سے یہ تمام طریقے ابتدا پاکر اپنی اپنی نشو ونما پاتے تھے۔

بہرحال۔ فرقۂ قرامطہ کے لوگ بھی اگر حقیقی طور پر ان لوگوں میں داخل نہیں تھے تو ان عقائد اور اصول کے زیر اثر تو ضرور تھے۔ اِن کے موجودہ رئیس طائفہ اور سردارِ قوم کا نام ابو سعید جبائی قرمطی تھا۔ اِس شخص نے اپنی موجودہ جماعت کے ساتھ بصرہ کے اطراف وجوانب میں خروج کیا۔ اور وہاں کے لوگوں کو اپنے اصول اور عقائد کی طرف دعوت دی۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُنکی مشن کو پوری کامیابی ہوئی اور بصرہ

سے لیکر واسط اور الجزائر کے تمام باشندے ان کے عقائد میں شریک ہو گئے۔ اور اُس اطراف میں انکا پورا تسلط ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ ابتدائی حالتوں میں قرامطہ کے اغراض و مطالب بہت بھاری معلوم ہوتے تھے۔ انکی دعوت امن پسندی کے نرم اور خاموش طریقہ سے کیجاتی تھی۔ مگر جیسے جیسے انکا تسلط ہوتا گیا اور ملک و قوم پر اثر بڑھتا گیا۔ ان کے اقتدار میں وزن اور انکے اختیار میں قوت آتی گئی۔ اور رفتہ رفتہ وہ سادگی اور خاموشی عام یورش اور پرجوشی سے مبدل ہو گئی۔ اور وہ امن کی جگہ ملک میں بدامنی اور اطمینان کی جگہ غیر اطمینانی اور بےچینی پھیلانے لگے۔ اور زہد و اتقا کے ظاہری لباس کو تہ کر کے حکمرانی اور جہانبانی کی پوری شان دکھلانے لگے۔ اس صورت و حال میں انکے موجودہ افعال اشراقین اور صوفیانِ گوشہ نشین کے اشغال سے بالکل خلاف اور منافی ثابت ہونے لگے۔

بہرحال۔ جب انکی عام شورش اور فتنہ و فساد کی خبر ملک میں عام اور طشت از بام ہو گئی اور معتضد کو بھی اسکی طرف سے خاص تعلق پیدا ہو گیا تو اُس نے عمر ابنِ عباس غنوی کو انکی سرکوبی کے لیئے دارالخلافت بغداد سے روانہ کیا۔ اہلِ قرامطہ اس وقت بصرہ سے بڑھتے ہوئے قطیف تک پہنچ گئے تھے۔ اور بصرہ کا عامل جو سلطنت کی طرف سے ان اطراف کا حکمران تھا انکے بڑھتے ہوئے پاؤں کو پیچھے نہ ہٹا سکا معتضد کا فرستادہ لشکر یلغاروں پر یلغاریں کرتا ہوا معرکۂ کارزار میں پہنچا۔ اور قطیف کی مشرقی جانب سے قرامطہ پر حملہ آور ہوا۔ مگر قرامطہ نے لشکرِ سلطانی کی ہیبت و سطوت کا کوئی خیال نہیں کیا بلکہ بخلاف اسکے بڑی پاداری اور ہمت و دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا اور اپنی شجاعت۔ قوت اور استقلال کے ایسے جوہر دکھلائے کہ بغداد کی شاہی فوج انکے مقابلہ کی تاب نہ لائی اور شکستِ فاش اٹھا کر ادھر اُدھر تمام منتشر ہو گئی۔ سپہ سالارِ سلطانی عمر ابنِ عباسِ غنوی اپنے سات سو ہمراہیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا اور ابو سعید جبائی رئیسِ قرامطہ کے سامنے لایا گیا۔ ابو سعید نے سوائے عمر ابنِ عباس کے بقیۃ تمام فوجِ سلطانی کے اسیروں کو اُسی وقت قتل کر دیا۔ اِس واقعہ سے قرامطہ کی ہیبت اور سطوت مشرقی عرب اور ساحل کے تمام علاقجات پر پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اور انکے تسلط کے سامنے معتضد خلیفۂ عباسی کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اُن کے تمام امور میں روز بروز استحکام اور استقلال آتا گیا جب اِس شکست کی خبر معتضد کو معلوم ہوئی تو وہ یکایک قرامطہ کی اس نمایاں فتحیابی سے کچھ ایسا موثر اور مخوف ہوا کہ پھر عرصہ تک اُس سے کسی قسم کی تحریک یا مقابلہ کی جرأت نہ کر سکا۔ قرامطہ نے پھر تو جو چاہا تمام ملک میں کر لیا۔ اور حکومتِ بغداد کی طرف سے اُن کی ممانعت اور مدافعت کا کوئی سامان نہ ہو سکا۔ اِتنا بیان کر کے اب ہم عمر ابن عباس الغنوی کے بقیۃ حالات کو جسے ہم قرامطہ کی قید میں چھوڑ آئے ہیں قلمبند کرتے ہیں۔

عمر ابنِ عباس عرصہ تک قرامطہ کی حراست میں مقید رہے۔ عبدالواحد ہاشمی خود عمر ابن عباس غنوی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب ہمکو ایک مدت قرامطہ کی قید میں گزر چکی اور اپنی نجات و مخلصی کی کوئی امید باقی

نہیں رہی تو میں نے اپنی موت اور جان دینے کا پورا قصد کرلیا۔ اسی اثنا میں ایک دن ابوسعید جبائی رئیس قرامطہ کا ایک غلام میرے پاس آیا اور میرے ہاتھ پاؤں کی زنجیر آہنی نکالکر مجھے حمام میں لے گیا۔ نہلا دُھلا کر میرے کپڑے بدلوائے اور بعدازاں مجھے اپنے رئیس کے سامنے لایا۔

ابوسعید جبائی رئیس قرامطہ کی عمر ابن عباس کی رہائی دینے کے وقت تقریر

عمر ابن عباس غنوی کا بیان ہے کہ میں جب اس ہیئت سے ابوسعید کے پاس لایا گیا تو اُسنے مجھے سر سے پاؤں تک نہایت غور و تامل سے دیکھا۔ پھر مجھ سے کہا کہ میں نے ہر چند تمہارے قتل کے بارے میں غور کیا مگر مجھکو تمہاری ہلاکت میں کوئی نفع نہیں معلوم ہوا۔ بلکہ اُسکی جگہ میرا یہ ارادہ ہوا ہے کہ میں تمہاری معرفت معتضد خلیفۂ بغداد کے پاس اپنا ایک پیام بھیجوں۔ کیونکہ میں اِس رسالت کے لیے تمہارے سوا اور کسی دوسرے کو موزوں نہیں سمجھتا۔ اگر میرے پیام کو بلا تغیرِ الفاظ بجنسہ و بلفظہ ویسا ہی جیسا کہ میں تم سے کہتا ہوں معتضد تک پہنچا دینے کا وعدہ اور اقرار کرو تو البتہ میں تمہیں اسی وقت رہا کر دوں۔ اور اگر تم سے ایسا ہونا ممکن نہو سکے تو مجھے صاف صاف جواب دیدو۔

عمر کہتے ہیں کہ ابوسعید کی یہ تقریر سُنکر میں تو اپنی مخلصی کی خوشی میں شادی مرگ ہو جانیکے قریب پہنچ گیا۔ مگر میں نے نہایت استقلال اور متانت سے اپنے اِس قلبی اور دلی جوش کو روکا اور ضبط کیا۔ اور کسی طرح اُس کا اظہار نہونے دیا۔ اور نہایت آہستگی سے ابوسعید کے سوال کا جواب دیا کہ میں بسر و چشم آپکے پیام کو اُنکی خدمت میں بحرفہ و بلفظہ اُسی طرح جس طرح آپ فرمائینگے پہنچا دونگا۔ یہ سُنکر اُسنے مجھ سے اِس بیان پر حلفِ شرعی لیا اور پھر تھوڑی دیر تک سکوت کے عالم میں سوچتا رہا۔ اِس کے بعد مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ تم معتضد کے پاس جاکر میری طرف سے کہدینا کہ تم اپنی موجودہ حیثیت اور دولت کی تباہی و بربادی کی خود اپنی طرف سے کیوں کوشش کر رہے ہو۔ اور اپنی آبروریزی کے ساتھ خلافت اسلامی کی ہتکِ حرمت کر رہے ہو۔ اور اپنے دشمنوں کو اپنے اوپر غالب کر رہے ہو۔ یقین کرلو کہ میں مردِ صحرائی ہوں۔ ایسا کہ جس کے لیے نہ کوئی شغل ہے نہ کار نہ جسکا کوئی متاع ہے اور نہ روزگار۔ خود اپنی جان کے خوف سے میں نے ایسی تلخ اور ناگوار زندگی اختیار کی ہے۔ نہ میں نے تمہارا کوئی شہر لے لیا ہے اور نہ تمہاری حکومت میں کوئی نقص پیدا کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم اپنا تمام ملک میرے مقابلہ کے لیے لاؤگے تاہم مجھ پر غلبہ نہ پاؤگے۔ کیونکہ میرے لشکر کی اور میری عادت سخت سے سخت مصائب برداشت کرنیکی ہو گئی ہے۔ تمہارا آرام طلب اور عیش پسند لشکر جس نے زیادہ تر باغستانِ بغداد میں پرورش پائی ہے۔ اب تمہارے حکم سے مجبور ہو کر جنگل اور پہاڑوں کی صعوبت اُٹھا کر اگر مجھ تک زندہ اور صحیح و سلامت پہنچا بھی۔ اور شرما شرمی کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے مجھ سے مقابل ہوا بھی تو اس بے موقع جرأت سے سوائے اِسکے اور کیا نتیجہ نکلنے والا ہے کہ وہ میرے مقابلہ میں اپنی ہزیمت اور گریز کو ہزار غنیمت سمجھینگے۔ اور اُن میں سے ہزاروں ہمارے ہاتھ سے مارے جائینگے۔ یہ حالت تو اُس وقت

ہو گی جب تھوڑا سا لشکر میرے مقابلہ میں بھیجا جائیگا۔ اور اگر کوئی لشکر عظیم روانہ کروگے تو ایسی حالت میں میں پہلے تو اُن سے بھاگ جاؤنگا اور پھر پندرہ بیس فرسخ تک دور نکل جاؤنگا۔ لیکن جب موقع اور فرصت پاؤنگا اُن کی غفلت۔ آرام اور راحت کے عین وقتوں میں ایکبار اُن پر شبخون مارونگا۔ اور ایک بار اُن سے اپنے تمام نقصانات کا انتقام لیلونگا۔ اور اگر مجھے اُن پر شبخون مارنے اور اُن سے اپنا بدلہ اور انتقام لینے کا موقع نہ ملیگا تاہم تمہاری مرسلہ فوج کو ہم پر کوئی دسترس اور قابو نہیں ملیگا۔ اور وہ کبھی میرے قریب نہیں پھٹکنے پائینگے۔ غرضکہ اِن تمام امور میں سوائے ذلت وحقارت کے اور کچھ تم کو نصیب ہونیوالا نہیں ہے۔ اب آیندہ امور کا فیصلہ میں تمہاری ہی تجویز پر چھوڑتا ہوں۔ اگر تم اپنی بھلائی اور مصلحت لشکرکشی ہی میں دیکھو تو ویسا کرو۔ اور اگر نہیں تو میرے تفحص احوال اور تلاش معاملات سے آیندہ دست بردار ہو جاؤ اور میرے متعلق کوئی تعرض اور مداخلت نہ کرو۔

عمر ابن عباس غنوی کا بیان ہے کہ میں جس وقت ابوسعید کا یہ پیغام لیکر معتضد کے پاس پہنچا تو اُس کو میرے زندہ بچ آنے پر سخت تعجب ہوا۔ میں نے اپنی تمام روئداد اُس سے کہدی۔ پھر اُس سے ابوسعید کا تمام پیام حرفاً حرفاً کہدیا۔ مجھ سے وہ تمام وکمال سُنکر ایسا سخت طیش میں آیا کہ میں نے اُس کی حالت سے قیاس کیا کہ وہ اپنا ایک جرار لشکر قرامطہ کے استیصال کے لیے فوراً روانہ کریگا۔ مگر میرا یہ خیال بالکل غلط تھا۔ بلکہ بخلاف اِسکے معتضد کے دل میں ابوسعید کی ایسی ہیبت سمائی کہ وہ اپنے ہوش وحواس میں مطلق نہ رہا اور پھر ابوسعید کی ہدایت کے مطابق قرامطہ کے معاملات میں کوئی مداخلت نہ کرسکا۔ اِس فرقہ کے لوگوں نے اسلامی ممالک میں کیا کچھ نہ کرڈالا۔ اور مُلکی رعایا نے کیسے کیسے استغاثے اُس کے دربار میں قرامطہ کی بیجا دستبرد اور تصرفات کے متعلق نہ پیش کیے۔ مگر معتضد نے لب نہ ہلایا۔ اور یا تو آں شور اشوری یا بایں بے نمکی کچھ ایسی چپ سادھ لی کہ پھر دم تک نہ مارا۔ معتضد کے ایسے جابر حکمران سے ایسی ایکبارگی خاموش ہو جانیکی وجہ سوائے دشمن کی ہیبت اور سطوت کے کچھ اور معلوم نہیں ہوتی۔

تھوڑے دنوں کے بعد معتضد کی باسی کڑھی میں پھر اُبال آیا۔ اور اُس نے قرامطہ کے مقابلہ کا پھر قصد کیا۔ اُس کی کیفیت یہ ہے کہ اہل قرامطہ نے اپنی رفتار میں ترقی کرتے کرتے کوفہ تک اپنی رسائی اور اپنا تسلط پیدا کرلیا۔ یہ خبر پاکر معتضد کو پھر اپنی مردمی کی غیرت آئی۔ اور وہ اپنے آپے میں نہ رہا۔ اُس نے فوراً اپنے ایک جرار سالار فوج کو ایک فوج گراں کے ساتھ قرامطہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ حقیقت حال اتنی ہے کہ قرامطہ کے تھوڑے سے لوگ سواد کوفہ میں اِدھر اُدھر اپنی دعوت کے اعلان کی غرض سے نکل آئے تھے۔ وہ کوئی اُنکی فوج کے باقاعدہ لوگ نہیں تھے۔ اور نہ اُنکے خاص لشکر کے آدمی۔ بغداد کے فرستادہ لشکر نے آتے ہی اِن لوگوں کو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لیا۔ یہ تو ظاہر تھا کہ یہ درویش منش اور فقیر روش جماعت فوج سلطانی سے کیا مقابلہ کرتی۔ مگر تاہم اِن لوگوں نے اپنی فطرتی جرأت وہمت سے حریف کو اپنی دلیرانہ مدافعت

کے خوب خوب جوہر دکھلائے۔ مگر انکی قلیل جماعت اُس کثیر التعداد گروہ کی متواتر حملات کی کہانتک تاب لاتی۔ آخرکار اُن کے پائے استقامت میں لغزش آگئی۔ اور وہ ادھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ اُنکے بہت سے آدمی مارے گئے۔ باقی سب اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ اُن میں سے ایک آدمی گرفتار ہوکر معتضد کے پاس لایا گیا۔ معتضد نے اُس شخص سے قرامطہ کے اعتقاد کی بابت دریافت کیا تو اُس نے نہایت آزادی سے جواب میں کہا کہ تم کو اِن امور سے کیا غرض۔ تم اُن باتوں کو مجھ سے پوچھو جو تم سے تعلق رکھتی ہوں۔ معتضد نے کہا وہ کونسی باتیں ہیں جو مجھ سے تعلق رکھتی ہیں۔ قرامطی نے جواب دیا کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو حضرت عباس ابنِ عبد المطلب بقیدِ حیات تھے۔ مگر اُنہوں نے کبھی خلافت کا دعوےٰ نہیں کیا۔ بلکہ عموماً لوگوں نے ابو بکر سے بیعت کی۔ اور بعد ابو بکر کے عمر کی۔ حضرت عمر نے اپنے مرتے وقت امرِ خلافت کو چھ آدمیوں کے شورے پر چھوڑ دیا۔ اور اِن آدمیوں کی جماعت میں بھی حضرت عباسؓ کو داخل نہیں کیا۔ اِن وجوہ سے ہمارے طریق والوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ امرِ خلافت میں خاصکر بنی عباس کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

اُسکا یہ دنداں شکن جواب سُنکر معتضد واقعی اپنے آپے میں نہ رہا۔ اُسنے حکم دیا کہ اُسکے سب دانت اُسکے مُنہ کے اندر توڑ دیے جائیں۔ اُسی وقت حکمِ سلطانی کی تعمیل کیگئی اور مجرم کے تمام دانت توڑ ڈالے گئے مگر اُس نے اُف بھی نہ کی۔ پھر اُسکا ایک ہاتھ رسّی سے جکڑ کر دھوپ میں اُلٹا لٹکا دیا گیا۔ بعد ازاں قتل کر ڈالا گیا۔ اسلامی مورخین نے اِسکے قتل کیے جانیکے وقت اِسکے بہت سے اعجاز و کرامات بھی لکھ مارے ہیں جن کو بقول صاحبِ روضۃ الصفا کبھی کسی آدمی کی عقل قبول نہیں کرسکتی۔

جن لوگوں نے اِن ایام میں اسلامی عقائد کے حالات۔ اُنکے مختلف طریقے۔ متفرق مسالک اور متعدد عقائد بالاستیعاب دیکھے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام میں اِس وقت بیشمار عقائد کے نئے نئے فرقے روز پیدا ہوا کرتے تھے۔ اگرچہ یہ اپنے پیچ در پیچ مخصوصہ عقائد کے پوشیدہ ارکان سے لپٹے ہوئے تھے مگر تاہم اُنکو اسلام ہی کے مصدر سے ماخوذ بتلاتے تھے۔ اور حقیقت میں یہ امر ایسا ہی پایا جاتا ہے کہ اُن کے تمام اصول اسلام کے ارکانِ خمسہ سے اخذ کیے گئے تھے۔ مگر انکی اصلی صورتوں میں قیاس اور ضرورت کی رنگ آمیزیاں ضرور کیگئی تھیں۔ اُن کے عملیات پر غور کیا جائے تو وہ بھی فروعِ ستہ سے لیے گئے ہیں۔ مگر اُن میں بھی تجویز اور قیاس کی مختلف ترکیب ضرور داخل کر دی گئی تھی۔

اُس زمانہ میں اِن تمام فرقوں کے لوگ سلطنت کے کاروبارِ مُلکی میں انواع و اقسام کے خلل پیدا کر رہے تھے۔ اور روزانہ مشاہدات سے ملک کی بدامنی اور عام بیچینی کے باعث سمجھے جاتے تھے۔ مگر کرنا کیا تھا۔ آنچہ از ماست برماست کا مضمون تھا۔ اور حقیقت تو یوں ہے کہ زمانۂ موجودہ میں جو درویش پرستی نے اسلام میں اپنی پوری مداخلت اور تصرف پایا تھا وہ بالکلیہ انہی سلاطینِ عباسیہ کے ہاتھوں کی کرتوت تھی۔ کیونکہ اُس وقت اِن لوگوں کی استعداد

اعانت سے سلطنت کو جو غرض نکالنی تھی وہ اسی کی مقتضی تھی کہ حتےّ الامکان اِس فرقہ کو قوت پہنچائی جائے اور اِنکے زہد و ورع۔ تقوائے و تقدّس اور جملہ محاسن اوصاف کو شہرت دیجائے۔ اب وہ کونسی ضرورت اور احتیاج تھی جسنے سلطنتِ عباسیہ کو اِن امور کی تعمیل پر خاصکر مجبور کردیا۔ واقعاتِ تاریخی بتلا رہے ہیں کہ وہ مخالفتِ اہلبیت علیہم السلام کے سوا کوئی دوسری ضرورت اور احتیاج نہیں تھی۔ اِسکی ابتدا ہارون کے وقت سے ہوئی۔ اور ہارون ہی پہلا شخص تھا جس نے اپنے ہمعصر بنی فاطمہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السّلام کے فضل و کمال اور عظمت و جلال کے مقابل اور مساوی پیدا کرنے کی غلط تجویزوں میں پہلے پہلے سفیانِ ثوری وغیرہ کے امور کو فروغ دیا۔ اور اُنکو طرح طرح کے گرانمایہ القابِ خاص سے معزز و ملقّب فرمایا۔ اِن تمام عقیدوں۔ طریقوں اور مسالک کی ابتدا اُسی وقت سے شروع ہوئی۔ اور پھر لگاتار اِسی طرح ہر ایک فرمانروا نے اپنے زمانۂ حکومت میں اپنی اُسی ضرورت اور مجبوری کے خیال سے اِس امر کو اپنے فرائضِ منصبی میں داخل کرلیا۔ اور برابر اِس فرقہ کے کسی نہ کسی معاصر بزرگ کو خاص طور پر تمام فضل و کمال سے سرفراز و ممتاز فرمایا۔ خود بھی بہت بڑی تعظیم و تکریم کی اور رعایا نے بھی الناس علےٰ دینِ ملوکہم کے غلط اصول پر اِن لوگوں کی اطاعت اور اخلاص و عقیدت کو اپنی سعادت کا باعث سمجھا۔ انہی حضرات سے علمِ تصوّف اور علمِ اشراق کی ایجاد ہوئی۔ جسکو اِن لوگوں نے اہلِ اسلام کے آگے زہد و تقوائے کے اصول پر مبنی بتلاکر طریقت کو شریعت سے ایک علیٰحدہ مسلک قرار دیا۔ اور پھر اِس سے مختلف عملیات اور ترکیباتِ ریاضت کو اخذ کرکے تقرّبِ خدا اور نجاتِ عقبےٰ کا اصلی باعث اور محکم ذریعہ بتلایا۔

اِس میں کوئی کلام نہیں کہ اِس فرقہ کے لوگ جو عموماً درویش۔ فقراء۔ صوفی اور احرار وغیرہ مختلف القاب و خطاب سے مشہور ہیں ابتدا میں امن پسند اور بالکل خاموش لوگ خیال کیے جاتے تھے۔ انکے ظاہری طریقوں سے دنیا کے امور میں بالکل بے سروکاری اور ترکِ تعلّق معلوم ہوتا تھا۔ زہد و عبادت کے شبانہ روز مشاغل کے سوا اُنکی معرفت کے لیے کوئی دوسرا معیار نہیں تھا۔ عبادت میں ریاضت ہائے شاقّہ اور زہد و اتقا میں غایت درجہ کی نفس کشی۔ صبر۔ قناعت اور توکّل میں انکی ضبطِ نفسی اور ثابت قدمی نے بہت جلد تمام اہلِ اسلام کو اِنکے خلوص و عقیدت کی طرف راغب اور مائل کرلیا تھا۔ اور اِس میں بھی شک نہیں کہ سلطنت کی جنبہ داری اور تمام اہلِ اسلام کی عقیدت شعاری نے سلاطینِ عباسیہ کی اُن تجویزوں میں کامیابی کی صورت پیدا کردی جسکی وجہ سے سلطنت نے اِن لوگوں کی نصرت و اعانت کو ضروری سمجھ لیا تھا۔ سلطنت کی کوششوں سے اتنا ہوا کہ قریب قریب اسلام کے تمام فرقوں نے احکامِ شریعت کے اختلافی اعتبار سے جو اُس وقت چار حصّوں (حنفی۔ مالکی۔ حنبلی۔ شافعی) میں ہوگئے تھے اور حضراتِ ائمہ معصومین علیہم السّلام کی اطاعت و تقلید کو چھوڑکر اُنکی عقیدت و متابعت میں در آئے تھے۔ اور پھر اِس استقلال و استحکام سے کہ اُن کے مقابلہ میں ساداتِ عظام اور اہلبیتِ کرام علیہم السّلام کی کوئی ہستی یا وجود نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اکثر شوخ چشم اور دریدہ دہن تو لا بشئے سے اِن بزرگواروں کی ذاتِ بابرکات کو تعبیر کرنے لگے تھے اور محض بے سود اور بیکار سمجھنے لگے تھے۔ اور سلطنت کا اصلی مقصود بھی یہی

تھا۔ اور وہ اس طرح ان لوگوں سے بآسانی اور بسہولت حاصل ہوگیا۔

انکی نصرت واعانت میں جو مصالح سلطنت نے تجویز کیے تھے وہ یہی تھے کہ سادات کی متواتر فوج کشی نے خلافتِ عباسیہ کے نظام میں مہدی کے زمانہ سے لیکر متوکل کے شروع ایّام تک جو جو دقّتیں پیدا کر رکھی تھیں وہ عموماً سب کو معلوم ہیں۔ اُن کے فرو کرنے میں سلطنت کو جو جو ترکیب وتدبیر عمل میں لانی ہوئی وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں۔ اِنکی قوت توڑنے اور انکے مستاصل کرنے میں سلطنت نے اپنی اور اِنکی جان ایک کر ڈالی۔ سادات کے بھرے پُرے خاندان کے خاندان تباہ و برباد کر ڈالے۔ ہزاروں اور لاکھوں ساداتِ کو قتل کرا کے بغداد کی شاہراہوں۔ گلیوں اور کوچوں میں اُنکے خون کے پرنالے بہا دیے۔ حبسِ دوام کی سزائیں دلوائیں۔ قلعوں میں۔ مکانوں میں۔ دیواروں میں۔ دیواروں کی بُنیادوں میں زندہ چُنوا دیا۔ سولی پر سولی دیے گئے۔ درختوں میں لٹکائے گئے۔ جلتی آگ میں جلوائے گئے۔ غرضکہ فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ ایسے ظالمانہ سلوک نہیں کیے تھے جیسے کہ عباسیوں نے اپنے مظالم بنی فاطمہ علیہم السّلام کے ساتھ جاری اور قائم رکھّے۔ مگر باوجود ان ظالمانہ اور مخالفانہ کوششوں کے اُن میں ایک نہ ایک بندۂ خدا ایسا پیدا ہو ہی جاتا تھا جو انکے مقابلہ پر آمادہ اور تیاّر ہوجاتا تھا جس کے سر کرنے میں اِن لوگوں کو از سرِ نو محنت کرنی ہوتی تھی۔ مدبّرانِ سلطنت جب چاروں طرف سے انکی مدافعت کی تدبیروں میں مایوس ہوگئے اور بحکمِ محکمِ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ اُن کا سلسلہ کسی طرح تمام ہوتا نظر نہ آیا تو آخر اِن لوگوں نے بہت بڑے غور و فکر کے بعد یہ سوچا کہ اِنکے تمام فروغ۔ قوّت اور اقتدار کا باعث عام اہلِ اسلام کا خلوص اور عقیدت ہے جو خاندانِ نبوی اور دودمانِ مصطفوی میں داخل ہونیکی وجہ سے ہر مسلمان کو حاصل کرنا واجب ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں تاوقتیکہ اِس عام عقیدت اور اخلاص کے خیالات دور نہیں کیے جائینگے۔ سادات کے جوش میں کمی نہیں آنیوالی۔ اِنہی امور پر خیال اور غور کرکے سلطنت کی طرف سے فرقہائے درویش کی حمایت اور ازدیادِ عظمت اور اشاعت وشہرت میں بلیغ اہتمام کیے گئے۔ مگر بمصداقِ آیۂ وافی ہدایہ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ آگے چل کر یہی نظر کردہ لوگ اور اِنہی لوگوں کے مسالکِ طریق۔ امورِ مُلکی کی سخت مضرّت اور نقصان کے سخت باعث ثابت ہوئے۔ اور فرقۂ ساداتِ کرام سے زیادہ اِس طائفہ کے لوگ ممالکِ محروسہ میں بدامنی اور عام فتنہ وَفساد پھیلانے لگے۔

بات یہ ہے کہ دنیا اور اہلِ دنیا کے روزانہ مشاہدات اور زمانہ کے تغیّر پذیر انقلاب سے ثابت ہوچکا ہے کہ کسی قوم یا فرقہ کو یکبارگی ترقی یا فروغ نہیں ہوتا اور اُسکے نشوونما کے روز ہی سے اُسکے نظام میں ترتیب اور درستی نہیں آتی ہے بلکہ رفتہ رفتہ اور آہستہ آہستہ اُنکے تمام آثار میں قوت آتی جاتی ہے۔ اِسی معمول کو مدّ نظر رکھکر ہمکو درویشوں کے حالات سمجھ لینے چاہئیں۔ اِن میں بھی ایک بارگی تو ترقی آئی نہیں۔ اور یہ لوگ بھی کچھ ایک ہی بار سلطنت سے مقابلہ پر تیاّر ہو ہی نہیں گئے۔ بلکہ اُسی اصول اور دستور کے

مطابق ان میں بھی جیسے جیسے قوت آتی گئی اور زور ملتا گیا۔ یہ تمام بلادِ اسلامیہ میں اپنی شہرت اور عظمت کے آثار پھیلاتے گئے۔ اِن تمام فرقوں کی اُس وقت یہی حالت ہوئی۔ پہلے تو اپنے فرمانروائے عصر کے منظورِ نظر ٹھیرے۔ پھر اپنے ظاہری تقدس اور اتقا کے باعث عام اہلِ اسلام کی عقیدت اور اخلاص کے سزاوار ٹھیرے۔ پھر رفتہ رفتہ دنیا میں اِنکا یہ اوج موج ہوا کہ بادشاہِ وقت کی وقعت بھی اِنکے سامنے گرد ہوگئی۔ پھر جب ترقی اور عروج کے اِن درجوں تک پہنچ گئے تو شان و شوکت دولت و ثروت۔ غرض تمام چیزوں کی ضرورت ہوئی۔ جب یہ نعمتیں بھی معتقدین اور متبعین کی خوش اعتقادی اور حسن اخلاص کے ذریعہ سے اکٹھی ہوگئیں تو اب حکمرانی اور جہانبانی کی سلسلہ جنبانی بھی شروع ہوئی۔ سب مصالح تو موجود ہی تھے۔ ایک لشکر نہیں تھا۔ وہ مقلدین اور معتقدین کی بیقاعدہ جماعت سے پورا کرلیا گیا۔ اور اُنکی خوش عقیدگی اور اخلاص نے اپنی عزیز جانوں کو اپنے مرشد پر بھینٹ چڑھا دینے کے لیے راضی کرلیا۔ پھر کیا تھا۔ ہزاروں جانیں فدا کردی گئیں اور لاکھوں سر چڑھا دیے گئے۔ اور فنافی الشیخ کے اعزاز حاصل کرکے فنافی اللہ کے مدارج حاصل کیے گئے۔

بہرحال۔ قرامطہ۔ یا اِن سے پہلے یا اِنکے بعد۔ جن جن فرقوں نے سلطنت سے خلاف ورزی اختیار کی۔ اُن سب کی حالت یہی تھی۔ اور اُن کے تمام عروج و اقتدار کے یہی سامان تھے جو اوپر بیان کیے گئے۔ غرض اِنکے حالات کو ذیل کے مصرعہ کا خلاصہ تسلیم کرنا چاہیے ع کر رہائے تومار اکرد گستاخ۔ فی الحال اِنکے رنگ برنگ اور طور بطور دیکھکر سلطنت نے بھی اُنکی طرف کان کھڑے کیے۔ اور اِنکی حرکات کو نظامِ مُلکی کے انہدام کا باعث سمجھکر اِنکے پورے استیصال کی فکر کی۔ وہ عظمت و جلال اور شوکت و اقبال جو سلطنت کی قدردانی اور مہربانی کی وجہ سے اِن لوگوں کو حاصل تھا تھوڑے ہی عرصہ میں ذلت و حقارت سے متغیر اور مبتدل کردیا گیا۔ جب سلطنت کی نظر پھر گئی تو قاعدہ کی بات ہے۔ عام مرجوعہ میں بھی کمی آگئی۔ مگر اِس کمی کا زیادہ تر باعث اِنکی شریعت سے خلاف ورزی تھی۔ انہوں نے سلطنت اور حکومت سے تو سرتابی اختیار کی ہی تھی۔ اُس کے ساتھ ہی ساتھ یہ قیامت بھی کردی کہ شریعت سے روگردانی اختیار کرکے اپنے وہم و قیاس سے اپنے عقائد میں نئی نئی قسم کے اصول پیدا کردیے۔ اور اسلام کے سچے اصول میں اپنی قیاسی اور بیجا تاویلوں کو داخل کرکے طرح طرح کے مخترعات قائم کیے۔ اور اِنکے اثبات میں نصوصِ الٰہی اور احکامِ حضرت رسالت پناہی صلواعلیہ وآلہ کے مفہوم کو غلط کرکے پیش کیا جسے وہ خود اپنے خودغرضانہ فہم و شعور کے مطابق صحیح اور درست سمجھتے تھے۔ قرامطہ سے اہلِ اسلام کی عام ناراضی کا یہی باعث ہوا اور اِسی وجہ سے اُنکے عام میلان اور رُجحان میں بہت بڑا فرق اور بہت بڑی کمی واقع ہوگئی۔ جو روز بروز اُن کے جملہ امور میں ضعف و اضمحلال پیدا کرتی گئی۔

دوسرے درویشوں کے حالات

بہرحال۔ اُس زمانہ میں جس کے حالات اِس وقت لکھے جارہے ہیں قرامطہ کے ایسے اور دیگر فرقے بھی اپنے اپنے مقام پر اپنی اپنی کوششوں میں اپنی اپنی پوری سرگرمی سے کام لے رہے تھے۔ اور جنیدیہ۔ رفاعیہ۔ جیبیہ۔ ادہمیہ اور حلاجیہ فرقہ کے مختلف لوگ متعدد بلادِ اسلامیہ میں اپنے اپنے آثار پھیلارہے تھے۔ اور تمام دنیا کو اپنے طریقہ کے مختلف اصول بتلارہے تھے۔ اور محدود فہم و شعور والے لوگوں کو جنکی تعداد عموماً کثرت سے موجود تھی علمِ اشراق کے عجائب وغرائب دکھلا دکھلا کر اپنے کشف و کرامات کا قائل اور گرویدہ بنارہے تھے۔ اِس میں شک نہیں ہے کہ اِن لوگوں نے اپنی امیدوں سے کہیں زیادہ اپنے امور میں فروغ پایا۔ اور اپنی شہرت و عظمت کو اوج و ترقی کے انتہائی مرکز تک پہنچایا۔ اور ان کے معتقدین اور متبعین نے اُن کے محامد و اوصاف اور فضائل و مناقب کو صفات اُلوہیت کے غایت درجہ تک بڑھایا۔ کارنامے کے کارنامے دفتر کے دفتر ان کے حالات میں سیاہ کرڈالے۔ ہزاروں لاکھوں تالیفات و تصنیفات انکے معجزات اور کشف و کرامات میں لکھکر بلادِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں شائع کردیں۔ جو اس وقت تک بھی موجود ہیں۔ ہمکو ان فرقوں کے حالات اس وقت لکھنے منظور نہیں ہیں اور نہ ہمارا موجودہ مدعائے تالیفی ہم کو اسکے لیے مجبور کرتا ہے۔ مگر چونکہ اِن فرقوں کا نام آگیا ہے اور جستہ جستہ حالات بیان ہوچکے ہیں اس لیے مشتے نمونہ اگر کچھ اور تفصیل کردی جائیگی تو چنداں بیجا اور غیر ضروری نہیں کہلائیگی۔ اِن میں سب سے پہلے قرامطہ کے رئیس طائفہ ابوسعید جبائی۔ جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے کسی اسلامی تاریخ یا صوفی تذکرے سے نہیں بلکہ مسٹر جان۔ پی۔ براؤن صاحب سفیرِ مملکتِ امریکہ مقیمِ دارالسلطنتِ قسطنطنیہ کی کتاب درویشز (اسلامی فقراء) سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ قابل مؤلف نے یہ کتاب ۱۸۶۸ء عیسوی میں فرقہائے درویش کے حالات میں قسطنطنیہ میں شروع ۱۸۶۹ء میں تالیف فرمائی تھی۔ اور مطبع اودھ اخبار کے ذی لیاقت پروپرائیٹر نے ۱۸۸۸ء میں بزبانِ اُردو ترجمہ کرکے اُسکو کشافِ اسرار المشائخ کے نام سے شائع کیا ہے۔ کتاب مذکور میں بذیلِ تذکرۂ ابوسعید جبائی یہ عبارت مرقوم ہے۔

ابوسعید جبائی

ایک مرتبہ ابوسعید جبائی جب گردونواحِ دمشق میں لکڑیاں چن رہا تھا اُسنے تین بڑے بڑے سانپ دیکھے اور اُنپر کچھ اسم پڑھکر پھونکے۔ پھر بلا تامل اُن تینوں سانپوں کو زندہ پکڑلیا اور اُنکی رسی بنا کر اپنی لکڑیوں کے گٹھے باندھ لیے اور چلتا ہوا۔ اُسکے معتقدین کا یہ دعوےٰ ہے کہ اِس واردات کے وقوع کے باعث اِس فرقہ کے تمام شیخوں اور درویشوں میں یہ صفت پیدا ہوگئی ہے کہ وہ سانپوں کو تلاش کرتے ہیں اور بعض وقت اُن کو کھا بھی جاتے ہیں اور اِن تمام عملیات سے اُن کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ ک ش ف صفحہ ۲۶۷۔

فرقۂ رفاعیہ

انہی کے ایسے فرقۂ رفاعیہ کے مرشد و موجد کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ ایک دن احمد رفاعی نے جو اِس فرقہ کے مرشد بتلائے جاتے ہیں اور شیخ عبد القادر گیلانی کے بھانجے ہوتے ہیں اپنی حالتِ دیوانگی (جذب) میں اپنی دونوں ٹانگیں جلتے کوئلوں کے برتن میں ڈالدیں۔ جب اِس واقعہ کی خبر شیخ عبد القادر گیلانی کو معلوم ہوئی تو اُنہوں نے اُنکے اُس مقامِ سوختہ پر کچھ دم کر دیا اور اپنا لعابِ دہن لگا دیا۔ اِس عمل کے کرتے ہی اُنکی تمام تکلیف دور ہو گئی اور جلنے کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اِس گروہ کے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ اِس فرقہ کے بانی کو یہ عمل اور کرتب خدا کی طرف سے حاصل ہوا تھا اور اُسنے اپنی وفات کے بعد اسکو اپنے جانشینوں کو بتلایا۔ اِسی وجہ سے وہ اُن تیز اور نوکدار آلات اور گرم اور سرخ دہکتے ہوئے لوہے اور ان کے مثل اور دیگر اشیاء کو اپنے جذب کی حالتوں میں بلا مضرت اُٹھا لیتے ہیں۔ کشّاف صفحہ ۲۶۹۔

بہرحال۔ اِن دونوں واقعات سے قرامطہ اور رفاعیہ کے مرشدوں کے کشف و کرامات اور معجزات کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ انہی کے ایسے سینکڑوں فرقے ہیں جنکی بہت بہت سی بیرون از قیاس اور خلافِ عقل باتیں مشہور کیجاتی ہیں اور اِن سب سے بڑھکر فرقۂ قادریہ کے مرشد شیخ عبد القادر گیلانی کی معجز نمائی اور مشکل کشائی اور فرقۂ اویسیّہ کے مرشد احمد ابنِ حمیر اویسی کے اعجاز اور فرقۂ جنیدیّہ کے مرشد شیخ جنید بغدادی کے مکاشفات اور فرقۂ حبیبیّہ کے مرشد حبیب عجمی کے مشاہدات اور فرقۂ نظامیّہ کے مرشد بایزید بسطامی کی کرامات اور فرقۂ حلّاجیہ کے مرشد حسین ابنِ منصور حلّاج کے معجزات ایک سے لاکھوں تک بتلائے جاتے ہیں۔ جنکا ذکر ہمارے موجودہ مدعائے تالیف سے بالکل زائد معلوم ہوتا ہے۔ اِس مقام پر اِن لوگوں کے نام لکھدینے سے جو میرا مقصود تھا وہ یہی ثابت کرنا تھا کہ اُس زمانہ میں درویشوں کے کثیر التّعداد فرقے ممالکِ اسلامیہ عراق۔ حجاز۔ یمن۔ مصر۔ شام اور ایران میں چاروں طرف ہندوستان اور چین کے باشندوں کی طرح درویش پرستی کے نئے نئے اصول اور اوہام پرستی کے انواع و اقسام کے قوانین پھیلا رہے تھے اور اسکے ساتھ جیسی جیسی قوت پاتے جاتے تھے حکومت اور سلطنت کے خلاف میں اپنے تصرف اور دستبرد کے ہاتھ بھی بڑھاتے جاتے تھے۔

صمنت

اِن تمام بیانات سے ہمارا اصلی مقصود صرف اِس امر کا دکھلانا تھا کہ عام طور سے شخصی مخالفت اور مخالف کے غلط اصول پر تمام دنیا کے غلط فہموں نے سمجھ لیا تھا کہ خلافتِ بغداد کے تنہا مخالف اور اکیلے دشمن سادات ہی ہیں اور کوئی دوسرا نہیں۔ یہ خیال ایسا معمولی نہیں تھا کہ صرف عام لوگوں کے دائرہ تک محدود رہتا مگر نہیں۔ جہانتک اِس غلط فہمی اور کوتہ اندیشی کی بابت تحقیق کیجاتی ہے۔ یہ بات پورے طور سے ثابت ہوتی ہے کہ مسلمین کی جاہل اور ناواقف قوموں پر کچھ موقوف نہیں ہے بلکہ اُس زمانہ سے لیکر اِس وقت تک کے بڑی بڑی ذی استعداد اور صاحبِ قابلیت سمجھے ہوئے ہیں کہ خلافتِ عباسیہ کو جو دقتیں اُٹھانی ہوئیں وہ انہی سادات کے ہاتھوں۔

اور انکے نظام حکومت اور احکام سیاست میں۔ جو کچھ بد نظمی اور اضمحلال اور طبقۂ رعایا میں بدامنی اور اختلال پیدا ہوا ہے وہ انہی حضرات سادات کی بدولت۔ اب وہی حضرات اِن مختلف فرقوں کی مخالفانہ حرکات و معاملات کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمالیں اور بتلادیں کہ قرامطہ اور حلاجیہ فرقہ کے لوگوں نے یا اِنکے ایسے دوسرے فرقہ والوں نے اِن سے پہلے یا اِن سے بعد سلطنت سے خلاف ورزی اور حکومت سے سرتابی کے متعلق کیا اُٹھا رکھا ہے۔ جیساکہ ابھی ابھی اکیلے ایک معتمد کے ایام سلطنت میں صاحب الزنج۔ قرامطہ اور صفاریوں۔ اِن تینوں فرقوں کی بغاوت کا اوپر ذکر ہوچکا ہے۔ اِن فرقہ والوں کو سادات سے کونسی خصوصیت اور تعلق ثابت کیا جائیگا۔ ایڈیٹر کرزن گزٹ نے کمال ناصبیت کے اظہار میں جہاں اور بہت سے ناصبانہ اور مخالفانہ دعوے کیے ہیں وہاں اپنی عالم فریبی کی خاص نیت سے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو غلط ثابت کرنے کے بعد اور باقیماندہ نو حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کو سلطنت کا باغی ثابت کرینگے۔

خدا اُن کو ہدایت نصیب کرے۔ میں نے اپنے موجودہ سلسلۂ تالیف سیرۃ اہلبیت کرام علیہم السلام کے اکثر مقامات پر ان بزرگواروں کی امن پسندی۔ سلامت روی اور نیک نفسی کے معاملات کو پورے اثبوت کے ساتھ دکھلا کر مرزا حیرت کے دعوائے زبانی اور صریح غلط بیانی کی پوری رد اور تنقید کر دی ہے۔ اب اِس مقام خاص پر ہم اُن سے پھر پوچھتے ہیں کہ وہ اپنی تاریخ دانی کے اعتماد پر مہربانی کرکے ہمکو بتلادیں کہ آیا خلافت بغداد کے مخالف اُس وقت کس قوم اور قبیلہ کے لوگ تھے۔ کیا فرقۂ قرامطہ۔ رفاعیہ۔ حلاجیہ۔ صاحب الزنج اور صفاریہ وغیر امثالہم سادات تھے اور بنی فاطمہ (سلام اللہ علیہا) یا ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مطیع و منقاد۔ یا اُنکے طریقہ پر چلنے والے۔ اُنکی پوری معرفت اور خالص عقیدت رکھنے والے تھے۔ کیا اِن لوگوں کی موجودہ حرکات۔ سرتابی۔ سرکشی اور بغاوت سے تعبیر نہیں کیجائینگی۔ اور کیا انکی موجودہ روش اور رفتار سلطنت کی مخالف نہیں کہلائیگی۔ پھر اتنے واقعات موجودہ کے مقابلہ میں فرقۂ سادات کو سلطنت اور حکومت کا تنہا مخالف ٹھیرانا انصاف و دیانت کا مقتضا اور شعار نہیں ہوسکتا۔ اور ایسی صریح غلط بیانی اور دریدہ زبانی کے اقدام پر سوائے فرقہائے منافق اور نواصب کے کوئی دوسرا جرأت نہیں کرسکتا۔

حضرات ائمۂ معصومین علیہم السلام کی امن پسندی پر مفصل بحث

جن لوگوں کو تاریخ و سیر کے مطالعہ سے خاص دلچسپی ہے وہ خوب واقف ہیں کہ جس زمانہ میں اِن فرقوں نے اپنے لباس درویشی میں سلطنت کی طرف اپنے لالچ کے ہاتھ بڑھائے اُس وقت تو غریب سادات کی قوتیں ٹوٹ چکی تھیں اور مظالم عباسیہ نے قریب قریب دنیا سے اُنکا نام ہی مٹا دیا تھا اور وہ شدائد و مصائب جو پوری تفصیل کے ساتھ اِس سے قبل نمبروں میں اور اجمال کے طور پر ابھی اوپر بیان ہوچکے ہیں اُنکی غریب جانوں پر اور اُنکے مال و متاع پر گزر چکے ہیں۔ اگر پوری تحقیق سے کام لیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ عموماً تمام

سادات۔ عام اِس سے کہ ساداتِ علوی ہوں یا حسینی۔ زیدی ہوں یا حسنی۔ جو ہوں۔ وہ اپنے تمام جائز حقوق کے واپس لینے کی کوششوں میں ہارون کے زمانہ سے لیکر متوکل کے ابتدائی ایامِ حکومت تک اپنی اور اپنے حریف کی جان ایک کر چکے تھے۔ اور اپنی آنکھوں سے اپنے رئیس خاندان اور حجتِ زمان سلام اللہ علیہم من رب المنان کی اُن مفید پیشین گوئی اور موعظت کے نتیجوں کو دیکھ چکے تھے جو اُنکی موجودہ قسمت آزمائیوں کے خلاف اور اُن کے موجودہ طرزِ عمل کے امتناع میں اُنکو ایک مرتبہ نہیں بلکہ متواتر اور بار بار پہنچائی گئی تھیں۔ اور ہر موقعہ پر۔ ہر مقام پر صحبت میں خلوت میں اور جلوت میں اُنکو بتلا دیا گیا تھا اور سمجھا دیا گیا تھا کہ نہ یہ زمانہ ہمارا زمانہ ہے اور نہ یہ خلافت ہماری خلافت ہے:-

ثبوت کے لیے دیکھو۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور مختار علیہ الرحمہ کو نصائح (صحیفۃ العابدین)

جنابِ امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کی موعظت (مآثر الباقریہ)

عبداللہ محض۔ محمد نفس زکیہ اور ابراہیم سے جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کی گفتگو (آثار جعفریہ)

عبداللہ ابن افطس اور محمد ابن اسمٰعیل اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مکالمے (علوم کاظمیہ)

ابراہیم۔ زید اور عباس وغیرہ سے جنابِ امام رضا علیہ السلام کی تقریر (تحفۂ رضویہ)

حسن ابن علی اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے معاملات (تحفۃ المتقین)

حسین ابن علی والی طبرستان اور جنابِ امام علی نقی علیہ السلام کے حالات (سیرۃ النقی)

جب اتنے متعدد واقعات اور متواتر حالات حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی بے سروکاری ثابت کر رہے ہیں تو پھر اُنکے مقابلہ میں عام سادات کے معاملات کی بابت اِن حضرات عالی درجات کی شرکت کا گمان کیسے گمانِ صحیح کہا جاسکتا ہے یا اُنکو بھی اِنکا رفیق سمجھا جاسکتا ہے۔

اِس میں شک نہیں کہ تمام سادات عزیز تھے۔ قریب تھے۔ ہم بطن تھے۔ اور ہم صلب۔ اور ہر طور سے صلۂ رحم ادا کیے جانے کے مستحق اور سزاوار۔ مگر یہ نکتہ بھی اِس مقام پر ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ حضرات سادات باوجود اتنی قرابت قریبہ کے حضراتِ ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین سے خروج بالسیف کے خاص مسئلہ میں برابر دور دور رہتے تھے اور باوجود متواتر ہدایتوں اور بار بار کی کوششوں کے جو اُنکو صلح پسندی اور امنِ عامہ کے متعلق کیجاتی تھیں۔ اِن بزرگواروں کی مطلق پیروی نہیں کرتے تھے۔ تو اگر لَوْ فَرَضْنَا اِن سادات نے سلطنت سے سرتابی یا سرکشی کی بھی تو اُنکے طرزِ عمل کے لیے یہ حضرات ملزم اور جوابدہ نہیں ہو سکتے۔ ہمکو اپنے موجودہ سلسلۂ تالیف میں جن حضرات کے حالات اور معاملات سے تعلق ہے وہ حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ ہمکو اُنکی نسبت تمام شکایتوں کے جواب دینے کا استحقاق ہے اور بس۔ مگر الحمد للہ ہم اپنے اِن فرائض کو نہایت استقلال اور پوری توضیح اور کامل تشریح کے ساتھ اپنے تمام نمبروں میں انجام دے چکے ہیں۔ یہاں اُنکے بارِ دیگر اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اِس لیے اگر سادات اِن امور میں عام طور سے مجرم ہی

ثابت ہوں تاہم اُنکے امور کے لیے عموماً جوابدہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہمکو تو صرف اُن حضرات کی عصمت سے بحث ہے جو از مہد تا لحد معصوم ثابت ہو چکے ہیں۔ اور اُنکی طہارت اور عصمت پر نصوص الٰہی و اخبارِ حضرت رسالت پناہی صلعم علیہ و آلہ شاہد موجود ہیں۔ نہ کہ اُن لوگوں سے جو کسی طرح معصوم اور محفوظ عن الخطا نہیں کہے جاتے۔ چونکہ بمقابلۂ حضراتِ ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے عموماً تمام سادات کی عصمت ثابت نہیں ہوتی۔ اس لیے اگر سادات نے اپنے استحصالِ حقوق کی کوشش میں ان حضرات کے مفید نصائح کو نہ مانا اور سلطنت سے خلاف ورزی اختیار کی تو اس سے ہمارے دعوے اور ہمارے مدعا میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ اگر معترض کے زعم باطل میں سادات من جمیع الوجوہ بر سر خطا تھے اور اُن سے اِن امور میں ضرور خطا واقع ہوئی تو کیا ہم اُنکو معصوم جانتے ہیں۔ محفوظ عن الخطا سمجھتے ہیں جو ایسی ایسی لغزشوں کا اُن سے ظہور میں آنا امرِ محال سمجھا جائے۔

ہم اوپر تسلیم کر آئے ہیں کہ سادات نے ایک مدت تک خلافت کے خلاف کوشش کی اور اپنے جائز حقوق کے واپس لینے میں جس کی تمنا اور جسکی خواہش قدرتی طور پر انسان کے دل میں ودیعت ہوتی ہے ایک عرصہ تک قسمت آزمائی کرتے رہے۔ تاہم وہ اپنے اِن امور کے لیے کوئی سبب اور کوئی علت ضرور رکھتے تھے۔ وہی سبب اور وہی علت انکا استحقاق فی الامارۃ تھا جو اگر تحقیق اور انصاف کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو کسی طرح بیجا اور بے اصل نہیں کہا جا سکتا۔ اگر اُنکے دعوے جھوٹے اور اُنکی دعوت بے اصل ہوتی تو کبھی امام اعظم ابو حنیفہ کے ایسا قابل جنابِ زید رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیتا۔ اور ہشام ابن عبد الملک کے عوض اِنسے بیعت نہ کرتا۔ اور اِسی طرح حجاز۔ یمن اور حضرموت کے اہلِ اسلام منصورِ دوانقی کے ہوتے نفسِ زکیہ کی رفاقت اور عراق۔ الجزائر اور ساحلِ عرب کی مسلمان قومیں نفسِ زکیہ کے بھائی ابراہیم کی اطاعت نہ اختیار کریں۔ یہ اُنکے وہی جائز استحقاق تھے جنہوں نے خلافت کی سطوت اور سیاست کے تمام خوف و دہشت کو اُنکے دلوں سے یکبارگی نکالکر ان تمام لوگوں کو سادات کی فرمانبرداری اور جاں نثاری پر آمادہ اور تیار رہنا دیا۔ سادات کے معاملات میں تو یہ تلافیٔ مافات پیش بھی کیجا سکتی ہے۔ مگر بخلاف اِنکے ہمیں کسی طرح یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اِن فرقہائے درویش کی سرتابی اور بغاوت کے لیے کیا عذر پیش کیے جائینگے اور انکے کونسے اصلی اور حقیقی باعث بتلائے جائینگے۔ واقعاتِ تاریخی تو ان معاملات میں اِس فرقہ کی سلطنت کے ساتھ صریح کفرانِ نعمت اور محسن کُشی ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ جب ہم انکے اور سادات کے معاملات کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اِن دونوں فرقوں کے لوگوں میں اگر اختلافِ سلطنت کی وجہ سے مساوات بھی قائم کیجائے اور سرتابی اور عام بغاوت کے جُرم میں دونوں یکساں خیال کیے جائیں تاہم سادات کی مخالفت سے درویشوں کی بغاوت کا پلّہ کہیں بھاری رہتا ہے۔ کیونکہ سادات کے سروں پر سلطنت کا کوئی احسان قائم نہیں تھا بلکہ یہ فرقہ تو وہ تھا جس کو سلطنت نے ہمیشہ تنفر کی خاص نگاہوں سے دیکھا

اور ہمیشہ ذلیل وخوار رکھا۔ اُنکی رعایت ہمدردی اور اعانت کو بہت بڑا جُرم قرار دیا۔ اگر بمقابلہ اِن امور کے سادات سے جواباً مخالفت کے امور ظاہر ہوئے تو کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی۔ بلکہ روزانہ مشاہدات سے یہ امور تو ایک دوسرے کی مخالفت اور مخاصمت کے عام اور فطرتی نتائج ثابت کرتے ہیں۔ مگر بخلاف سادات کے درویشوں کا تو وہ فرقہ تھا جس نے دنیا کی وسیع آرامگاہ میں اپنے وجود کے روزِ مراحم خسروانی کے زیرسایہ رہکر اس دم تک ہمیشہ پرورش اور برابر آسائش پائی تھی اور آج تک آغوش سلطنت میں ہزاروں الوانِ نعمت۔ انواع واقسام کے اسبابِ راحت اور سامانِ عیش وعشرت کے ساتھ نشو ونما پاکر عروج کی راتیں اور ترقی کے دن دیکھے تھے۔ یہ وہی فرقہ تھا اور وہی طائفہ جس کو سلطنت نے حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کا مدِ مقابل بنایا تھا۔ اور تمام روحانی برکات اور جسمانی اور اخلاقی اوصاف میں اِن لوگوں کو اُن حضرات کا مساوی اور ہمسر ٹھہرایا تھا۔ اور اپنی خودغرضی کی خاص بنا پر اِن کو تمام دنیا میں عظمت وجلالت کے اُس انتہائی درجہ پر پہنچایا تھا جس سے زیادہ رفعت اور قدر ومنزلت کا گمان نہیں کیا جاسکتا تھا

بہرحال۔ فرقۂ درویش اور خرقۂ تصوف کے تمام حضرات اپنی ابتدا سے لیکر انتہا تک سلطنت کے زیر بارِ احسان تھے۔ اور اُنکی ابتدائی خاموشی اور ظاہری سادگی سے کبھی ایسے خلاف امور کا سرزد ہونا کسی کے بھی خیال اور قیاس میں نہیں آسکتا تھا۔ لیکن ع خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ انہوں نے بھی اپنی نفسانیت اور طمع دولت کے پنجہ میں گرفتار ہوکر اس وقت سلطنت سے مخالفت اختیار کی۔ اور پھر ایسی کہ اُنکے نظامِ حکومت کو بالکلیہ درہم وبرہم کرڈالا۔ اور مُلک ورعایا میں وہ بدامنی اور بےچینی پھیلائی کہ سلطنت کو اُنکے استیصال کے بغیر کوئی دوسری تدبیر وترکیب اِن شکایتوں کے رفع کرنے کے لیے نہیں معلوم ہوئی۔ جیساکہ واقعاتِ تاریخی سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو ایسی حالت میں دونوں فریق کے فرق و مابہ الامتیاز کو معلوم کرکے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہو کہ سادات کی مخالفت پر جو سلطنت کی خلاف ظہور میں آئی وہ کسی طرح خلافِ عادت اور بے وجہ نہیں ثابت ہوتی۔ بخلاف انکے درویشوں کی مخاصمت جو سلطنت کے ساتھ ظہور میں آئی وہ بالکل خلافِ مروّت۔ سراپا ظلم وشقاوت۔ محسن کشی۔ کفرانِ نعمت اور خارج از انسانیت ثابت ہوتی ہے۔ اور سیاسی جُرم ثابت ہونیکے علاوہ خاص طور پر یہ امور ناقابلِ اصلاح اخلاقی اور روحانی معائب معلوم ہوتے ہیں جن کی تلافی اور معافی کے لیے کوئی عذر پیش نہیں کیا جاسکتا۔

بہرحال۔ سادات کے حقوق کی خواستگاری تو بغاوت سے تعبیر کیجاتی ہے۔ اب اِن فرقوں کی سرکشی۔ سرتابی اور مخالفت کیا کہا جائیگا۔ اتنا لکھکر ہم اپنے موجودہ مضمون کو تمام کرتے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ ہمارے اِس بیان میں معمول سے زیادہ طول ہوگیا ہے۔ مگر چونکہ قیاسات اور خودغرضی کی وجہ سے سادات اور فرقۂ درویشان میں باہم مساوات کا ایک غلط خیال پیدا کیا جاتا ہے۔ اور

دونوں کو ہموزن اور مقابل بتلایا جاتا ہے اِس لیے اسکی تنقید و رد بھی ہمارے لیے نہایت ضروری اور لازم تھی۔ اور یہی ہماری موجودہ طوالت کا باعث تھا۔ مگر ابھی اِن تمام امور کے بعد بھی ہمیں اِن کے متعلق ایک امر کی تصریح و تنقیح ضروری باقی ہے جو ذیل کے مضامین میں بیان کیجاتی ہے۔ وہو ہذا۔

حضرات ائمۂ طاہرین علیہم السّلام سے فرقہائے درویشان کی ارادت

واقعات و حالاتِ تاریخی سے جہاں تک لکھے جاتے ہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ باوجود اتنی مخالفت اور مخاصمت کے بھی اِن فرقوں نے دنیا کے رجوع کرنے اور اپنی طرف بُلا لینے کی ضرورت سے آخرکار اپنے آپ کو اُنہی حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے فیضانِ تعلیم اور چشمۂ ہدایت سے فیضیاب و سیراب بتلایا ہے۔ اور اپنے تمام امور میں اُنہی حضرات کو اپنا مقتدا و پیشوا تسلیم کیا ہے۔ اور اپنے جملہ مکاشفات و خرقِ عادات میں اُن کی ذاتِ بابرکات کو اپنی نجات کا ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہم اِس کے متعلق اِن تمام فرقوں کے اصول کو حضرت امیر المؤمنین علیہ السّلام کی ذاتِ بابرکات سے مروی اور ماخوذ اُنہی لوگوں کے اقوال اور کلام سے کتابِ سراج المبین حصّۂ اوّل میں ثابت کر چکے ہیں۔ اِس لیے اُن تمام باتوں کے اعادہ کی پھر کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اپنے ناظرین کے مزید اطمینان کے لیے اور نیز اپنے اوپر کے دعوے کی تصدیق کی ضرورت سے اِس مقام پر ہم صرف ان درویشوں کے دو فرقوں کے عقائد اور اُنکے عملیات کا نہایت مختصر خلاصہ ذیل میں اُسی یوروپین مؤلّف کی تحقیقات سے درج کرتے ہیں۔

مؤلّفِ مذکور۔ روم کے مشہور و معروف فرقۂ درویشی **بک تاشی** کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اُس فرقہ کے لوگ اپنے شیخ کی خدمت میں اپنی خطا اور گناہ بخشوانیکے وقت جن الفاظ میں اپنے قصور اور گناہ کی معافی مانگتے ہیں۔ وہ یہ الفاظ ہیں۔ "اے شیخ! مجھ سے بیشک خطا ضرور ہوئی۔ جنابِ علی مرتضٰے علیہ السّلام کے واسطے میری خطا معاف کر۔ اور حضرت شہیدِ کربلا علیہ التحیّۃ والثنا کے لیے میرے گناہ بخشدے"۔ **کلاہ درویشی** عنایت ہونیکے وقت ایک مُرید کو یہ الفاظ کہنے ہوتے ہیں۔ "میں اِس کو جو علامت اور نشانی ہے قنبرؓ غلام علیِ عالی علیہ السّلام کی اور خادمانِ خاندانِ امام رضا علیہ السّلام کی۔ لیتا ہوں۔ اور آپ مجھے اِس کلاہِ مقدّس کے پہننے کی اجازت عنایت فرمائیں"۔ جس وقت ایک مُرید کان میں اپنے شیخ کی اطاعت کا حلقہ (**حلقہ**) پہنتا ہے تو یہ الفاظ کہتا ہے۔ "یہ حلقہ حقیقت میں اوج و ترقی کا نشان ہے اور بہشتی لوگوں کی خاص علامت ہے۔ یہ عطیہ ہے سرکار سیّد الشہدا جنابِ امام حسین علیہ السلام کا۔ خدا کی لعنت ہو یزید پر"۔ جس وقت مرید خانقاہ میں چراغ (**چراغ**) روشن کرتا ہے تو اس عبارت کو دعا کے طور پر پڑھتا ہے۔ "ہم نے اس چراغ کو جلایا ہے۔ اور یہ چراغ تمام درویشوں کے عشقِ الٰہی کے متعلق فخر ہے۔ مالکانِ دارین کا محبوب ہے۔ اور جمیع پیغمبران علیہم السّلام کا عطیہ ہے۔ اور وہ تمام لوگ اُس بزرگ کے محبوب ہیں جو حوضِ کوثر سے پانی دیگا۔ علی علیہ السّلام برگزیدہ اور مقبولِ خدا ہیں۔ اور حضرت خدیجہ جو تمام عورتوں سے بہتر ہیں۔ ہمیر پیر کے

بارہ[12] دل ہیں۔ اور سرداران اولیا فرزندان علی حسن اور حسین علیہم السّلام ہیں۔ الٰہی بحرمتِ چہاردہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین۔ اور قسم اور واسطہ اُنہی کا مجھکو حُسن پیغمبرؐ کا اور کمالات علی علیہما السّلام کی عنایت فرما۔"

اِن عبارتوں سے ہمارے اوپر کے دعوے کی پورے طور پر تصدیق و توثیق ہوجاتی ہے۔ اور جو تعلّق اور خصوصیت۔ خلوص و عقیدت۔ اگرچہ وہ کیساہی زبانی اور ظاہری اور مصنوعی ہی کیوں نہو۔ انکو حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ حاصل تھا وہ پورے طور سے ظاہر ہوتا ہے۔ اب اِسکے بعد ہمکو یہ امر بھی دکھلانا نہایت ہی ضروری ہے کہ جناب قائمِ آل محمد علیہ السّلام کے خاص وجود کے متعلّق اِنکے عقائد کیا ہیں۔ کیونکہ ہماری موجودہ کتاب کا اصلی مدعا یہی ہے۔ چنانچہ یوروپین مؤلف اپنی اُسی کتاب کے صفحہ ۱۰۵ میں تحریر کرتا ہے۔

جناب امام آخرالزمان علیہ السّلام کی نسبت درویشوں کے عقائد

اِس فرقہ کے لوگ بالتخصیص اِس بات کے قائل ہیں کہ "حضرت امام مہدی علیہ السّلام فوائدِ مؤمنین کے لیے پھر روئے زمین پر آئینگے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السّلام عجیب طور سے ایک غارِ کوہ میں غائب اور ناپید ہوگئے۔ اور وہ مع حضرت عیسےٰ علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام کے اِس لیے پھر وجود میں آئینگے کہ دشمنانِ دینِ مسیحی کو نیست و نابود کرکے مذہب عیسائی اور اسلام کو متفق اور ایک کردیں۔"

پھر اُسی کتاب کے صفحہ ۱۹۱ میں قلمبند ہے۔ "حضرت امام مہدی علیہ السّلام امامِ دوازدہم[12] ۱۵ شعبان ۲۶۶؁ ہجری کو عجیب طور سے بمقامِ سامرہ (سرمن رائے) غائب ہوگئے۔ اُس مقام پر ایک غار ہے جہاں سے کہا جاتا ہے کہ وہ پھر ظاہر ہونگے۔ تمام درویشوں اور تمام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ ضرور پیدا ہونگے اور پردۂ زمین پر بطورِ بادشاہ سلطنت و حکومت فرمائینگے۔ دوازدہ[12] امام علیہم السّلام از اوّل تا دوازدہم[12]۔ تمام۔ جناب امام حسین علیہ السلام کے فرزند تھے[1]۔ حضرت امام حسن علیہ السّلام کے بھی کئی لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ حضرات حسنین علیہما السّلام کی ذرّیات جو قتل سے محفوظ رہی اُنہی کی اولاد سے سیّد نکلے۔"

پھر اُسی کتاب کے صفحہ ۱۱۳ میں مندرج ہے کہ "فرقۂ بکتاشی مقیم قسطنطنیہ کے درویش حضرت قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کو حضرت کبرٰے کے خاص لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اور آپ کا نام لینے میں خاص طور پر آداب و عقیدت کا لحاظ رکھتے ہیں۔"

لائق مؤلف نے اپنی کتاب کے اخیر حصّہ میں صفحہ ۴۴۷ سے لیکر ۴۷۳ تک ایک جداگانہ باب جنابِ امیر المؤمنین علی ابنِ ابیطالب علیہ السّلام کے حالات اور فضائل و مناقب میں خاص طور پر لکھا ہے۔ اُس میں آپ کے حالات روزِ ولادت سے لیکر یومِ وفات تک تفصیل و تشریح کی ایک خاص حد تک لکھے ہیں۔ لائق محقق نے یہ حالات خود قلمبند نہیں کیے ہیں۔ بلکہ شیخ الاسلام قسطنطنیہ مولانا شمس الدین سوئیزی کی جانب

---

[1] یہ یوروپین تحقیقات کا نتیجہ ہے ۱۲

اور مانع کتاب **اصحاب اربعہ** کے بابِ رابع سے ترجمہ فرمائے ہیں۔ چونکہ اِن حالات کو ہمارے موجودہ مدعائے تالیفی سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا اِس لیے ہم نے اُن کا قلمبند کرنا طوالت اور نیز ناظرین کی برخاستگیٔ طبیعت کا باعث سمجھا اور اُن کو قطعی طور پر مرفوع القلم کر دیا۔

بہرحال۔ اِتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ درویشوں کے حالات اور اُنکے عقائد وغیرہ کے بیان کرنے سے جو کچھ ہمارا مدعا تھا وہ یہی کہ باوجودیکہ حضرت ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے تمام آثارِ اقتدار مٹا دینے میں اور اُنکے فضائل و مناقب اور مدارج و مراتب گھٹا دینے میں سلطنت کی طرف سے فرقۂ درویش کے پیدا کرنے اور اُن کا مقابل و مماثل بنانے میں کیسی کوشش کیگئی اور اِس خاص ضرورت کے اعتبار سے برابر اور ہمیشہ انکی پوری رعایت۔ حمایت اور اعانت عمل میں لائی گئی۔ جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے مگر با اینہمہ اِن حضرات کو آخر میں اُنہی ذواتِ عالیہ اور انفاسِ مطہرہ کا دامن تھامنا پڑا اور اُنہی کو اپنے دین و دنیا کے تمام مقاصد و مطالب کا ذریعہ اور وسیلہ بنانا اور اُنہی کو درگاہِ الٰہی میں اپنی مغفرت و نجات کا باعث ٹھہرانا پڑا جیساکہ اُنکے عقائد کی تفصیل میں ابھی ابھی پورے طور سے اوپر قلمبند ہو چکا ہے۔

معتضد باللہ اور جنابِ قائمِ آلِ محمدؐ کے ساتھ مخالفانہ برتاؤ

اب ہم فقراء کے حالات کو تمام و کمال خاتمہ تک پہنچا کر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اور معتضد باللہ کے ایامِ سلطنت میں حضرت قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کی گرفتاری اور قتل و ہلاکت کی مخالفانہ کوششوں کے متعلق جو کچھ عمل میں لایا گیا وہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

بہرحال۔ باوجود اِس کے کہ معتضد نے اپنے ایامِ سلطنت کے آغاز میں اپنے آپ کو حقوقِ اہلبیتِ کرام علیہم السلام کا ہمدرد و مؤید اور جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کا معتقد اور عموماً تمام ساداتِ عظام کے ہی خواہ ہونیکا دعوے کیا تھا۔ اور جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ تھوڑے دنوں تک وہ اپنے اِن ظاہری اور زبانی جمع خرچ پر عمل بھی کرتا رہا۔ اِس لیے معتمد کے شدائد اور مظالم کے بعد چھ برس تک شیعہ گروہ کے امور میں تھوڑی بہت اطمینانی حالت ضرور پیدا ہو گئی تھی۔ اور اِسی باعث سے جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام نے اپنے اوّل سفر کے بعد پھر سر من رائے مقدس کی طرف توجہ فرمائی۔

معتضد نے جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے ساتھ اپنے حسنِ عقیدت اور آپکے ارشاد و ہدایت کو خصوصیت کے ساتھ دو مختلف طریقوں میں بیان کیا تھا۔ اُن میں سے پہلی نقل یہ ہے کہ وہ بیان کرتا ہے کہ خلافت ملنے اور خلیفہ ہونے سے پہلے میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ دریائے دجلہ کے کنارے ایک مقدس بزرگ بیٹھے ہیں۔ جب وہ اپنا دستِ مبارک دریا کی طرف بڑھاتے ہیں تو دریا کا تمام پانی آپ کی مٹھی میں آجاتا ہے اور ایک لحظہ کے بعد جب مٹھی کھولتے ہیں تو دریا کا پانی پھر اپنی سابق حالت پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ دیکھکر مجھے سخت تعجب ہوا۔ آخرِ کار میں نے اُس مردِ مقدس سے پوچھا کہ آپ کون بزرگ ہیں؟ اُنہوں نے

فرمایا کہ کیا تم مجھے نہیں پہچانتے ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ میں آپکو نہیں جانتا ہوں۔ اُنہوں نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے معتضد! میں علی ابن ابیطالب (علیہما السّلام) ہوں۔ جب امرِ خلافت تمہارے سپرد ہو تو تم میری ذرّیت و اولاد کے ساتھ بھلائی کرنا۔ اور اُن کے ساتھ خُلق و مروّت سے پیش آنا۔

اِس خواب کا معتضد کے دل پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ اُس کو خلافت ملتے ہی اُسنے اِس خواب پر اپنا طرزِ عمل پورا شروع کیا۔ اور سادات کے ساتھ رفق و مدارا قائم کی۔ اُن کی گرفتاری اور دل آزاری کے تمام احکام اُٹھوا دیے اور اُنکو سابق سے زیادہ اپنے جملہ امور میں آزاد کر دیا۔ چنانچہ رعایتِ سادات کے متعلق معتضد کا یہ طرزِ سلوک ہمارے بیان کا کافی ثبوت دیتا ہے۔ و ہو ہذا۔

حکامِ طبرستان میں ایک صاحب نے جن کا نام محمد ابنِ زید العلوی تھا اپنی یہ عادت قائم کر لی تھی کہ وہ ہر سال تیس ۳۰ ہزار دینار بغداد کے ایک مشہور و معتبر تاجر کے پاس اِس غرض سے بھیجا کرتے تھے کہ وہ اِس تمام و کمال رقم کو اُنکی طرف سے گرد و نواح کے غریب سادات پر تقسیم کر دے۔ ایک بار بغداد کے کوتوال کو اُسکی اِس رقمِ مرسلہ کی خبر لگی تو اُس نے معتمد کے قدیم فرمان اور حکمِ عام کے مطابق اُس رقم کو عین راستہ ہی سے ضبط کر کے معتضد کے پاس داخل کر دیا۔ اور حقیقتِ حال بے کم و کاست اُس سے عرض کر دی۔ معتضد نے اُسکی امید و مدعا کے خلاف اُس رقمِ ضبط کردہ کی واپسی کا فوراً حکم دیا۔ اور اِسکے بعد وہ تمام مال و متاع سادات پر تقسیم کر دیا۔

ارکینِ دولت اور کوتوالِ دار الخلافت نے خصوصاً جب اِس تغیرِ احکام کی وجہ دریافت کی تو معتضد نے اُن کے جواب میں اپنا دوسرا خواب اِس طرح بیان کیا کہ مجھے ایک شب عالمِ رؤیا میں یہ معلوم ہوا کہ جیسے میں کہیں جا رہا ہوں۔ ناگاہ میں ایک پُل پر گیا تو دیکھا کہ ایک آدمی اُس پُل پر راہ روکے ہوئے نماز پڑھ رہا ہے۔ میرے دل میں یہ خیال ہوا کہ اِس شخص کی نیّت اِس طرح نماز پڑھنے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اِس پُل سے آنے جانیوالوں کی راہ بند کر دی جائے۔ میں اپنے دل میں یہ سوچتا تھا کہ اُس شخص نے اپنی نماز تمام کی۔ میں فوراً اِس کا سبب دریافت کرنیکے لیے اُس کے قریب پہنچا اور اُس کو سلام کیا۔ اُسنے ایک بیلچہ مجھے عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ اِس سے زمین پر تین ضربیں مارو۔ میں نے اُسکے ارشاد کے مطابق اُس جگہ تین ضربیں لگائیں۔ اِسی اثنا میں اُس بزرگ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں علی ابنِ ابیطالب (علیہ السّلام) ہوں۔ میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم جتنی ضربیں اِس بیلچہ سے زمین پر مارو گے تمہاری نسل میں سے اُتنے ہی خلیفہ اور فرمانروا اِس سلطنت میں گزرینگے۔ میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ تم اپنے عہدِ حکومت میں میری اولاد کے ساتھ ظلم اور بدسلوکی نہ کرنا۔ اور اپنے بعد اپنی اولاد و ذرّیات کو بھی اِن امور کے اتباع کے لیے خاص طور پر وصیت اور تاکید کرتے جانا۔ اتنا بیان فرما کر آپ نے مجھے اُس پُل سے گزر جانیکی اجازت دیدی اور راہ خالی فرما دی۔ روضۃ الصفا جلد سوم

اِس واقعہ سے پورے طور پر معلوم ہوگیا کہ معتضد اِس وقت سادات کی ہمدردی اور اشفاق کے معاملات میں کیسا مستعد اور آمادہ تھا مگر آگے چلکر ثابت ہوگیا کہ اُس کے یہ تمام وعدے وعید اور قول و قرار کوئی بھی اعتبار کے قابل نہیں تھے۔ بلکہ بخلاف اِن باتوں کے وہ بھی سادات کے ستانے اور امامِ زمانہ کے ہٹانے اور شمعِ ہدایت کے گُل کردینے میں ویسا ہی کوشاں اور ساعی تھا جیسے اُسکے قبل اُسکے اسلاف۔ معتضد نے اہلبیتِ کرام علیہم السّلام کی ظاہری عقیدت تو ضرور کی۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ تمام اسلامی تاریخوں میں درج ہے جو ہمارے بیان پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

۲۸۴ھ ہجری میں معتضد نے دار الخلافت کے تمام خطیبوں اور نقیبوں کو حکم عام دیدیا کہ وہ تمام مسجدوں اور منبروں پر معاویہ ابنِ ابوسفیان پر لعنت کیا کریں۔ وزیر نے اُس کے اِس حکم کے نفاذ سے اُس کو منع کیا اور یہ دلیل پیش کی کہ اِس حکم کے اعلان و نفاذ سے تمام ممالکِ محروسہ میں بدامنی اور انواع و اقسام کے فتنہ و فساد کے پھیل جانیکا قوی احتمال ہے۔ لیکن معتضد نے اُسکی اِس عرض پر توجہ نہیں کی اور حکم دیا کہ وہ کتاب جو مامون کے حکم سے اُسکے زمانۂ حکومت میں معاویہ ابنِ ابوسفیان کے معائب میں خاص طور پر تالیف کیگئی تھی نکالی جائے اور اُسکا خلاصہ کیا جائے اور وہی خلاصہ تمام ممالکِ محروسہ میں عام اشاعت کی غرض سے شائع کیا جائے۔ چنانچہ معتضد نے تھوڑے عرصہ میں اُس کتاب کا ایک معقول خلاصہ تیار کرایا۔

چونکہ اِس امر کا انتظام معتضد نے خاص طور پر اپنے ہی ہاتھ میں لیا تھا اِس لیے اُسکے موجودہ وزیر کو اُسکی تجویز و تدبیر میں مداخلت کی جرأت نہو سکی۔ مگر چونکہ وہ ذاتی طور پر ناصبیت اور عداوتِ اہلبیتِ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین میں سخت متعصب تھا اِس لیے اُس سے اِس امر میں خاموش بھی نہ رہا گیا۔ آپ تو خلیفہ کی خدمت میں کچھ نہ کہہ سکا مگر ہاں اُسنے دار الخلافت کے قاضی یوسف ابنِ یعقوب کو اپنا ہمکلام اور ہمزبان بنایا۔

قاضی یوسف اور معتضد کو فہمائش

وزیر کی تحریک و تاکید سے قاضی یوسف ایک دن معتضد کی خلوت میں حاضر ہوئے اور اُس سے کہنے لگے کہ اُس خلاصہ کے مشتہر کیے جانے سے بلادِ اسلامیہ کی تمام رعایا میں ایک سخت اشتعال اور جوش کے پیدا ہو جانیکا پورا اندیشہ ہے کیونکہ معاویہ کے خلاف سلطنت کے عقائد معلوم کرکے رعایا کے ہر طبقہ میں سخت انقلاب واقع ہوگا جو نظامِ مُلکی کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوگا۔

معتضد نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ جو شخص اِس امر میں مجھ سے خلاف ہوگا میں اُس کی مخالفت کو نوکِ شمشیر سے زائل کر دونگا۔ قاضی نے کہا کہ اچھا آپکی نوکِ شمشیر یا حُسنِ تدبیر بنی اُمیہ اور بہی خواہانِ بنی امیہ کی اصلاح سیاست کے آئین سے کریگی لیکن آلِ ابیطالب علیہ السّلام اور اُن کے

ہوا خواہوں کی طرف سے اطمینان و تشفی کے لیے کیا انتظام سوچا گیا ہے۔ جو ہر وقت و ہمہ دم خلافت کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔ جہانتک میں نے اِس معاملہ میں غور کیا ہے مجھے اِس بات کے مان لینے میں کوئی تامّل نہیں ہے کہ اُس کتاب کے مضامین میں جس کا خلاصہ تمام ممالک میں مشتہر کرایا جاتا ہے۔ اُس میں اگر بنی امیّہ کے معائب بھرے پڑے ہیں تو آلِ ابیطالب علیہ السّلام کے فضائل و مناقب بھی موجود ہیں۔ اور یہ بھی مشاہدات سے ثابت ہے کہ یہ قوم کی قوم ہمیشہ سلطنت کی مخالف بنی رہی۔ اس لیے سلطنت بھی برابر انکے آثار و اقتدار مٹاتی رہی۔ اب وہی سلطنت انکے ایسے مخالف قوم کے فضائل و مراتب کا تمام ممالکِ محروسہ میں اشتہار دیگی تو یہ اُلٹا دریا کسکو بہالیجائیگا۔ اور اسکا برعکس نتیجہ کیا قیامت دکھلائیگا۔ ایک تو دنیا کو اِن کے ساتھ جو عقیدت و خلوص ہے وہ ظاہر ہی ہے۔ اِس پر سلطنت کا یہ اعلان اور بھی اِن کے معاملات میں پورا اشتعال اور کامل استقلال پیدا کر دیگا۔ اور پھر اُن کے معتقدین اور متبعین کی مخالفانہ حرکات سے سلطنت کو جو صدمات اُٹھانے ہونگے اُن کا اندازہ کرنا اِس وقت سخت دشوار ہے۔ خیریت ہے کہ متوکّل اور معتمد کی متواتر کوششوں کے بعد اِن کے مفسدوں میں کچھ دنوں سے سکون اور کمی آ گئی ہے اور کچھ عرصہ سے انکی بغاوت کم ہو گئی مگر سلطنت کے موجودہ تجویزی اعلان سے اُن تمام بلاؤں کے عود کر آنے کا قوی اندیشہ ہے۔

الغرض قاضی صاحب نے معتضد کو اپنے طور پر خوب سمجھا دیا۔ اُنکی اِس مدبرانہ فہمائش نے معتضد کی تمام ظاہر داریوں کی کایا پلٹ کر دی اور معتضد بھی سلطنت کی حفاظت اور استحکام میں خلل پڑنیکے خوف سے جس کا پورا اور قوی احتمال قاضی صاحب نے اپنی تقریر میں ظاہر فرمایا تھا اپنے حواس میں نہ رہا۔ اور آخر کار وہ بالکلیّہ اپنے ظاہری خلوص و عقیدت کے اظہار سے دست بردار ہو کر اپنے اسلاف کے اُن قدیم طریقوں پر آ گیا جس اصول پر وہ سلطنت کے کام چلاتے تھے۔ وہ کیا تھے؟ استیصالِ ساداتِ عظام اور مخالفتِ اہلبیتِ کرام علیہم السّلام اور کچھ بھی نہیں۔

حقیقتِ امر یہ ہے کہ موجودہ معاملات میں معتضد نے قاضی صاحب سے اپنی وزارت کا پورا کام لیا۔ اور قاضی صاحب نے بھی مخالفتِ اہلبیت علیہم السّلام کے متعلق اپنے تعصب کے خوب خوب جوہر دکھلائے۔ معتضد کی طبیعت چونکہ اِن اجزاء سے فطرتی طور پر مترتب ہوئی تھی۔ اُس میں جو کچھ تغیّر اتفاقی طور پر واقع ہو گیا تھا۔ وہ صرف اُس کے اُن دونوں خوابوں کا اثر تھا۔ اور کچھ بھی نہیں۔ ورنہ حقیقۃً اِن امور میں معتضد بھی ویسا ہی تھا جیسا متوکّل اور معتمد۔ یا یوں سمجھ لینا چاہیے کہ مادّہ ہر طرح سے تیّار تھا۔ صرف ذرا سی اشتعال کی درکار تھی۔ وہ قاضی صاحب کی تقریر نے ضرورت سے زائد پیدا ہی کر دی تھی۔ اُس کے سُنتے ہی معتضد کی مخالفانہ حرکتوں میں ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اور آخر کار معتضد بھی اپنے اسلاف کے ایسا ساداتِ عظام کا دشمن نکلا جیسا کہ بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان سے ظاہر ہو گا۔

معتضد سے اِن امور کے ظاہر ہونے پر ہمکو کوئی حیرت اور استعجاب نہیں ہونا چاہیے بلکہ اِنکے نہونے سے البتہ متعجب ہونا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کے عام اصول کے مطابق کسی امر کا خلافِ فطرت واقع ہونا مشکل سے قبول کیا جاتا ہے۔ اِس لیے معتضد قاضی کی تقریر سے ڈر کر سادات کی مخالفت پر پھر آمادہ اور سرگرم ہو گیا۔ اور حفظانِ سلطنت کے قدیم اصول کے مطابق اُسنے اِن امور میں ساداتِ عظام کے ساتھ مخالفت اور شیعہ پبلک کے ساتھ شقاوت برتنے کو اپنا فرضِ منصبی سمجھ لیا۔ اور اُسی کے مطابق کام کرنے لگا۔ قرامطہ کے واقعات سے ابھی ابھی اُسکی طبیعت کا جُبن ثابت ہو چکا ہے۔ کہاں تو وہ قرامطہ کے پیچھے پڑا تھا۔ اور کہاں ابوسعید کی ذراسی دھمکی پر اُسکی صرف سے بالکل سناٹا کھینچ گیا۔ پھر ایسی بودی طبیعت والے آدمی میں اتنی جرأت کہاں کہ وہ قاضی صاحب کے اِن زبانی دعوؤں کی اصلیت کی کوئی تحقیق کرتا۔ یا غور سے کام لیتا۔ اُسکو تو جو سمجھا دیا گیا وہ سمجھ گیا۔ اور کورانہ تقلید کے اصول پر عمل کرنے لگا۔ اُسکی ذات سے بیدار مغزی اور آزادانہ کام کرنے کی جیسی کچھ امید کیجا سکتی تھی وہ اوپر کے واقعات بخوبی بتلا رہے ہیں اور اُسی کے ساتھ اُسکی تلوّن مزاجی۔ عدمِ استقلال اور خام طبعی کما حقہٗ ثابت ہو رہی ہے۔

قاضی صاحب کی تقریر نے معتضد کے قلب پر پوری تاثیر کی اور اُسنے قاضی کی ہدایت کے بموجب اپنے اُن احکام کو فوراً واپس لیا جو اُسنے اُس کتاب کی عام اشاعت کے متعلق نافذ کیے تھے۔ مگر با اینہمہ کیا وہ مضامین صفحۂ روزگار سے مِٹ گئے؟ اربابِ بصیرت پر روشن ہے کہ قاضی صاحب یا معتضد کی موجودہ کوششوں کے خلاف وہ کتاب یا اُسکا خلاصہ دفترِ عالم اور تاریخِ دنیا میں تا ایندم محفوظ و موجود ہے۔ اُن میں حقانیت تھی۔ وہ سچے تھے۔ اِس لیے وہ مٹنے والے نہیں تھے اور نہ مِٹے۔ بلکہ اِس وقت تک قائم اور موجود ہیں۔ اور انشاءاللہ المستعان تا قیامِ قیامت قائم اور برقرار رہینگے۔ چنانچہ اسلام کی تمام بڑی بڑی تاریخوں میں معتضد کے زمانہ کا وہ خلاصہ جو اُس کے حکم سے تیار کیا گیا تھا اور جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے بجنسہٖ مندرج ہے۔ ابوالفدا اور روضۃ الصفا نے صرف اِس حکم کو لکھتے ہوئے اُس کتابِ ماموِنی کے خلاصہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر تاریخِ مسعودی اور ابنِ اثیر نے اپنی اپنی تاریخوں میں اُسکی عبارت نقل کی ہے اور عالیجناب شیخ احمد حسین صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس پریانواں نے اپنی کتاب فضل المبین میں اِس خلاصہ کو ابنِ اثیر سے نقل کر کے اردو میں ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ جو اِس وقت ہندوستان کے نو کرور مسلمانوں میں تمام ذائع و شائع ہے۔ ہم اُسکی نقل کو اپنے مدعائے تالیفی سے بالکل زائد اور غیر ضروری سمجھکر قلم انداز کرتے ہیں۔ ناظرین معاف فرمائینگے۔

جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے ساتھ معتضد کی مخالفت

معتضد نے حضرت قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے ساتھ جو مخالفانہ کارروائیاں شروع کیں اور جس میں اُسنے اپنی بقیۂ عمر ہی تمام کر دی اور سوائے مخالفت و عداوت کے پھر کبھی اخلاص و عقیدت اور ہمدردی و

مروت کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ وہ آپکی سراغ رسانی اور قتل و گرفتاری تھی۔ مگر اس میں بھی اُسکو سوائے
پریشانی اور ذلت و پشیمانی کے اور کچھ بھی حاصل نہوا۔ اِس سے قبل معتمد کے حالات میں معلوم ہو چکا ہے کہ
وہ قوی دلائل اور معتبر مشاہد کی رو سے پورے طور پر آپکے وجودِ ذیجود کے مسئلہ کا قائل ہو چکا تھا۔ اور جعفر
کے جواب میں جو اُس نے کہا تھا اُس سے اُسکی معرفت ثابت ہوتی ہے۔ مگر وہی استحکامِ سلطنت اور
استحفاظِ مملکت کے غلط خیال اور قیاسی وہم و گمان کے باعث وہ ان کو ظاہر نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ
علمائے اہلسنت والجماعت تو ابھی کنارے ہیں۔ علمائے شیعہ رضوان اللہ علیہم نے وجودِ حضرت قائم آلِ عبا
علیہ التحیۃ والثناء کے متعلق اِسکے اعتراف کو قبول کیا ہے۔ چنانچہ جنابِ شیخ صدوق علیہ الرحمۃ والغفران
جعفر کی داستان لکھکر اپنی رائے یوں قائم فرماتے ہیں کہ اِس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ معتمد جناب صاحب الامر
علیہ السلام کے وجودِ ذیجود کا قائل ہو چکا تھا۔ اور آپ کے مراتب و مدارج سے بھی خوب واقف تھا۔
اور آپ کے نظامِ امامت کو بھی جانتا تھا۔ اور اِسی وجہ سے وہ مال و متاع کو جو شیعہ خدمتِ امام علیہ السلام
میں نذر کے لیے بھیجتے تھے نہ خود ضبط کرسکا اور نہ جعفر کو اُنکی استدعا کے مطابق دلوا سکا۔ بلکہ بجنسہ اُسی
طرح اُن لوگوں کو واپس دیا۔ اِن امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آپ کے امور جو پوشیدہ اور مخفی رہنے کو
از خود پسند کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ شیعہ گروہ جعفر کی فریب دہی سے محفوظ رہے۔ اور امام علیہ السلام کے
امور بھی دنیا میں طشت از بام نہونے پائیں۔ اور عام طور سے ہر شخص آپکے مقامِ قیام سے واقف نہو سکے
اور آپ تک پہنچنے پر کسی طرح قادر نہو سکے جس کے باعث سے آپ کے موجودہ نظام میں خلل واقع ہو۔ بحار الانوار
جلد ۱۳۔ ص ۱۹۳۔

اِس کے بعد علامۂ موصوف نور اللہ ضریحہ نے اُسی کتاب میں جعفر سے معتمد کی وہ تقریر بھی قلمبند
فرمائی ہے جس کو اُس نے فہمائش اور ہدایت کے طور پر جعفر سے کیا تھا۔ اور وہ یہ تھی کہ حضرت امام حسن عسکری
علیہ السلام کی وفات کے بعد جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے جعفر نے بیس ہزار دینار رشوت دیکر معتمد کی معرفت
منصبِ امامت حاصل کرنا چاہا تو اُسنے جعفر سے صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ یہ سمجھ لو کہ منصبِ امامت
ہمارا اختیاری امر نہیں ہے۔ بلکہ خدائے کارساز کی طرف سے ہے۔ ہم لوگوں نے ہر چند اُنکے فضائل و مناقب
اور مدارج و مراتب کے گھٹانے اور مٹانے کی لاکھ لاکھ فکر کی مگر اُن میں سے کوئی مفید کار نہوئی۔ اور
شروع سے آخر تک بیکار اور فضول ثابت ہوئی۔ اور ہماری تمام کوششوں کے خلاف اُنکی جلالت اور
عظمت میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی۔ اور یہی امر اُنکے محاسنِ اخلاق۔ تقدس۔ زہد اور ورع کو تمام
دنیا میں پھیلا کر اُنکے ازدیادِ شہرت۔ توسیعِ عظمت کے قوی اور کامل باعث ثابت ہوئے۔ ص ۱۹۴
معتمد کی اِس تقریر سے اُسکا اعتراف ثابت ہو گیا۔ دنیا کے دیدۂ بصیرت اگر وا ہوں تو وہ دیکھیں کہ
معتمد کے ایسا مخالف اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے فضائل و مناقب کے ایسے صاف اور واضح

اعتراف۔ خدا کی شان اور حقانیتِ ایمان نہیں تو کیا ہے۔

بہرحال ع با آلِ نبی ہر کہ در انداخت بر انداخت۔ معتمد کے ایسا معتضد کا بھی حال ہوا۔ اُسنے بھی جیساکہ ابتدا میں لکھا گیا ہے آپ کی سراغ رسانی اور گرفتاری کا حکم دیا۔ حالانکہ معتمد کی کوششوں کے نتیجے اُسکے مشاہدات میں آچکے تھے۔ اور اُس سے کسی قدر متاثر بھی ہو چکا تھا۔ مگر پھر طمع سلطنت۔ استحکامِ ثروت اور استحفاظِ دولت کی تمناؤں نے بہت جلد اُن تمام تاثیروں کو اِس وقت اُسکے دل سے زائل کر دیا۔ اور اُسکو بھی اِن امور میں سخت اور شدید بنا دیا۔ معتضد چونکہ معتمد کے زمانہ ہی سے آپکے وجودِ ذیجود کا قائل ہو چکا تھا اِس لیے اُسکو آپ کی ولادت وغیرہ کے خاص تحقیق حالات کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ اُسنے اپنے ایامِ مخالفت میں آپ کی گرفتاری اور ہلاکت کی تدبیر و تجویز کو اپنے آگے رکھ لیا اور انہی امور کی تعمیل کی فکریں کرنے لگا۔

اِس زمانہ میں جنابِ صاحب الامر علیہ السلام کے قیام کی حالت

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آخر وقت میں معتمد کی اِن شدید کارروائیوں اور جعفر کی نافہمیوں کے باعث آپنے سرمن رائے کے قیام کو ترک کر دیا تھا۔ اور اپنی جدۂ ماجدہ سلام اللہ علیہا کو عصمت سرا میں تنہا چھوڑ کر اور اپنی والدۂ مطہرہ جنابِ نرجس خاتون علیہا السلام کو اپنے ہمراہ لیکر بلادِ مغرب کا سفر اختیار فرمایا۔ مگر پھر معتمد کے مرجانیکے بعد معتضد نے تختِ خلافت پر متمکن ہو کر جب کسی قدر آپ کے امور میں ظاہری نرمی اور ملائمت دکھلائی اور حقیقت میں قرامطہ وغیرہ کی شورش کی وجہ سے فرصت ہی نہیں پائی۔ تو آپ نے بھی اِن امور پر ظاہراً اعتبار فرما کر پھر سرمن رائے کی طرف مراجعت فرمائی۔ مگر یہ مراجعت بھی نہایت احتیاط سے مخفی رکھی گئی اور اس کی اطلاع سفراء اور نائبین کو بھی نہیں کیگئی۔ جب آپ تشریف فرمائے عصمت سرا ہو چکے تو اُس وقت سفراء اور مخصوصین کو مطلع فرمایا گیا اور نظامِ امامت اور احکامِ شریعت کے نفاذ و اجرا ویسی ہی رازداری اور احتیاط سے عمل میں لائے جانے لگے۔ کیونکہ اگرچہ سلطنت کی طرف سے ایک سکونی حالت ضرور تھی مگر وہ یقین کے قابل نہیں تھی۔

بہرحال۔ ابھی زمانہ اور زمانہ کا رنگ ایسا ہی تھا کہ معتضد کی تلون مزاجی نے پھر رنگ بدلا اور اُسکے موافقت اور ہمدردی کے خیالوں میں، مخالفت اور دشمنی کے اثر پیدا ہوئے۔ اور جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے خفقانِ سلطنت کی غلط پالیسی کی قدیم تجویزوں پر قائم ہو کر اُس نے (معتضد نے) آپکی سراغ رسانی کا انتظام کیا۔ شاہی ہرکارے۔ جاسوس اور بہت سے خفیہ لوگ۔ معتمد کے وقت کے ایسا اِس وقت بھی۔ آپکا سراغ لگانے لگے۔ آپ کو بھی معتضد کی اِن مخالفانہ کارروائیوں کی خبر لگ گئی تو آپنے بھی اپنی حُسنِ تدبیر سے اپنی حفاظت کے وہی اصول قائم فرمائے جو پہلے بھی اختیار فرمائے گئے تھے۔

یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی شخص کسی وقت آپکو علانیہ دیکھ سکے۔ عموماً کوئی حالت ہو آپکی رویت

منجانب اللہ قطعی ممنوع ہو چکی تھی۔ اِس لیے مقامِ قیام تک سے بھی کوئی متنفس مطلع نہیں تھا۔ یہ شاہی جاسوس اور معتضد کے سراغرساں جہاں جہاں اپنے وہم وگمان سے آپکے قیام فرمانیکا خیال وقیاس کرتے تھے اُن تمام مقامات کو چھان ڈالتے تھے اور اِن لوگوں نے اِن تمام مقاموں کی ایک بار نہیں کئی بار خاک لے ڈالی مگر سوائے زحمت وپریشانی اور ذلت وپشیمانی کے کچھ ہاتھ نہ آنیوالا تھا۔ نہ آیا۔ اور وہ گوہر نایاب دستیاب نہوا۔ عتبات عالیہ اور امکنۂ مشرفہ مثلاً نجفِ اشرف۔ کربلائے معلےٰ۔ کاظمین شریفین ودیگر معابدِ مقدسہ مثل مسجدِ جامعِ کوفہ۔ مسجدِ سہلہ وغیرہم خاص طور پر ڈھونڈھے گئے اور تلاش کیے گئے۔ کیونکہ یہ مقاماتِ مخصوصہ از روئے اخبارِ شیعہ آپکی عبادت کے لیے مخصوص بتلائے اور پائے جاتے تھے۔

اِن مقامات میں آپکی حاضری کی نسبت شیعہ کے عقائد میں تو ذرا بھی تامّل نہیں کیا جاسکتا مگر اسکے لیے کیا کیا جاویگا کہ کوئی حالت ہو نظامِ مشیت تو تبدیل ہو نہیں سکتا۔ اور بغیر اذنِ ربّانی کوئی اِس نورِ یزدانی کو جاہے وہ کسی مقام اور کسی حالت میں ہو نہیں دیکھ سکتا۔ تو پھر اُس نظامِ مسلّمہ اور اصولِ کلیہ کے مقابلہ میں ایک بار نہیں ہزار بار۔ ہزار بار نہیں لاکھ بار یہ مقامات دیکھے جائیں ڈھونڈھے جائیں اور چھانے جائیں تو اِس سے کیا یہ ممکن ہے کہ بغیر حکمِ الٰہی اُس خضرِ زمانہ تک نہ پہنچ سکے۔

بہرحال۔ معتضد کی یہ مشن کسی طرح کامیاب نہوئی تو اُس نے شہرِ سامرہ کے خاص خاص مقامات کی تلاشی کا حکم دیا۔ جہاں آپ کے تشریف رکھنے کا خیال تھا۔ اُسکی خلاصہ کیفیت یہ ہے کہ معتضد کے رفیقِ خاص رشیق نامی کا بیان ہے۔

رشیق معتضد کا رفیق اور جناب صاحب الامر علیہ السلام کی گرفتاری

معتضد نے مجھ (رشیق) کو ایک دن اپنی خلوت میں بُلایا اور اپنے دو معتمد رفیقوں کو میرے ہمراہ کیا۔ اور ہم تینوں آدمیوں کو شاہی اصطبل سے تین بیش قیمت اور تیز رفتار گھوڑے منگواکر حوالہ کیے۔ اور کہا کہ اِسی وقت بغداد سے شہرِ سامرہ کی طرف چلے جاؤ۔ راہ میں کہیں نہ ٹھیرنا اور یکسر باگیں اُٹھائے چلے جانا اور وہاں پہنچکر تھوڑی دیر تک کاروان سرائے میں ٹھہر جانا اور ایک مکانِ خاص کا پورا نشان تبلاکر کہا کہ اُس میں چلے جانا۔ اُس کے دروازے پر تم کو ایک غلام ملیگا تم لوگ اُسکی ممانعت وغیرہ کا کوئی خیال نہ کرنا۔ بلکہ ایک بارگی ہجوم وحملہ کرکے اُس مکان کے اندر بلاخوف ہوکر گھُس پڑنا اور جس شخص کو اندر پانا بلا عذر اُسکا سر قلم کرکے میرے پاس لے آنا۔

رشیق کا بیان ہے کہ ہم تینوں آدمی حکمِ سلطانی پاکر نمازِ مغرب کے بعد بغداد سے روانہ ہوئے اور آدھی رات سے پہلے شہرِ سامرہ میں داخل ہوگئے اور معتضد کی ہدایت کے مطابق وہ تمام نشانات وعلامات جو اُس مکانِ مقدس کے متعلق اُس نے بتلائے تھے پائے گئے۔ یہانتک کہ اُس مکان کے دروازے پر پہنچے اُس غلام کو سوتی ازاربند بُنتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ اِس مکان میں کون ہے؟ اُسنے

جواب دیا کہ مالکِ مکان۔ رشیق کا بیان ہے کہ اُس غلام نے ایسی ہی آزادی اور بے پروائی سے اس کا جواب دیا کہ مجھ کو اُسکی بیخوفی اور جراُت پر سخت تعجب ہوا۔ مجھ کو یقین تھا کہ سرہنگانِ سلطانی ہونیکے باعث وہ ہم لوگوں سے ڈریگا اور خوف کریگا۔ مگر اُس نے اِن باتوں میں سے کسی بات کا اظہار نہیں کیا۔ اور اپنے کمال استقلال سے جس کام میں مشغول تھا برابر مصروف رہا۔ اور جواب دینے کے بعد پھر ہماری طرف مطلق متوجہ نہیں ہوا۔ اِس لیے ہم کو یقین ہوگیا کہ ہم لوگوں کو اُسکی مزاحمت سے کوئی گزند نہیں پہنچیگا۔ بہرحال۔ اُس نے ہم سے کوئی مزاحمت نہیں کی اور ہم لوگ بے روک ٹوک اُس عمارت کے اندر چلے گئے۔ وہاں پہنچکر دیکھا کہ اُس مکان کی آرائش اور زیب وزیبائش بالکل امیرانہ طور پر ہے۔ دروازے کے آگے جہاں سے آمد ورفت ہوتی ہے ایک ایسا خوشنما اور خوش قطع سائبان پڑا ہے کہ جس کے ایسا دوسرا ہمنے آج تک نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام دنیا کے معمار اور صناع اِسکے ایسی عمارت بنانے سے بالکل مجبور رہیں۔

بہرحال۔ جب ہم اُس صحن کے سائبان سے گزر کر صحن خانہ میں پہنچے تو کسی شخص کو صحن میں موجود نہیں پایا۔ اُس صحن کے آگے پھر اور ایک محل دکھلائی دیا۔ اور اُس کے آگے دریا بہتا ہوا نظر پڑا۔ اور پھر اُسی محل میں ایک بزرگ باحسن وجمال اور باشوکت وجلال کو مشغول نماز دیکھا کہ آج تک ایسی نورانی صورت دیکھنے میں کیا کبھی میرے خواب وخیال میں بھی نہیں آئی تھی۔ اُس خاصۂ الٰہی کے رجوع۔ خضوع۔ خشوع اور استغراق فی العبادت کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ایک حصیر پر تو مشغولِ نماز تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس عمارت میں دریا کا پانی تمام روان ہے۔ اور وہ حصیر جس پر وہ تشریف فرما تھے اُس آبِ رواں پر قائم ہے۔ پہلے ہم تینوں آدمی نظامِ قدرت کے اِس شاندار منظر کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرکے اپنے استعجاب وحیرت کے خاص عالم میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ مگر اِس اثناء میں وہ مطلق ہماری طرف متوجہ نہیں ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُسکو ہمارے مکان میں آنیکی ابتک خبر بھی نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال۔ اِسی عالم میں ہماری موجودہ جماعت میں سے احمد بن عبد اللہ نے جراُت اور سبقت اختیار کی۔ اِس قصد سے کہ اُس محل میں جاکر آپکے ساتھ کوئی مزاحمانہ کارروائی عمل میں لائے۔ وہ آگے بڑھا اور بڑھتے ہی پانی میں جارہا۔ اور پانی میں جاتے ہی غرق ہونے لگا۔ اور اپنی اُس اضطرابی کیفیت میں پانی کی اُس سطح پر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ قریب تھا کہ وہ بالکل تہ آب ہوجائے۔ یہ حالت دیکھکر فوراً میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اور پھر کسی نہ کسی طرح اُسکو کھینچکر باہر لایا جس وقت وہ باہر لایا گیا بالکل بیہوش تھا۔ ایک ساعت تک عالمِ بیہوشی میں پڑا رہا۔ اب سُنیئے کہ اِس کے بعد دوسرے صاحب نے بھی باوجود اِس مشاہدے کے ویسی ہی احمقانہ جراُت کی اور آخر میں اُس نے بھی اپنی حرکات کے وہی نتیجے اُٹھائے اور اُسکو بھی ہم اُسی طرح ہاتھ کھینچکر باہر نکال لائے۔

رشیق کا بیان ہے کہ اب اتنے مشاہدات دیکھکر میں اپنے آپے میں نہ رہا اور کمال خوف و دہشت میرے قلب پر مستولی ہوا۔ میں نے اُسی عالمِ اضطرار و انتشار میں اُس خاصۂ ربّانی اور ولیِ یزدانی کی طرف بکمالِ عقیدت مخاطب ہوکر جو اُس وقت تک عبادتِ الٰہی میں اُسی محویت اور کیفیت کے ساتھ مستغرق تھا عرض کی کہ میں آپ کی خدمت اور نیز درگاہ رب العزّت سے اپنی اِن حرکات کی معافی چاہتا ہوں اور قسمِ شرعی کھاکر عرض کرتا ہوں کہ حقیقتاً میں آپکے امور کی اصلیّت سے ذرا بھی واقف نہیں تھا۔ اور اس وقت تک مطلق نہیں جانتا تھا کہ میں یہاں کس امر کی تعمیل کے لیے مامور ہوکر آیا ہوں اور میں کس بزرگ کے قتل و ہلاک کرنیکے لیے بھیجا گیا ہوں۔ غرض میں اپنے تمام جرائم سے خواہ وہ دانستہ ہو یا نادانستہ درگاہِ خدا میں توبہ و انابت کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے اخلاق و مراحم سے معاف فرمائینگے

رشیق کا بیان ہے کہ میں ہر چند آپکی خدمت میں اپنی آرزو و منّت کرتا رہا مگر آپ میری طرف مطلق متوجّہ نہوئے اور جس طرح سے کہ ابتدا ءً عبادتِ الٰہی میں مصروف تھے۔ اُسی طرح اُس وقت تک عبادت میں مشغول رہے۔ اور آخر کار ہم آپ کو اُسی حالتِ نماز میں مشغول چھوڑ کر فوراً اُس محلسرا سے باہر نکل آئے۔ اُس وقت ہمارے خوف و دہشت کا یہ عالم ہو رہا تھا کہ سارا جسم بید کی طرح لرزاں تھا۔ اُسی عالم میں ہم نے شہرِ سامرہ سے بغداد کی طرف کوچ کیا اور اپنے تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوکر باگیں اُٹھائیں تو پھر بغداد کے قصرِ دار الامارۃ ہی میں پہنچکر دم لیا۔

معتضد اُس وقت تک ہمارے انتظار میں باہر ہی بیٹھا تھا۔ اور ابھی تک محل کے اندر نہیں گیا تھا اتنے میں ہم لوگ اُسکے پاس پہنچکر سامنے کھڑے ہوگئے۔ اور میں نے آگے بڑھکر تمام و کمال روئداد کو جو ہم پر گزری تھی اور جو کچھ کہ ہم نے اُس وقت تک اپنی آنکھوں سے وہاں مشاہدہ کیا تھا اُس سے بیان کر دیا۔ معتضد خوب غور سے سُنتا رہا۔ جب ہم اپنی تمام داستان اُسکو سُنا چکے تو وہ دیر تک خاموش رہا۔ دیر کے بعد اُس نے ہم سے پوچھا بھی تو یہ کہ تم میرے قصرِ شاہی میں اس وقت آتے ہوئے سوائے میرے اور کسی سے راستہ میں ملے تو نہیں ہو؟ اور تم نے میرے سوا اب تک کسی اور سے اِن واقعات کو بیان تو نہیں کیا ہے؟ ہم نے کہا نہیں۔ ہم نے اِس وقت تک نہ کسی سے ملاقات کی ہے اور نہ کسی سے اِس کو دُہرایا ہے۔ یہ سُنکر اُس نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا کہ مجھ کو اپنے حصولِ مقصد سے محروم رہنے کا پورا یقین ہے۔ اِسکے بعد اُسنے ہم لوگوں کو نہایت شدید اور غلیظ قسمیں دلائیں۔ اور ہم تینوں آدمیوں سے اقرارِ واثق لیلیا کہ ہم اِن واقعات کو کسی دوسرے سے نہیں دُہرائینگے۔ اگر کسی سے بیان کریں تو ہر طرح واجب القتل اور مستوجبِ عقوبت سمجھے جائینگے۔ رشیق کا بیان ہے کہ معتضد کے زمانہ حیات تک ہم نے اِن واقعات کو کسی سے بھی نہیں کہا۔

یہیں معتضد کی مخالفانہ کارروائیوں کی تدابیر جو اُسنے جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی گرفتاری

اور ہلاکت کی خاص غرض سے اختیار کی تھیں۔ اِس واقعہ سے اُسکی اِن امور میں سرگرمی، مستعدی اور آمادگی پورے طور پر ظاہر ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ اُس کو اِن امور کی انجام دہی کی کیسی فکر دل سے لگی رہتی تھی۔ اور وہ اِسکو کیسا ضروری اور لازم سمجھ کر اپنے فرائض واجبہ سے جانتا تھا۔ اور اِسکی تعمیل میں کتنی ہوشیاری اور رازداری سے کام لیتا تھا۔ معتضد کی آخر تقریر سے جس میں اُس نے اِس واقعہ کے چھپانے کی تاکید کی تھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اِن تمام واقعات کا بذاتِ خاص ضرور معترف ہو چکا تھا۔ مگر کسی خاص وجہ سے اُسکی عام شہرت اور اطلاع کو اپنے مفید مطلب نہیں سمجھتا تھا۔ اور وہ وجہ سوائے حفظِ سلطنت اور استحکامِ امارت کی غلط تجویز کے کوئی دوسری چیز نہیں تھی۔ جو بنی امیہ کے وقت سے سلاطینِ اسلامیہ کے اصولِ جہانبانی اور معیارِ سلطانی قرار پا چکی تھی۔ اپنے اِس بیان میں معتضد نے اِس امر کا بھی اقرار کر دیا تھا کہ اُسکو اپنے حصولِ مقاصد میں کامیاب ہونیکی امید نہیں ہے۔ مگر وہ اپنے اِس وقتی اقرار پر مطلق قائم نہ رہا۔ اور اِس وقت کی خاص کیفیت زائل ہو جانے پر جیسا تھا ویسے کا ویسا ہی ہو گیا

معتضد کی بارِ دیگر مخالفانہ کوشش

بہرحال۔ یہ معتضد کی خاص کیفیت تھی۔ اب پھر ہم جنابِ امام آخر الزمان علیہ السّلام کے حالات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ معتضد کی یہ حرکات اور اُسکی سراغ رسانی اور ریشہ دوانیوں کے یہ واقعات مشاہدہ فرما کر نظامِ قدرت نے آپکے امور کو اِس سے اور بھی زیادہ مخفی رکھنا مفید اور ضروری سمجھا۔ اور محلسرائے خاص کے قطعات کی سکونت ترک کر کے سرداب کے اندر تشریف رکھنے کے لیے حضرت صاحب الامر علیہ السّلام کو ماذون فرمایا۔ یہ سردابِ مبارک محلسرائے مقدس کی آخر عمارت میں واقع تھا۔ اور ایسے مقامِ پوشیدہ اور غیر متعارف میں تعمیر کیا گیا تھا جس میں کسی کے بود و باش رکھنے کا احتمال نہیں ہو سکتا تھا۔ اور سوائے مخصوصین حضرات کے اور عموماً لوگ اِس اسرار سے واقف نہیں ہو سکتے تھے۔ علاوہ اِن امور کے یہ مقام ایسا تاریک تھا۔ اِس لیے کوئی اُس میں جلدی جانیکے لیے جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اصل میں اُس سردابِ مقدس کی عمارت اُسی زمانہ کے طرزِ تعمیر کے مطابق تھی۔ مگر سوائے وقتی ضرورتوں کے عام طور سے کوئی اُس میں رہتا نہیں تھا۔ اور نہ اپنی آمد و رفت رکھتا تھا۔

بہرحال۔ اگر تحقیق اور انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو صاف طور پر معلوم ہو جائیگا کہ جیسے جیسے دنیا اور اہلِ دنیا کے ارتداد اور فتنہ و فساد ترقی کرتے گئے ویسے ویسے جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے مصائب اور شدائد برابر بڑھتے گئے۔ اور آپکے صدمات اور تکالیف میں برابر اضافہ ہوتا گیا۔ جن لوگوں نے آپکے حالات کو تاریخ و سیر کے واقعات میں مقابلہ کر کے مطالعہ کیا ہے اُنپر یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ متوکل کے زمانہ ہی سے آپکے امور میں مخالفانہ تحریک عمل میں لائی جانی شروع ہو گئی۔ اور امتناعِ ولادت سے لیکر قتل و ہلاکت تک کی مختلف اور انواع و اقسام کی تجاویز اور تراکیب میں کوئی دقیقہ ایسا فروگذاشت نہیں کیا گیا جسمیں

سلطنت کی پوری قوت و اختیار سے کام نہ لیا گیا ہو۔ مگر جوں جوں خلافت کی طرف سے اِن امور میں تاکید ہوتی گئی مشیّت اور قدرت کی طرف سے ووں ووں جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کی تائید پر تائید ہوتی رہی۔ اگرچہ آپکے نظامِ امامت اصولِ احتیاط اور حالتِ اختفا پر خاصکر مبنی کیے گئے تھے مگر تاہم دشمنوں نے اُنکے تمام ظاہری اور بیرونی احکام کے عام نفاذ میں حد درجہ کی مداخلت اور خلل پیدا کیا۔ اور اُن کے درہم و برہم کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور انہی وجہوں سے یہ کہنا صحیح اور فی الواقع ہو سکتا ہے کہ آپنے اپنے نظامِ امامت کے امور میں جتنی تکلیفیں اور مصیبتیں دشمنوں کے ہاتھوں اُٹھائیں اُتنی جناب امام علی نقی علیہ السلام اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے اپنے وقت میں اپنے ہمعصر مخالفین سلاطین کے ہاتھوں سے نہیں اُٹھائی تھیں۔ اِس میں کوئی کلام نہیں کہ مخالفین کو اُن حضراتِ عالی درجات کے ایسا آپکو گرفتار و مقید کرنیکا موقعہ نہیں ملا۔ اور اِس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ سے زیادہ اُن حضرات نے قید و حبس کی تکلیفیں اُٹھائی ہونگی۔ مگر با اینہمہ ہم جب اِس دلیل کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اُنہی مخالفین کے ہاتھوں شروع زمانہ سے اپنی حفاظتِ جانی اور اسرار نہانی کے قائم رکھنے میں غربت اور سفر کی تمام مصیبتوں کو اُٹھانا پڑا جو باعتبار مصائب اور شدائد کے اُن بزرگواروں (علیہم السلام) کی مصیبتوں سے کہیں بڑھی ہوئی تھیں۔ کیونکہ اِن حضرات کو قید و حبس کے مصائب جو کچھ اُٹھانے پڑے وہ ایک ہی قسم کے مصائب اور ایک ہی مقام پر گزرے اور بخلاف اُنکے یہاں تو غربت۔ سفر۔ ترکِ وطن وغیرہ وغیرہ کے موجودہ مصائب کے علاوہ اپنے اور اپنے تمامی امور کو خلائق کی نظروں سے ہر دم و ہر لحظہ پوشیدہ رکھنا۔ اور کسی طریقہ اور کسی عنوان سے اُنکو دشمن تو دشمن اپنے بڑے سے بڑے قلبی دوست سے بھی ظاہر نہ کرنا۔ یہ سب ایسی قیامت خیز مصیبتیں تھیں جن کا اندازہ کرنا انسان کی خیالی قوتوں سے بالکل محال ہے۔

جن لوگوں نے آپ کے تمام حالات و واقعات پر غور کیا ہے اُنہوں نے اِن تمام دشواریوں کو آپ کی پیدائش کے روز سے لیکر غیبتِ صغرےٰ کے وقت تک اور پھر غیبتِ صغرےٰ سے لیکر غیبتِ کبرےٰ کی ابتدا تک آپ کے امور میں برابر اور لگاتار موجود پایا ہے۔ اور انہی کے ساتھ آپکے حزم و احتیاط۔ رازداری اور ہوشیاری کے اصول کو ہمیشہ بڑھتا ہوا اور ترقی کرتا ہوا پایا ہے۔ اِن تمام واقعات کی مثال ایسی ہی ہے جیسی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصائب ہجرت کے ایام میں، تاوقتیکہ آپ مدینہ منورہ میں نہ پہنچ لیے برابر چلے گئے۔ اِسی طرح جناب صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موجودہ معاملات کی تمام دقتوں کا بھی اندازہ کر لینا چاہیے۔

بہرحال۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہاں تک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ معتضد کے خاص معتمدین کی مشن بھی آپ کی گرفتاری اور ہلاکت کی کوششوں میں کامیاب نہو سکی۔ تھوڑے دنوں تک تو معتضد خاموش رہا جس سے یہ خیال ہوتا تھا کہ اب وہ اِن امور میں آیندہ مداخلت نہیں کریگا۔ مگر یہ خیال غلط نکلا

اور یہ گمان محض بے وجہ ثابت ہوا۔ معتضد پر موقوف نہیں۔ معتضد کے تمام آباؤ اجداد حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقابلہ میں برابر ایسے ہی مشاہدات اور اعجاز و کرامات دیکھتے چلے آئے تھے مگر تاہم اُن میں سے کسی ایک نے بھی کبھی اُن پر کوئی خیال اور لحاظ نہیں کیا۔ مہدی سے لیکر متوکل تک اُسکے اسلاف میں ہر فردِ واحد نے اِن تصرفاتِ روحانی کا مشاہدہ کر لیا تھا مگر ایک بھی اِس سے کامل طور پر مؤثر نہیں ہوا بلکہ اپنی مخالفت اور قتل و ہلاکت کی کوششوں میں سرگرم اور مستعد رہا۔

خلاصہ یہ کہ معتضد کا بھی اِس وقت یہی حال ہوا۔ اُسنے بھی باوجود اِن مشاہدات کے جنکی چشم دید حقیقتِ حال رشیق کی زبانی اُسکو معلوم ہو چکی تھی اسکی طرف کوئی توجہ اور لحاظ نہیں کیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں کے سکون کے بعد اُس نے ایک دوسری مخالفانہ ترکیب یوں نکالی کہ اپنے خاصے کے سرہنگانِ سلطانی کی ایک دلیر اور قوی دل جماعت کو اِس خاص غرض کے لیے فوراً شہرِ سامرہ میں چلے جانیکا حکم دیا کہ وہ جناب امام علی نقی علیہ السلام کی محلسرا میں داخل ہو کر جس فردِ واحد کو وہاں پائے بلا تأمل گرفتار کر کے حاضر لائے۔

بہرحال۔ سرہنگانِ شاہی کی یہ قوی اور دلیر جماعت جو تعداد میں بعض روایت سے تین سَو اور بعض روایت سے پوری پانچسو معلوم ہوتی ہے شہرِ سامرہ میں پہنچی اور معتضد کی ہدایت کے مطابق اُس محلسرا میں پہنچی۔ پہنچتے ہی چاروں طرف سے اُس مکان کا محاصرہ کر لیا۔ نصف سے زائد لوگ تو محاصرہ کی خدمات پر اِس لیے تعینات ہوئے کہ بیرونی اور اندرونی آمد و رفت کو بالکل منقطع کر دیں۔ اور جس شخص کو ایسا کرتا ہوا پائیں اُسے بلا تأمل گرفتار کر لیں۔ اِس انتظام کے بعد باقی ایک ثلث اِس جماعت کے لوگ اُس محلسرا میں داخل ہوئے اور وہاں پہنچکر معتضد کی ہدایت کے موافق اُس سردابِ مقدس کے نزدیک پہنچے تو اُن لوگوں نے اُسکے اندر سے ایسی خوش الحانی اور شیرین زبانی کے ساتھ قرأتِ قرآنی اور تلاوتِ کلامِ ربانی کی آواز سُنی کہ ہر شخص اُس نغمۂ داؤدی کو سُنکر سراپا محو ہو گیا۔ اور اِس محویت اور خاص کیفیت کے عالم میں وہ جماعت کی جماعت اُس سردابِ مقدس کے نزدیک کھڑے کھڑے دیر تک حُسنِ قرأت اور خوبی تلاوت کے مزے لیتی رہی۔ اِس آواز کے سُنتے ہی اِس جماعت کے افسر نے کہا کہ اب ہم کو محاصرۂ مکان کی کوئی ضرورت باقی نہیں ہے کیونکہ جس شخص کی ہم کو ضرورت ہے وہ تو اِس سردابِ مقدس میں اِس وقت تک موجود ہے اور ہم اُس سے اِتنے قریب کھڑے ہیں۔ پھر کیا ضرور ہے کہ ہم بیرونی انسداد میں اپنی جماعت کے لوگوں کو باہر کی طرف بیکار پھنسائے رہیں۔ بلکہ اِس سے بہتر ہے کہ ہم اُنکو بھی باہر سے اندر بُلا لیں اور سب ملکر اپنی قوتِ متفقہ سے اِس شخص کی گرفتاری کو عمل میں لائیں۔

ابھی یہ چرچے اور مشورے ہوتے تھے کہ اِسی اثناء میں وہ بزرگوارِ فرشتہ صورت سلام اللہ علیہ یکایک اُس سردابِ مقدس سے برآمد ہوا اور اُس جماعت کے آگے سے نکل گیا۔ جب وہ (سلام اللہ علیہ) اُنکی نگاہوں سے غائب ہو گیا تو افسرِ فوج نے کہا کہ اب تم لوگ اِس سرداب کے اندر جاؤ اور جسکو پاؤ پکڑ لاؤ۔ یہ سُنکر

اُس کے ہمراہیوں نے جواب دیا کہ کیا وہ شخص وہی مقدس بزرگ نہیں تھا جو ابھی ابھی ہمارے اور آپ کے سامنے سے نکل کر سرداب سے باہر چلا گیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں نے تو کسی کو جاتے نہیں دیکھا ہے لیکن تم لوگوں نے دیکھا تو کیوں گرفتار کر نہ لیا۔ اور اُنکو کیوں چھوڑ دیا؟ سپاہیوں نے جواب دیا کہ اسمیں ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم سمجھے کہ آپ دیکھ رہے ہیں اور اُسکی گرفتاری کے لیے کچھ مُنہ سے حکم نہیں دیتے۔ تو ہم اُنہیں کیسے پکڑتے۔ اِسی باعث سے ہم لوگ سب خموش کھڑے رہے اور کچھ بھی نہ کرسکے۔

یہ تھیں معتضد کی مخالفانہ چالیں اور اُسکی مخاصمانہ تدبیریں۔ یہ دونوں واقعات جو ابھی ابھی ہم نے اپنے سلسلۂ بیان میں اوپر لکھے ہیں۔ تدبیرِ انسانی اور تقدیرِ یزدانی کے باہمی فرق و مابہ الامتیاز کو بخوبی ثابت کرتے ہیں۔ معتضد نے جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے جنابِ صاحب الامر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قید و ہلاکت کی تدبیروں میں کیسی کیسی مکارانہ اور جابرانہ ترکیبوں سے کام لیا مگر بمصداق آیۂ وافی ہدایہ واللہ خیر الماکرین اُس کی تمام عیارانہ چالیں محض بیکار ثابت ہوتی ہیں۔ اور اُسکی اِن ظالمانہ اور مخالفانہ کارروائیوں سے آپ کو کوئی آزار یا کوئی آسیب و گزند نہ پہنچ سکا۔ حافظِ حقیقی کے نظامِ تدبیر نے ہر موقعہ پر اُس کے زور و تزویر کی تدبیروں کو بالکل بے اثر ثابت کر دیا۔ اور اِن تمام کارروائیوں سے جو اُس کا دلی مقصود تھا وہ کسی طرح حاصل نہوا اور آخر اُس کو بھی وہی ذلت و پشیمانی اُٹھانی پڑی جو اُس سے پہلے اُسکے اسلاف کی بدنامی اور رسوائی کا باعث ہو چکی تھی۔

ہم اِن معاملات پر جہانتک غور کرتے ہیں یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے اِن امور کی مشابہت جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملات کے ساتھ بالکل ملتی ہوئی معلوم ہوتی ہے چنانچہ اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں ہم نے کئی ایک مقام پر اِس مماثلت اور مشابہتِ واقعات کو ثابت بھی کر دیا ہے۔ اور دکھلا دیا ہے کہ آپ کے اور جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملات میں ایک قدرتی مشابہت قائم ہے اور اُس کی بہت بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ مشابہت کے قائم رکھنے سے نظامِ ربانی کی بہت بڑی مصلحت یہ تھی کہ جن جن مشاہدات و اعجاز کے ساتھ اسلام نے دنیا میں ابتدا کی تھی اُنہی کرامات کے ساتھ وہ اپنی آخر دلائل اور حجتوں کو دکھلا کر ایک وقتِ محدود تک اپنے نظام اور نظام کنندہ کو عام خلائق کی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی رکھے جس کے بہت سے مصالح ایسے ہیں جنہیں ہم خود سمجھنے کی پوری لیاقت رکھتے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں ہم نہیں سمجھ سکتے

جن لوگوں نے اسلام کے ابتدائی حالات پڑھے ہیں وہ واقعۂ ہجرت میں جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشرکین اور کفارِ قریش کی اُس صف اور جماعت سے نکل آنیکو بخوبی جانتے ہیں جو شام سے آپ کی دولتسرا کا محاصرہ کیے کھڑی تھی۔ آپ نکل بھی آئے اور چلے بھی گئے اور وہ کور باطن اپنی تدبیر و ترکیب کی دُھن میں اندھے بنے کے بنے کھڑے ہی رہ گئے۔ اُس حافظ حقیقی نے اپنی حجت

ودیعت کو اُنکے درمیان سے صحیح و سلامت نکال ہی لیا۔ و جعلنا من بین ایدیہم سدًّا و من خلفہم سدًّا فاغشینٰہم فہم لا یبصرون ۔ کے انوار و آثار اُن تیرہ قلبوں کو دکھلا دیے اور سمجھا دیے۔

اس واقعہ (ہجرت) کو جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے معاملات سے اگر ملایا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اِن دونوں مشاہدوں میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح اُس وقت مخالفین کی جماعت محاصرہ کیے ہوئے تھی بالکل اُسی طرح اِس وقت معاندین بھی گھر گھیرے ہوئے تھے۔ بلکہ شبِ ہجرت کے مخالفین اندر جانیکی جرأت نہ کرکے باہر ہی سے محاصرہ کیے رہے۔ اور اِس وقت کے مخالفین بےخوف و ہراس اندر گھس پڑے۔ اور عین مقامِ قیام تک پہنچ گئے۔ مقدّس صاحبِ خانہ اور مالکِ مکان کی گرفتاری۔ جیسا اُن کا مقصودِ دلی تھا۔ ویسے ہی اِن سب لوگوں کا مطلب۔ اور اِنہی امور کے ساتھ جس طرح اُس وقت مشیتِ یزدانی اُس ودیعتِ الٰہی کے بچانے میں مؤیّد نکلی اُسی طرح اِس وقت بھی مصلحتِ خداوندی اِس خاتمِ حُجّت اور قائمِ ذرّیتِ رسالت کے محفوظ رکھنے میں سرگرم اور مستعد ثابت ہوئی غرض ہر طرح سے دونوں کی ضرورت ایک۔ وقت ایک۔ موت ایک۔ تو پھر حکم اور عمل ایک کیوں نہ ہوتا۔

بہرحال۔ ہماری کتاب کے ناظرین کو اِس مختصر تشریح سے جو اوپر بیان کیگئی ہے ان دونوں واقعات عالیات کے معاملات کی باہمی مساوات پورے طور سے ثابت ہو گئی۔ اور کیونکر نہوتی نصوصِ الٰہی میں اَنفُسَنَا کی تاکید اور حدیثِ جنابِ رسالتمآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں انا و علیؑ من نور واحد کی تائید موجود ہے تو ہم کو پھر اِس مسئلہ میں کسی خاص توضیح اور تصریح کی مطلق ضرورت باقی نہیں ہے۔

بہرحال۔ مساواتِ باہمی کے مسئلہ سے قطع نظر کرکے اب ہم اُن واقعات کی تفصیل کے خاص اُس پہلو کی طرف رجوع کرتے ہیں جو فی الحال ہماری تالیف کا اصلی مدعا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اِن واقعات سے معتضد کو جو کچھ مقصود تھا اور جو کچھ اُس نے اپنی امیدوں کے خلاف۔ اپنی تمناؤں کے برعکس اُن کا نتیجہ اُٹھایا۔ دونوں پوری تفصیل کے ساتھ معلوم ہو گئے۔ حقیقۃً نہ ہم کو معتضد کی مخالفت سے کوئی گلہ ہے اور نہ معتمد کی مخاصمت سے کوئی شکایت۔ ہم کو اس کے متعلق اتنا ہی سمجھ کر خموش ہو جانا چاہیے کہ یہ لوگ اپنی فطرتی حرکات سے مجبور تھے۔ اِن لوگوں نے اِس وقت تک جو کچھ کیا تھا وہ سب انکی فطرت کے تقاضے تھے۔ مگر آخر میں ہم اتنا ضرور کہینگے کہ معتمد کے مظالم نے اجرائے شریعت اور احیائے سنّت کے امور میں اتنے نقصان نہیں پہنچائے جتنے معتضد کی موجودہ کارروائیوں نے اسلامی دنیا میں اِن امور کو درہم و برہم اور خراب و خستہ کر ڈالا۔ اِس وجہ سے ہم کیا۔ ہر شخص جو منصف مزاج اور عدالت پسند ہوگا اسکے کہنے کا ضرور مجاز ہوگا کہ معتضد کی اِن لغو حرکات نے اپنے وقت اور اپنے زمانہ کی حجّت اور امینِ امّت رد و محیِ سنّت سلام اللہ علیہ کو ہلاک کرنے اور اُس انوارِ ہدایت کے گُل کر دینے میں پوری کوشش صرف کر دی۔ اور پھر آخر میں اسکا نتیجہ بھی سوائے ذلّت و پشیمانی کے اور کچھ نہ دیکھا۔ اُس نے دیکھ لیا کہ مدبّرانِ قدرت اور منتظمانِ مشیّتِ الٰہی خاصانِ خدا اور برگزیدگان

رب العلےٰ کو سلاطینِ جبّار اور معاندینِ دل آزار کے پنجۂ عقوبت اور مخالفین کے شکنجۂ مصیبت سے اُن کی آنکھوں کے سامنے اِس طرح نکال لیتے ہیں کہ وہ اِن امور کو آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں اور کچھ نہیں کرسکتے سب کچھ رُو در رُو ہوتا رہتا ہے مگر اُن کا کوئی بس نہیں چلتا۔ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص ذات مبارک پر منحصر نہیں۔ جن لوگوں نے انبیائے سابقین سلام اللہ علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہم السّلام کے حالات کو بخوبی پڑھا ہے وہ کامل طور سے جانتے ہیں کہ حافظِ حقیقی نے انبیاؑ و مرسلین کے مقدّس دائرے میں اکثر بزرگواروں کو دشمنوں کے سخت سے سخت محاصرے اور دشوار سے دشوار معرکوں کے وقت میں اسی طرح بچایا اور محفوظ رکھا ہے۔ بہرحال۔ زمانہ کے بعض ناسمجھ حضرات یہ حالات پڑھکر اپنی غلط فہمی سے یہ گمان پیدا کرینگے کہ باوجود اتنے حزم واحتیاط کے کہ اپنے مؤمنین خالصین تک کو بھی زیارت سے مشرف کرنیکی اجازت نہیں تھی تو پھر اپنے مخالفین اور معاندین کو اتنے قریب سے زیارت کا کیونکر اذن دیا گیا؟ اِس کے جواب میں اُنکو سمجھ لینا چاہیے کہ مخالفین ومعاندین کی ضلالت وشقاوت اپنے انتہائی نقطہ تک پہنچ چکی تھی۔ اِس لئے نظامِ مشیّت نے اپنی اتمامِ حجّت اور اظہارِ قدرت کے جملہ مراتب بھی طے کر دینے اِس وقت ضروری سمجھے اِسی وجہ سے اُس شمعِ امامت لمعہ انوارِ ہدایت کا جلوہ بالمشافہ اُنکو دکھلادیا۔ اور اُنہوں نے بھی اپنی آنکھوں سے اِس مشاہدۂ قدرت کو دیکھکر پورے طور پر یقین کرلیا کہ انسانی تدارک سے مشیّتِ ربّانی کا کوئی فعل رُک نہیں سکتا۔ اِس میں جتنی فکر کیجائیگی وہ سب محض بے سود اور بیکار ثابت ہوگی۔ جیساکہ پوری تفصیل کے ساتھ اوپر بیان ہوچکا ہے۔

نظامِ امامت میں مزید احتیاط

بہرحال، اِن واقعات کے بعد سے سردابِ مقدّس کی مقررہ مجلسیں برخاست ہوگئیں۔ اور معدودے چند حضرات جو گاہے گاہے شرفِ زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے حاضری سے ممنوع فرمادیے گئے۔ اور اب اُن چند کے عوض میں صرف ایک بزرگ کو۔ وہ بھی جب ایسا ہی سخت اور ناگزیر وقت آجائے تو کمال احتیاط اور نہایت رازداری سے اُس مقدّس غار میں جو شہر سامرہ کی آبادی سے مغرب کی طرف پہاڑ میں واقع ہے حاضر ہوکر مشرف ہونیکی اجازت دی جاتی تھی۔ جہاں تک اُنکی زیارت اور حضوری کے حالات دریافت کیے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے حصول اور وقوع پذیر ہونے میں پہلے سے کہیں زیادہ دشواری تھی جو مصلحت خداوندی کے مطابق حزم واحتیاط کے اصول پر قائم تھی۔ جس وقت تک کہ نظامِ امامت میں اتنی دشواریاں اور موانع مخالفین کی طرف سے حائل نہیں کیے گئے تھے اُس وقت تک نائبین۔ سفرا، یا وکلا، کو بھی ضرورت کے وقت زیارت اور حضوری کا شرف عطا فرمایا جاتا تھا اور یہ طریقے اور یہ اصول انعقادِ مجالس کے جو سردابِ مبارک میں اجرائے احکامِ ہدایت اور احیائے نظامِ شریعت کی ضرورتوں سے منعقد ہوا کرتی تھیں۔ قائم رہے۔ پھر اِس کے بعد مخالفین کی طرف سے جیسے جیسے اِن امور

کی ممانعت میں سختی اور شدّت ہوتی گئی اُسی طرح نظامِ امامت کے امور میں بھی حزم و احتیاط کے حدود وقیود سخت اور شدید ہوتے گئے۔ اور مسئلۂ رُویت میں سفراءُ و وکلاء کی تعمیم موقوف ہوکر ایک خاص بزرگ کی تخصیص مشروط کردی گئی۔ اور یہی انتظام اُس وقت سے لیکر غیبتِ کبرےٰ کے وقت تک برابر قائم رہا۔ اور پھر حضرت محمد بن علی سمری رضی اللہ عنہ (جو ان مخصوص بزرگوں میں سب سے آخر تھے) کی وفات کے بعد یہ انتظام بھی جاتا رہا۔ اِنکی وفات ۳۲۹ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ توقیع مبارک کے ذریعہ سے سلسلۂ نوابین کے منقطع ہوجانے اور غیبتِ کبرےٰ کے آغاز ہونیکا حکمِ عام اور اعلان تمام مؤمنین کی جماعت میں فرمادیا گیا۔ اِس حساب سے کامل اُنسٹھ ۵۹ برس تک یہ انتظام قائم رہا۔ اور اِس عرصہ میں آپ کے چار نوابین اِس مبارک خدمت کو پوری امانت و دیانت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ جن کے پورے احوال ہم ایک جُداگانہ باب میں انشاء اللہ المستعان عنقریب بیان کرینگے۔

اِن حضرات کی حضوری بھی دشواری سے خالی نہیں تھی۔ ایسا ممکن نہیں تھا کہ جس وقت یہ حضرات چاہیں خدمتِ مبارک میں حاضر ہوکر عام طور سے اپنی عرض پیش کریں۔ یا نہیں تو روزانہ یا ہفتہ وار یا مہینہ پیچھے مؤمنین کے اغراض و مطالب سمعِ مبارک تک پہنچایا کریں۔ اور یہ بھی نہیں تو ایک وقتِ خاص پر جسکو اُنکی کامل خبر اور پورا علم پہلے سے حاصل ہو اپنے اور مؤمنینِ قرب و جوار کے مطالب و مسائل عرض کیا کریں۔ بلکہ اِن تمام امور کے خلاف اُنکی حاضری اور باریابی خدمت کے لیے کوئی وقت یا کوئی مخصوص موقعہ نہیں تھا۔ اور نہ اُن کو اِسکے متعلق کوئی خبر یا اطلاع تھی۔ بلکہ یہ جملہ امور امامِ وقت اور حُجّتِ زمانہ علیہ السّلام سے پورا تعلق رکھتے تھے۔ اور وہ اپنے حزم و احتیاط کے موجودہ اصول کی رُو سے جس وقت اور جس موقعہ پر اُنکی حاضری ضروری اور قرینِ مصلحت سمجھتے تھے۔ اُنکو اپنے پاس بُلالیتے تھے اور اُن کے امورِ متعلقہ کا جواب دیدیتے تھے۔ اِن حضرات کے مخصوص انتظام یہ تھے کہ مؤمنین خود یا اپنے وکلاء اور سفراء کے ذریعہ سے اپنے معروضات اِن حضرات کی خدمات میں پہنچاتے تھے۔ اور یہ لوگ اُنکو اکٹھا جمع کرتے جاتے تھے یہانتک کہ اِن تمام معروضاتِ مؤمنین کا کامل ذخیرہ جمع ہوجاتا تھا۔ موجودہ نظامِ امامت کی رُو سے اِس ذخیرہ کو تاوقتیکہ ناحیۂ مقدسہ سے اُنکی طلبی اور حاضری کا فرمان نہ صادر ہولے اپنے پاس امانت رکھے رہتے تھے۔ جب کبھی طلبی اور حاضری کا شرف دیا جاتا تھا۔ یہ حضرات اِن معروضات کو خدمتِ مبارک میں پیش کرکے حکم و احکام حاصل کرتے تھے۔ اور وہاں سے واپس آکر سائلین کو اُس سے مطلع کردیا کرتے تھے۔ بعض موقعوں پر جواب تحریری دیے جاتے تھے اور بعض کے جواب زبانی بھی ارشاد فرمائے جاتے تھے۔ جن کو نائبین اور سفراءُ وکلاء اپنے دست و قلم سے حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً لکھ لیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی عند الضرورت خاص دستِ مبارک سے بھی جواب تحریر فرمادیا جاتا تھا۔

اِن جوابات کے تقسیم کرنے میں بھی نہایت سخت احتیاط برتی جاتی تھی۔ جب کبھی اندیشہ یا خطرہ کا شبہہ

ہوتا تھا تو اُن مقامات میں توقیعاتِ مبارکہ کے ارسال میں احتیاط کیجاتی تھی۔ بلکہ کسی نہ کسی طرح سائل کو بُلا لیا جاتا تھا۔ اور جو کچھ اُنکی استدعا اور معروضات کے جوابات ہوتے تھے اُنکو سنا دیے جاتے تھے۔ یا اُسکی نقل کرا دی جاتی تھی۔ اور اصل توقیع مبارک اُنکو نہیں دی جاتی تھی۔ کیونکہ آگے چلکر انہی توقیعات کے برآمد ہونے پر مؤمنین کی گرفتاری سلطنت کی طرف سے عمل میں لائی جانے لگی جسکے پاس سے اِس کے اجزاء برآمد ہوئے وہ گرفتار کر لیا گیا اور سخت سے سخت مصائب و شدائد میں مبتلا کیا گیا۔ ہم اِن حالات کو غیبتِ کبرےٰ کے قریب ایام میں انشاءاللہ المستعان پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے۔

معتضد کی وفات اور مکتفی باللہ کی حکومت

معتضد باللہ اپنی حکومت اور امارت کا پورا سال تمام کرکے اُنچاس ۴۹ برس کے سن میں ۲۰ ربیع الثانی ۲۸۹ھ ہجری کو مر گیا۔ مروج الذہب مسعودی میں تحریر ہے کہ وہ دلیر اور شجاع تو تھا مگر اس کے ساتھ ہی بخیل اور ممسک بھی ضرور تھا۔ اُسی قدر بیجا خونریزی اور بیگناہ قتل و ہلاکت میں دست کشادہ اور ہمیشہ مستعد اور آمادہ پایا جاتا تھا۔ قلّتِ رحم۔ بیدردی۔ شقاوت اُسکی فطرت کے خاص جوہر تھے۔ بدسلوکی۔ فحش زبانی اور تعزیرِ انسانی اُس کے اوصافِ مخصوصہ میں داخل تھے۔ اُس کے وحشیانہ اور ظالمانہ مسالک کی ادنے مثال یہ تھی کہ اُس کے خاصہ کے خدّام اور ملازمین میں سے جب کوئی بدقسمت ادنے سے ادنے اور معمولی سے معمولی خطا یا فروگزاشت کا ملزم ہو جاتا تو وہ اُس کی پاداش میں اُسکو عام اِس سے کہ وہ کتنا ہی قدیم الخدمت اور خیرخواہِ مال و دولت کیوں نہ ثابت ہوا ہو۔ فوراً نصف قامت تک ایک گڑھا کھُدوا کر اُس میں سر کے بل اوندھا گڑوا دیتا تھا۔ اور پھر اُس گڑھے کو مٹّی سے بھروا دیتا تھا۔ اور اِس ترکیب سے غریب مجرم کو زندہ درگور ہونیکے معنوں تک پہنچا دیتا تھا۔ اور وہ اس طرح تڑپ تڑپ کر اور پھڑک پھڑک کر اپنی جان دیدیتا تھا۔ کسی میں اتنی مجال اور قوّت نہیں ہوتی تھی جو اُس کے حیوانی غصّہ کو روک سکے۔ یا اُسکے اِس وحشیانہ طریقہ اور عمل میں کسی مداخلت یا ممانعت پر جرأت کر سکے۔ مجرمین کی سزا کی ترکیب بھی ایک طرح اور ایک صورت نہیں ہوتی تھی بلکہ اِن سزاؤ عقوبت کی عجیب و غریب اور انواع و اقسام کی تدبیریں اور ترکیبیں ہوا کرتی تھیں۔ جن کے محض سُننے سے انسان کا دل بیچین ہو جاتا ہے۔

معتضد کو عمارت اور عورتوں سے بھی مفرط درجہ کا شوق اور محبّت تھی اِس لیے وہ اپنے بخل اور امساک کے ذریعہ سے جو کچھ بچاتا تھا وہ اِن اخراجات میں اُسکی کشادہ دلی اور فراخ دستی کی صورت بنکر نکل جایا کرتا تھا۔ اور سال بھر میں دونوں طرف کا جمع اور خرچ برابر ہو جایا کرتا تھا۔ عمارت کے متعلق تو اُس نے اپنے دہ سالہ ایامِ حکومت میں ایک قصرِ عالیشان تعمیر کیا تھا جس کا نام ثریا رکھا گیا تھا۔ اُسکے تعمیری اخراجات میں چار لاکھ اشرفیاں صرف کی گئی تھیں۔

یہ تو عمارت کا خرچ تھا۔ عورت کے مصارف کا اندازہ صرف اِسی سے کیا جاسکتا ہے کہ اُسنے صرف

اپنی ایک منکوحہ کا دَینِ مہر ایک کروڑ روپیہ دیا تھا۔ اور اُسپر مختلف بلادِ ہندوستان۔ مصر۔ عراق۔ فارس اور شام وغیرہ وغیرہ کے لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کے قیمتی اور عدیم المثال تحفے المضاعف تھے۔ صاحب روضۃ الصفا نے اِنہی معاملات کی بنیاد پر اُس کے بُخل اور امساک سے قطعی طور پر انکار کیا ہے اور اُس کو بخیل اور ممسک ہونیکی جگہ اوّل درجہ کا مُسرف بتلایا ہے۔ اور اِسکے مرقومہٗ بالا اخراجات کو اُسکے امتناعِ بخل اور اختیارِ اسراف کے ثبوت میں داخل کیا ہے۔ اور ہم کو بھی اِس قابل مؤرّخ کی رائے سے اتفاق کرنے میں کوئی عذر اور کلام نہیں ہے۔

یہ تھے معتضد باللہ کے ذاتی اوصاف اور محامد۔ جو قابل مؤرّخ نے مروج الذہب مسعودی کے اسناد سے اپنی تاریخ کے تیسرے دفتر میں قلمبند کیے ہیں۔ اِن واقعات کو پڑھکر معتضد کی تمام اخلاقی کمزوریاں آئینہ ہوجاتی ہیں۔ اُسکی عیش پسندی آرام طلبی اور نفس پرستی پورے طور سے تحقیق کے پایۂ کمال تک پہنچتی ہے اور ثابت ہوجاتا ہے کہ وہ شقاوت۔ بیدردی۔ بیرحمی اور ظلم و تعدّی میں اپنی آپ مثال تھا۔ خونریزی قتل و ہلاکت سخت سے سخت عقوبت اور شدید سے شدید مصیبت پہنچانا اُسکے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اپنے نفس اور اُسکی لذّت کا بندہ تھا۔ آرام۔ عیش اور نشاط کا مطیع اور فرمانبردار بنا رہتا تھا۔ اپنی خواہشوں کا غلام تھا اور اُنکے ضبط و تحمّل پر ذرا بھی اختیار نہیں رکھتا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جہانتک معتضد کے ذاتی حالات کی بابت تحریر ہوا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ باعتبار ترکیب کے اُسکی طبیعت کے اعمال و خواص بھی ویسے ہی تھے جو اُسکے خاندان کے وسیع دائرہ میں عام تھے۔ اُسکی طبیعت کے انداز۔ اُسکے مزاج کے طور۔ اُسکی حرکات۔ اُسکے افعال و اعمال ویسے ہی تھے جیسے اُسکے اسلاف کے۔ جن لوگوں نے اگر اور متفرق کتابوں میں نہیں۔ صرف ہماری موجودہ سلسلہ کے مختلف نمبروں میں عباسیوں کے حالات اور اُنکے اطوار و عادات کو بالاستیعاب دیکھا ہے تو وہ بتلا سکتے ہیں کہ عموماً یہ تمام باتیں عام طور سے سلسلۂ عباسیہ کے تمام سلاطین میں پائی جاتی ہیں۔ اور اُن میں کا ہر شخص اپنے اپنے مذاق کے موافق اپنی خواہش اور نفسانیت کا غلام اور بندۂ بیدام ضرور تھا۔ معتضد کے پہلے بھی مہدی۔ ہادی۔ ہارون وغیرہ وغیرہ سب نفس پرستی اور بدمستی میں مادام الحیات مستغرق تھے شرابخواری دل آزاری سفّاکی اور شقاوت تو منصور سے لیکر اِس وقت تک اِس سلسلہ کے ایک ایک فرمانروا اور تاجدار کا اصلی معیار قرار پاچکی تھی۔ پھر اِس وقت معتضد کی اخلاقی کمزوریوں سے خاصکر کسی تفصیل کے ساتھ بحث کرنا فضول اور بیکار ہے۔ جسکو ہم قلم انداز کرتے ہیں۔ مگر اتنا ضرور لکھے دیتے ہیں کہ روزانہ تجربہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ جو شخص ابتدا سے اپنی بد اخلاقیوں کا عادی اور خوگر رہتا ہے وہ آخر میں اکثر دیوانہ اور مجنون ہوجاتا ہے۔ انسانی ترکیب جسمانی کے خواص میں داخل ہے کہ جب کسی کے ایک عضو میں کوئی نقص اور عیب پیدا ہو تو وہ آخرِ کار بتدریج ترقی کرتا ہوا دوسرے عضو کو بھی بالکل بیکار کردیتا ہے۔

اِس اصول کے اعتبار سے معتضد کی دماغی کمزوریاں بدمستی اور شہوت پرستی کی وجہ سے اتنی بڑھتی چلی گئیں کہ آخر میں اُنہوں نے معتضد کے دماغ کو بالکل خراب اور بیکار کر دیا۔ اور آخر کار وہ اسی عارضہ میں مر گیا۔ چنانچہ اُس کے مرض الموت کی تفصیل میں لکھا گیا ہے۔

شروع ۲۸۳ھ ہجری میں اُس کو خلل دماغ شروع ہوا۔ اور وہ اس طرح شروع ہوا کہ اُسکو قصرِ شاہی میں جہاں وہ رہا کرتا تھا طرح طرح کی عجیب و غریب صورتیں نظر آنے لگیں۔ کبھی کسی پیرِ کہن سال کی صورت میں۔ کبھی راہبوں کے لباس کے ساتھ دکھلائی دیتی تھیں۔ اور کبھی جوانِ رعنا کی تصویر اُسکی آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو جاتی تھی۔ اور کبھی وہ شکل تجّار اور عام روزگار پیشہ والوں کی صورت میں دکھلائی دیتی تھی۔ اور کبھی وہ تصویر سپاہیانہ وضع میں ہتھیار لگائے۔ تلوار برہنہ لیے نمودار ہوتی تھی۔ یہ سب مشاہدات اُسکو خاصکر اُس وقت میں معلوم ہوا کرتے تھے۔ جس وقت تمام قصرِ خلافت کے دروازے بند کر کے ملازمین سلطانی اپنے اپنے بسترِ راحت پر آرام کرنیکے لیے چلے جاتے اور معتضد خود بھی اپنے فرشِ استراحت پر جا لیٹتا تھا۔ اور اُسکو یہ مختلف اوضاع و قماش کی عجیب و غریب شکلیں قصرِ شاہی کے گوشہ گوشہ میں دکھلائی دیتی تھیں اُس نے اِنکی حقیقتِ حال دریافت کرنے کے لیے تجربۃً کئی مقام تبدیل کیے۔ اور اپنے ایک ایوان سے دوسرے ایوان میں اور دوسرے ایوان سے تیسرے ایوان میں بود و باش اختیار کی۔ مگر شکل و صورت کے مشاہدِ مختلفہ نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ جہاں گیا یہ طلسمی تصویریں ہر جگہ اُسکی آنکھوں کے سامنے پھرتی رہیں۔ یہانتک کہ تھوڑے عرصہ میں یہ اخبار و آثار تمام شہر و دیار میں کامل طور سے اشتہار پا گئے۔ اور زبان زدِ خاص و عام ہو گئے۔ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس واقعہ پر اپنی رائے اور اپنا حُکم لگانے لگے۔ اور اپنے اپنے مقام پر اس کے تدارک کی فکر کرنے لگے۔ بعض کی رائے میں یہ حرکات شیطانی نکلیں۔ جو معتضد کی ایذا رسانی کے لیے مختلف صورتوں میں ظاہر ہوا کرتی تھیں۔ اکثر کے نزدیک جنّات کے تصرّفات ثابت ہوئے۔ اِس لیے کہ معتضد اِن مشاہداتِ عجیبہ کو دیکھکر اپنی بدکرداری اور ناستودہ اطواری سے توبہ و انابت اختیار کرے۔ اور چند لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ اُس غلام کے کرشمے ہیں جو معتضد کی کنیزوں میں سے ایک کے ساتھ آلودہ ہوا ہے۔ اور اُس نے حکماؤ عاملین کے ذریعہ سے ایسے ایسے نیرنگ اور طلسم پیدا کیے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی اصلی ہیئت و صورت کو بدلکر مختلف شکلوں میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔

یہ باتیں اور مختلف رائیں معتضد کے آئے گئے حواس اور بھی کھوئے دیتی تھیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایسی بے اصل و بے بنیاد باتیں سوائے بازاری اور ادنے درجہ والوں کے اعلےٰ طبقہ والوں میں تو ہوتی ہی نہیں تھیں۔ اِس لیے اِن سب باتوں کا ذکر عموماً اُس کے خادموں کی جماعت میں ہوا کرتا تھا۔ معتضد جب اُن لوگوں کے اِس ذکر و چرچے کو سنتے سنتے عاجز آ گیا تو اُس نے آخر کار اپنے اکثر ملازمین کو اِس جُرم میں

قتل کروا دیا۔ اور اُنکی لاشوں کو دفن کیے جانیکی بھی اجازت نہیں دی۔ ویسے ہی اُنکے مُردوں کو دجلہ میں ڈلوادیا۔ ان واقعات کے تھوڑے دنوں بعد معتضد خود بھی مرگیا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

تاریخ مسعودی میں معتضد کے اِس عارضہ کی حقیقتِ حال یوں لکھی ہے وَقَدْ اَتَیْنَا عَلَی الْخَبَرِ فِیْ ذٰلِكَ وَالسُّبُلِ الْمُوْجِبِ لَهٗ وَالْحِیْلَةِ فِیْهِ وَمَا قَالَ الْفَلَاسِفَةُ وَمَا حُكِیَ عَنْ اَفْلَاطُوْنَ فِیْ هٰذَا الْمَعْنٰی۔ یعنی اِن امور کے اسباب اور اُن کے اعمال و خواص کی تحقیق میں فلاسفہ کے اقوال و احکام ہمارے پیشِ نظر ہیں اور افلاطون کی رائے بھی موجود ہے۔ جس کو اُس نے خاصکر انہی امور کے متعلق لکھا ہے۔

مکتفی باللہ کی حکومت

معتضد کے مرنیکے وقت اُس کا بڑا بیٹا اور ولیعہد علی ابنِ معتضد موجود نہیں تھا۔ وہ اُن دنوں شہر رقہ میں مقیم تھا۔ وزیر السلطنت قاسم ابنِ عبید اللہ نے اُس کو باپ کے واقعہ سے مطلع کیا۔ اور وہ اِس واقعۂ جانگزا ونیز اس مژدۂ جانفزا کو سُنکر بسرعت تمام رقہ سے دار السلام بغداد میں داخل ہوا۔ نائب السلطنت قاسم ابن عبید اللہ نے اُسکی تخت نشینی کے تمام انتظام پہلے ہی سے ٹھیک کر رکھے تھے۔ ارکینِ سلطنت اور رعایائے مملکت نے اُس کے آتے ہی بلا عذر و مزاحمت اُسکی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

مکتفی نے تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی پہلا حکم جو صادر کیا وہ اُس عمارتِ شاہی کی مسماری اور بربادی سے متعلق تھا جو خاص طور سے خلائق کی ایذا رسانی۔ تعذیب و تعذیر اور قتل و ہلاکت کی ضرورتیں پوری کرنیکے لیے معتضد کے حکم سے تعمیر کیگئی تھی۔ یہ وہی مقام تھا جہاں جو شخص بد قسمتی سے قید کیا گیا وہ انواع و اقسام کے مختلف مصائب و شدائد اُٹھا کر آخر کار قتل و ہلاکت کے اخیر نتیجوں تک ضرور پہنچایا گیا۔ غرض اس عمارت میں آنا موت کے مُنہ میں جانا تھا۔ بہر حال۔ مکتفی کے حکم سے یہ عمارت فوراً مسمار کردی گئی۔ مکتفی نے رعایا کی دلجوئی اور خاطر داری کی ضرورت سے داد و دہش اور عام عطا و بخشش کے دروازے کھولدیے۔ جس کی وجہ سے پریشان رعایا کی افسردگی اور پژمردگی میں قدرے تازگی اور قوت آگئی۔

ملکِ حجاز پر قرامطہ کی تاخت

مکتفی ابھی اندرونی معاملات کی درستی اور ترتیب میں مصروف تھا کہ یکبارگی بیرونی آفتیں اُسکے سر پر ٹوٹ پڑیں۔ اور جیسا کہ ایک تازہ فرمانروا کی جدید تخت نشینی کبھی عام فتنہ و فساد سے خالی نہیں جاتی اُسی طرح مکتفی کے ابتدائی ایامِ سلطنت بھی فتنہ و فساد سے بھر گئے۔ مکتفی کو چاروں طرف سے بیرونی معاملات نے گھیر لیا۔ اِسکی تفصیل یہ ہے کہ فرقۂ قرامطہ کے لوگوں نے ممالکِ حجاز میں بسرکردگی یحیےٰ بن ذکرویہ عام فتنہ و فساد کا عام طور سے بازار گرم کیا اور خلافتِ بغداد کے نظامِ مُلکی میں انواع و اقسام کے خلل پیدا کیے۔ عرب کی تعیینہ فوجِ شاہی نے اُنکی مدافعت میں معرکوں پر معرکے پیش کیے۔ کسی میں فوجِ سلطانی غالب رہی اور کسی میں قرامطہ کی جماعت۔ یہانتک کہ اُنہی معرکوں میں یحیےٰ موجودہ رئیسِ قرامطہ بھی مارا گیا۔ مگر تاہم قرامطہ کی شورش

اور کوشش کم نہوئی اور نہ فریقین میں سے کوئی صاف طور پر کامیاب ہوسکا۔ اِدھر قرامطہ نے یحییٰ کے مارے جانیکے
بعد اُس کے بھائی حسین کی امارت قبول کرلی۔ حسین بڑی پالیسی کا آدمی نکلا۔ اُس نے قرامطہ کی تنہا امارت
کو اپنے استحقاق فی الامارت کے مستحکم اور مضبوط بنانیکے لیے کافی نہیں سمجھا۔ اور صرف اس سرداری کو اپنے
حصولِ ثروت و عزت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ بلکہ بہت بڑی دوراندیشی اور عاقبت بینی کے خیال سے اُسنے
تمام اہلِ اسلام کو اپنی طرف بلامزاحمت اور بے عذر رجوع کرنیکے لیے یہ ترکیب نکالی کہ اُسنے اپنے اقرارِ امارت
کے ساتھ دعوے امامت بھی کیا۔ غرضکہ اِس بنا پر اُس نے اپنے آپ کو عبداللہ ابن اسمٰعیل ابنِ جنابِ امام
جعفرِ صادق علیہ السلام کی اولاد سے بتلایا۔ حسین کے چہرے پر ایک بہت بڑا مستا بھی تھا جس کو اُس نے
اپنی امارت کی علامت قرار دے رکھا تھا۔ اور اُسکو اپنی خلافت و امامت کا معیار بتلاتا تھا۔ اپنے چچازاد بھائی
عیسٰے نامی کو المدثر کے لقب سے پکارتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ قرآن میں المدثر کا مخاطب یہی عیسٰے ہے۔ بہرحال
حسین کی اِن مفویانہ تعلیمات نے دیارِ حجاز میں ایک قیامت کی تاثیر پیدا کردی۔ عرب کے بہت سے جاہل
قبائل اُسکی اِن لغویات اور حشویات پر فریفتہ ہوگئے۔ اور اموالِ غنیمت و حصولِ دولت کے پنجہ میں گرفتار
ہوکر جو قدیم الایام سے اہلِ عرب کی فطرتِ ثانی ہورہی تھی اپنے دین و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جب ملکِ
حجاز پر حسین کا کسی قدر تسلط ہوگیا اور اُس کے نظامِ امارت بھی تھوڑے بہت درست ہوچکے تو حسین نے
تسخیرِ ممالک کے متعلق اپنی رفتار اور تیز کی اور اپنے غلام مطوق نامی کو ممالکِ شام کی طرف بھیجا۔ اور
اُسکو شام کے تمام مسلمانوں کے قتل و اسیر کرنیکا حکمِ عام دیدیا۔ مطوق اپنی جمعیت کے ساتھ شام میں پہنچا
بہت سے علاقے فتح کیے۔ قبائل لوٹے۔ خاندان تباہ و برباد اور اسیر کیے۔ اور اپنے اِن تمام جدید مقاماتِ
مفتوحہ پر حسین ابن ذکرویہ کی حکومت قائم کردی۔ اور مساجد و منابر پر اُسی کے نام کا خطبہ بھی پڑھوادیا۔
اور مکتفی موجودہ خلیفۂ عباسی کا نام نکلوا کر حسین ابنِ ذکرویہ کا نام داخل کردیا۔ اور اُسکو امیرالمؤمنین کے
لقب سے مشہور کرایا۔ اسلامی تاریخوں میں صاحب الشامۃ کے نام سے جو شخص مراد لیا جاتا ہے وہ بھی
حسین ابنِ ذکرویہ ہے۔ اِس لقب کی خصوصیت سوائے اِسکے کچھ اور نہیں ہوسکتی کہ جس طرح قبل اِس
معتمد کے وقت میں صاحب الزنج کے نام سے ایک شخص بغاوت کے لیے مشہور ہوچکا ہے اُسی طرح
اِس وقت یہ صاحب الشامۃ کے خاص نام سے مشہور و موسوم کیا گیا۔ مگر جہانتک ابوسعید جبائی تول
رئیسِ قرامطہ اور حسین ابن ذکرویہ موجودہ امیر قرامطہ کے باہمی حالات کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ یہ ظاہر
ہوتا ہے کہ حسین کی کارروائیاں ابوسعید کی خدمات سے کہیں بڑھی ہوئی ہیں۔ اور جس طرح حسین کی
اپنے مدعا میں کامیابی ہوئی ویسی ابوسعید کو نہیں۔ اِس کا ظاہر ثبوت یہ ہے کہ ابوسعید باوجود متواتر فتوحات
کے معتمد کے مقابلہ میں اپنے آپ کو امیرالمؤمنین کے لقب سے مشہور کرنیکی جرأت نہ کرسکا۔ مگر حسین نے اپنا
یہ ارمان پورا کرلیا۔ اور ممالکِ اسلامیہ میں اس قدر مقبوضات حاصل کیے اور اِن مفتوحہ مقامات میں

اپنی حکومت وسیاست کا ایسا کامل اور گہرا رنگ جمایا کہ معتضد کی موجودگی میں نہیں تو مکتفی کے وقت میں حجاز۔ یمن اور شام کے تمام مسلمان اِسکو امیر المؤمنین کے لقب سے یاد کرنے لگے۔

اتنے تسلّط پیدا کرنیکے بعد بھی حسین اپنی کوششوں سے نہ تھکا بلکہ اپنی فتوحات کی رفتار کو روزبروز تیز کرتا گیا۔ اُسنے اپنے ایک دوسرے غلام کو جس کو اُس نے صاحب الخال کا خطاب دے رکھا تھا شہر بعلبک کی تسخیر پر تعینات کیا جو ممالکِ شام کے بہت بڑے زرخیز اور مشہور شہروں میں ہے۔ اور یہاں بھی تمام مسلمانوں کے قتل وغارت کا ویسا ہی حکم صادر کیا۔ اُس شخص نے بھی موقع پر پہنچکر اپنے رئیس کی ہدایت کی پوری تعمیل کی اور عبّاسیوں کی متعیّنہ فوج کو کامل ہزیمت پہنچا کر بلامزاحمت شہر میں گھس پڑا۔ اور تمام شہر والوں کو اپنی تلوار کے نیچے رکھ لیا اور بالخصوص مسلمانوں کو اپنے امیر کی ہدایت اور خواہش سے زیادہ قتل کیا۔ اور اُنکے تمام مال ومتاع کو لوٹ لیا۔ خاندان کے خاندان بے نام ونشان اور گھر کے گھر بے چراغ کر ڈلے۔ اِن شہروں کی بربادی کے بعد پھر اُس نے اسکے انتظام کی طرف بھی توجہ کی۔ اہل شہر نے صاحب الخال سے اپنے جان ومال کی امان مانگی۔ جس کو اُس نے منظور تو کیا مگر افسوس! شریعتِ اسلامی کے بالکل برخلاف اور سنّتِ نبوی کے سراپا برعکس اُسنے رعایا کے ساتھ صلح کرنیکے بعد سخت دغا کی اور ابو ہاشم رئیسِ بعلبک کو جو رعایا کی طرف سے مصالحت اور استدعائے امان وعافیت میں پیش پیش تھا دغابازی سے اپنے گھر بلا کر قتل کر ڈالا۔ صاحب الخال کا یہ ظلم اور خونِ ناحق دیکھکر سارا شہر کانپ اُٹھا۔ اور کسی کو بھی حواس نہ رہا اور اِس بڑی ظالمانہ ترکیب سے اُس نے تمام علاقہ کی رعایا پر اپنا ایسا رعب جمایا اور وہ اثر پیدا کیا کہ اُس کے قبل کسی دوسرے حکمران اور فرمانروا کو آج تک نصیب نہیں ہوا تھا۔

بہرحال۔ صاحب الخال جب اِس طرف کے معاملات صاف کر چکا تو اُس کو طبرستان کی طرف بڑھنے کا حکم دیا گیا۔ اور وہ حکم پاتے ہی بلا تامل اپنی ہمراہی جمعیّت کے ساتھ طبرستان میں جا پہنچا۔ اور یہاں بھی اُسنے اپنے مظالم۔ بیرحمی اور شقاوت کے ویسے ہی معاملات پیش کیے جیسے وہ اِس سے پہلے شہر بعلبک اور ممالکِ شام کے قریب قریب تمام علاقے میں برپا کر چکا تھا۔ عموماً تمام مردوں کو مار ڈالا۔ عورتوں بچوں کو پکڑ کر بازار میں کھوٹے داموں بیچ ڈالا اور اپنے دام سیدھے کر لیے۔ اِس صورت میں جنگ وپیکار بھی ہوئی اور گھر بیٹھے کا بیوپار بھی ع چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار۔

قرامطہ کے اِن تمام فسادات کی خبر مکتفی کو پہنچی تو اُس نے شام اور طبرستان کے تمام امراء ورؤسا کو اُن صوبجات کی متعیّنہ فوج سلطانی کی مدد کرنیکے لیے لکھا اور تاکید کی۔ اِس میں شک نہیں کہ اِن امراء ورؤسائے ممالکِ محروسہ نے شقۂ سلطانی پاکر فوراً حکم شاہی کی تعمیل کی۔ اور اپنی جاں نثاری اور سرفروشی کے اظہار میں بڑی ہمّت اور دلیری سے مقابلہ کیا۔ مگر اتفاقِ وقت سے اتنی متواتر کوششوں کے بعد بھی اُنکو شاہدِ مُدّعا سے کبھی ہمکنار ہونیکی نوبت نہ آئی۔ بلکہ برعکس اِسکے اُنکی جمعیت کے بڑے بڑے نمودار

اور ذی عزّو وقار بزرگوار قتل و گرفتار ہوئے۔ اور انکی مدافعانہ کوششوں کا کوئی نتیجہ آخر میں نہ نکلا۔
اب مکتفی میں تحمّل کی ذرا بھی قوّت نہ رہی اور اِس خبرِ وحشت اثر کے پاتے ہی ایک لاکھ فوجِ جرّار صاحب الشام اور صاحب الخال کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئی۔ جسکی کمان مکتفی نے خود اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ اور رقّہ پہنچکر اُس نے اپنے سالارِ فوج محمد ابنِ سلیمان کو مقدمۃ لشکر بناکر مخالف سے مقابلہ کرنیکو بھیجدیا۔ صاحب الشام رقّہ سے تھوڑے فاصلہ پر اپنی فوج کے پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ محمد نے موقع پر پہنچتے ہی غنیم سے مقابلہ شروع کر دیا۔ جانبین سے دیر تک بازارِ حرب و ضرب گرم رہا۔ اور لوہے سے لوہا بجتا رہا۔ آخر میں مکتفی کی فتح ہوئی۔ قرامطہ کی فوج میدانِ جنگ میں ہزیمت اُٹھاکر منتشر ہو گئی۔ صاحب الشام ابنِ ذکرویہ مع اپنے معتمدین عیلے الملقّب بہ المدثّر اور مطوّق ملقّب بہ صاحب الخال کے تین سو ساٹھ رفقاؤ انصار کے ساتھ گرفتار ہوا۔ اور مکتفی کے پاس حاضر کیا گیا۔ مکتفی اِن اسیروں کو ہمراہ لیکر پوری کامیابی کے ساتھ اپنے دار الخلافت بغداد میں داخل ہوا۔ اور بغداد میں داخل ہوتے ہی اُسنے تمام اسیروں کے ہاتھ پاؤں کٹوا ڈالے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اُنکی گردنیں بھی قلم کروا ڈالیں۔

ذکرویہ رئیسِ قرامطہ اور غارتِ خانۂ کعبہ

یہ تھی صاحب الشام حسین ابنِ ذکرویہ اور اُس کے تمام عروج و ادبار کی کامل تفصیل جو عموماً تمام اسلامی تاریخوں میں مندرج ہے۔ مگر جاہیے اتنی عقوبت اور اتنی سزا و سیاست کے بعد بھی قرامطہ نے اپنی کوششوں سے مُنہ پھیرا ہو۔ نہیں۔ وہ اپنی موجودہ ہزیمت یا خستگی کی حالتوں میں بھی اپنی سلسلہ جُنبانی اور عامّۃ الخلائق کی ایذا رسانی سے باز نہ آئے۔ حسین ابنِ ذکرویہ کے تمام حالات اُسکی حیات تک تمام اور منقطع ہو گئے مگر اُنکی تمنّا اور آرزو ابھی تک تمام نہوئی۔ حسین کے بعد اُنہوں نے اُسکے باپ ذکرویہ کو اپنا سردار بنایا۔
گروہ قرامطہ میں حقیقۃً جوش۔ استقلال۔ اور ہمّت ویسی ہی تھی جیسی کہ ابو سعید جنابی نے عمر ابنِ عباس کی زبانی معتمد کے پاس کہلا بھیجا تھا۔ اور وہ صرف اِسی سے ظاہر ہے کہ باوجود اتنے مصائب و شدائد کے جو کہ ذکرویہ کو اپنی پیرانہ سالی اور شکستہ حالی کی موجودہ حالتوں میں اُٹھانے پڑے۔ ایسے جوان اور مہیب الشان بیٹے کا داغ۔ خیر خواہ۔ وفادار اور دلیرِ روزگار اعوان و انصار کا قتل۔ فوجِ ہمراہی کی شکست اور تباہی یہ سب ایسی آفتیں تھیں اور مصیبتیں جو ایک بارہجوم کرکے اُسکے سر پر گر پڑی تھیں۔ مگر تاہم اُسنے اپنے استقلال اور پاداری کو ہاتھ سے نہ دیا۔ بلکہ بخلاف اِس کے نہایت مستعدی اور آمادگی سے اپنے فرقہ کی بگڑی ہوئی حالتوں کو درست کرنے۔ اُنکی نموداری اور عزّت قائم رکھنے اور اُنکی حالتوں کے سنبھالنے میں اپنی پوری کوشش صرف کر دی۔
تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حسین نے اپنی امارت کے زمانہ میں ممالکِ شام و طبرستان کی تسخیر میں اپنی جان قربان کر دی اُسی طرح ملک حجاز کے سر کرنے اور وہاں کی رعایا پر اپنا تسلّط قائم رکھنے کی

کوششوں میں ذکرویہ نے بھی اپنی حیات کا خاتمہ کر دیا۔ اپنی امارت کے روزِ اوّل سے وہ حجاز اور حجازیوں کے پیچھے پڑگیا۔ اور ابتدا میں اُس نے معمولی رہزنی اور قزّاقی کی صورت میں حجّاج اور اُنکے قافلوں کا ستھراؤ کرنا شروع کیا۔ گروہ کے گروہ جو مختلف مقامات سے مراسمِ حج ادا کرنیکی نیت سے شہرِ مکّہ معظمہ میں جاتے تھے۔ لوٹ لیے۔ اور نہایت بے پروائیوں سے بلا تامّل اور مزاحمت اُن سب کو قتل کیا۔ اور اُنکے تمام ساز و سامان اور مال و متاع کو غارت کر کے تباہ و برباد کیا۔ جب اِن کارروائیوں میں اُسکو برابر کامیابی ہوتی گئی اور اُسکو اپنے موجودہ مقاصد و مطالب میں پوری قوت ملتی گئی تو اُسنے اپنی موجودہ جمعیت کے ساتھ خانہ کعبہ اور حرمِ محترم پر ایکباری چڑھائی کردی۔ مکّہ معظمہ زاداللہ شرفًا کا تسخیر کرلینا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ بلکہ سخت سے سخت اور مشکل سے مشکل امر تھا۔ شہرِ مکّہ مسلمانوں کی عبادت اور تمام روحانی عظمت کا مرکزی مقام ہے جس کو اسلام کا بچّہ بچّہ قدرتی طور پر بہت بڑی قدر و منزلت سے دیکھتا تھا۔ اور اُسکی حفاظت کی خدمات کو فخر و مباہات سمجھتا تھا۔ اِن وجوہ سے ذکرویہ کو سلطنت کی مخالفت کے ساتھ ہی تمام اہلِ اسلام کی عام ناراضی اور مزاحمت کا بھی پورا خیال لگا ہوا تھا۔ اِن امور کو ابتدا ہی سے ذکرویہ نے اپنے پیشِ نظر رکھا۔ اور انکی ضروریات کو اچھی طرح سمجھ بوجھکر اپنے ارادہ اور کوشش میں حد سے زیادہ سرگرمی اور مستعدی دکھلائی۔ کہاجاتا ہے کہ وہ اپنے موجودہ مطالب و مقاصد کے پورا کرنے میں رات دن ایسا مصروف و مشغول رہتا تھا کہ دو مہینے تک مطلق نہ سویا۔ رات دن میں کسی وقت آرام کرنیکے لیے اپنا سر اپنے تکیہ پر نہ رکھا۔ دو روٹیاں اور ایک کٹورے پانی کے علاوہ وہ بھی چوبیس ۲۴ گھنٹوں میں ایک بار۔ اور کوئی دوسری غذا نہیں کی۔ رات دن وہ تھا اور تسخیرِ خانۂ مقدّس اور حرمِ محترم کی فکریں۔ وہ تھا اور حجاز اور حجازیوں کی سرکوبی کی تدبیریں۔

الغرض ذکرویہ انہی کوششوں میں سراپا محو اور ہمہ تن مستغرق رہکر اپنی رفتار کو تیز کرتا چلا گیا۔ اور اپنے مقام سے مکّہ معظمہ زاداللہ شرفًا تک تمام منازل اور علاقجات پر اپنے تسلّط اور تصرّف بٹھلاتا گیا۔ کسی قوم و قبیلہ کی یہ جرأت نہوئی کہ وہ اُس کو روکے یا اُسکی تیز رفتاری کے عالم میں اُن کو آگے بڑھکر راستہ میں ٹوکے۔ ذکرویہ اپنی کمال آزادی اور خود مختاری کے جوش میں بڑھتا ہوا آگے چلا گیا اور اپنی پوری مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ اُس شہرِ مقدّس میں داخل ہوا اور اپنی دلیری اور وسعت کے ثبوت میں شہر کے وسط میں اپنے لشکر کے پڑاؤ ڈالدیے اور اُسکی اِس جرأت و ہمّت نے تمام شہر والوں میں عمومًا ہلچل ڈالدی اور ہر طبقہ اور ہر درجہ والوں کے دل ہلا دیے۔ حجّاج کے قافلوں کی سرگزشت اور اُنکے مصائب و شدائد کی تمام و کمال کیفیت اِن لوگوں کو پہلے ہی معلوم ہو چکی تھی۔ اِس لیے اِن لوگوں کے دل پر اُس کی ہیبت اور سطوت کا دونا اثر پیدا ہوا۔ اور وہ اُس کی مدافعت اور مزاحمت میں پہلے ہی سے بالکل بیدل اور مضمحل ہو گئے۔ اور کچھ بھی نہ کرسکے۔ ذکرویہ نے اپنی سطوت اور صولت کے سکّے شہر کی رعایا پر

پورے طور سے جاکر شہر کی غارت اور حرمِ محترم کی عمارت کو خراب و مسمار کرنیکا حکمِ عام دیدیا۔ حکم کی دیر تھی۔ قرامطہ کی پُرجوش جماعت شہر میں گھس پڑی اور اپنی غارت و تباہی کے خوب خوب ہاتھ صاف کیے تجارت پیشہ اور معمولی لوگوں کو کوڑی کوڑی لوٹ لیا۔ شہر کی متعیّنہ فوجِ شاہی نے اگرچہ اُنکا مقابلہ کیا۔ اُنکی مدافعت میں پوری کوشش کی مگر کچھ مفیدِ کار ثابت نہ ہوئی۔ اور قرامطہ کے دستِ تصرفات بڑھتے ہی چلے گئے۔ اُنکی دست درازیوں کی آخرکار یہانتک نوبت پہنچی کہ حجّاج ابن یوسف ثقفی کے مظالم بھی فراموش ہو گئے۔ تمام شہر میں غدر مچ گیا۔ بندگانِ خدا کا بلا امتیاز و بغیرِ استثناء خون مباح کر دیا گیا۔ جو جہاں پایا گیا۔ تلوار کے گھاٹ اُتارا گیا۔ حرمِ محترم اور مسجد الحرام کی عمارت بھی مسمار و خراب کر دی گئی۔ خاصکر وہ دیوار جس میں حجر الاسود نصب تھا۔ الغرض ایک قیامت تھی جو چاروں طرف قائم تھی۔ ایک بلائے بےدرماں تھی جو چاروں طرف سے محیط تھی۔

بہرحال۔ اِس قیامت اور اِس تہلکۂ عظیم کی خبر جس وقت دار الخلافت بغداد میں پہنچی تو مکتفی اِسکے سنتے ہی پہلے سے بھی زیادہ تیاریوں کے ساتھ اُنکی سرکوبی کو روانہ ہوا اور عین موقع پر پہنچتے ہی اُن کی مدافعت کی کوششوں میں مصروف ہوا۔ تمام شہر میں ناکہ بندی اور محاصرہ کا حکم دیدیا۔ سلطانی فوج جو اُسکے ہمراہ تھی شہرِ مقدس کے چاروں طرف پھیل گئی۔ اور آمد و رفت کے تمام راستوں پر اپنے پہرے بٹھلا دیے۔ علاوہ اِسکے انتظام نہایت استحکام سے درست کر لیے۔ غرضکہ مکتفی کے اِس انتظام نے قرامطہ کو شہر کے اندر ہی گھیر لیا۔ اور کسی طرف سے باہر نکلنے نہ دیا۔ قرامطہ مجبور ہو کر اپنی جان پر کھیل گئے اور دشمن کے مقابلہ میں اُنہوں نے اپنی کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ مگر وہ بالکل مجبور تھے۔ اور اپنی حفاظت اور جان بچا کر بھاگ جانیکی کوئی تدبیر نہیں کر سکتے تھے۔ مکتفی نے اسی حالت میں اُنکو کامل شکست پہنچائی اور دور دور تک تعاقب کر کے جہانتک اُس سے ہو سکا اُسنے قرامطہ کو قتل و گرفتار کرایا۔ اُسی ہنگامہ میں ذکرویہ بھی مارا گیا۔ اور اُسکے تمام ہمراہی قتل و غارت کیے گئے۔ شاہی فوج نے تھوڑے روز میں شہرِ مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفاً پر پھر اپنا تسلط اور قبضہ مستحکم کر لیا۔ گرد و نواح سے قرامطی کو نکالدیا۔ اور اُنکے تمام انتظامات کو اُٹھا کر اپنے سابق بند و بست کر لیے۔ اور وہ بدامنی۔ بےچینی اور پریشانی جو عموماً ہر طبقہ اور ہر درجہ کی رعایا میں واقع ہو گئی تھی بالکل رفع ہو گئی۔

مرمتِ حرمِ محترم و نصبِ حجر الاسود

جب مکتفی کو اِن تمام امور کی ترتیب سے فراغت ہو گئی تو اُس نے حرمِ محترم کی مرمت کا کام شروع کیا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ ذکرویہ کے موجودہ مظالم و شدائد سے عمارتِ بیت اللہ کو اُتنا ہی نقصان و گزند پہنچا تھا جتنا حجّاج ابن یوسف کے سابق مفاسد سے۔ سقفِ مبارک سے لیکر دیواروں تک کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ اور وہ جا بجا سے شق ہو ہو کر گر پڑی تھیں۔ خصوصاً وہ دیوار پشت کی طرف سے بالکل زمین پر

آرہی تھی جس میں حجرالاسود المقدس نصب تھا۔ دیوار کے گرنے سے وہ سنگِ مقدس بھی اندر کی طرف زمین پر گر پڑا تھا۔

چونکہ آیندہ ایامِ حج تک بیت اللہ مقدس کی مرمت نہایت ضروری تھی اِس لیے اُسکی مرمت فوراً شروع کر دی گئی۔ اور تھوڑے عرصہ میں اُسکی مرمت کی تمام ضرورتیں پوری کر دی گئیں۔ چھت۔ دیواریں ستون وغیرہ وغیرہ سابق بدستور درست اور مستحکم کر دیے گئے۔ اِنکے علاوہ صحنِ مقدس۔ زمزم اور حصارِ مطہر وغیرہ کے نقصان شدہ مقامات بھی از سرِ نو مرمت کر دیے گئے۔ الغرض جب اِن تمام امور سے فراغت ہو گئی تو اب حجرالاسود کے نصب کیے جانیکا وقت آیا۔

جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام اور نصبِ حجرالاسود

جن حضرات نے اہلِ عرب کے اخبار و آثار کا مطالعہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ حجرالاسود کے نصب کرنیکی رسم قدیم الایّام سے عرب میں نہایت مہتم بالشان خیال کی جاتی تھی۔ اور جو شخص کہ اِس مقدس پتھر کو اُس کے مقامِ خاص پر نصب کرتا تھا وہ اُن لوگوں میں باعتبار شرافت و نجابت اور فضل و کمال کے افضل اور بہتر ہوتا تھا۔ جب کبھی اِس تقریب اور اِس رسم کے ادا کرنیکا موقع آجاتا تھا تو تمام اہلِ عرب عموماً اور مکّہ معظمہ زاد اللہ شرفاً کے خواص و عوام خصوصاً جمع ہو کر اپنی تجویز سے اپنے لوگوں میں سے ایک ایسے شخص کو منتخب کرتے تھے جو اُنکے تمام اوصاف و محامد میں افضل ہوتا تھا جس دن اِس کے نصب کی رسم ادا کیجاتی تھی اُس دن تمام اہلِ عرب میں بڑی عید منائی جاتی تھی اور ہر قوم و قبیلہ کے لوگوں میں عام سرور و مسرت کے مراسم پورے طور سے ادا کیے جاتے تھے۔

یہ تو وقوعِ اسلام سے قبل کے امور تھے جو حجرالاسود کے نصب کیے جانیکے متعلق تھے۔ اور جو عرب کی اخبار و آثار میں آج تک محفوظ پائے جاتے ہیں۔ ظہورِ اسلام کے وقت بھی اسکی یہی حالت قائم رہی اور شریعتِ اسلامی نے اِس روز کسی عیدِ مخصوصہ کا دن تو قرار نہیں دیا اور اسکی نسبت خوشی کرنے۔ شادی منانے یا کسی خاص مراسم اور اعمال بجالانیکے لیے کوئی تاکیدی یا غیر تاکیدی حکم تو دیا ہی نہیں۔ مگر ہاں اِسکے نصب کرنیکی خدمت کو بہت بڑی عظمت اور قدر و منزلت کا منصب تسلیم کیا۔ اور یہ منصب بھی انسانی اختیار و اقتدار سے نکل کر مشیّتِ ایزدی اور احکامِ خداوندی سے تعلق رکھنے والا بتلایا گیا۔ اور ایسا ہی شاہداتِ متواترہ سے ثابت ہوا۔ اور زمانۂ اسلام میں اُس خاصۂ خدا اور برگزیدۂ ربّ علا کے سپرد ہوا جو منجانب اللہ اُس زمانہ کی حجّت اور بندگانِ خدا میں خدا کی امانت اور ودیعت قرار پایا ہو۔ اور یہ بزرگوارِ مقدس یا تو نبی برحق ہو گا یا اُسکا وصی مطلق۔ سوائے اِن دونوں بزرگواروں کے دنیا میں کوئی تیسرا شخص اِس مقدس خدمت کی بجا آوری کی صلاحیت نہیں رکھ سکتا۔ اِس لیے یہ منصب بھی نبوّت اور امامت کی خدماتِ مخصوصہ میں داخل تھا۔ اور اُسکی شرائطِ منصوصہ میں شامل۔ مگر چونکہ فی الحال اکثر شرائطِ اسلامی

سے غفلت اور بے پروائی تمام دنیا میں برتی جاتی تھی اور طمع دولت ۔ حصولِ ثروت اور زورِ حکومت کے جوش میں احکامِ شریعت کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جاتا تھا اور نظامِ سیاست کی طرح ان احکام کی ترمیم ۔ تبدیل اور تنقیص بھی بالکلیہ آسان اور معمولی امر سمجھی جاتی تھی اِس لیے یہ مسئلہ بھی اِس وقت بہت سے اہلِ اسلام کے نزدیک اعتبار کے لائق اور اعتماد و اعتقاد کے قابل نہیں تھا۔

بہرحال ۔ اِسی غلط قیاس کی بنا پر اور اِسی بیجا تجویز کی رو سے جب اِس خاص منصب کے ادا کیے جانیکا وقت آیا تو مکتفی کی شاہی کونسل میں اسکا مسئلہ پیش ہوا۔ مشرقی مذاہب کی طرح امرا پرستی تو اِس وقت میں اسلام کا ایک جزو قرار پاچکی تھی اِس لیے تمام اہلِ اسلام نے فوراً خوشامداً مکتفی کو اِس منصب کے لیے تجویز کیا۔ اِس مقام پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے اور غور کرنیکے لائق ہے کہ اگرچہ یہ مسئلہ اہلِ اسلام میں اعتقاد و اعتماد کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا تاہم اِسکی ضرورت پیش ہونیکے وقت فضیلت اور ترجیح کو ضرور مدِ نظر رکھا جاتا تھا۔ اور کم سے کم اُسی شخص کو منتخب کرتے تھے جو عام بادی النظر میں اُن سب سے بہتر اور افضل ثابت ہوتا تھا۔ جیساکہ مکتفی کے موجودہ انتخاب میں اُسکے بادشاہِ وقت اور حکمرانِ زمان ہونیکی خاص وجہوں سے ترجیح اور فضیلت کی دلیل اُسپر قائم کیگئی۔ ہمارے سمجھ لینے کے لیے اتنا کافی ہے کہ جس امر کا ایک وقت انکار کیا گیا تھا اُسی کا دوسرے وقت میں۔ اگرچہ اصلی معنوں میں نہیں مگر تاہم دوسرے معنوں میں۔ اقرار کیا گیا۔ کیونکہ نبوت ہو یا امامت۔ اِن دونوں منصبِ جلیلہ سے خاصکر ترجیح علے العموم ہی مراد ہے۔ اور اخیر میں اِس وقت آدمیوں کے انتخاب سے بھی وہی مراد ہے۔ فرق ہے تو یہی کہ وہ خدا کا انتخاب ہے اور یہ آدمیوں کی پنچایت ۔ اسمیں خطاؤ نسیان کی گنجائش نہیں اور اِس میں تمام معائب اور نقائص کا قوی احتمال۔

بہرحال ۔ چونکہ مکتفی فرمانروائے عصر تھا اور بادشاہِ وقت ۔ امرا پرستی کے اصول سے قریب قریب تمام اہلِ اسلام کے نزدیک وصیِ رسولؐ بھی تھا اور بندۂ مقبول بھی۔ اِس وجہ سے وہی اِس خدمت کے لیے تجویز کیا گیا۔ اور یہ قرار پایا کہ وہ ایک مبارک دن اور مبارک ساعت میں اپنی شاہی شان وشوکت کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے اِس مقدس خدمت کو تمام اہلِ اسلام کے مجمع میں انجام دے۔ چنانچہ یہ تجویز قرار پاکر اسلام کے بڑے بڑے علما و فضلا ونے ایک تاریخ سعید اُس کے لیے مقرر کی۔ جب وہ دن آیا اور وہ ساعت قریب پہنچی تو مکتفی اُس دن جو اُسکی تمام زندگی میں اُسکی مفاخرت اور مسرت کا سب سے بڑا اور پہلا دن تھا اپنے پورے تزک و احتشام اور انتظام و اہتمام سے اپنی قیامگاہ سے اِس مبارک خدمت کی انجام دہی کے لیے روانہ ہوا۔ یہانتک تو اُس کے ارادے اور اختیار کی بات تھی۔ مگر چاہیے کہ اُسکے موجودہ ارادے اور فعل سے نظامِ مشیت کے بنائے اور مقرر کیے اصول میں جو خاصکر اِنہی مواقع کے لیے وضع کیے گئے تھے کوئی فرق۔ کوئی کمی یا کوئی تغیر واقع ہوا نہیں کبھی نہیں۔ یہ کسی انسان کے امکان اور اختیار سے ممکن

نہیں تھا۔ کوئی حالت ہو۔ کیسا ہی موقع اور ضرورت ہو۔ یہ مبارک خدمت اُسی برگزیدۂ الٰہی اور وصیِ حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مقدّس ہاتھوں سے تمام اور انجام ہونیوالی تھی۔ جو منجانب اللہ اِس کے لیے مامور و منصوب ہوچکا تھا۔ چنانچہ ذیل کے واقعہ سے جس کو ہم ایک معتبر راوی کے خاص مشاہدے سے بہت جلد نقل کرتے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ مکتفی وہاں پہنچا تو ضرور مگر چونکہ اُسکا یہ ارادہ مشیتِ الٰہی کے خلاف تھا اِس لیے صورت پذیر نہوا۔ اور قبل اِسکے کہ وہ اپنے ارادہ کو عملی صورت میں لائے اُس جمِّ غفیر اور مجمع کثیر میں سے ایک خاصۂ خدا اور برگزیدۂ درگاہِ ربّ العلا یک بیک نمودار ہوا اور اُسی نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر الاسود کو اُس کے اصلی مقام پر نصب کر دیا اور فورًا اُس مجمع سے علٰحدہ ہوگیا۔ یہ برگزیدۂ خدا حُجّت العصر اور امامِ زمان سلام اللہ علیہ من رب المنّان کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اور اِس عہدۂ رفیعہ اور اِس منصبِ عظیمہ کا انجام دینے والا سوائے جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کے کوئی اور غیر شخص یقین نہیں کیا جاسکتا۔ وَھٰذا افضل اللہ یُؤتیہ من یّشآء واللہ ذوالفضل العظیم وفوق کلّ ذی علم علیم۔

بہرحال۔ جہاں تک دیکھا جاتا ہے۔ اِس میں ایک نُکتہ اور قابلِ لحاظ و غور ہے اور وہ یہ ہے کہ اِس امرِ خاص میں بھی جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کی ذاتِ بابرکات کو حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ پوری مماثلت اور مشابہت ثابت ہوتی ہے اور آپکے موجودہ واقعہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سانحۂ حجر الاسود کے ساتھ کامل اتحاد اور تشابہ حاصل ہے۔ جن لوگوں نے اسلام کے اخبار و آثار کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب علیہ السّلام کے زمانۂ حیات میں جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کمسن تھے۔ خانۂ کعبہ اور حرمِ محترم کی مرمّت اور حجر الاسود کے ازسرِ نو نصب کیے جانے کی ضرورت پیش ہوئی کیونکہ ابرہہ کی غارتگری کے وقت سے اِس وقت تک اِس خانۂ مقدّس کی عمارت خراب و برباد پڑی ہوئی تھی۔

بہرحال۔ جب عمائد و اکابرِ قریش جو اِس وقت تک قطعی مشرک تھے اپنی باہمی رائے اور تجویز سے اسکی ازسرِ نو تعمیر پر آمادہ اور مستعد ہوگئے تو تعمیر کا کام شروع ہوا۔ عمارت کے کام سے فارغ ہو کر نصبِ حجر الاسود کا وقت آیا تو پھر اُسی ترجیح اور فضیلت کے قدیم اصول سے اُن میں سے ہر شخص اِس شرف و اختصاص کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ اور اِس منصب کے عطا کیے جانیکے لیے ایک دوسرے سے مستدعی ہونے لگا۔ دیر تک انتخاب کے مسئلہ پر صلاح و شورے ہوتے رہے مگر کوئی تصفیہ کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ آخر کار صورتِ تصفیہ یوں قائم ہوئی اور آپس کے مشورے سے یہ طے پایا کہ صبح کو جو شخص سب سے پہلے حرمِ محترم کے دروازے سے داخلِ کعبۂ مقدّس ہو وہی اِس مبارک خدمت کو انجام دے۔ اِس پر تمام قریش راضی ہوگئے۔ سخت انتظار اور بےچینیوں میں تمام لوگوں نے وہ رات جُوں تُوں کرکے کاٹی۔ صبح ہوتے ہی مدبّرانِ قدرت اور منتظمانِ مشیّت

نے اپنی حجّتِ زمانہ۔ خاصۂ یزداں۔ خلاصۂ دوراں۔ حبیبِ خدا حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو
مشرکینِ قریش کی تمناؤں کے خلاف سب سے پہلے اُس خانۂ مقدّس کے دروازے پر پہنچا دیا۔ صبح
میں تمام عمائد و اکابرِ قریش بھی بسترِ راحت سے آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھے اور موقع پر پہنچے تو جنابِ رسالتمآب
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے جمالِ مبارک کو دیکھتے ہی اُن کے رنگ فق ہو گئے۔ مگر تھے وہ وعدے کے سچے۔
زبان کے پکّے۔ جو کہہ چکے تھے اُسکو کر گزرے۔ اور اُسی وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دستِ
مبارک سے اِس مقدّس خدمت کو انجام کرایا۔ اور اِس ترکیب سے مشیّتِ ایزدی نے اپنی قدرت و جبروت
کا پورا اظہار کرا دیا اور روزِ ازل سے جو نفسِ قدسی برکت اِس مقدّس خدمت کیلیے مامور ہو چکا تھا اُسی
کے ہاتھ سے اِن مراسم کو انجام و اتمام کروایا۔ واللہ یفعل ما یرید۔

ہمارے اِن دونوں واقعات کے مشاہدہ سے دونوں کی باہمی مماثلت اور مشابہت کا مسئلہ پورے
طور سے تصدیق و توثیق کی حدود تک پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ ذیل کے واقعہ سے اِس مبارک خدمت کے
متعلق اِس زمانہ میں موجودہ حجّت العصر اور امامِ زمان سلام اللہ علیہ من ربّ المنّان کی ذاتِ بابرکات
سے جو خدمات اِس وقت عمل میں لائی گئیں اُنکی تفصیل یہ ہے۔

نصب حجر الاسود اور ابنِ ہشام کا چشم دید واقعہ

کتاب خرائج میں ابی قسم جعفر ابنِ محمد ابنِ قولویہ کی زبانی منقول ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ جس سال
غارتِ خانۂ کعبہ اور خرابی حجر الاسود کا واقعہ پیش ہوا اور پھر اُس کے بعد مرمت کعبہ اور نصبِ حجر الاسود
کی ضرورت پیش ہوئی تو میرے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ میں اُس وقت اور اُس موقع پر بذاتِ
خاص خانۂ کعبہ میں حاضر رہکر اِس تقریبِ مبارک اور اِس رسمِ مقدّس کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں
اور اِس ترکیب سے اُس خاصۂ درگاہِ ربّانی اور برگزیدۂ بارگاہِ یزدانی کے جمالِ نورانی کی زیارت سے
اپنی آنکھوں کو روشن اور ٹھنڈا کروں۔ جو اپنے مبارک ہاتھوں سے اِس مقدّس خدمت کو انجام کرے
از روئے عقائد وہی امام الزّمانؑ ہے اور وہی حجّتِ دوران۔ سلام اللہ علیہ من ربّ المنّان جیسا کہ حجّاج
ابنِ یوسف کے وقت میں اِس مبارک خدمت کو حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام نے انجام فرمایا
اور اُن کی موجودگی میں کوئی دوسرا اِسکے لائق نہ ٹھہرا۔ اور نہ کوئی دوسرا از خود اِس کی بجا آوری پر جرات
کر سکا۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ اسی خیال سے میں نے مکّہ معظمہ زاد اللہ شرفاً کا قصد مصمم کیا اور
اپنے وطن سے چلکر بغداد پہنچا۔ بدقسمتی سے یہاں پہنچکر علیل ہو گیا۔ اور علالت کی طوالت نے یہاں تک
نوبت پہنچائی کہ مجھ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ آخر کار اسی مایوسی کی حالت میں مجھے خیال آیا کہ اگر
مجھ کو اِس مقصد کے پورا کرنیکی طاقت نہیں ہے تو کسی دوسرے کے ذریعے سے اِس اپنی تمنا کو پورا
کر لینا چاہیے۔ مگر اِن خیالوں کے ساتھ مجھے یہ خیال بھی فوراً پیدا ہوا کہ آخر اُس شخصِ غیر کی صدق بیانی

کی تصدیق کیسے ہوگی۔ اِسکی ترکیب میں نے یوں نکالی کہ اپنے ایک مقصد کو ایک عریضہ میں لکھکر اپنے پاس رکھ لیا اور یہ سوچا کہ اُس شخصِ غیر کو یہ تحریر دیدی جائے اور یہ تاکید کر دی جائے کہ اِسکو اُس بزرگ کی خدمت میں پیش کر کے جواب تحریری یا زبانی لائے جو حجرالاسود کو اپنے مبارک ہاتھوں سے دیوار کعبہ میں نصب فرمائے۔

بہرحال۔ اِن تمام امور کو ہر پہلو سے سوچ سمجھکر میں نے ابن ہشام کو اپنی موجودہ رسالت اور نیابت کے لیے نہایت موزوں سمجھا اور اُسکو راحلہ اور زادِ راہ وغیرہ۔ غرض تمام ضروری ضروریاتِ سفر مہیا کر کے مکۂ معظمہ زاداللہ شرفاً کی طرف روانہ کر دیا۔ اور رخصت کرتے وقت ایک خط اُسکو دیا اور کہدیا کہ اِس خط کو اُسی بزرگ کے ہاتھ میں دیکر جواب حاصل کرنا جو حجرالاسود کے نصب فرمانیکا منصب ادا فرمائے میں نے اسی عریضہ میں اپنی بیماری کے نتائج کی نسبت پوچھا تھا اور یہ دریافت کیا تھا کہ مرضِ موجودہ میں میری موت واقع ہوگی یا نہیں؟ ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ وہ مجھ سے رخصت ہو کر بغداد سے روانہ ہوئے اور قافلۂ حجاج کے ہمراہ مکۂ معظمہ زاداللہ شرفاً میں بخیر و عافیت تمام داخل ہوئے۔ حُسنِ اتفاق سے اُسکے صبح ہی کو نصبِ حجرالاسود کی مقدس رسم ادا کیجانے والی تھی۔ دور دور سے اہلِ اسلام کی بیشمار جماعت جوق جوق مکۂ معظمہ میں آرہی تھی اور پہلے سے بھی آچکی تھی۔ ہر شخص اپنے اشتیاق اور تمنائے زیارت کے غیر متحمل جوش میں سب سے پہلے حرمِ محترم میں داخل ہونیکی کوشش کر رہا تھا۔ اُس خانۂ مقدس میں مشتاقین اور زائرین کی کثرت اور جمعیت کی وجہ سے تِل دھرنیکی جگہ باقی نہیں تھی۔ ایک پر دوسرا گرا پڑتا تھا۔ عام بیچینی اور اضطراب کا سخت عالم تھا۔ بیت الحرام کے مقدس خدام اور فوجِ سلطانی کے انسدادی حکام حفاظتِ جان کے بہت کچھ انتظام کر رہے تھے اور لوگوں کو اِس ہجومِ کثیر میں چوٹ کھانے۔ زخمی ہونے اور پسجانے سے بچاتے تھے۔ آخر کار یہ لوگ بھی اپنے موجودہ انتظاموں میں تھک کر عاجز آگئے۔

ابنِ ہشام آیندہ بیان کرتے ہیں کہ میں یہ عالمِ رستخیز دیکھکر علٰحدہ ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ اور خدامِ کعبہ میں سے ایک صاحب کو اپنے پاس بُلا کر اور ایک رقم معتدبہ دیکر اُن سے یہ استدعا کی کہ وہ اِس رقم کے معاوضہ میں مجھ کو ایک ایسے مقام پر پہنچادیں یا کم سے کم وہاں کھڑا کر دیں جہاں سے میں بخوبی اُس بزرگوار کی زیارت کرسکوں جو حجرالاسود کو اپنے مقام پر نصب فرمائے۔ خادم نے میری درخواست کو بطیبِ خاطر قبول و منظور کرلیا اور فوراً مجھ کو حجرالاسود کے قریب لیجا کر کھڑا کر دیا۔ مگر مجھے خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ اِس ہجومِ کثیر اور جمِ غفیر میں میرے ایسے دوسرے مشتاقین اور زائرین پیدا ہو جائیں جو مجھ کو اِس مقام سے اپنی قوت اور اپنا زور دکھلا کر ہٹادیں تو میں اُن کا کیا کرسکونگا؟ یہ سوچکر میں نے آس پاس کے تمام خدام اور سرہنگانِ سلطانی کو اپنے پاس بلا کر جو وہاں پہرے کا انتظام کر رہے تھے۔ اُنکو بھی کچھ دیدیا اور راضی کرلیا۔ اِن تمام پیش بندیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ خادمِ اوّل جہاں مجھے پہلے کھڑا کر گیا تھا اُس مقام سے ازاوّل تا بہ آخر جبتک کہ

تمام مراسم طے نہولیے کوئی شخص مجھ کو نہ ہٹا سکا۔ اِس لیے میں نے کامل اطمینان اور پوری فراغت کے ساتھ
اُس مقدس رسم کے تمام مراتب کو انجام دیتے ہوئے دیکھا۔

اِسی اثناء میں چاروں طرف سے بہت بڑا شور و غل اُٹھا اور اُس کثرت اور ہجوم میں ایک تازہ
اضطراب و انتشار کا عالم پیدا ہوا کہ اُسکا بیان کرنا اِس وقت میرے امکان سے بالکل خارج ہے۔
تھوڑی دیر میں مکتفی باللہ اپنے جملہ خدم و حشم کے ساتھ اُس متبرک مقام پر داخل ہوگیا۔ اور حجر الاسود کو
اُس کے مرکزِ اصلی پر نصب کرنے لگا۔ مگر وہ اپنے مقام پر ذرا نہ ٹھیرا۔ اور فوراً زمین پر آرہا۔ اُس نے پھر
کوشش کی۔ کچھ مفید کار نہوئی۔ پھر کوشش کی۔ بیکار گئی۔ یہانتک کہ وہ اپنی کوششوں میں آخر عاجز آگیا
تو تھک کر اپنے ارادے سے باز آیا۔ اُسنے پھر اپنی ذات کی مجبوری اور ناقابلیت ثابت کرنیکے بعد اپنے اعزہ
اور اقارب سے اِسکے متعلق پوری کوشش کروائی مگر ان لوگوں سے بھی کچھ مفید کار نہوا۔ اور وہ لوگ بھی
اِس سعادت سے محروم رہے۔ مکتفی جب اِن لوگوں کی طرف سے مایوس ہوا تو اپنے وزراء اور اراکین سے اس
مبارک خدمت کو انجام کرانا چاہا۔ مگر اُن لوگوں کا بھی ویسا ہی نتیجہ نکلا۔ جب اِس جماعت کے لوگ بھی ناکار
رہے تو اُسنے مکہ معظمہ کے علماء و فضلاء۔ عمائد اور اکابر کو جو مہاجرین و انصار کی قدیم نسلوں کی یادگار تھے
اِس امرِ خاص کی طرف دعوت کی۔ باری باری سے اِن طبقات کے لوگوں نے بھی اِس مقدس پتھر کو اپنے مرکز
اصلی پر قائم کرنا چاہا۔ مگر جب وہ زمین سے اُٹھا کر اپنے اصلی مقام پر رکھا گیا فوراً زمین پر آرہا۔ اور کسی طرح
دیوار کی سطح پر قائم نہ رہ سکا۔ آخر کار اِس جماعت کے تمام لوگ بھی کوشش کرتے کرتے تھک گئے اور اس
مبارک خدمت کے متعلق کچھ بھی نہ کرسکے تو سخت نادم اور پشیمان ہوکر اپنے مقام کو واپس گئے اور اِن آثار
و اسرارِ ربانی اور قدرت و اختیارِ یزدانی کو دیکھکر انگشت بدنداں ہوکر رہ گئے۔

ابھی اِن تمام لوگوں کی حیرانی اور پشیمانی کی یہی کیفیت تھی اور یہی عالم کہ اُس مجمع کثیر اور جم غفیر سے
یکبارگی ایک جوانِ خوشرو۔ گندم گوں پیدا ہوا۔ اُس نے آتے ہی اُس مقدس پتھر کو اُٹھایا اور فوراً اُس کے
مقامِ اصلی پر رکھدیا۔ اُس کے رکھتے ہی وہ پتھر اپنے مقام پر ایسے استحکام اور مضبوطی سے قائم ہوگیا گویا
کبھی اُس مقام سے علیحدہ ہوا ہی نہیں تھا۔ اور اُس نے کبھی اُس مقام سے گویا جنبش کی ہی نہیں تھی۔ جو
کیا تھا۔ اِس قدرتی منظر کے دیکھتے ہی اُس قیامت کے ہجوم میں تحسین و آفرین کی جیسی سر بفلک صدائیں بلند
ہوئیں اور جیسا کچھ شور و غل بلند ہوا وہ ہرگز ایسا نہیں تھا کہ بیان کیا جائے۔ نہ دیکھنے والوں کے ہوش بجا
اور نہ سننے والوں کے حواس درست۔

وہ جوانِ رعنا اِس مبارک خدمت کو انجام دیکر فوراً اُس مقام سے روانہ ہوگیا۔ ابن ہشام کا بیان
ہے کہ چونکہ میرا دلی مقصود اُس بزرگ کی زیارت سے تھا اور اِس وقت تک جو شدائد یا مصائب میں نے
اتنے بڑے دور و دراز سفر کے عرصہ میں اُٹھائے وہ سب اِس حصولِ سعادت پر مبنی تھے اسلیے میں فوراً

تعاقب میں روانہ ہوا۔ اور اُس جمِّ غفیر میں گم ہو جانے یا سہوِ نظر واقع ہونیکے خیال سے میں اُس جوانِ رعنا کو ہر چہار طرف اپنی آنکھوں میں لیے رہا۔ اور برابر اُسکی طرف دیکھتا رہا۔ اور اُس ہجومِ کثیر کو ہٹاتا اور چیرتا ہوا اُسکے پیچھے کسی نہ کسی طرح بہزار دقت و دشواری اِس عالم میں دروازۂ بیت الحرام تک پہنچا کہ میرے بدن کے تمام کپڑے پُرزے پُرزے ہو گئے تھے اور میرے جسم کے چند مقامات زخمی بھی ہو گئے تھے۔ مگر میں نے اِن باتوں کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔ اور اپنے شاہدِ مقصود کی طرف نگراں رہا۔ یہاں پہنچکر میں نے اُسکی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ دروازۂ مسجد الحرام سے کچھ دور نکل گیا ہے۔ یہ دیکھکر میں فوراً اُسکے تعاقب میں روانہ ہوا۔ اور میں نے ہر چند چاہا کہ اپنی رفتار کو بڑھا کر اُس سے ملجاؤں۔ اور اپنے مُنیب جعفر ابنِ محمد کا وہ سر بمہر رقعہ جو خاصکر اُسی بزرگوار کو لکھا گیا ہے دیدوں۔ مگر میں نے دیکھا کہ باوجود اتنی تیز رفتاری کے میں کسی طرح اُن تک نہیں پہنچا اِس مشاہدے سے میرے دل پر اُنکی عظمت اور جلالت کا نہایت سخت اور گہرا اثر پیدا ہوا۔

بہرحال۔ تاہم میں نے آپ کا تعاقب نہ چھوڑا۔ اور سایۂ قدم کی طرح پیچھے پیچھے چلا ہی گیا۔ یہانتک کہ ہم اور آپ دونوں آبادی مکۂ معظمہ زاداللہ شرفاً سے باہر نکل گئے اور ایسے مقام پر پہنچے جہاں میرے اور آپکے سوا کوئی دوسرا شخص نہ رہا تو یکایک آپ میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ تم مجھے کیا دینا چاہتے ہو۔ لے آؤ۔ یہ سُنتے ہی میں نے جعفر ابنِ محمد کا رقعہ نکالکر اُنکی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ بغیر اِسکے کہ اُس کو کھولیں اور اُسکے مضامین کو پڑھیں مجھ سے فرمانے لگے کہ کاتبِ رقعۂ ہذا سے کہدینا کہ موجودہ علالت میں تمہارے لیے خوفِ ہلاکت نہیں۔ ابھی تمہاری زندگی میں تیس ۳۰ برس اور باقی ہیں۔ ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ اتنا سُننا تھا کہ میں اپنے خلوص و عقیدت کے غیر متحمل جوش میں بے اختیار ہو کر رونے لگا اور کچھ ایسا بیتاب ہوا کہ مجھ میں حس و حرکت مطلق باقی نہیں رہی۔ آپ مجھ کو اسی حالت میں چھوڑ کر نظروں سے غائب ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد میری حالت میں کچھ افاقہ ہوا تو میں نے آپ کو وہاں نہ پایا۔

بہرحال۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ میں وہاں سے واپس ہو کر بغداد میں پہنچا اور جعفر ابن محمد سے ملکر سارا واقعہ بیان کر دیا۔ جعفر کے دل پر اِن واقعات کے سننے سے کچھ ایسا اثر پیدا ہوا کہ وہ میرے قلبی جذبات سے ہرگز کم نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ جعفر کو موجودہ مرض میں شفائے کُلّی حاصل ہو گئی اور آپکے ارشاد کے مطابق وہ تیس ۳۰ برس تک زندہ رہے۔ جب اُنتیس ۲۹ برس تمام ہو گئے اور تیسواں سال آغاز ہوا تو اُنہوں نے عاقبت اندیشی اور مآل بینی کے لحاظ سے اپنے تمام مملوکات و مقبوضات کو اپنے ورثاء اور عزیز و اقارب پر تقسیم کر دیا جن کو وہ اپنی وراثت کا جائز مستحق سمجھتے تھے۔ اِس انتظام کے بعد اُنکی طبیعت یکایک پھر ناساز ہوئی اور چونکہ وہ تیسواں سال تھا۔ اور وہی تھا جس میں اُن کے وفات کرنے کی خبر دیگئی تھی اِس لیے وہ بیمار پڑتے ہی مایوس ہو گئے۔ اور کلماتِ یاس کہنے لگے۔ اِن کے اعزّہ و اقارب اور تمام احباب وغیرہ جو اُنکی عیادت کی غرض سے اُنکے پاس آتے تھے اُنکے مایوسانہ کلام کو سُن سُن کر اُنکو سمجھاتے تھے اور کہتے تھے کہ تم اِس مرض

سے ضرور اچھے ہو جاؤگے کیونکہ ضرور نہیں ہے کہ انسان کو جو مرض لاحق ہو وہ خواہ مخواہ اُسے اپنا مرض الموت ہی یقین کرلے۔ ان لوگوں کے جواب میں وہ یہی کہتے تھے کہ مجھ کو کامل طور سے خبر دیگئی ہے کہ اس سال میں ضرور مر جاؤنگا۔ میرے عقیدے میں کبھی اس سے خلاف نہیں ہوگا۔ الغرض وہ اپنے اسی سوخ فی الایمان اور خلوص فی العقیدت کی کامل حالتوں میں اپنے موجودہ مرض کے ظاہری سبب سے انتقال فرما گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔ بحار الانوار جلد سیزدہم ص ۱۹۰ مطبوعۂ ایران۔

اس واقعہ سے جو ایک معتمد راوی کا معتبر مشاہدہ ہے اور تصرفات یزدانی اور اختیارات ربانی کا کامل ذخیرہ۔ ہمارے ناظرین کتاب کو بخوبی معلوم ہوگیا کہ انسان کی دی ہوئی عزت اور خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی عطا فرمائی ہوئی عظمت وجلالت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ مکتفی نے اس خدمت مخصوصہ کے انجام دینے کے لیے بذات خاص اور نیز اُس کے تمام اعیان وارکان سلطانی نے کیسی کیسی کوششیں کیں اور کیا کیا انتظام نہ کیے۔ سلطنت کے تمام زور لگائے حکومت کی پوری شان دکھلائی۔ غرض کیا کچھ نہ کر ڈالا۔ مگر ہوا وہی جو ہمیشہ سے اس منصب عظیمہ کے متعلق ہوتا آیا تھا۔ نہ زور زر کام آیا۔ نہ حکومت کا اثر۔ نہ قوت واختیار سے کچھ پیش چل سکتی ہے اور نہ ثروت واقتدار سے کچھ بن سکتا ہے۔ مکتفی ایک بار نہیں۔ چند بار۔ اس مقدس خدمت کو اپنے ہاتھوں سے انجام دینے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر چونکہ وہ منظور مشیت نہ تھی۔ ہر بار مسترد ہوگئی۔ اور ایک بار بھی برقرار اور قائم نہ رہ سکی۔ اسکے ساتھ اُس کے تمام اعزہ واقارب اور اُنکی کوششیں بھی بیکار اور غیر مفید ثابت ہوئیں۔ انسانی کوششوں کے بیکار اور غیر اثر ثابت ہونیکے بعد اس مقدس خدمت اور مبارک عہدے کو اگر پھر سرانجام دیا تو اُسی نفس قدسی برکت نے جو منجانب اللہ اس خدمت کے لیے مامور ہو چکا تھا۔ اور آخر کار یہ شرف۔ یہ سعادت اور فضیلت بھی پھر اُسی خاندان والا کے سرمایۂ ناز اور اُسی دودمان اعلےٰ کے باعث اعزاز یادگار کی خوش قسمتی کا حصہ ٹھہری جو زمانۂ موجودہ میں نسل ابراہیمی اور سلسلۂ اسمٰعیلی سلام اللہ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہما کا چشم وچراغ ہونیکی خاص وجہوں سے بیت اللہ اعظم کا وارث تھا۔

جن لوگوں کے دیدۂ بصیرت وا اور چشم حقیقت کشادہ ہیں وہ اس واقعہ کو غور سے پڑھکر دیکھ لیں کہ اسی قدرت کاملہ کے مشاہدہ سے مشیت کا کیا مدعا تھا۔ اور اپنی اُس حجت زمانہ کو جسے وہ اتنی احتیاط اور اہتمام سے آج تک نگاہ خلائق سے مخفی اور پوشیدہ رکھے تھا۔ اس وقت عالم مشاہدہ میں لانے سے اور اُس کی تعمیل فرائض کے دکھلانے سے نظام مشیت کی کیا مراد تھی۔ ایک ذرا سے غور وتامل کے بعد اُنکو معلوم ہو جائیگا کہ چونکہ ابتدا سے لیکر اس وقت تک آپکے نظام امامت کے تمام امور بالکل باطنی طریقہ پر چلائے جاتے تھے اور اس حزم واحتیاط کے ساتھ کہ کسی کو اُسکی مطلق خبر نہیں ہونے پاتی تھی اس لیے آپکے وجود کا سلسلہ بہت سے لوگوں کے نزدیک ابھی تک مشتبہ تھا۔ ایک تو اس مشاہدے سے عموماً اُنکی ان غلط فہمیوں کی اصلاح ضروری تھی۔ دوسرے اُسی غلط اصول مساوات اور قدیم قیاسات کی رد بھی لازمی تھی جو سلاطین عباسیہ

اور اس سلسلۂ عالیہ کے فیمابین ہمیشہ سے متنازع فیہ چلی آتی تھی اور کچھ عباسیوں ہی پر موقوف نہیں۔ ان غلط قیاسات کا آغاز سلاطین امویہ ہی کے وقت سے ظاہر ہوا۔ چونکہ ہم اوپر اکثر مقامات پر اس غلط اصول کی تنقید و رد کر چکے ہیں اس لیے اُس کے بار دیگر اعادے کی کوئی ضرورت نہیں۔

بہرحال۔ اس واقعہ کو پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ لکھکر ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں جہانتک دیکھا جاتا ہے مکتفی باللہ کے شش سالہ ایام حکومت میں سوائے اس واقعہ کے کوئی دوسرا واقعہ ایسا نہیں معلوم ہوتا ہے جسکو جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کی ذات بابرکات سے کسی قسم کا تعلق اور سروکار ثابت ہوتا ہو۔ اس واقعہ کے بعد مکتفی کے باقی ایام حکومت سکوت اور خاموشی کے عالم میں صرف ہوئے اور جناب قائم آلِ محمد علیہ السلام کے متعلق اُس نے یقین کر لیا کہ اُسکی مخالفانہ تحریک کارگر نہیں ہوسکتی کیونکہ اُسکو تجربہ ہوچکا تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ معتمد کے وقت سے لیکر معتضد کے وقت تک برابر آپکے تجسس و تلاش اور قتل و ہلاکت کے متعلق کوشش ہوتی رہی۔ طرح طرح کی تدبیریں۔ انواع و اقسام کی ترکیبیں عمل میں لائی گئیں۔ مگر اُن میں سے ایک بھی مفید کار ثابت نہ ہوئی۔ اور اِن تمام امور سے جو کچھ مقصود تھا اُسکے بالکل برخلاف اور برعکس ظہور میں آیا۔ چونکہ یہ تمام معاملات مکتفی کی آنکھوں کے سامنے پیش آچکے تھے تو پھر وہ ایسا کیا تھا کہ پھر اِن امور میں اپنی طرف سے مداخلت کرنیکی جرأت کرتا۔ اس لیے اُس نے اِن امور میں سکوت و خاموشی ہی کو مناسب سمجھا اور بالکل چُپ ہو رہا۔

بہرحال۔ اس واقعہ کے بعد مکتفی ۱۲ ذیقعد ۲۹۵ھ ہجری میں مرگیا۔ اور تختِ خلافت مقتدر کے لیے جو معتضد باللہ کا بیٹا تھا خالی کر گیا۔ تاریخ مسعودی میں مکتفی کی عمر تینتیس ۳۳ برس چھ مہینے کی مسطور ہے اور مدتِ سلطنت چھ ۶ برس چھ ۶ مہینے اور سولہ ۱۶ روز کی بتلائی جاتی ہے۔

مقتدر باللہ کی بار اوّل سلطنت

مقتدر تختِ سلطنت پر بٹھلایا گیا۔ اس غریب کو صبح سے ابھی شام بھی نہیں ہوئی تھی کہ مسندِ خلافت سے اُترنا ہوا۔ سلطنت کے موجودہ مدبرین اور متعلمین نے جو اُس زمانہ کے خلیفہ گر مشہور تھے اور جو اس کے پیچھے پڑ گئے۔ آخر کار اس سے رنجیدہ ہو کر بیچارے کو کھلونے کی طرح تخت سے اُتار کر جس طاق سے اُٹھا لائے تھے پھر اُسی طاق میں بٹھلا دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مقتدر کو تختِ خلافت پر بیٹھے کچھ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ سلطنت کے زبردست امرا میں اَن بَن ہوگئی حسن ابنِ حمدان نے حسن ابن عباس کو مار ڈالا جو مقتدر کے مزاج پر پورے طور سے حاوی تھا۔ اس کا یہ رسوخ اُس کے ہم چشموں سے دیکھا نہ گیا اور اُس کے قتل کا آخر کار باعث ہوا۔

حسن اپنے ہمنام حسن کو مار کر بھی نچلا نہ بیٹھا۔ اُسنے سوچا کہ مقتدر اپنے ایسے عزیز امیر اور وزیر کے انتقام میں ہمکو بھی خراب و برباد کر ڈالیگا۔ اس خیال سے اُسنے تمام امرائے حکومت کو اپنی طرف ملا لیا اور سب نے ملکر

مقتدر کے خلع خلافت پر اتفاق کر لیا۔ جب آپس میں اس امر پر اتفاق ہو چکا تو مقتدر کے پاس کہلا بھیجا گیا کہ تم قصرِ سلطانی کو چھوڑ کر دوسرے مکان میں اٹھ جاؤ۔ تم امرِ امارت سے معزول کیے گئے۔ اور تمہاری جگہ عبداللہ ابنِ معتز خلیفہ تسلیم کیا گیا۔

المرتضےٰ باللہ کی چند روزہ حکومت

مقتدر امرائے سلطنت کا یہ حکم پاکر جو اوپر لکھا گیا ہے فوراً مسندِ امارت سے علٰحدہ ہو گیا اور اُسکی جگہ عبداللہ ابنِ معتز المرتضےٰ باللہ کا لقب لیکر تخت نشینِ سلطنت ہوا۔ مگر جب مقتدر کے معزول اور المرتضےٰ کے مامور ہونیکا حال مقتدر کے غلام مونس نامی کو معلوم ہوا تو وہ مخالفین سے مزاحم ہوا۔ اور اپنے اعوان و انصار کو اپنے ہمراہ لیکر اپنے مخالف کے ساتھ مقابلہ اور مقاتلہ پر تیار ہو گیا۔ آخر کار فریقین سے مقابلہ کی نوبت آئی۔ المرتضےٰ باللہ اور اُس کے طرفداروں نے پوری شکست کھائی اور کامل ہزیمت اُٹھائی۔ المرتضےٰ اور اُسکے تمام ہی خواہ ابی الحصاص نامی ایک امیر کے گھر میں روپوش ہوئے۔ لیکن مونس نے بہت جلد اِن سب کا پتا لگا لیا۔ تمام شہرِ بغداد میں عام طور سے لوٹ مچا دی۔ ہزاروں گھر لوٹ لیے۔ بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔ پھر المرتضےٰ کے ہمراہیوں کو بھی ابی الحصاص کے گھر میں قتل کرا دیا۔ المرتضےٰ چلدیا مگر پھر پکڑا گیا۔ اِسکو پکڑ کر مقتدر کے پاس لیگئے۔ اور وہ اُسکے سامنے جاتے ہی مر گیا۔ اِسکی یکایک موت کیسے واقع ہوئی۔ اِن حالات پر بالکل پردہ پڑا ہے۔ صاحبِ روضۃ الصفا اِسکے مرنیکے بعد کا صرف اتنا حال لکھتے ہیں کہ المرتضےٰ کے مرجانیکے بعد اُسکی لاش کو ایک چادر میں باندھکر اُسکے اہل و عیال کے پاس بھیجدیا۔

مقتدر کی دوبارہ حکومت

ہمارے موجودہ بیان کو اوپر پڑھکر ہمارے ناظرین کتاب کو خلافتِ عباسیہ کے بھی اِس وقت وہی رنگ معلوم ہونگے جو وہ عالمگیر کے بعد ہندوستان کی تاریخ میں محمد شاہ رنگیلے کے وقت سے لیکر دہلی کے خاتم السلاطین بہادر شاہ کے وقت تک پاتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ بغداد کی خلافت اِس وقت دہلی کی سلطنت کا پورا مزہ دے رہی تھی۔ بہر حال۔ مونس کی کوشش سے غریب مقتدر کے پھر دن پھر گئے۔ اور وہ تختِ خلافت پر پھر متمکن ہوا۔ ٹھوکر کھا کر امید تھی کہ مقتدر سنبھل جائیگا اور اتنے مصائب اور شدائد اُٹھا کر یقین تھا کہ اُسکی آنکھ خوابِ غفلت سے کھُل جائیگی مگر یہ خیال ہی خیال تھا۔ وہ ویسے کا ویسا ہی رہا۔ اور سلطنت کے تمام کاروبار اپنے وزیر ابنِ ابی الفرات پر چھوڑ دیے۔ اور عیش و عشرت اور معشوقانِ پری صورت کی صحبت میں مشغول ہو گیا۔ رات دن دادِ عیش دینے لگا۔ مہماتِ ملکی سے فارغ البال ہو کر آرام و اطمینان سے اپنی شاہی اور حکمرانی کے مزے لینے لگا۔

خیریت اتنی تھی کہ ابنِ ابی الفرات اپنے وقت کا بہت بڑا مدبّر اور ہوشیار تھا۔ وہ اِس وقت مقتدر کے بہت کام آیا۔ اور اُسکی مدہوشی اور بیخبری کے عالم میں بھی سلطنت کے تمام کل پُرزے اپنے ہاتھوں میں لیے رہا۔

اور نظامِ ملکی کے شیرازے کو کسی طرح درہم و برہم نہ ہونے دیا۔ اِس میں شک نہیں کہ وہ اپنی اِن خدمات کے اعتبار سے اپنے زمانہ کا بہت بڑا دانشمند اور تجربہ کار مدبّر ثابت ہوتا ہے۔ اُسکی قابلیّت۔ جامعیّت اور صلاحیت طبعی نے خلافتِ بغداد میں وزارت ہی کا کام نہیں کیا بلکہ امارت کا بھی۔

منصورِ حلّاج کے حالات اور اُس کا قتل

مقتدر کے وقت میں دو بہت بڑے واقعات پیش آئے۔ ایک تو مُلکِ مصر میں اسماعیلیوں کا تسلّط دوسرا حسین ابنِ منصور حلّاج۔ رئیس اور موجد فرقۂ حلّاجیہ کا قتل۔ ساداتِ اسماعیلیہ کا ممالکِ مصر پر تسلّط کرنیکے متعلق تو اتنا معلوم ہو چکا ہے کہ یہ لوگ متوکّل کے وقت سے اپنی عملی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ اور ملکِ عراق سے دور ہٹکر فارس کے علاقۂ طبرستان میں سلطنت کے خلاف اپنی قسمت آزمائیاں کر رہے تھے۔ اِس میں شک نہیں کہ حدودِ فارس میں انکو ذرا بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ اور شاہی لشکر نے اِنکے جمے ہوئے رنگ کو اُس علاقہ سے بالکل اُکھاڑ پھینکا۔ اگرچہ یہ لوگ بالکل کمزور ہو گئے تھے اور بارِ دیگر کوششوں کی ان میں کوئی حلاوت باقی نہیں تھی مگر پھر بھی ہمّتِ مرداں مددِ خدا اِن لوگوں نے اپنی ہمّت کو نہ ہارا۔ اور اپنے حوصلوں کو کسی طرح پست ہونے نہ دیا۔ حدودِ فارس سے نکل کر دیارِ مغرب میں نکل گئے۔ اور وہاں تھوڑے دنوں تک مقیم رہکر اپنی حالت کی درستی۔ ترتیب اور ترمیم کے سامان درست کرتے رہے۔ جب کسی قدر اِن لوگوں کی حالتوں میں درستی اور قوّت آگئی تو اِن لوگوں نے دیارِ مغرب سے اُٹھکر ملکِ مصر کا سیدھا راستہ پکڑا۔

جن لوگوں نے مختلف ممالک کی تاریخوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ کسی فرمانروا کی غفلت عیش پسندی اور آرام طلبی کچھ اُسی کی ذات تک محدود نہیں رہتی ہے۔ بلکہ اُسکا اثر رفتہ رفتہ تمام ملک پر پڑتا ہے۔ اور النّاس علیٰ دینِ ملوکہم کے مطابق اُسکے زیرِ اختیار اور ماتحتی رعایا بھی اُسی کے رنگ میں رنگ جاتی ہے اور ع تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔ کا پورا مصداق ہو جاتی ہے۔ مصر کا عباسی گورنر بھی اِسی بلا میں مبتلا تھا۔ اور حد درجہ کا غافل اور عیش پسند۔ وہ سادات کی بڑھتی ہوئی رفتار کو کسی طرح روک نہ سکا۔ سادات نے بھی ایک بار اور ایک مقام پر اُس سے مقابلہ اور مقاتلہ نہیں کیا۔ بلکہ اُن میں جیسی جیسی قوّت آتی گئی اور جہاں جہاں وہ مقابلہ کا مقام مناسب پاتے گئے حریف سے مقابلہ کرتے گئے۔ جب انکی جمعیت بھی درست ہو گئی اور اِن میں قوت بھی آگئی تو اِن لوگوں نے معاملاتِ مُلکی میں بھی اپنی طرف سے مداخلت شروع کر دی۔ بات بننے والی تھی بنگئی۔ اور ایک عرصہ کے بعد پھر اُنکے دن پھرنیوالے تھے پھر گئے۔ اِن کے جملہ امور میں درستی اور ترتیب آگئی۔ اور انکی تمام تدبیریں نظامِ تقدیر کے مُطابق واقع ہوتی گئیں۔ اور یہ لوگ پہلے اِسی طرح چھوٹے چھوٹے مقامات پر قبضہ کرتے کرتے مُلکِ مصر کے بڑے بڑے مقامات پر بھی قابض ہو گئے۔ اور پھر رفتہ رفتہ ایک دن پورے مصر اور اُسکے توابع اور مضافات کے حکمران اور فرمانروا ہو گئے۔ مقتدر نام کا مقتدر بنا بیٹھا رہا۔ وہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا رہا مگر کچھ نہ کر سکا۔

بہر حال۔ یہ تو فرقۂ اسماعیلیہ کے حالات تھے۔ اب فرقۂ حلّاجیّہ اور اُسکے رئیس حسین ابنِ منصور حلّاج کی سرگزشت یہ ہے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اِس زمانہ میں علمِ اشراق اور تصوّف کو جیسا کچھ عروج حاصل ہوا تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ فی الحال اِس فرقہ نے بھی مُلکِ عراق میں بہت کچھ قوّت پکڑی تھی۔ اور رفتہ رفتہ انکے معتقدین نے بھی اپنی ایک معتد بہ جماعت تیار کر لی تھی۔ اِس فرقہ کا موجد یا شیخ الطائفہ حسین ابنِ منصور حلّاج تھا۔ حسین نے ایک مُدّت تک سہل ابنِ عبداللہ تستری۔ ابوالقاسم جنید بغدادی اور ابوالحسین ثوری جو فرقۂ اشراقین اور تصوّف کے اُس وقت مقتدا اور پیشوا تسلیم کیے جاتے تھے۔ کی خدمات میں حاضر رہکر کسبِ علوم اور تحصیلِ فیوض کیا تھا اور اُن لوگوں کی صحبت سے مستفیض ہو کر اپنے فضل و کمال اور کشف و کرامات کے بڑے بڑے دعوے کیا کرتا تھا۔ غرضکہ حلّاج کی شہرت اور عظمت کا ابھی یہی حال تھا کہ مقتدر نے کسی امر میں ناراض ہو کر اپنے وزیر ابنِ ابی الفرات کو وزارت سے معزول کر کے اُس کی جگہ حامد ابنِ عباس کو وزیر مقرر کیا۔ یہ شخص شریعت کا بڑا حامی تھا۔ اور تدبیر و سیاست کے اوصاف سے موصوف ہونیکے ساتھ ہی جنگجوئی اور درشت خوئی کے لیے بدنام بھی تھا۔ فرقۂ حلّاجیّہ کی حقیقت جب اُسکے گوشگزار کی گئی تو وہ آگ ہو گیا۔ منصورِ حلّاج کی نسبت جب اُس سے کہا گیا کہ وہ امامت و ولایت کا دعوےٰ کرتا ہے۔ اقوامِ جنّات اُسکی مطیع بتلائی جاتی ہیں۔ اور عالمِ روحانیت میں اُسکے پورے تصرّف تسلیم کیے جاتے ہیں تو وہ اور بھی برہم ہوا اور اپنے آپے میں نہ رہا۔ اور اُسی وقت سے وہ حلّاجیوں کے پیچھے پڑ گیا۔ اور اُنکی گرفتاری اور ہلاکت کی فکر کرنے لگا۔ حلّاجیوں کو اِسکی خبر لگ گئی اور وہ روپوش ہو کر اپنے امور میں حد درجہ کی احتیاط کرنے لگے۔ بڑی تلاش اور بڑے تجسّس کے بعد ان میں سے چند لوگ پکڑے گئے۔ جب اِن لوگوں سے حقیقتِ حال پوچھی گئی اور سخت تشدّد کیا گیا تو اِن لوگوں نے مرتا کیا نہ کرتا۔ صاف لفظوں میں کہدیا کہ ہم لوگ حسین ابنِ منصور حلّاج کے معتقدین سے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ خدا ہے۔ مُردوں کو زندہ کرتا ہے (نعوذ باللہ) اور ہم لوگ اُسکی طرف سے مخفی طور پر اُسکے طریقہ کی دعوت کرنے پر مامور ہیں۔

یہ سُنکر حامد نے حلّاج کی گرفتاری کا حکم دیا۔ وہ پکڑ آئے۔ اُن سے اُنکے متّبعین اور مقلّدین کے عقائد دریافت کیے گئے تو اُنہوں نے کہا کہ خدا کی پناہ! میں ہرگز اپنی الوہیّت کا دعوےٰ نہیں کرتا۔ میں تو ایک ایسا آدمی ہوں جو ہمیشہ روزہ رکھا کرتا ہے اور راتوں کو نمازیں پڑھتا رہتا ہے۔ اور سوائے اعمالِ نیک کے بُری چیزوں کی طرف کبھی نگاہ نہیں کرتا۔

حامد نے بیان لیکر اُن کو نظر بند رکھا۔ اور اُنکی نسبت علما سے فتوےٰ طلب کیا۔ اُن لوگوں نے کہا کہ تا وقتیکہ اِن سے وہ امور سرزد نہوں جن سے شریعت میں قتل واجب ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ انکے قتل کا فتوےٰ نہیں دے سکتے۔ جب اِن امور کی خبر حامد کے ذریعہ سے مقتدر تک پہنچی تو اُسنے علی ابن عیسےٰ

جو اُس وقت کے مشہور ترین علما، میں تھا حلّاج کے ساتھ مناظرہ کرنیکا حکم دیا جسب الحکم سلطان علی ابنِ عیسےٰ نے حلاج کو نصر نامی حاجبِ سلطانی کے گھر سے جہاں وہ نظر بند رکھّا گیا تھا اپنی صحبت میں بُلایا جب وہ آیا تو اُسکو بہت سے کلماتِ سخت سُنائے۔ منصور حلاج نے کہا کہ اگر تم ایک حرف بھی زیادہ اِس سے میرے حق میں کہوگے تو میں ابھی زمین کو حکم دونگا اور وہ تمہیں کھڑا نگلجاویگی۔ اتنا سُننا تھا کہ علی ابنِ عیسےٰ کی روح فنا ہوگئی اور وہ فوراً اُسکے مناظرے کے خیال سے دست بردار ہوگیا۔ اور اُلٹی خود حلاج سے معافی مانگنے لگا۔

اِس واقعہ نے منصورِ حلّاج کے امور میں بہت بڑی قوّت پہنچادی۔ حامد نے حلّاج کو مقتدر کی خدمت خاص میں نظر بند رکھّے جانیکا حکم دیا۔ اور خلیفۂ عصر نے اُسکو خاص طور پر زیرِ حراست رکھّا۔ اِسی اثناء میں ایک عورت پکڑی گئی اور بیان کیا گیا کہ ایک مُدّت تک یہ عورت حلّاج کی خدمت میں رہ چُکی ہے۔ اور اُس کے تمام طور واطوار اور افعال و کردار سے۔ بخوبی واقف ہے۔ یہ عورت بہت بڑی خوش لہجہ اور خوش بیان مشہور ہے۔ حامد نے اُس سے حلّاج کے متعلق پوچھا تو اُسنے نہایت خوش تقریری سے جواب دیا کہ حسین ابنِ منصور حلّاج نے اپنی غایت توجہ اور عنایت سے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنے بڑے بیٹے سلیمان ابنِ حسین کا جو میرے تمام بیٹوں میں لائق تر ہے اور مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ عقد تیرے ساتھ کردونگا۔ اور امید ہے کہ تیرے اور اُس کے درمیان جیسا معاملاتِ زن وشو کا اصلی مقتضا ہونا چاہیے۔ کبھی کوئی اختلاف اور نزاع واقع نہوگا۔ اور اگر کوئی اختلاف کسی اتفاقی باعث سے واقع بھی ہوجائے تو تم دِن بھر روزہ رکھکر جب رات آئے تو کوٹھے پر چلی جانا۔ زمین پر بیٹھنا۔ نمک سے روزے کو کھولنا۔ اور جو کچھ کہ سلیمان کی طرف سے تم پر گزرا ہو اُسکو اپنے دل میں خیال کرنا۔ میں اِن تمام امور کا دانا وبینا ہوں اور تمام حاضر وناظر۔

اِسی کے ایسا اِس عورت نے ایک دوسرا واقعہ یوں بیان کیا کہ ایک دن منصورِ حلاج کی لڑکی نے مجھ سے کہا کہ تو میرے باپ کو سجدہ کر۔ میں نے جواب دیا کہ سجدہ تو سوائے خدائے وحدہٗ لاشریک کے کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ اتفاق سے حلّاج ہماری اِن باتوں کو سُن رہا تھا۔ فوراً میرے پاس چلا آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ ہے تو ایسا ہی جیسا تو بیان کرتی ہے مگر بات یہ ہے کہ ایک خدا آسمان پر ہے اور ایک خدا زمین پر۔ ؏

پھر اسکے بعد اُسی عورت نے ایک تیسرا واقعہ یوں بیان کیا کہ ایک دن منصور حلّاج نے مجھے بُلایا۔ وہ اُس وقت ایک چٹائی بچھائے زمین پر بیٹھا تھا۔ جب میں اُسکے قریب پہنچی تو وہ مجھ سے کہنے لگا کہ تم کو جتنے روپیہ کی ضرورت ہو اگر سکے میرے اِس بوریے کے نیچے سے نکال لیا کرو۔ چنانچہ میں نے اُسکا بوریا اُٹھایا تو اُسکے نیچے روپیوں کا

؏ یہ آیۂ وافی ہو الذی فی السّماء الٰہ وفی الارض الٰہ کی غلط تاویل ہے۔ بجنسہ ایسا ہی ایک کا فرنے تعریضاً اِس آیہ کے معنی جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام سے پوچھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اِس کے معنی یہ ہیں کہ جو خدا آسمان پر ہے وہی زمین پر۔ اللّٰہمّ صلّ علیٰ محمّدٍ وّ آلِ محمّد۔

المؤلف

سیّد اولاد حیدر عفی عنہ

اتنا ڈھیر دیکھا جتنا میں نے آج تک کبھی نہیں دیکھا تھا۔

الغرض اُس عورت نے اِسکے ایسے بہت سے واقعات حلّاج کی نسبت بیان کیے مگر ان امور پر بھی کسی نے اُسکے قتل کا فتوےٰ نہ دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد، چونکہ اُسکا قتل حامد کے دل سے لگا تھا حلّاج کے خاص ہاتھ کی لکھی ہوئی چند سطریں ایک کاغذ پر علماء کی خدمت میں پیش کی گئیں جن میں یہ مضامین درج تھے کہ "اگر کسی شخص کو حج کرنے کی ضرورت ہو اور وہ بیت اللہ معظم تک مستطیع نہو تو وہ اپنے مکان میں ایک مربع مقام علٰحدہ تیار کرے اور اُسکو تمام نجاسات وغیرہ سے پاک وصاف رکھے اور اُس میں کسی کو آنے جانے کی اجازت نہ دے۔ جب حج کے ایام آئیں تو اُس مقام مربع کا طواف کرے اور جس طرح حرم محترم کی زیارت کے آداب اور دیگر مناسکات وغیرہ بجالاتا ہے اُسی طرح اُس مقام پر بھی وہ تمام امور بجالائے۔ اسکے بعد یتیم بچّوں کو رات کے وقت اُس مکان کے اندر لیجائے اور سب سے اچھی اور خوشگوار جو غذا ہو۔ اُنکو کھلائے۔ اور اُن کے ہاتھوں کو چومے۔ اور پھر اُن میں سے ہر ایک یتیم کو اچھی اور نفیس پوشاک پہنائے اور سات سات یا تین تین درہم اُن میں سے ہر ایک کو دے۔ تو اس عملی ترکیب سے وہ واجبات حج سے فارغ البال اور سبکدوش ہو جائیگا"۔

علماء کی جس صحبت میں یہ تحریر پیش ہوئی اُس میں ابو عمر بھی تھے جو دار الخلافۃ بغداد کے قاضی القضاۃ اور تمام بلادِ اسلامیہ کے مفتی تھے۔ قاضی صاحب نے یہ احکام دیکھکر حلّاج سے پوچھا کہ تم نے یہ کہاں سے لکھا ہے؟ اُسنے جواب دیا کہ حسن بصری کی کتاب اخلاص سے۔ اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حلّاج نے حسن بصری کی کتاب اخلاص کی جگہ ابو عمر اور عثمان مکی کی تالیفات کا حوالہ دیا۔ یہ سنکر قاضی صاحب نے کہا کہ اے کشتنی! ہم لوگوں نے خود ان کتابوں کو پڑھا ہے اور دیکھا ہے۔ اُن میں تو یہ مضامین کہیں مندرج نہیں ہیں جیسا کہ تم نے لکھا ہے۔ یہ سُنتے ہی حامد نے سبقت کر کے قاضی ابو بکر کو مخاطب کیا اور کہا کہ جب آپ اپنی زبان سے اِسکو کُشتنی کا خطاب دے رہے ہیں تو پھر کیا آپکی طرف سے اِسکے کشتنی اور واجب القتل ہونیکا اقرار ہو گیا۔ اب اِس کے قتل کا فتوےٰ جاری کر دیا جائے۔ قاضی صاحب نے ہر چند اِس امر میں پس و پیش کیا اور مختلف اقسام کی تاویلات سے اپنے حکم کو ناقابلِ تعمیل ثابت کرنا چاہا مگر حامد نے ایک نہ سُنی۔ قاضی صاحب بھی تھے جہاں دیدہ اور سارے زمانہ کے سرد و گرم چشیدہ۔ سمجھے کہ وزیرِ سلطنت اور دستورِ معظم سے بگاڑ اچھا نہیں۔ آخر کار فتوے دینے پر مجبور ہو گئے۔ حامد تو تیار ہی تھا۔ اُسنے فوراً منصور حلّاج کے قتل کا فتوےٰ اُنکے مُہر و دستخط سے مرتب اور مکمّل کرالیا۔ انکی تقلید میں دیگر علماء و فضلائے صحبت نے بھی اپنے اپنے مہر و دستخط کر دیے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ جنید بغدادی نے بھی اِنکے محضر نامۂ قتل پر دستخط کیے تھے۔ مگر خلاف واقعہ ہے اِس لیے کہ محمد پارسا اور دیگر علماء وغیرہم نے پوری تحقیق کے ساتھ لکھا ہے کہ اِس واقعہ سے اُنیس ۱۹ برس پہلے شیخ ابو القاسم جنید بغدادی کی رحلت ہو چُکی تھی۔

بہرحال۔ جب یہ فتوے علماء اور فضلائے شہر کی مہر و دستخط سے مرتب ہوگیا تو اُسکو مقتدر کے پاس پیش کیا۔ اُسنے حکم دیا کہ شریعت مقدس کے مطابق حسین ابن منصور حلاج کو قتل کریں۔ یہ حکم سُنکر حامد ابن عباس نے کوتوال شہر کو بُلاکر کہا کہ حلاج کو جسر بغداد پر لیجاکر پہلے ایک ہزار تازیانے لگاؤ۔ اگر وہ اُنکی ضرب سے نہ مرے تو اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالو۔ پھر اُسکا سر کاٹ کر عبرتِ عامّہ کے لیے جسر بغداد میں لٹکادو۔ اور اُس کے جسم کو جلا کر اُس کی راکھ کو دریائے دجلہ میں ڈالدو۔ اور اِس درمیان میں وہ جو کچھ کلام کرے اُس پر کوئی اعتبار نہ کرے۔ اور ہزار تازیانہ مارے جانے کی سزا میں ایک تازیانہ کی تخفیف سے بھی رعایت نہ کیجائے۔ اگرچہ وہ دریائے دجلہ میں پانی کی جگہ سونا اور چاندی بہا دینے کا بھی یقین دلائے مگر اُسکی کسی بات پر اعتماد نہ کیا جائے۔

کوتوالِ شہر وزیر السلطنت کی ہدایتوں کو سُنکر دوسرے دن منصور حلاج کو مقامِ جسر پر سیاست کے لیے لے گیا۔ خلائق کا وہ ہجوم ہوا کہ تل دھرنے کی کہیں جگہ نہیں ملتی تھی۔ جب کوتوالِ شہر ہزار تازیانوں میں سے چھ سو تازیانے لگا چُکا تو منصور حلاج نے اُسکو مخاطب کرکے کہا کہ میں تیرے امیر کو ایک نصیحت کرتا ہوں۔ اگر تو اُسے اپنے امیر کی خدمت میں پہنچا دیگا تو وہ اُس کے لیے فتح قسطنطنیہ سے بھی زیادہ عزیز ثابت ہوگی۔ کوتوال نے اُسکی اِن باتوں پر کوئی اعتنا نہیں کی۔ حلاج بھی چُپ ہو رہا۔ تا اینکہ وہ ہزار تازیانے ایک ایک کرکے پورے کیے گئے۔ مگر اِس درمیان میں حلاج نے مُنہ سے آہ بھی نہیں کی۔ پھر اِس کے بعد جلاد آیا اور اُسنے وزیر کے حکم کے مطابق پہلے اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ پھر سر کاٹا۔ اُسکے مُردے کو جلایا۔ اور جلا کر اُس کی راکھ کو دریائے دجلہ میں ڈالدیا۔ اتفاق سے اُسی سال دجلہ میں بڑی طغیانی ہوئی۔ مُریدانِ حلاج پانی کی فراوانی کو حلاج کا معجزہ اور کراماتِ روحانی بتلانے لگے۔ صاحب روضۃ الصفا منصور حلاج کے واقعات کو تمام کرکے لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے مشائخ کبار نے منصور حلاج کی نسبت ردّ و قبول کے تصفیہ میں بہت سے اقوال لکھے ہیں اور اُنکی ایک جماعتِ کثیر اُسکی عظمت و جلالت کی قائل ہوئی ہے۔ اور اِن لوگوں نے اُن اقوال کو جو اُن کے ارشاد و کلام میں خلاف اور نقیضِ شریعت ثابت ہوتے ہیں بہت سی تاویلات کے ساتھ صحیح اور جائز بتلایا ہے۔ جنکا اِس مقام پر تفصیل کے ساتھ قلمبند کرنا تاریخ نویسی کے سیاق اور مذاق سے بالکل علیحدہ ہے۔

منصور حلاج اور شیعہ پبلک کو اغوا

ہم نے جہانتک فریقین کے اخبار و اسفار میں منصور حلاج کے حالات کی تلاش کی ہے ہمکو معلوم ہوتا ہی کہ یہ حضرت ہمیشہ نئے انداز اور نئے رنگ میں رنگے رہتے تھے اور اپنی ذاتی ضرورتوں سے مجبور ہوکر اہلِ اسلام کو اپنے متعلق نئے نئے اعتقاد کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اپنی خود غرضیوں کے موجودہ عالم میں انہوں نے بیچارے شیعوں کو بھی نہ چھوڑا۔ اور اِن غریبوں کو بھی اپنے دامِ فریب میں لانے۔ ورغلانے اور صریح لوٹنے سے باقی نہ رکھا چنانچہ ذیل کے واقعات ہمارے موجودہ بیان پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

ملا مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار جلد سیزدہم میں ابی نصر ہبۃ اللہ علیہ الرحمہ کی زبانی مرقوم فرماتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ابی نصر فرماتے ہیں کہ جب مشیتِ ایزدی کا یہ منشا ہوا کہ حسین ابنِ منصور حلاج کے اعمال و افعال سارے زمانہ میں طشت از بام ہو کر اُسکی ذلت و رسوائی کو آئینہ کر دیں تو حسین ابنِ منصور حلاج کے دل میں خود بخود یہ بات پیدا ہوئی کہ قدیم طریقۂ صوفیہ اور اصولِ اشراقیہ کو چھوڑ کر جو اس وقت حکومت کے مخالف ثابت ہونیکے باعث بے وقعت ہو چلے ہیں۔ اپنی کامیابی کی کوئی دوسری سبیل نکالے۔ چونکہ اُس زمانہ میں شیعہ مذہب اُس وقت تک اِن خیالوں سے پاک و صاف تھا اور آلِ بویہ کی ثروت و اقتدار اور اُنکی آیندہ استعانت و استمداد نے اسکی ترقی اور اطمینان کا بہت کچھ یقین دلا رکھا تھا اِس لیے منصور حلاج نے اور فرقہائے اسلامی سے قطع نظر کر کے اپنی ابلہ فریبی کی تدبیروں کو اسی فرقہ کی طرف منعطف کیا اور پھیرا۔ تھے تو بڑے زمانہ شناس۔ اور اپنی چالوں کے بڑے پکے۔ سمجھے کہ محض ادعائے شیعیت سے خاطر خواہ کام نہیں نکلنے والا اور اپنی مشین کا پہیا نہیں چلنے والا۔ معمولی شیعہ بنکر رہے تو کیا۔ نہ نام کے نہ نمود کے۔ اِس سے نہ حصولِ عزت کی کوئی امید کیجا سکتی ہے اور نہ وصولِ دولت کی کوئی توقع۔ اِنہی وساوسِ نفسانی نے منصور حلاج کو آخر کار ادعائے شیعیت کے ساتھ دعوائے نیابتِ امام علیہ السلام پر بھی تیار کر دیا۔ اور جہاں اور لوگ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی نیابت کے جھوٹے دعوے کر رہے تھے اُنہی پانچویں سواروں میں یہ بھی داخل ہو گئے۔ خیریت ہوئی کہ نیابت ہی کا دعوے کیا۔ ورنہ امامت کی نسبت بھی دعوے کر بیٹھنا اِنکی ایسی طبیعت والے آدمی سے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اِنکے ایسے اور لوگ بھی تھے جو اپنے آپ کو نائبِ امام علیہ السلام مشہور کر کے شیعہ پبلک کو تباہ و برباد کر رہے تھے۔ جن کے حال پوری تفصیل کے ساتھ ہم عنقریب بیان کرتے ہیں۔ انشاءاللہ المستعان

بہر حال۔ اِن گمراہ کنندوں کے زُمرے میں داخل ہو کر منصور حلاج بھی اپنے مغویانہ خیالات کی تمام دنیا کو دعوت دینے لگے۔ مگر چونکہ اور لوگ بھی اِنہی کے ایسا جوڑ پھڑ کا رہے تھے۔ مگر بخلاف اُنکے یہ تھے آدمی چالاک اور شاطر۔ اِنہوں نے سوچا کہ عوام الناس میں ہماری دعوت کی مشن اس تیز رفتاری سے کامیابی کی راہوں پر نہیں چلیگی جتنی جلد امراؤ دولتمندانِ شیعہ میں۔ اِن وجہوں سے انہوں نے اپنی دعوت کا رنگ بالکل علٰحدہ نکالا۔ اور عوام الناس کو چھوڑ کر سب سے پہلے امرا اور اراکینِ سلطنت کے اعلےٰ اور مقتدر طبقہ میں اپنی دعوت کی سلسلہ جُنبانی شروع کر دی۔ اور سب سے پہلے جس شیعہ بزرگ کی طرف انہوں نے اپنی چشمِ عنایت کے ڈورے ڈالے وہ اسمٰعیل ابن علی نوبختی تھے۔ یہ بزرگوار اُس زمانہ میں حکومتِ بغداد کے بہت بڑے اراکین میں شمار کیے جاتے تھے۔ اور برائے نام خلیفۂ بغداد کے بہت بڑے معتمد علیہ۔ مگر افسوس! منصور حلاج نے اِنکو محض معمولی اور محدود الاستعداد کا آدمی خیال کر لیا تھا۔ حالانکہ اُنکے علم و استعداد کا پایہ اُس زمانہ میں درجۂ اجتہاد کے قریب پہنچا ہوا تھا۔ اِنہوں نے اپنے اُسی غلط قیاس

قائم رہکر پہلے اسمٰعیل کی خدمت میں اپنی آمدورفت شروع کی۔ اور اپنے ذاتی تقدّس۔ تقوٰے اور طہارت کے اظہار میں اپنی طرف سے کوئی شوشہ باقی نہیں چھوڑا۔ جب فیمابین معرفت کُلی ہوگئی اور رسم وراہ بھی بڑھ گئی تو ایک دن منصور حلاج نے اُنکے پاس اپنی دعوت کا پیغام بھیجا۔ اسمٰعیل نے اِس وقت اُس وقت پر ٹال دیا۔ پھر چند روزوں کے بعد منصور حلاج کی طرف سے یاد دہانی کیگئی۔ پھر اسمٰعیل نے ہاں نہیں کا صاف جواب نہیں دیا۔ غرض ایک عرصہ تک اِس مسئلہ میں جانبین سے تحریک ہوتی رہی۔ منصور کی طرف سے اِن تمام طومار میں جناب صاحب الامر علیہ السّلام کی نیابت کے دعووں پر دعوت کا استحقاق دکھلایا جاتا تھا۔ جب اِن تحریروں میں کوئی اثر پیدا ہوتا ہوا نہیں دیکھا تو اب منصور حلاج نے اپنے معروضات کو طرح طرح کی رنگ آمیزیوں سے رنگنا شروع کیا۔ اور وہ یہ کہ اُنھوں نے اپنے ایک خط میں اسمٰعیل کو لکھا کہ منصبِ امامت کے اعتبار پر مجھ کو جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام نے حکم فرمایا ہے کہ ہم آپکو اپنی دعوت قبول کرنیکی اطلاع دیں۔ اور آپکو اپنے دائرۂ اطاعت میں داخل اور زمرۂ اہلِ عقیدت میں شامل کرلیں۔ اور اپنی وقتی ضرورتوں میں ہمیشہ آپ کی استمداد و اعانت سے امید قوی رکھیں۔ مطلبِ سعدی ہمیں بود۔

جب اِن مراسلات کے مضامین کو پڑھتے پڑھتے اور سمجھتے سمجھتے بیچارے اسمٰعیل تنگ آگئے تو آخر ایک دن اُنھوں نے کُھل کر حسین ابنِ حلاج کو اِس مضمون کا جواب لکھ بھیجا کہ اِن اقسام کے معاملات میں جب تک معجزات و کرامات کے ثبوت نہ پالیے جائیں انکی تصدیق اور معرفت کے لیے زبانی ادّعا کافی نہیں ہوسکتا۔ اِس بنا پر تاوقتیکہ ہم تم میں اِن امور کو بالمشاہدہ نہ پالیں تمہاری دعوت نہیں قبول کرسکتے۔ اِس لیے ہم نے ارادہ کرلیا ہے کہ ہم اس کی تحقیق میں تم سے اپنا ایک ایسا مطلب بیان کریں جس میں ہمیں سخت تردّد لاحق حال ہے۔ اگر تم نائبِ امام ہو تو اپنی قوتِ اعجاز سے میری خاطر خواہ جواب دیدوگے۔ تو البتہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری عقیدت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لونگا۔ اُس وقت مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔ اب جو میری حاجت ہے وہ یہ ہے کہ ایک عرصہ سے مجھے حُسن پرستی کا مرض لاحق ہے اور آج تک میری زندگی کا بہت بڑا حصہ عیش و عشرت اور شاہدانِ قبول صورت کی صحبت میں بسر ہوا ہے۔ میرے پاس بہت سی خوبصورت کنیزیں ہمیشہ موجود رہی ہیں۔ اب میں بوڑھا ہونے آیا۔ میری ڈاڑھی کے بال سفید ہوگئے۔ اور اب مجھ کو بایں ریش سفید اُن شاہدانِ نوخیز کے سامنے جانا نہایت نازیبا اور بیموقع معلوم ہونے لگا تو میں نے خضاب لگانے اور اِس دھوکے کی ٹٹی میں اپنے آپ کو جوان بنانے کی تدبیر سوچی۔ اگرچہ یہ ظاہری پردہ کسی قدر میری عیب پوشی کرتا ہے مگر یہ عیب شاید ایک ہفتہ سے زائد پوشیدہ نہیں رہتا اور آٹھ دن کے بعد پھر مُنہ میں سیاہی لگانی ہوتی ہے۔ اِس کے علاوہ خضاب لگانے کی زحمتیں اور اُسکی ترکیب و ترتیب کے تمام اہتمام اِن سب پر المضاعف ہوتے ہیں۔ ع ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔ اب آپ سے التجا ہے کہ آپ

دعا فرما کر میری اِس سفیدی کو سیاہی سے مبدّل فرما دیجیے تو میں آپکی معجز نمائی کا قائل ہو کر ہمیشہ آپکی عقیدت اور اطاعت میں سر گرم اور مستعد رہونگا۔

اسمٰعیل کے ایسے بزرگ سے ایسے ارمان و تمنّا کی بابت سوال کرنا سخت حیرت کا باعث ہوتا ہے۔ مگر نہیں۔ الناس یفہمون علیٰ قدرِ عقولہم انسان اپنی عقل کے مطابق سمجھائے جاتے ہیں حسین ابن منصور حلّاج کی جتنی بساط تھی۔ اور اُنکی عقل و دانائی اور فہم و شعور کی جیسی رسائی تھی ویسا ہی اُن سے سوال بھی کیا گیا چنانچہ حلّاج بھی اسمٰعیل کی احتیاج کی تہ کو پہنچ گئے اور اُنسے اپنی دعوت کو بالکل فضول اور بے سود سمجھکر اپنے دل میں آپ ہی آپ ایسے نادم اور پشیمان ہوئے کہ پھر نہ اُنکی خدمت میں اپنی دعوت کے لیے کوئی خط بھیجا اور نہ پیام اور اُس دن سے اِن امور میں ایسا سکوت اور خموشی اختیار کرلی کہ پھر جھوٹوں کبھی اِسکا کسی سے ذکر بھی نہیں کیا۔ ہاں اسمٰعیل نے البتہ اپنی خلوت و جلوت کی صحبتوں میں اِس نقل کو اپنے احباب کے مذاق کے لیے ایک مضحکہ اور پُرلطف مطائبہ بنا لیا۔ اور بہت دنوں تک منصور حلّاج اسمٰعیل کی محفلِ احباب میں نقل پروانہ بنے رہے۔

منصور حلّاج اور شیعیانِ قُم

مگر اتنی ذلت اور رسوائی کے بعد بھی منصور حلّاج کو غیرت نہ آئی۔ جب اُنھوں نے اسمٰعیل سے اپنا کام نکلتے نہیں دیکھا تو جیسا ابو عبداللہ حسین ابن علی قمّی کا بیان ہے منصور حلّاج نے اپنی عالم فریبی کی ایک دوسری ترکیب نکالی۔ اور یہ سوچکر کہ بغداد اور اُسکے قرب و جوار کے شیعوں میں اُنکی مغویانہ مشن کامیاب نہو سکیگی تو اُنھوں نے بیرونجات کے عوام الناس میں جو شہر کے لوگوں سے مذہبی واقفیت میں کم حصّہ رکھتے تھے اپنی کامیابی کی امید لگائی اور اِسی وجہ سے اُنھوں نے بغداد کو خیر باد کہکر سفر اختیار کیا۔ اور وہاں سے اُٹھکر یکسر شہر قُم میں جا پہنچے۔ جو اُس وقت شیعوں کی قابلیّت اور جامعیّت کا مرکزی مقام تھا۔ یہاں بھی پہنچکر اُنھوں نے شیعوں میں اسمٰعیل کی طرح سب سے بڑا گھر تاکا۔ اور سب سے پہلے جس شخص سے اُنھوں نے اپنی دعوت اور ہدایت کی تحریک پیش کی وہ ابو الحسن تھے۔ جو اپنے ذاتی عزّ و وجاہت کے باعث تمام شیعوں کے رئیس شمار کیے جاتے تھے۔ اُنکے پاس بھی پیغام زبانی بھی گیا اور احکام تحریری بھی۔ جسکے ذریعہ سے کچھ اُنہی کی نہیں بلکہ اُنکے تمام اعزّہ اور اقارب غرض تمام قبیلہ کی دعوت کے واسطے لکھا گیا اور صاف صاف لفظوں میں یہ لکھا گیا کہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام نے اُن کو ابو الحسن اور اُنکے تمام قبیلہ اور عشیرے کی ہدایت اور دعوت کے لیے بھیجا ہے۔

راوی حدیث ابو عبداللہ حسین ابن علی جو ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے تھے بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حلّاج کا یہ رقعہ آیا اُس وقت میں ہی تنہا باہر دروازے پر تھا۔ اِس لیے میں ہی اُس رقعہ کو لیکر اُنکی خدمت میں اندر گیا اور اِس رقعہ لانیوالے کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔ اُنھوں نے وہ رقعہ مجھ سے لیکر اور پڑھکر فوراً پارہ پارہ کر ڈالا اور اُس لانیوالے سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم کیسے نادان اور جاہل تھے جو ایسی مہمل اور

گراہانہ دعوت کی رسالت پر راضی ہو گئے۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ شخص اپنی تحریر میں آپکی دعوت کرتا ہے اور آپ اُسکی تحریک کو پارہ پارہ کیے دیتے ہیں۔ اُس شخص کا جواب سُنکر تمام گھر کے لوگ بیساختہ ہنس پڑے کہ

ع وزیرے چنیں شہریارے چناں۔

چونکہ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کی تجارت اُس وقت نہایت عروج پر تھی اور اُن کا کاروبار پورے اوج پر تھا۔ اِس لیے وہ اتنی تقریر کے بعد اپنی دوکان پر چلے گئے۔ یہاں آئے تو اپنی دوکان پر ایک مجمعِ کثیر دیکھا جن میں تمام لوگ تو اِنکے جانی اور پہچانے تھے مگر ایک شخص اُس میں محض ناآشنا پایا گیا۔ غرضکہ اُنکو دیکھتے ہی وہ مجمع کا مجمع تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا سوائے اُسی شخصِ اجنبی کے۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھے کا بیٹھا ہی رہ گیا۔ اور اپنے مقام سے ذرا بھی نہ ہلا۔ ابوالحسن نے اپنی خوش اخلاقی سے اِنکی اِس کج ادائی کی طرف کوئی اعتنا نہیں کی۔ اور اپنے مقام پر جاکر اپنے کاروبار کا حساب وکتاب کرنے لگے۔ ابھی اُنہوں نے اپنا کام شروع نہیں کیا تھا کہ اُنکو اِس مردِ اجنبی کی حقیقت معلوم کرنیکا خود خیال آیا۔ اُنہوں نے حاضرین میں سے ایک صاحب سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ یہ حضرت جو بیٹھے ہیں کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ اُنہوں نے آپ کا حال کہدیا اور رقعہ والا واقعہ دُہرا دیا۔ اِس سوال وجواب کو سُنکر اب منصور حلّاج اپنے آپے میں نہ رہے۔ ایک مرتبہ ابوالحسن علیہ الرّحمہ سے مخاطب ہوکر کہنے لگے کہ سبحان اللہ! میں خود تمہارے پاس موجود ہوں۔ اور اِسپر بھی تم میرا حال میرے سامنے دوسرے لوگوں سے پوچھتے ہو۔ ابوالحسن نے جواب دیا کہ میں نے آپکی آداب شناسی اور پاس ولحاظ کی وجہ سے آپکو اپنا حال بیان فرمانے کی زحمت دینا خلافِ مروّت سمجھا۔ بلکہ آپکی تعریف دوسرے لوگوں کی زبانی سُنلی تو اِس میں کونسا مضائقہ ہوا بلکہ یہ تو آپکی مزید خوشنودی کا باعث ہونا چاہیے میں نے تو صرف آپ کے پاسِ ادب سے آپ سے خود نہ پوچھا۔ حلّاج نے ترشرو ہوکر جواب دیا۔ سبحان اللہ! آپ میرے رقعہ کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ خدا کی شان۔ میں بیٹھا بیٹھا تماشہ دیکھ رہا ہوں۔ اب تو ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انکے تیور میلے دیکھکر اپنے حُسنِ اخلاق کے آیندہ اظہار کو مناسب نہ سمجھا اور پوچھا۔ اخاہ! آپ ہی اُس رقعہ کے لکھنے والے ہیں۔ اتنا کہکر اُنہوں نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ گردن میں ہاتھ دیکر انکو دوکان سے نیچے اُتار دو۔ غلام نے فوراً اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی۔ جب یہ ع پا بدستِ دگراں دست بدستِ دگراں۔ کی ذلّت و رسوائی اُٹھا چکے تو ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اِنکو مخاطب کرکے کہا کہ استغفراللہ! یہ مردِ جاہل معجزات و کرامات کا دعوے کرتا ہے۔ خدا اِس پر لعنت کرے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ اِس واقعہ کے بعد کسی نے حلّاج کی صورت شہرِ قُم میں نہ دیکھی۔

بہرحال۔ یہ تھے منصورِ حلّاج کے واقعات جو فریقین کے مشاہدۂ تاریخی سے تفصیلاً لکھے گئے۔ بموجودہ تفصیل وتشریح سے مؤلّف کی اوّل غرض تو اُن واقعات کا التزام اور سلسلۂ تالیف کا نظام تھا جو مقتدر باللہ کے عہدِ حکومت میں علی التسلسل گزرے۔ اِسکے علاوہ دوسری بہت بڑی ضرورت جس نے مؤلّف کو اِس کی

موجودہ تفصیل و تشریح پر بالکل مجبور کردیا وہ دنیا کو صرف یہ دکھلا دیتا ہے کہ علم اشراق اور تصوف کی مشق کرنیوالوں نے اپنی آزادی اور مطلق العنانی اور سلطنت کی مرتبہ افزائی اور قدردانی سے اپنی شہرت اور عزت حاصل کرنیکی خاص اغراض سے۔ اس میں اس قدر ترقی کی کہ اُنکے موجودہ عقائد میں ارتداد کی بو آنے لگی۔ جو علمائے شریعت کی ناگواری طبع کا سخت باعث ثابت ہوئی۔ اور اعجاز و کرامات و دیگر خرق عادات کے درجہ سے بڑھا کر اُنکو الوہیت کے مدارج تک بڑھالے گئے۔ معاذ اللہ۔ یہ کیا تھا۔ جہانتک میرا خاص خیال ہے یہ افراط و تفریط کا باعث تھا۔ اور کچھ نہیں۔ جو بے احتیاطی اور شریعت کے کس مپرس کردیے جانیکی وجہ سے لاحق ہوئی تھی۔ مگر ان حضرات کے مقابلہ میں اُن بزرگواروں (ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین) کے اقوال و گفتار اور اطوار و رفتار کو بھی دیکھنا چاہیے اور اُنکی علمی استعداد اور شرعی پابندی کو اُنکے عملیات سے ملائیں تو اَلْاَصْلُ لِلْاَصْلِ وَالنَّقْلُ لِلنَّقْلِ کا کامل جلوہ آنکھوں کے سامنے ہوجائیگا اور حق و باطل کا خاص مشاہدہ نظر آجائیگا۔ کیا کوئی شخص اِن ذواتِ مقدسہ کے اقوال و ارشاد میں بھی اِن لغویات اور حشویات کا پتا پائیگا اور اُن کی کسی تدبیر اور تجویز سے اُنکی ذاتِ خاص کی طرف ایسے جھوٹے دعوے جن سے کفر و ارتداد کے شبہے ہوتے ہوں دیکھے جائینگے۔ اگر جانبین کے صرف اقوال ہی کا باہم موازنہ اور مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ اُن خاصانِ خدا کے حقیقی اوصاف و محامد اور فضل و کمال کو ان لوگوں کی ظاہری ملمع کاریوں سے کوئی واسطہ اور سروکار باقی نہیں ہے۔ اُنکے محامد حقیقت کے آئینے ہیں۔ اور اُن کے طریقے اغوائے عالم کے حیلے۔ اور دنیا فریبی کے مستحکم اور قوی آلے۔ اُن کے اقوال و ارشاد ہدایت کے چشمے اور خیر و برکت کے دریا ہیں۔ اِنکے کلام اور احکام شریعت کے مخالف اور ایجاد و اختراع کے مطابق تمام اخلاقی کمزوریوں کے مصدر ہیں۔ اِن مثالوں کے لیے دور کیوں جائیں حسین ابن منصور حلاج کے وہ اقوال جو ابھی روضۃ الصفا کی اسناد سے اوپر لکھے گئے غور سے دیکھ لیے جائیں۔ اور اُنکے اصلی مطالب و مقاصد پر خوض و تامل سے کام لیا جائے تو نہایت آسانی سے فرق مابہ الامتیاز معلوم ہوسکتا ہے اور ہر شخص حقیقتِ حال کو پاسکتا ہے۔ کہاں ہیں مشائخ موصوفین کو حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین سے عظمت میں۔ تقوے و طہارت میں اور فضل و کمال میں مساوی اور مقابل بتلانیوالے۔ آئیں اور وہ منصور حلاج کے اُن اقوال کو جو اوپر لکھے گئے ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور پڑھکر بتلائیں کہ اُسنے اپنے خدا ہونیکے دعووں میں کونسی بات اُٹھا رکھی ہے۔ اور اپنے کفر و الحاد کے اظہار میں کونسا تسمہ لگا رہنے دیا ہے جس کی وجہ سے اُسکے اِن اقوال کو اُسکی طرف نسبت نہ دی جائے یا اُس کے ایسے صاف اور کھُلے ہوئے کفر و الحاد کی کوئی معقول اور معنی خیز تاویل کیجا سکے حقیقت امر یہ ہے کہ اِن دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت اِن اقوال کے لیے پیدا نہیں کیجا سکتی اور آخر کار ہر طرف سے مجبور ہو کر امام منصوب من اللہ اور مامور بالناس کے امتیازی مسئلہ کو اُن کی دلائل کے ساتھ ماننا پڑیگا۔

اور سوائے تسلیم کے اور کوئی دوسرا چارہ معلوم نہیں ہوتا۔

مقتدر کی آخر حکومت میں امرائے سلطنت کا فساد

بہر حال۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ مقتدر کے زمانہ میں بھی دو بڑے واقعے گزرے جو اوپر بیان کیے گئے۔ اِنکے بعد مقتدر کے بقیۂ ایامِ حکومت میں جو فتنہ و فساد واقع ہوئے اور اُنکی وجہ سے جو جو مصیبتیں اُسکو تنہا اپنی جان و مال پر اُٹھانی ہوئیں وہ ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔

۳۱۷ھ ہجری میں مونس خادم اور ابوالہیجاء ابنِ حمدان اور بہت سے امراء نے بغاوت پر کمر باندھی۔ اِسکی وجہ یہ تبلائی جاتی ہے کہ اِن لوگوں نے اپنی کوئی غرض مقتدر سے عرض کی تھی جس کو اُس نے اُنکی خاطر خواہ پورا نہ کیا۔ پھر کیا تھا۔ اِن کے تیور بدل گئے۔ مقتدر بھی اِن کے طور بے طور دیکھکر تاڑ گیا۔ اور ایک دن اِنکو اپنی خلوتِ خاص میں بُلا کر اور اپنے حقوقِ پرورش دکھلا کر کہنے لگا کہ دنیا میں کفرانِ نعمت اور احسان فراموشی کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہونیوالا۔ اِن لوگوں نے بادشاہ کا وعظ و پند تو سُن لیا مگر اُسکا کوئی جواب نہیں دیا۔ دربار سے جب اپنے اپنے گھر واپس آئے تو اپنے ہمخیالوں میں اپنی سرگزشت کو دُہرایا۔ وہ بھی سب کے سب ایکبار بگڑ اُٹھے اور اُن کی ہمراہی میں دار الامارۃ پر چڑھ دوڑے۔ اُن کی کثیر جماعت دیکھکر مظفر ابنِ یاقوت جو مقتدر کا حاجب تھا کچھ ایسا ڈرا کہ تمام سلطانی ملازمین کو جو قصرِ سلطانی کی حفاظت پر مامور تھے اپنے ہمراہ لیکر بھاگ گیا۔ مونس خادم اور اُس کے تمام ہمراہی۔ خالی مکان را دیو می گیرد کے معنوں میں بلا مزاحمت قصرِ شاہی کے اندر گھُس پڑے۔ مقتدر۔ اُسکی ماں بہنوں اور تمام بال بچّوں کو اپنے گھر بھجوا دیا۔ ایسے وقت میں اِن لوگوں سے ایسی انسانیت بہت غنیمت اور قابلِ قدر سمجھی گئی۔ پھر اِس کے بعد مقتدر کو اُتار کر جدّت پسندوں نے اُس کے چھوٹے بھائی محمد ابنِ معتضد کو تختِ سلطنت پر بٹھلا دیا۔ اور اُسکو القاہر باللہ کے لقب سے مشہور کیا۔

قاہر باللہ کا فوری عزل

قاہر کی تخت نشینی کے انتظام جب قہر و غلبہ کے اجماعی اصول سے درست اور مرتب کر لیے گئے تو جدّت پسندوں نے قاضی ابو عمر کو مقتدر کے پاس بھیجا اور یہ پیام دیا کہ آپ امرِ امارت بطیبِ خاطر واپس دیں اور قاہر کی اطاعت اختیار کر لیں۔ جس کو مقتدر نے جان بچا ہزار نعمت سمجھ کر فوراً قبول کر لیا۔ اور تمام امورِ مُلکی سے دست بردار ہو کر جدید نظامِ حکومت کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا۔

اب سُنیئے۔ جدید منتظمین نے خلافتِ بغداد کے نوشاہ کا حاجب ایک غلام رومی کو مقرر کیا جس کا نام بازوک تھا۔ بازوک نے اپنے اختیار و اقتدار کے اعتبار پر محافظینِ دار الامارۃ کو قصرِ شاہی کے اندر بود و باش اختیار کرنے سے روکا۔ اور اُنکو ایکبار باہر چلے جانیکا حکم دیا۔ اُن لوگوں کو بازوک کی یہ حرکت نہایت بُری معلوم ہوئی اور وہ سب کے سب ایک بار حملہ کر کے جدید خلیفہ کے قصر پر چڑھ دوڑے اور اپنا یومیہ طلب کرنے لگے۔ یہاں خزانۂ شاہی میں خیریت سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ جو دی جاتی۔ قاہر اُنکے شور و غل

سُنتے سُنتے عاجز آگیا تو اُسنے اپنے حاجب بازوک کو بلاکر کہا کہ اِن لوگوں کو بملائمت و تالیف قلب سمجھا بجھا کر
اور اِس فتنہ و فساد کو فرو کردے۔ بازوک باہر آیا اور اُن لوگوں کی جماعت کو مسلح پاکر سخت گھبرایا۔ بازوک
اُنکے سامنے سے بھاگنے ہی کو تھا کہ اُن لوگوں نے اُسکو فوراً پکڑ کر مار ڈالا۔ اِن معاملات کی خبر مقتدر کے
بہی خواہوں کو ہوئی۔ وہ تو ایسے وقتوں کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ اپنے اپنے مقاموں سے نکل کر تمام شہر بغداد
میں فتنہ و فساد مچاتے ہوئے دار الامارت میں گھس پڑے اور ابن حمدان موجودہ وزیر سلطنت کو قتل
کرتے ہوئے مونس کے گھر پہنچے۔ اور وہاں سے مقتدر کو اپنے کاندھوں پر اُٹھائے اور زندہ آدمی کو اچھا خاصہ
مُردہ بنائے قصرِ خلافت میں آئے اور تختِ حکومت پر بٹھلاکر اُسکی اطاعت اور بیعت اختیار کرلی اور اُسکو
پھر تمام ممالکِ اسلامیہ کا فرمانروا تسلیم کرلیا۔

مقتدر کی پھر تخت نشینی اور اُس کا فوری قتل

مقتدر نے پھر تختِ حکومت پر بیٹھکر اپنے حسنِ اخلاق اور برادرانہ موانست کی یہ قدرت دکھلائی کہ
اپنے چھوٹے بھائی قاہر باللہ کے لیے امان لکھکر اُسکو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اور اپنی طرف سے اُسکو اچھی طرح
مطمئن کردیا۔ مگر افسوس! یہ برادرانہ الفت و محبت بھی وقتی حیلہ ثابت ہوئی۔ اِسکے بعد فوراً ہی مقتدر نے
قاہر کو محبس شاہی میں قید کردیا۔ اور اُسکے مایحتاج کی معمولی طور پر خبر لینے لگا۔

دو برس تک مقتدر پھر سلطنت کے مزے چکھتا رہا اور عیش کرتا رہا۔ اُسنے باوجود ان امور کے اپنے
خادم مونس کے اعزاز اور حفظِ مراتب میں کوئی کوتاہی اور کمی نہیں کی۔ اِس وجہ سے کہ وہ اِسے خلافت کا
اصل الاصول سمجھتا تھا۔ اور حقیقۃً تھا بھی ایسا ہی۔

اب سُنیے۔ ۳۲۰ھ ہجری میں دربارِ بغداد کے جوڑ پھڑ کانیوالوں نے مونس سے یہ جا لگایا کہ مقتدر
اپنے موجودہ وزیر حسین ابنِ قاسم کی ترغیب دلانے اور بہکانے سے تمہارے مقید کرنیکی فکر میں ہے۔ یہ خبر
سُنکر مونس وزیر اور خلیفہ کی طرف سے ہوشیار ہوگیا۔ ایک تو اُس واقعہ سے وہ مشتبہ ہو ہی چکا تھا۔ ایک
ایسا ایک دوسرا واقعہ اُسکے مشاہدے میں آیا۔ اب مونس کی وحشت اور بھی بڑھی تو اُس نے بغیر خلیفہ کی منظوری
اور اجازت کے موصل کا رستہ کیا۔ اور یوں موقع سے ٹل گیا۔ صرف رستہ سے ایک عریضہ مقتدر کی خدمت میں
بھیجدیا۔ اور اُس میں اپنے حقوقِ خدمت اور خلیفۂ عصر کی ناتوجہی اور غیر التفاتی کی بہت کچھ شکایت لکھدی۔

اب سُنیے کہ اُس عرضی کا کیا نتیجہ نکلا۔ مونس کا ملازمِ خاص جب اُسکا یہ معروضہ لیکر دربار میں حاضر ہوا
تو وزیر نے اُس سے پوچھا کہ مونس کی تحریر کا مضمون کیا ہے؟ اُسنے جواب دیا کہ جو کچھ ہے وہ خلیفۂ عصر کی
خدمت میں عرض کیا جائیگا۔ اور کسی دوسرے سے نہیں کہا جا سکتا۔ اُسکا یہ جواب پاکر وزیر جل گیا۔ اور اُسنے
فوراً سارا قصہ مقتدر سے کہا۔ مقتدر نے اُس ملازم کے نام اِس مضمون کا ایک رقعہ لکھا کہ تم جو مونس کی طرف
سے میرے نام تحریر لائے ہو وہ وزیر سلطنت کو دیدو۔ اِس رقعۂ شاہی پر بھی اُس وفادار غلام نے کوئی اعتنا

نہیں کی۔ اور وزیر کو نہ وہ خط دیا اور نہ اُس سے اُسکا پیام دُہرایا۔ وزیر سے جب کچھ بنائے نہ بنا تو اُس نے اُس ملازم کا مکان جو بغداد میں تھا گرا دیے جانے اور مسمار کیے جانے کا حکم دیا۔ فوراً تعمیلِ حکم کیگئی۔ اُس غریب کا مکان گرادیا گیا۔ مگر تاہم اُس شخص نے اُف نہیں کی اور نہ مونس کے خط کو وزیر کے ہاتھ میں دیا۔ اور نہ اُس سے کچھ زبانی کہا۔

آخر کار مونس کے ملازم کو مقتدر کے پاس لے گئے۔ اُس نے مونس کا خط نکالکر مقتدر کو دیا۔ مقتدر نے پڑھا۔ مونس اِسی خط کے جواب کا انتظار کر رہا تھا اور راستہ میں مقیم تھا۔ مقتدر نے اُسی وقت ایک محبّت نامہ مونس کے نام لکھا جس میں بہت کچھ اُسکی دلجوئی اور خاطر داری کی باتیں لکھیں اور اُسکو تمام شبہات کی طرف سے مطمئن اور فارغ البال کر دیا۔ اور اپنے پاس فوراً چلے آنیکی تاکید قلمبند کی۔

حسین ابن قاسم وزیر السّلطنت کو جب اِس کایا پلٹ ہونیکی خبر ہوئی تو اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اُس نے اُسی وقت ابنائے حمدان کے نام جو علاقۂ موصل کے گورنر تھے ایک خط لکھا۔ اُس کا مضمون یہ تھا کہ مونس جہاں کہیں پایا جائے اُس سے جنگ کیجائے۔ اور اُسکی ہمراہی جمعیّت کو تباہ و برباد کرکے اُسکو مقید کیا جائے۔ اور اگر اُسکے قید کرنیکا موقع نہ ملے تو کم سے کم اُسکو کسی غیر مُلک کی طرف نکال دیا جائے۔

جب وزیر کا یہ حکمنامہ پہنچا تو تمامی آل حمدان نے اُس سے اتفاق کر لیا۔ مگر ایک داؤد نے اپنی قدیم رسم و راہ کی وجہ سے پہلے کچھ انکار کیا۔ مگر پھر بھائیوں نے اپنی رائے میں اسکو بھی لے لیا۔ مگر تاہم داؤد کے دل میں ایک خلش باقی ہی رہی۔ یہانتک کہ باہم جانبین سے مقابلہ و مقاتلہ کی نوبت پہنچ ہی گئی۔ شروع جنگ سے داؤد برابر کہتا تھا کہ میرے جملہ امور میں مونس نے میرے ساتھ عام عطاؤ احسان قائم رکھے ہیں اور میں اِس وقت اُسکے خلاف میں مقابلہ پر موجود ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ مجھ کو اِس محسن کُشی۔ احسان فراموشی اور کفرانِ نعمت کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ اور اگر کچھ نہیں تو ایک تیر کا پیکان ہی سہی۔ مگر وہ بھی میرے لیے ایسا کارگر اور کافی ثابت ہوگا کہ میں اُسکے صدمہ سے کسی طرح جانبر نہو سکونگا۔ حُسنِ اتفاق سے ایسا ہی ہوا کسی کا تیر عقب سے آکر اُسکی گردن پر ایسا بیٹھا کہ داؤد زمین پر بیٹھکر پھر نہ اُٹھا۔ یہ عالم دیکھتے ہی باوجود اِس کے کہ بنی حمدان کی جمعیّت اِس وقت تیس ۳۰ ہزار مسلّح سپاہیوں کی تھی اور مونس کے ساتھ کل آٹھ سو آدمی تھے مگر ذرا بھی میدان میں نہ ٹھہر سکے۔ فوراً بھاگ کھڑے ہوئے۔ مونس اطمینان و فراغت سے حریف کو پسپا کرکے شہر موصل پر قابض ہو گیا۔ اور کامل سات مہینے میں وہاں کے تمام انتظامات درست کرکے ایک معتدبہ جمعیّت کے ساتھ شہر بغداد پر حملہ آور ہوا۔ مقتدر یہ خبر پاکر اُس کے مقابلہ سے دست بردار ہوا مگر امراؤ خواتین سلطانی نے اِس امر کو شانِ خلافت کے خلاف سمجھا۔ اور کسی نہ کسی طرح مقتدر کو مونس کے مقابلہ پر نکالا۔ مونس کی فوج بھی غنیم کے مقابلہ پر آگئی۔ اور قبل اِس کے کہ مونس خلیفۂ عصر کی جان کے تحفظ اور امان کے لیے کوئی بند وبست کرسکے اُسکی جمعیّت نے فوجِ سلطانی کے اُس حصّہ کو مار بھگایا جس میں مقتدر خود شریک تھا۔ اُسی بھاگڑ میں مقتدر

پھنس گیا اور گرفتار کیا گیا۔ مونس کے آدمیوں کو ہر چند یہ اپنا نام و نشان بتلاتا رہا کہ میرا نام مقتدر ہے میں خلیفہ ہوں اور تمہارا فرمانروا مگر کسی نے ایک بھی نہ سُنی اور اُسکا سر اُسی وقت تلوار سے جُدا کر ڈالا۔

یہ تھے سلطنتِ مقتدر کے خاص اور چیدہ حالات۔ اُسکی چوبیس۲۴ سالہ مدتِ حکومت میں زمانہ نے کیسے کیسے رنگ بدلے اور اپنے تصرّفات کے عجیب و غریب طلسمات دکھلائے۔ کبھی پورے شاہانہ جاہ و تجمّل سے مقتدر تختِ حکومت پر بیٹھا۔ اور کبھی پوری ذلّت و حقارت کے ساتھ قیدخانہ کی کُھلی اور ننگی زمین پر۔ امراؑ و ارکینِ سلطنت کے وہ تغیر پسند انداز ہو رہے تھے کہ اُنکے لیے ایک ساعت کا قیام اور استحکام بھی غیر ممکن تھا۔ اُنکی ثروت و اقتدار اور قوت و اختیار کے سامنے مقتدر کا کوئی وجود اور کوئی ہستی نہیں تھی۔ اُسکا دار و مدار انہی امرا کی خوشامد پر منحصر تھا۔ یہ راضی ہیں تو سب کچھ ہے۔ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ متوکل کے وقت ہی سے خلافتِ بغداد کا یہ حال ہو رہا تھا۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا خلیفہ کی کمزوری اور خلافت کی بدنظمی ترقی کرتی گئی۔ یہانتک نوبت پہنچی کہ خلیفہ کوئی شے باقی نہیں رہا۔ اور امراؑ و ارکین سب کچھ ہو گئے۔

مقتدر میں کوئی بدی ثابت نہیں ہوتی۔ اور اِس میں کوئی کلام نہیں کہ اُسکی طبیعت فتنہ و فساد سے بالکل خالی تھی۔ مگر بات یہ تھی کہ تھا وہ طبیعت کا اتنا بودا اور کمزور کہ اپنی سلطنت و حکومت کے اتنے دورِ دراز عرصہ میں بھی اپنی سلطنت سنبھالنے اور اپنے آپ کو امراؑ و ارکین کی قید بندیوں سے نکالنے کی کوئی تدبیر اور کوئی سبیل نہ کر سکا۔ اور جس حالت سے کہ روزِ اوّل تختِ خلافت پر بیٹھا تھا اُس صورت سے آخر روز تک قائم رہا۔ اگرچہ اِس زمانہ میں وہ کئی بار تختِ خلافت سے اُتارا اور بٹھلایا گیا۔ اور قید و حبس کی ذلّت و حقارت تک پہنچایا گیا۔ اور اِس وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ اُس کو ان حضرات کی بیوفائی اور قابو پرستی کا کافی اندازہ ہو چکا تھا۔ مگر تاہم اِن تمام امور میں اِن مشاہدات کو اپنی آنکھوں سے دیکھکر بھی ہوشیار نہوا۔ اور اِنکے متعلق کچھ بھی نہ کر سکا۔ یہ تمام امور اُسکی ذاتی کمزوری کا باعث تھے۔ اور اِن وجوہ سے وہ کبھی حکومت کے شایاں نہیں تھا۔ اُسکی طبیعت کی کمزوری کا دوسرا بہت بڑا ثبوت یہ تھا کہ امراؑ و ارکینِ مُلکی کے علاوہ اُسکی کنیزوں اور محل کی عورتوں کو بھی نظامِ مُلکی میں پوری مداخلت حاصل تھی۔ چنانچہ اُسکی ماں کی ایک مخلدار جوزنِ حبشیہ تھی دربارِ شاہی میں آکر اور علماؑ و فضلاؑ کے پہلو دبا کر روزنہ بیٹھا کرتی تھی۔ عرصہ تک تمام وزراؑ و امرائے حکومت اُسی کی صلاح و مشورت سے امورِ حکومت اور کار و بارِ سلطنت چلایا کیے۔

قاہر باللہ کی بارِ دیگر حکومت

مقتدر مارا گیا۔ مونس کو اُس کے مارے جانیکا سخت صدمہ ہوا۔ اور اپنی جماعت کے اُن آدمیوں کو بلوا کر جو مقتدر کے قتل کے درپے ہوئے تھے بہت سخت ڈانٹا اور بڑی لے دے کی۔ مگر اب تو جو ہونیوالا تھا وہ ہو چکا تھا۔ اب اِس ہاہی تلافی سے کیا نتیجہ نکل سکتا تھا۔ اِس لیے مونس کا ارادہ تھا کہ مقتدر کے بعد اُسکا بیٹا خلیفہ بنایا جائے مگر دیگر امرائے سلطنت نے اُس کی اِس تدبیر سے اتفاق نہیں کیا۔ اور کہا کہ خدا خدا کرکے

ابھی تو ہم ایک ایسے بادشاہ کے پنجے سے چھوٹے ہیں جس نے ہمارے ساتھ اپنی ماں۔ خالہ اور کنیزوں تک کو نظامِ حکومت اور نظامِ سلطنت میں شریک کر دیا۔ تو اُس کے بعد پھر اُسی کے بیٹے کو اپنا بادشاہ اور فرمانروا تسلیم کر لیں۔ وہ ہمارے ساتھ اپنے باپ کے طریقوں پر ضرور چلیگا۔ خدا کی قسم ہم لوگ کبھی ایسے بچّہ کا حکمران ہونا کسی طرح پسند نہیں کرینگے۔ ہاں اُس شخص کو البتہ اپنا امیر اور پیشوا قبول کرینگے جو عاقل ہو اور فہم و شعور تمام امورِ ضروری میں کامل۔ صاحبِ تدبیر ہو اور اہلِ تجویز۔ اور ہم لوگوں کو اُسکے مزاج میں تصرّف اور مداخلت کا پورا موقع مل سکے۔ ابو یعقوب کی اِس تقریر سے جو دفترِ وزارت کی طرف سے اُسنے مونس کے خلاف میں کی تھی تمام اہلِ جلسہ نے اتفاق کیا۔ اور مونس کو بخیالِ قدامت اگرچہ اِس وقت تک مقتدر کے بیٹے ابو العبّاس کے سوا کسی دوسرے کا حکمران ہونا ہرگز منظور نہیں تھا مگر اُس نے اجماع کے خلاف کرنیکو بھی اِس وقت کسی طرح مناسب نہ سمجھا۔

مونس خموش ہو رہا۔ امراؤ ارکینِ سلطنت نے قاہر کو خلیفہ بنایا۔ مونس نے خاص طور پر قاہر سے اِن امور کی نسبت اقرارِ حلفی لیا کہ وہ اپنے تمام ایّامِ حکومت میں مونس۔ بلیق اور اُس کے بیٹے علی ابنِ بلیق کی جان و مال سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کریگا۔ یہ اقرار نامہ مہر و دستخطِ شاہی سے مرتّب اور مزیّن ہو کر تمام وزراؤ امرا کے دائرہ میں مشتہر ہو گیا۔

تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی قاہر نے علاقۂ فارس سے ابنِ مقلہ کو بُلا کر اپنا وزیر بنایا۔ یہ شخص جملہ علوم و فنون اور تمامی صنائع و بدائع میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اور آج تک اسلام کے اُن چیدہ لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جو باعتبار فضل و کمال کے ہر طبقہ اور ہر درجہ میں مشہور و معروف ہیں۔ خصوصاً فنِ کتابت میں یہ فردِ واحد یقین کیا جاتا ہے۔ قاہر نے وزارت کا عہدہ ابنِ مقلہ کو عنایت کیا اور حجابِ شاہی کا منصب بلیق کے بیٹے علی کے سپرد کیا۔

قاہر کے مظالم اور مقتدر کی ماں کی گرفتاری

قاہر کے رُخ بے رُخ دیکھکر مقتدر کی تمام اولاد اِدھر اُدھر ہو گئی۔ کوئی کہیں چھپا کوئی کہیں۔ قاہر نے سب سے پہلے مقتدر کی ماں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ یہ بیچاری عرصہ سے مرضِ استسقا میں گرفتار تھی شاہی سپاہیوں نے اِس پیرزن کو محلِ شاہی سے باہر کھینچکر دھوپ میں اُلٹا لٹکا دیا۔ جو کچھ ظاہر طور پر اِسکے محلِ خاص میں اثاثہ پایا گیا بلا مزاحمت لوٹ لیا گیا۔ اِس پر بھی بس نہیں کیگئی۔ اِس کے بعد اُسکو اُس مال و جائداد کے بیچ ڈالنے پر مجبور کیا گیا جسکو اُسنے ایک عرصہ سے فقراؤ غربائے مکّہ و مدینہ زاد اللہ شرفاً کیلیے وقف کر دیا تھا۔ اُس غریب نے جبراً و قہراً اسکو بھی قبول کر لیا۔ مگر کسی اہلِ اسلام نے مالِ موقوفہ کے خیال سے اسکو نہ خریدا اور اِس طرح یہ مال اللہ تھوڑے دن اور تصرّفاتِ ناجائز سے محفوظ رہا مگر تا کے۔ یہاں تو دربار کے شکم پرستوں کے پیٹ پھٹے جاتے تھے۔ آخر کار جب اِن لوگوں نے اُسکو اپنے قبضۂ تصرّف میں کسی طرح آتے نہیں دیکھا تو آخر کار

مقتدر کی ماں کو ہر طرف سے مجبور کر کے اُسکی بیع کو فوج کے اُن سپاہیوں کے نام لکھوا دیا جو عرصہ سے خالی پیٹ رہکر غنیمت کی موہوم امیدوں پر آسرے لگائے قلعۂ معلے میں بیٹھے رہتے تھے۔

مقتدر کی غریب ماں کو افلاس و تنگدستی کے آخر نتیجوں تک پہنچا کر قاہر نے مقتدر کی ذرّیات و اولاد کی طرف توجہ کی اور اُن پر بھی اپنی بیرحمی اور بیدردی کے ایسے ایسے ظلم کیے جنکے ذکر ناگفتہ بہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ بھی کوڑی کوڑی کو محتاج کر دیے گئے۔

قاہر سے امرائے سلطنت کا بگاڑ۔ اُسکے آخر نتیجے

اِن تمام مظالم کی سزا قاہر کو بہت جلد ملگئی۔ اُسکی تفصیل یہ ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد قاہر اور بڑے بڑے امرائے سلطنت مثل مونس وغیرہ کے فیمابین نقیض پیدا ہوا۔ اور ایک دوسرے سے سخت بدگمان اور بدظن ہو گیا۔ قاہر کو حُسنِ اتفاق سے موقع ملگیا اور اُس نے فوراً مونس۔ بلیق اور علی ابنِ بلیق کو جو سلطنت پر ہر طرف سے حاوی ہو رہے تھے قتل کر ڈالا۔ اِسکے بعد اُسنے ابنِ مقلہ وزیرِ سلطنت کو گرفتار کرنا چاہا۔ کیونکہ اُسپر بھی سازش کا جُرم ثابت ہو گیا تھا۔ مگر وزیر کو اسکا پتہ لگ گیا۔ وہ جان بچا کر دربار سے چلدیا۔ اور شہر میں پوشیدہ ہو گیا۔ قاہر نے بڑی مستعدی سے اُس کی تلاش کا انتظام کیا۔ اور تمام شہر میں پہرے بٹھلا دیے۔ ابنِ مقلہ کی مجبوری اور مصیبت کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ کبھی وہ اندھوں کی صورت میں اور کبھی عورتوں کے لباس میں اِس گھر سے اُس گھر میں چھپتا پھرتا تھا۔ ابنِ مقلہ بہت بڑا چالاک اور ہوشیار شخص تھا۔ وہ اِن حالتوں میں بھی قاہر کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ اُسنے اُسی لباسِ عیاری میں سلطنت کے اور باقی امرا سے قاہر کے خلاف میں سازش پیدا کی۔ اور باہمی مشورت سے بغداد کے ایک بہت بڑے منجّم کو جو اُس وقت شہرِ بغداد میں تمام معروف و مشہور تھا دو سَو روپے دیکر یہ کہا کہ تم صرف سیما نامی غلامِ ترکی سے جو اس وقت قاہر کے نزدیک بہت بڑا خیر خواہ۔ وفادار اور جاں نثار غلام خیال کیا جاتا تھا یہ کہدو کہ امسال کے زائچۂ تقویم سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں قاہر پر ایک ایسی سخت بلا نازل ہونیوالی ہے جس سے کسی طرح اُس کی مخلصی کی کوئی امید نہیں۔ وہ اُسی بلاؤ مصیبت میں مر جائیگا۔ منجّم نے اِسے قبول کر لیا۔ اور اُسکی ہدایت کے موافق سیما کے آگے پورا زائچہ کھولکر رکھدیا۔ اِس کے بعد حسین ابنِ ہارون اور ابنِ مقلہ بھی پوشیدہ طور پر سیما کے پاس پہنچے۔ اور قاہر کے متعلق بہت سی خشونت آمیز اور وحشت انگیز باتیں دُہرائیں۔ خلاصہ یہ کہ اِن لوگوں نے سیما کو ایسا ایسا بھڑکایا کہ وہ کافرِ نعمت بھی اپنے آقا کی زحمت دہی پر آمادہ ہو گیا۔ سیما نے پھر تمام ترکی غلاموں کو اپنی سازش میں لے لیا۔ اور پھر اِن لوگوں نے ایک بار موقع پاکر قاہر کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی اور اُسکو ہمیشہ کیلیے اندھا کر دیا۔ اور مقتدر کے بیٹے ابو العباس کو جس کے خلیفہ کیے جانے کی مونس نے پہلے ہی صلاح دی تھی تختِ حکومت پر بٹھلا دیا۔ اور اُسکو تمام ممالکِ اسلامیہ کا تاجدار اور حکمران تسلیم کر لیا۔ اور

خطبہ اور سکہ بھی اُسی کے نام سے جاری ہوا۔

قاہر کے عادات وخصائل

قاہر کے حالات تمام ذاتی معائب سے بھرے پائے جاتے ہیں۔ اسلام کے مؤرخین اِسکے نقائصِ فطرت ثابت کرتے ہیں۔ ابنِ اثیر اور ابو الفدا قاہر کو بہت بڑا ظالم اور جابر لکھتے ہیں۔ روضۃ الصفا میں خاوندشاہ ہروی اسکو ظالم۔ سفّاک۔ متہور اور بیباک کے مخصوص القاب سے یاد کرتے ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ یہ اپنے سلسلہ میں متوکّلِ ثانی کہے جانیکا پورا مستحق تھا۔ بیوفائی۔ عہد شکنی اِسکی عادت تھی۔ قتل وغارت۔ ظلم وشقاوت اِسکی خاص طبیعت واقع ہوئی تھی۔ اس کے ثبوت میں مونس۔ یلیق اور علی ابن یلیق کے ایسے مقتدر اور معزز امرائے مملکت کا قتل باوجود اس امر کے کہ اُنکے لیے خود امان نامہ لکھ چکا تھا موجود ہے یہ تو خیر دور کے لوگ تھے۔ مقتدر کی ضعیف ماں اور اُسکی تمام اولاد واعقاب کے ساتھ اِسنے جیسے جیسے ظلم کیے وہ ظاہر میں صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ اُسکی کینہ پرور اور فتنہ جو طبیعت میں قرابت اور عزیزداری کی رعایت ومروّت مطلق نہیں تھی۔ اُسکے دل میں خوفِ خدا کا مطلق احساس باقی نہیں تھا۔ اسکا قلب پتھر تھا۔ اور سنگین۔ خداترسی۔ بندگانِ خدا کے ساتھ ہمدردی اُسکو چھو نہیں گئی تھی۔ اسکی شہادت میں مقتدر کی غریب ماں اور اُسکی جائدادِ موقوفہ کے واقعات موجود ہیں۔ جس کو وہ فی سبیل اللہ فقراء اور غربائے حرمین شریفین زاد اللہ شرفہما کے تفقدِ احوال کی نظر سے وقف کر چکی تھی۔ قاہر باللہ اپنی عارضی سلطنت وحکومت اور اپنی معمولی دولت وثروت پر ایسا ہی پھولا ہوا تھا اور بھولا ہوا کہ اُسکو دین ودنیا کی مطلق خبر باقی نہیں تھی۔ اِسکے وقت میں خلافتِ بغداد میں پہلے سے زیادہ کمزوری آگئی تھی۔ اِسکے تمام نظام پارہ پارہ ہو گئے تھے۔ اُسکی ترتیب۔ درستی اور اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں تھی۔ اُسکے وقت میں آلِ بُویہ کی قومیں حدودِ فارس اور ممالکِ شرقیہ میں روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھیں عضد الدولہ نے اصفہان۔ آذربیجان اور کرمان تک کا تمام علاقہ فتح کرکے اپنی حدودِ ریاست میں ملا لیا تھا۔ اور ان تمام ممالک میں وہ خود مختار اور خود سر امیر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ انکی مدافعت اور استیصال کے لیے قاہر کے بنائے کچھ نہ بنی۔ یہ حضرات جیسے روزِ اوّل سے آزاد اور مطلق العنان تھے ویسے ہی رہے۔ بلکہ اپنے تسلّط اور سطوت کو یوماً فیوماً ترقی دیتے رہے۔ قاہر نے کل ڈیڑھ برس تک خلافت کا کام کیا۔ وہ اندھے کردیے جانیکے بعد بھی بہت دنوں تک زندہ رہا۔ اور باون برس کی عمر پائی۔ مگر عموماً اُسنے اپنی بقیۂ زندگی ایسی بُری طرح بسر کی کہ شاید ایسے جینے سے تو مرجانا بہتر تھا۔ چنانچہ مسعودی۔ ابن اثیر اور روضۃ الصفا اِسکے آخر وقت کے حالات میں لکھتے ہیں کہ قاہر باللہ اپنی آخر عمر میں بغداد کی جامع مسجد کے دروازے پر بھیک مانگ کر اپنی زندگی بسر کیا کرتا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ خلافتِ اسلامی کا خلیفہ اور نتیجہ ؎

ز رشتۂ نفس پارہ پارہ شد معلوم ؎ کہ دل بہ ثروتِ ناپائدار نتواں بست

الراضی باللہ کی سلطنت

اِس کا نام محمد تھا اور کنیت ابو العباس۔ جس زمانہ میں قاہر اندھا کیا گیا تھا اُس وقت یہ قیدخانہ میں تھے۔ خدا کے کارخانہ میں کسی کو کیا دخل۔ اُسی قیدخانہ میں راضی کی شاہی کے شادیانے بجے۔ لوگوں نے اِسکو قید سے نکالکر تختِ حکومت پر بٹھلایا۔ اور مراسم تخت نشینی کی ادائگی کے بعد راضی نے پہلا حکم جو دیا وہ ابنِ مقلہ کی منصب وزارت پر بحالی تھی۔ وزیر بھی اپنی چالوں کا پورا تھا۔ اِس منصبِ جلیلہ کے پاتے ہی اپنے تمام مخالفین کے ساتھ عام طور سے احسان کرنے شروع کر دیے اور عام طور سے ان امور کے استعجاب پر لوگوں سے یہ بیان کیا کہ میں نے اپنے گزشتہ مصائب کے زمانہ میں اپنے خدائے برحق کی جناب میں وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ مجھے اِس ضیق النفسی کے عالم سے نجات دلوا دیگا تو میں اپنے تمام اختلاف کرنیوالوں سے اسکے شکریہ میں احسان کرونگا۔ اور اُن کو اپنا دوست اور خیر خواہ بنا لونگا۔ اس لیے میں نے حسبِ وعدہ اپنی مخالفت کرنیوالی پارٹی سے احسان اور محاسن سلوک کا اظہار کیا ہے۔ مگر حقیقۃً یہ تمام باتیں ابنِ مقلہ کی لفاظی اور صرف زبانی جمع خرچ تھے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ نہ خدا سے کوئی وعدہ نہ وعید۔ یہ سب وقتی حیلے تھے۔ اور موقع کی ضرورت۔ ابنِ مقلہ کو اِس وقت عام رضامندی اور دلجوئی کے ذریعہ سے منصبِ وزارت کا حاصل کرنا خاص طور پر منظور تھا۔ اِس ترکیب سے وہ اُسے حاصل ہو گیا۔ جب اُسکے امور خاطر خواہ مستحکم ہو گئے تو اُس نے اپنی اختیار کردہ روش ترک کر دی اور اپنی آزادی اور خود مختاری کے قدیم طریقوں پر چلا آیا۔ مگر اب پھر وزیر السلطنت ہو گیا تھا کسی کو اِسکی تجویز و تدبیر میں چون و چرا کی مطلق گنجائش باقی نہیں رہی۔ مگر کسی کی نہ ہمیشہ بنی رہی اور نہ بنی رہیگی۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ابنِ مقلہ کا ایک خط پکڑا گیا۔ جسکو اُسنے خلیفۂ عصر کے خلاف میں امرائے بغداد میں سے ایک کے نام روانہ کیا تھا۔ راضی کے پاس جب یہ خط پیش کیا گیا تو اُسنے یکبارگی اُسکی کیفیت کو ابنِ مقلہ سے ظاہر کرنیکو مصلحت نہ سمجھا۔ اُسکو اپنی خلوت میں لے گیا۔ اور اُس خط کا مضمون دُہرایا۔ اور پوچھا کہ تم نے کوئی ایسا خط لکھا ہے۔ اُس نے قطعی انکار کیا خلیفہ چُپ ہو رہا۔ دربارِ عام میں بیٹھا تو پھر اُس کے خط کا معاملہ پیش ہوا۔ ابنِ مقلہ بُلایا گیا اور اُسکے سامنے وہ خط رکھدیا گیا۔ خط تو اُسی کے ہاتھ کا لکھا تھا۔ وہ انکار کرتا تو کیسے۔ غریب سر جُھکا کر شرما گیا۔ راضی نے اُسی وقت اُسکے دونوں ہاتھ کٹوا دیے۔ یہ حُکم سُنتے ہی ابنِ مقلہ نے بہت کچھ دُہائی دی اور چلّا چلّا کر خلیفہ کی خدمت میں فریاد کی کہ اِن ہاتھوں نے بہت سے قرآن مجید لکھڈالے ہیں۔ اِنکی ایسی سزا نہیں ہونی چاہیے۔ مگر راضی اِن میں سے ایک پر بھی راضی نہ ہوا۔ اور ابنِ مقلہ کے ہاتھ کٹوا کر اُسکو اُسکے اخیر نتیجوں تک پہنچا دیا۔

عجیب اتفاق ہے۔ ابنِ مقلہ تین بار وزیر ہوا۔ تین بادشاہوں کی خدمت میں حاضر رہا۔ اُس نے دور و دراز مسافت کے سفر کیے۔ مرنیکے بعد تین بار دفن کیا گیا۔ اُسکے ملازمین میں سے تین شخص بہت بڑے کامل۔ قابل اور مشہورِ آفاق گزرے۔ یہ تھے ابنِ مقلہ کی ثروت و اقتدار اور پھر اُسکی ذلت و ادبار کے

مفصل حالات۔ جو تاریخ کی معتبر اسناد سے قلمبند کیے گئے۔

راضی اور قاہر کی مال و دولت کی ضبطی

قاہر نے مقتدر کی ذرّیات کے ساتھ جیسا کچھ کیا وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اب سُنیئے اُسکو (راضی کو) خبر لگی کہ قاہر نے مونس، بلیق اور اُسکے بیٹے علی کو جو حاجب سلطانی تھا مار کر بہت کچھ دولت پائی ہے۔ اور اُسکو وہ بالکل پوشیدہ کیے ہوئے ہے۔ راضی یہ سُنتے ہی اُس کے پیچھے پڑ گیا۔ قاہر کے مکان کے گوشہ گوشہ کی تلاشی لیگئی۔ مگر ایک خرمُہرہ بھی ہاتھ نہ آیا۔ جب اُسکو اس امر کی کوئی حقیقت اور اصلیت نہ معلوم ہوئی تو اُس نے اپنی ندامت اور خجالت مٹانیکے ذریعہ سے قاہر کو اپنا مصاحب بنایا اور تھوڑے دنوں اپنے دربار میں اُس کا بڑا اعزاز واکرام بڑھایا۔ مگر پھر اپنی تلوّن مزاجی کے ہاتھوں اُسکا بنا بنایا کھیل بگاڑ ڈالا۔ اور پھر جو اُس کے ساتھ کیا تھا سب خاک کر ڈالا۔ اُسکی تفصیل یہ ہے کہ قاہر نے اپنے زمانۂ خلافت میں ایک بہت بڑا پُر تکلف باغ لگایا تھا اور اُسکو عمدہ عمدہ پھولوں اور خوشنما درختوں سے سجایا تھا۔ خلاصہ یہ کہ آرائش۔ زیبائش اور فضا کے اعتبار سے قاہر کے اِس باغ بغداد پر لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ کی مثال صادق آتی تھی۔ راضی اپنے ایّام شباب میں کبھی کبھی تفریح کے خیال سے اپنے احباب کے ساتھ یہاں آتا تھا اور اپنے عیش و عشرت کے جلسے جماتا تھا۔ زمانۂ موجودہ میں جب خلیفہ ہوا تو پہلے سے بھی زیادہ اِسی باغ میں آنے جانے لگا۔ چونکہ اِس زمانہ میں راضی کی قاہر پر خاص توجہ رہتی تھی اِس لیے سادہ لوح قاہر نے ایک دن راضی سے بیان کیا کہ میں نے اِس باغ میں ایک بہت بڑا خزانہ مدفون کیا ہے مگر بدقسمتی سے وہ مقام مجھے یاد نہیں رہا ہے۔ چونکہ آپکی نگاہ توجہ مجھ پر خاصکر رہتی ہے اِس لیے التماس ہے کہ آپ اُسکو اپنے انتظام سے پیدا کریں۔ اور میری طرف سے اُس کو اپنا ہدیہ تصور فرمائیں۔ راضی جس قدر کشادہ دست مشہور تھا اُسی قدر طمّاع بھی۔ اُس نے یہ نوید غیبی سُنتے ہی قاہر کے اندوختہ کی تلاش شروع کر دی۔ باغ کے وہ تمام مقامات جہاں جہاں اُسکو دفینہ کے چھپائے جانیکا گمان ہوا ایک ایک کر کے کھُدوا ڈالے۔ کہیں کچھ نہ نکلا۔ اور رفتہ رفتہ وہ تمام باغ کھنڈر ہو گیا۔ اُسکی تمام آرائش و زیبائش مٹی میں مل گئی۔ اور زمین سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ نکلی۔ اب راضی کو سخت ندامت حاصل ہوئی۔ اپنی گرہ سے سینکڑوں روپیوں کا نقصان بھی ہوا۔ اور باغ بھی تباہ و ویران ہو گیا۔ اب راضی کے پچتانے سے ہوتا ہی کیا ہے۔ ع چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ راضی نے پھر تو قاہر کو اپنی اُسی جھنجھلاہٹ میں اپنے پاس بُلوایا اور اُس سے پوچھا کہ تم کو ایسا سفید جھوٹ بولنے اور ایسے پُر فضا اور سبز و شاداب باغ کے تباہ و برباد کرا دینے کی کیا وجہ لاحق ہوئی؟ قاہر نے نہایت متانت سے آزادانہ طور پر جواب دیا کہ حقیقت حال تو یہ ہے کہ میرے دل نے اِس امر کو کسی طرح گوارا نہ کیا کہ تم اُسکی فضا اور زیب و آرائش سے رات دن محظوظ و مسرور ہوتے رہو اور میں دونوں آنکھوں کا اندھا ہو کر اپنے اِس ریاض سے کوئی لطف اُٹھا نہ سکوں۔

ایہاالامیر امیری یہی حسرت اسکی تمام بربادی کا باعث ہوئی۔ اور اِسکے سوا کوئی دوسری وجہ نہیں۔ اب تمہیں اختیار ہے جو چاہو میرے ساتھ کر گزرو۔ یہ سُنکر راضی کو ایسا طیش آیا کہ قاہر کو اُسی وقت اپنے دربار سے نکلوا دیا۔ اور پھر اُسکو ایسا تنگ کیا کہ وہ آخرِ کار بھیک مانگ مانگ کر مر گیا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اِسکے بعد راضی باللہ بھی سنہ ۳۲۹ ہجری میں بعارضۂ استسقا مبتلا ہو کر مر گیا۔

غیبتِ صغرٰے کا اختتام اور غیبتِ کبرٰے کا آغاز

اُسی سال سنہ ۳۲۹ ہجری میں جنابِ امام صاحب العصر والزمان علیہ السّلام کی غیبتِ کبرٰے کا آغاز ہوا۔ اور مشیتِ خداوندی نے اپنے اُس نورِ ہدایت کو حجابِ قدرت میں لے لیا۔ اور اُس شمعِ ہدایت اور گوہرِ رسالت کو اپنے دامنِ حفاظت میں چھپا کر آپکے باقیماندہ آثار و احکام کو بھی جو اِس وقت تک نوابین یا وکلائے خاص کے ذریعہ سے کسی قدر ظاہری طور پر نفاذ پاتے تھے بالکل ممنوع کر دیا۔ اِسکی وجہ وہی مخالفین کی قدیم مخالفت اور طبقۂ مسلمین کی ضلالت و جہالت کے سوا کوئی دوسری معلوم نہیں ہوتی۔

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اِس زمانہ میں جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کے احکامِ ہدایت اور انتظامِ امامت محض ایک بزرگ کے ذریعہ سے انجام پاتے تھے جو آپکی طرف سے نیابت کے عہدۂ جلیلہ پر مامور ہوتا تھا۔ اور وہ بھی سخت رازداری اور ہوشیاری۔ کمال حزم و احتیاط اور بیداری کے ساتھ۔ اِس طرح کہ مخالفین کو خبر نہو۔ معاندین اور اعدائے دین نہ سنیں۔ مگر با اینہمہ مخالفِ سلطنت نے آپ کے اِن اسرار اور آثار میں بھی اپنی طرف سے مداخلت کرنیکی ضرور کوشش کی۔ اور اپنی تجویز انسانی سے اِس تدبیرِ ربانی کے موجودہ انتظام کو طشت از بام کر کے درہم و برہم کر دینا چاہا۔ یہانتک کہ خانۂ مقدس کی تلاشی کی اور اُس مقامِ مقدس تک پہنچ گئے جہاں آپکے معتمدین اور کامل الیقین مؤمنین کے ساتھ مجلسِ ارشاد و ہدایت قائم کیجاتی تھی۔ اِن لوگوں کا یہانتک پہنچنا بھی صرف سراغ رسانی کی ضرورت تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ انکا پورا قصد تھا۔ جیسا کہ خلیفہ کی طرف سے یہ ہدایت پا چکے تھے کہ آپکو گرفتار کر کے خلیفۂ عصر کی خدمت میں پہنچا کر آپ کی عزیز جان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جائے۔ مگر با اینہمہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے باوجود اتنی رسائی اور سلسلہ پیمائی کے بھی یہ لوگ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوئے۔ اور مصلحتِ ربانی نے اِن کے فتنۂ شیطانی سے اپنی ودیعت اور حُجّتِ زمانہ کو بالکل محفوظ و مصئون رکھا۔ اور اُنکی عملی قوت کو کمزور اور دیدۂ بصیرت کو کور بنا کر بالکل بال بال بچا لیا۔ جس کے باعث سے وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اسکے بعد جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السلام کو سردابِ مبارک میں قیام فرمانے کی مجبوری ہوئی اور قریب قریب ۶۹ برس تک سردابِ مبارک سے احکامِ ہدایت و ارشاد نوابین و وکلائے مخصوصین کے ذریعہ اور معرفت سے نافذ ہوتے رہے۔ سردابِ مبارک کے حالات پر بالکل پردہ ہے۔ اِس لیے اُسکے متعلق محض قرینہ اور قیاس سے بیان کرنا اسرارِ مشیت اور احکامِ قدرت میں خواہمخواہ مداخلت کرنا

اِس لیے ہم اِن امور کی کسی تفصیل کرنے سے قطعی مجبور ہیں۔ مگر ہاں اتنا البتہ کہہ سکتے ہیں کہ سرداب مبارک سے توقیعاتِ مقدّسہ خادمانِ خاص کے ذریعہ سے برابر برآمد ہوتی تھیں اور سفراؤ وکلائے مخصوصین تک پہنچتی تھیں۔ رؤیت تو خانۂ مقدّس کی ترکِ سکونت کے وقت سے ممنوع ہو چکی تھی۔ مگر اِن توقیعات کی برآمد کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اور علی ابنِ محمد سمری رضی اللہ عنہ کو اِس زمانہ میں شرفِ نیابت حاصل تھا۔ اور جملہ احکام و ارشاد کے نظام آپ ہی کے ذریعہ سے انجام ہوتے تھے۔ امسال اُنہوں نے بھی رحلت فرمائی اور اُنکی وفات سے یہ سلسلہ بھی ہمیشہ کے لیے موقوف ہو گیا۔ غیبتِ صغرٰے کے ایام تمام اور غیبتِ کبرٰے کا آغاز ہو گیا۔ چنانچہ آخر توقیعِ مقدسہ جو علی ابنِ محمد سمری کے نام برآمد ہوئی اُس میں اُنکی وفات غیبتِ صغرٰے کے اختتام اور غیبتِ کبرٰے کے آغاز۔ تمام حالات سے اطلاع و ہدایت فرما دی گئی ہے۔ اُسکی اصلی عبارت یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ه يَا عَلِيَّ ابْنَ مُحَمَّدِ السَّمُرِيِّ اَعْظَمَ اللّٰهُ اَجْرَ اِخْوَانِكَ فِيْكَ فَاِنَّكَ مَيِّتٌ بَيْنَ سِتَّةِ اَيَّامٍ فَاجْمَعْ اَمْرَكَ وَلَا تُوْصِ اِلٰى اَحَدٍ فَيَقُوْمُ مَقَامَكَ بَعْدَ وَفَاتِكَ فَقَدْ وَقَعَتِ الْغَيْبَةُ التَّامَّةُ فَلَا ظُهُوْرَ اِلَّا بَعْدَ اِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ وَذٰلِكَ بَعْدَ طُوْلِ الْاَمَدِ وَقَسْوَةِ الْقُلُوْبِ وَامْتِلَاءِ الْاَرْضِ جَوْرًا وَّسَيَاْتِيْ مِنْ شِيْعَتِيْ مَنْ يَدَّعِي الْمُشَاهَدَةَ لِيْ فَمَنِ ادَّعَى الْمُشَاهَدَةَ قَبْلَ خُرُوْجِ السُّفْيَانِيِّ وَالصَّيْحَةِ فَهُوَ كَذَّابٌ مُّفْتَرٍ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ (بحار الانوار صفحہ ۱۵۸)

اے علی ابنِ محمد رضی اللہ عنہ۔ خداوندِ عالم تمہارے برادرانِ ایمانی کو تمہاری وفات کے مصائب میں اجرِ عظیم عنایت فرمائے۔ کیونکہ تم اِسی چھ دن کے اندر قضا کر جانیوالے ہو۔ پس تم اپنے کاموں کو درست اور مرتب کرلو۔ خصوصًا میری وکالت کے خاص معاملہ کو۔ اور وہ یہ ہے کہ میری وکالت اور نیابت کے متعلق تم آیندہ کسی دوسرے شخص کو وصی نہ کرنا کہ وہ تمہاری وفات کے بعد تمہارا جانشین اور قائم مقام قائم ہو جائے کیونکہ غیبتِ کبرٰے کے ایام شروع ہو گئے۔ اور اب میرا ظہور بالکلیہ حکمِ خداوندی پر موقوف ہو گیا۔ اور وہ ایک طولانی غیبت کے بعد ہونیوالا ہے اُس وقت جب دنیا جور و ستم سے بھر جائیگی اور ہمارے دوستوں میں سے بہت جلد ایسے لوگ پیدا ہونیوالے ہیں جو غیبتِ کبرٰے کے زمانہ میں بھی ہم سے ملنے اور ہماری زیارت کرنیکا دعوےٰ کرینگے۔ مگر تم سب لوگوں کو آگاہ کر دو کہ جو شخص خروجِ سفیانی اور نزولِ ندائے آسمانی کے قبل مجھ سے ملنے یا میرے دیکھنے کا دعوےٰ کرے وہ محض جھوٹا ہے اور افترا کرنیوالا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

چنانچہ علی ابنِ محمد سمری رضی اللہ عنہ نے اِس توقیعِ مبارک کو زمرۂ مؤمنین میں مشتہر بھی کر دیا جس کا ثبوت ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

ابو محمد حسن ابن بکیث کا بیان ہے کہ جن ایام میں علی ابنِ محمد رضی اللہ عنہ کی وفات واقع ہوئی میں بغداد

میں مقیم تھا۔ اُنکی وفات سے چند روز پیشتر اُنکی عیادت کی غرض سے اُنکی خدمت میں حاضر تھا۔ اسی اثنا میں توقیع مقدسہ جو اوپر لکھی گئی برآمد ہوئی۔ علی ابن محمد سمری رضی اللہ عنہ نے حاضرین مومنین کو وہ تحریر مبارک لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً پڑھکر سُنادی۔ اُنہی لوگوں میں ایک میں بھی تھا۔ میں نے اُسی وقت اُسکی ایک نقل لیلی اور اپنے پاس رکھلی۔ اِس واقعہ سے چھٹے دن کے بعد میں پھر اُنکی عیادت کو گیا۔ دیکھا کہ علی ابن محمد سمری رضی اللہ عنہ حالتِ احتضار میں مبتلا ہیں۔ اُنکو آخر حالت میں پاکر اُنکے بعض احباب نے اصرار کرکے پوچھا کہ امرِ نیابت میں آپکے بعد آپ کا کون قایم مقام اور جانشین ہوگا۔ یہ سُنکر اُنہوں نے صاف صاف لفظوں میں جواب دیا کہ یہ امور خداوندی ہیں جن کا ایک وقت میں تمام ہوجانا ضروری اور لازمی ہے۔ یہ فرماکر اُنہوں نے انتقال فرمایا۔ یہ آخری کلمہ تھا جو میں نے اُنکی زبانِ مبارک سے سُنا۔ (بحارالانوار جلد سیزدہم صفحہ ۱۵۹)

بہرحال۔ اِس مقدس بزرگوار کی وفات ۱۵ شعبان ۳۲۹ ہجری میں واقع ہوئی اور اسی سال غیبتِ کبرے کے ایام شروع ہوگئے۔ اب اس کے بعد آپ کے حالات اور معاملات پر نظامِ قدرت اور احکامِ مشیت کی طرف سے ایسا محکم اور مستحکم پردا ڈالا گیا ہے جس کو انسان کی کوتاہ دستی کسی طرح اُٹھا نہیں سکتی۔ اور دریافتِ حقیقت کی غرض سے کسی کی کوئی تدبیر اور کوئی تجویز کام نہ آسکی۔ ان وجہوں سے آپ کے کسی حالات اور معاملات کی خبر اور اطلاع ادراکِ انسانی سے قطعی طور پر بالکل غیب سے متعلق ہوگئی۔ اور سوائے ذاتِ عالم الغیب کے کسی دوسرے کو اُنکے معاملات کی معلومات کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔ سوائے اِسکے کہ یہ یقینی طور پر ہر شخص کو معلوم ہے کہ جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السّلام زندہ ہیں اور ایک وقتِ خاص میں نصوصِ الٰہی اور منشورِ حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ظہور فرمائیں گے۔ اور کچھ نہیں۔ بس اتنا مختصر اور محدود علم رکھکر کوئی شخص آپ کے حالات یا دوسرے معاملات کو کیسے بتلا سکتا ہے۔

اِس مسئلہ کی بھی وہی صورت ہے جیسے جنابِ ادریس۔ جنابِ عیسٰے اور حضرت خضر علےٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام کی۔ تمام دنیا کے لوگ اِن بزرگواروں کے زندہ ہونیکے قائل ہیں۔ مگر اُن میں سے کوئی شخص اُنکے حالات اور معاملات کو کہ یہ حضرات کہاں رہتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں مطلق بتلا نہیں سکتا۔ اُسی طرح جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السّلام کے حالات اور معاملات کو بھی سمجھنا چاہیے۔ اور جو دلائل کہ اُن بزرگواروں کے وجود ذیجود پر قائم کیے جاتے ہیں وہی آپکی بقا پر اور آپ کے اتنے دنوں تک زندہ رہنے پر بھی قائم ہوتے ہیں۔ اور جن کو ہم انشاء اللہ تعالےٰ بہت جلد اپنے سلسلۂ بیان میں درج کرینگے۔

جنابِ صاحب العصر علیہ السّلام پر اتہام اور غیبتِ کبرے کے وقوع کے اسباب

جو امر کہ اِس وقت ہمارے لیے سب سے زیادہ تنقیح اور تشریح کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ جو توقیع مبارک کہ ابھی ابھی اوپر لکھی گئی اُس سے مفہوم ہوتا ہے کہ غیبتِ کبرے کے زمانہ میں جو شخص آپکی رویت اور شرفِ زیارت کا دعوے

کرے وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ حالانکہ فریقین کی کتابوں سے بتواتر ثابت ہوتا ہے کہ غیبتِ کبرےٰ کے موجودہ ایام میں بھی بہت سے ایسے سعادتمند اور خوش قسمت حضرات گزرے ہیں اور اس وقت تک بھی گزرتے جاتے ہیں جو آپکے شرفِ زیارت سے مشرّف ہو چکے ہیں یا ہوتے جاتے ہیں۔

حقیقت امر یہ ہے کہ توقیعِ مبارک میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے اُسکا اصلی مقصود اُسی رؤیت اور زیارت سے ہے جو غیبتِ صغرےٰ کے زمانہ میں ہوا کرتی تھی جس میں حضرت امام العصر والزمان علیہ السلام اُن لوگوں سے جو آپ کی زیارت کو آتے تھے اپنی پوری معرفت کے ساتھ ملتے تھے۔ اور بالمشافہہ اُنکے اغراض و مطالب کو سُنتے تھے۔ اور اُن کے متعلق حکم و احکام نافذ فرماتے تھے۔ بخلاف اِن حالتوں کے غیبتِ کبرےٰ میں یہ بات قائم نہیں رہی بلکہ وہ پہلے امور سب قطعاً ممنوع ہو گئے۔ اب جن سعادتمندوں کو قسمت سے یہ موقع ملا بھی تو بعض صورتوں میں اُن کو مطلق معرفت نہیں کرائی گئی۔ بلکہ صرف سطحی طور پر اُنکو اُنکے انجاحِ مطالب کی مناسب تدبیر بتلا دی گئی۔ یا ضرورتِ دینی میں احکامِ شرعیہ وغیرہ سے آگاہ فرما دیا گیا۔ اور بس۔ اور بعض صورتوں میں کسی عالم یا مجتہد کی رؤیائے صادقہ کے ذریعہ سے جو اُس کا شناسا یا قریب تر ہو سائل کو اُس کے امور کے جواب سے مطلع کر دیا گیا۔ اور جب کسی صورت میں اظہارِ معرفت ایسی ہی ضروری سمجھی گئی تو معرفت بھی کرا دی گئی۔ مگر اُنہی نفوسِ خالص کو جن کے خلوص۔ رسوخ اور وثوق کے کامل امتحان عند اور عالم کی نزدیک پورے ہو کر آپ اپنی رُویت اور معرفت کے امور میں منجانب اللہ ماذون ہو چکے ہوں۔

جن لوگوں نے غیبتِ صغرےٰ اور کبرےٰ دونوں ایام کے حالات بالاستیعاب پڑھے ہیں وہ بخوبی سمجھ جائینگے کہ اِن دونوں ایّام کے نظام میں کیا امتیاز ہے۔ خلاصہ کے طور پر ہر شخص کو یوں سمجھ لینا چاہیے کہ غیبتِ صغرےٰ کے زمانہ میں مؤمنین المخلصین عموماً اور نوّابین اور وکلائے آنحضرتؑ خصوصاً شرفیاب زیارت ہو سکتے تھے۔ غیبتِ کبرےٰ میں نوّابین کا تو منصب ہی باقی نہیں۔ مؤمنینِ مخلصین یا عامۃ المسلمین کسی کے لیے صاف زیارت کا شرف ممکن نہیں۔ اِس کے متعلق جو واقعات پائے جاتے ہیں۔ یا آیندہ جو پائے جائیں وہ سب اسرارِ مشیّت سمجھے جائینگے اور آپ کے اعجاز و کرامت۔

یہ دلائل بتلا رہے ہیں کہ اِس توقیعِ مبارک کی عبارت سے اِن واقعات اور حالات میں کوئی نقص یا اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ جو آپ کی رؤیت کے متعلق فریقین کی معتبر اور مستند کتابوں میں مندرج ہے اور جس کو ہم ایک علٰحدہ بحث میں بہت جلد بیان کرینگے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ غیبتِ صغرےٰ کے ایّام تمام ہو کر غیبتِ کبرےٰ کا زمانہ شروع ہو گیا اور اِس وقت سے جناب قائم آلِ محمد علیہ السّلام کے تمام معاملات کے اطلاعی اظہار قطعی طور پر ممنوع ہو گئے جس کا علم سوائے ذاتِ الٰہی کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مگر اِس مقام پر ہم کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ آخر دنیا اور دنیا والوں سے وہ کونسا ایسا قصور سرزد ہوا جسکی سزا میں اُس واہب العطایا نے اپنی یہ دولت دنیا والوں سے اُٹھالی اور اپنے

فیوض سے تمام عالم کو محروم رکھا۔

اِسکی وجہ بتلانے اور اِس کے اسباب قائم کرنے سے پہلے ہم کو یہ لکھدینا نہایت ضروری ہے کہ اُس وقت دنیا کے لوگ دو حصّوں پر تقسیم تھے۔ سب سے بڑا حصّہ تو وہ تھا جو جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کا مخالف اور آپ کے تمام امور کا منکر۔ دوسرا حصّہ پہلے حصّہ سے تعداد میں بہت کم تھا۔ وہ البتّہ آپ کے اخلاص و محبّت کا دم بھرتا تھا اور آپ کے ارشاد و اقوال پر عمل کرتا تھا۔ حصّۂ اوّل کے عقائد میں نفسانیت خود غرضی اور دنیا پرستی کی وجہ سے جو جو مناقص اور معائب پیدا ہو چکے تھے یا پیدا ہوتے چلے جاتے تھے اُن سب کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ خیریت تھی کہ ابھی تک اِس دوسرے گروہ میں جو آپ کی عقیدت اور متابعت پر ہمیشہ سے سرگرم اور مستعد تھا۔ ارتداد یا اِس قسم کے فتنۂ و فساد نہیں پیدا ہوئے تھے۔ مگر افسوس! زمانۂ ناہنجار کی رفتار نے آخر انکو بھی اپنی راہ پر لگالیا۔ اور دنیائے شعبدہ کردار نے انکو بھی اپنے ایسا بنالیا۔ دولتِ دنیاوی کی طمع نے اِنکو گھیر لیا۔ امارت و ثروت کے لالچ نے اِنکو گرفتار کر لیا۔ خود غرضی اور نفسانیت ان پر غالب آگئی۔ حسد، نا اتفاقی اور جہالت ان پر مسلّط ہو گئی۔ اُس کی تفصیل یوں ہے۔

نیابتِ امام علیہ السّلام اور شریعی کا اتّہام

ہم جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کے حالات میں اوپر لکھ آئے ہیں کہ معتمد کی سخت مخالفت کی وجہ سے آپ نے سفراء اور وکلاء کے ذریعہ سے مؤمنین کی ضرورتیں پوری کیے جانیکا انتظام فرمایا تھا اور سب سے پہلے عثمان ابنِ سعید عمری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ یہ بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السّلام کے اصحاب میں شامل تھے۔ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کے زمانہ سے لیکر حضرت قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کے ابتدائی ایّام تک تو خیر لوگ خاموش رہے۔ اگرچہ وہ اِن ایّام میں بھی بالکلیّہ خاموش نہیں رہے بسلسلۂ نیابت میں خلاف تقریریں کرنے لگے مگر خیریت تھی کہ اُن کی یہ تقریریں اُن کے گھروں کی حدودِ اربعہ سے باہر نہ نکلنے پائیں۔

مگر عثمان ابنِ سعید رحمۃ اللہ علیہ کے بعد محمد ابنِ عثمان سفیرِ دوم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ نیابت میں اِن لوگوں کی نفسانیت ظاہر ہونے لگی۔ اور اِن لوگوں نے علانیہ مخالفت حضرت صاحب الامر علیہ السّلام پر کمر باندھ لی۔ حصولِ دولت و ثروت و امارت کی لالچ میں پڑ کر آپکی ذاتِ مستغنی الصّفات پر طرح طرح کے اتہام لگانے لگے۔ اِن میں سے پہلے جس شخص نے ارتداد اور اِس فتنہ و فساد کا اظہار کیا اُسکا نام شریعی تھا۔ کتاب الغیبۃ میں اِس شخص کے حالات پوری تفصیل کے ساتھ درج ہیں جس کا خلاصہ مع ترجمہ یہ ہے۔

اِس شخص کا نام حسن تھا۔ کنیت ابو محمد اور لقب شریعی۔ یہ جنابِ امام علی نقی علیہ السّلام کے اصحاب میں شامل تھا۔ اور اُن کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کی خدمت میں بھی برابر حاضر رہا۔ جناب صاحب الامر والزّمان علیہ السّلام کے زمانۂ امامت میں پہلے جس شخص نے مسئلۂ نیابت کے متعلق فساد برپا کیے وہ یہی تھا

اِس نے مسئلۂ نیابت سے انکار نہیں کیا بلکہ یہ دعوے کیا کہ گروہِ شیعہ میں آپکی نیابت کا مجھے حق حاصل ہے۔ اور میرے ہوتے کوئی دوسرا شخص اِس منصب کا مستحق اور شایاں نہیں ہے۔ اپنے اِن دعووں کی تصدیق و توثیق میں اپنے ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے بہت سی جعلی اور مصنوعی حدیثیں وضع کرلی تھیں۔ اُنہی حدیثوں سے اُس نے بہت سے جہّال اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ دنیا کے بہت سے شکم پرست اور فاقہ مست اِسکے غلام اور بندۂ بیدام بنگئے۔ مگر جوں جوں اِنکی حالتوں میں ترقی ہوتی گئی ویسے ویسے اِنکی ضلالت اور ارتداد بھی بڑھتا گیا۔ یہانتک کہ اِس فرقہ کے لوگ اپنی اوہام پرستیوں کی بدولت آخرکار فرقۂ حلّاجیہ کے اعتقاد میں داخل ہو گئے۔

محمد ابن نصیر تمیری اور نیابت کا دعوے

شریعی کے ایسے ایک دوسرے صاحب پیدا ہوئے۔ اِن کا نام محمد ابن نصیر تمیری تھا۔ یہ صاحب اصحاب حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے بعدِ وفات حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام حضرت ابی جعفر محمد ابن عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلۂ نیابت میں نزاع پیش کی۔ اور یہ بیان کیا کہ نیابت امام علیہ السّلام کا حق ہم کو حاصل ہے اور ہم ہی درمیان مؤمنین اور جناب امام علیہ السّلام کے ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ لیکن بہت جلد خداوندِ عالم نے اِنکو اِس جھوٹے دعوے کی سزا دیدی۔ اور یہ اپنی کردار سے ذلیل و خوار ہوکر حضرت ابی جعفر ابن عثمان سفیرِ اوّل کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر اُن بزرگوار نے اِن کو اپنے گھر میں آنیکی اجازت نہیں دی اور یہ سخت پشیمان ہوکر اپنے گھر واپس گئے۔ اِس ندامت سے ہدایت کیا ہوگی کہ انکی جہالت اور ضلالت میں اور ترقی ہوگئی۔ انہوں نے تمام دنیا میں نئی نئی طرح کے عقائد جاری کیے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السّلام (معاذاللہ) خدا ہیں اور میں اُن کا پیغمبر (نعوذ باللہ) وہ مسئلۂ تناسخ کے بھی قائل تھے۔ مواقعہ بالمحارم کو جائز سمجھتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ غرضکہ اِن کے تمام عقائد ایسے ہی حشویات و لغویات سے پُر اور ملوث تھے۔ جنکا بیان ناگفتہ بہ ہے۔

مگر واہ ری دنیا اور واہ رے دنیا والے! ایسی انسانیت سے گزری ہوئی اور حیوانیت سے ملی ہوئی شریعت پر بھی بھیڑوں کی طرح ایکبار جُھک پڑے اور اپنی نفسانیت اور شہوت پرستی کی وجہ سے بہت سے لوگ اِن مہمل اور باطل عقائد کے قائل ہوگئے۔ چنانچہ محمد ابن نصیر تمیری کو موسےٰ ابن حسن ابن ابی الفرات سابق وزیر خلافت سے جو اُس وقت عراق عرب میں بہت بڑا ذی اقتدار اور صاحبِ اختیار شخص تھا۔ اپنے معاملات میں بہت بڑی مدد پہنچی۔ اپنی شامتِ اعمال سے موسےٰ انکا مقلد ہوگیا۔ اور اُسکی دولت۔ ثروت اور ذاتی وجاہت نے تمیری کے امور کو بڑا فروغ دیا۔ جسکی وجہ سے تمیری نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے معتقدین کی ایک معتدبہ جمعیت تیار کرلی۔ جہانتک اِنکے حالات پر بہ تحقیق نظر ڈالی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام امور اِنکی حیات ہی تک باقی رہے اور انکے تمام کھیل اِنکی زندگی ہی تک بنے رہے۔ انکا مرنا تھا کہ

انکا سونے کا بنا بنایا گھر مٹی ہو گیا۔ بات یہ ہوئی کہ مرنیکے وقت اِن سے پوچھا گیا کہ تمہارے بعد تمہارا قائم مقام اور جانشین کون ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ احمد۔ اور مر گئے۔ ان کے مرجانیکے بعد یہ دقت پیش آئی کہ احمد کے نام لینے سے انکا کیا مقصود تھا۔ کیونکہ انکے مقلدین میں اکثر کے نام احمد تھے۔ اِس مسئلۂ خاص کی وجہ سے اُن لوگوں میں اِس وقت تین گروہ قائم ہو گئے۔ اوّل گروہ کا عقیدہ تھا کہ احمد سے مراد احمد ابن محمد ابن موسےٰ ابن ابی الفرات ہیں۔ دوسرا گروہ کہتا تھا نہیں یہ احمد نہیں بلکہ احمد ابن احمد ہیں۔ تیسرا گروہ کہتا تھا احمد ابن ابی الحسن مراد ہیں۔ غرض جو تھا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بناتا تھا۔ اور تینوں گروہ کسی طرح ایک خاص شخص کی قائم مقامی پر اتفاق نہیں کرتے تھے۔ یہانتک کہ اِسی نااتفاقی اور باہم اختلاف کی وجہ سے اِس فرقہ اور عقیدہ والے بھی جلد نیست و نابود اور دنیا سے مفقود ہو گئے۔ محمد ابن نصیر نمیری کے ارتداد و ضلالت کی بابت بھی اُسی طرح توقیع مبارک برآمد ہوئی جس طرح کہ شریعی کے لیے۔ اور جملہ مؤمنین کو اُسی کے مطابق مکر و فریب سے بچنے اور ارتداد و ضلالت سے محفوظ رہنے کی خاص طور پر ہدایت فرمائی گئی۔

احمد ابنِ ہلال اور نیابت کا دعوےٰ

محمد ابنِ نصیر نمیری کے بعد احمد ابنِ ہلال پیدا ہوئے۔ یہ صاحب حضرت امام حسنِ عسکری علیہ السلام کے اصحاب میں تھے۔ انہوں نے بھی زمانۂ موجودہ کی رفتار کے موافق منصبِ امامت کا دعوےٰ کیا۔ مؤمنین نے انکو اِن عقائدِ باطلہ کے نشر و تبلیغ سے باز رکھنے کی بہت کوشش فرمائی۔ اور یہ دلیل واضح دکھلائی کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے جو ہمارے امام مفترض الطاعت تھے اپنے امرِ نیابت میں عثمان ابن سعید اور اُن کے صاحبزادے ابو جعفر کے لیے خود حکم دیا ہے۔ پھر آپ کو اِس مسئلۂ اتفاقیہ میں کیا کلام ہے۔ اِنہوں نے جواب دیا کہ میں نے اُن حضرات سے اِن دونوں صاحبوں کی نیابت کے لیے کوئی حکم صریح نہیں سُنا ہے۔ مگر ہاں عثمان ابنِ سعید کی بابت آپ نے ارشاد فرمایا تھا اِس لیے مجھ کو اُنکے نائب مان لینے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ مگر جب عثمان ابنِ سعید مر گئے اور زمانۂ موجودہ میں حضرت قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کی نیابت کا دعوےٰ اُنکے بیٹے ابو جعفر نے کیا تو البتہ مجھے اِس امر کے اظہار کا موقعہ ملا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے کوئی نصِ نیابت ابو جعفر کے متعلق مجھے پہنچی نہیں ہے۔ میں آپ حضرات کو منع نہیں کرتا۔ اگر حقیقۃً آپکو ایسی نص پہنچی ہے وہ آپ کے لیے حجت ہے مگر میرے لیے نہیں۔ بہر حال۔ اِس تقریر سے گروہ شیعہ نے دیکھ لیا کہ یہ کسی طرح مانتے نہیں تو بفحوائے وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ اُن سے زیادہ اُلجھنا کسی طرح مناسب نہ سمجھا اور قطعی خاموشی اختیار کی۔ تھوڑے دن کے بعد توقیع مبارک کے ذریعہ سے انکی ضلالت اور ارتداد کا بھی اشتہار عام دیدیا گیا۔

ابوطاہر محمد ابنِ علی ابنِ ہلال اور نیابت کا دعوٰے

اِنکے بعد ابوطاہر محمد ابنِ علی ابنِ ہلال نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ اور ابوجعفر کی نیابت میں عذر روا ر اور دعویدار ہوئے۔ اور وہ مال جو مؤمنین کی طرف سے ان کی امانت اور حفاظت میں سپرد تھا کسی طرح ابوجعفر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اِنکی خیانت اور ضلالت کی شہرت بھی توقیع مبارک کے ذریعہ سے کیگئی۔ اِن کے متعلق ایک عجیب وغریب واقعہ کتاب بحار الانوار میں مرقوم ہے۔ اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ محمد ابنِ محمد ابنِ یحییٰ معاذی کا بیان ہے کہ مجھ سے اور ابوطاہر سے قدیم رسم وراہ تھی۔ اور میرے ایک دوست اُنکے خاص مقلدین میں داخل تھے۔ تھوڑے دنوں کے بعد پھر وہ طریقۂ حقہ پر آگئے۔ مجھ کو اسکی خبر لگی تو میں نے اپنی ایک خاص صحبت میں اُنسے اُنکے رجوع کا باعث دریافت کیا تو وہ بیان کرنے لگے کہ میں ایک دن ابوطاہر کے پاس بیٹھا تھا۔ اُس وقت اُن کے پاس اُن کے بھائی ابوطیب اور دیگر اشخاص بھی موجود تھے۔ اتنے میں ابوطاہر کا غلام دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے کہا کہ ابوجعفر دروازے پر کھڑے ہیں۔ اور اندر آنا چاہتے ہیں۔ یہ سُننا تھا کہ ساری صحبت میں سناٹے کا عالم ہوگیا اور اُس حیرت کے عالم میں ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگا۔ اُس وقت اگرچہ ان کا تشریف لانا ابوطاہر کو ناگوار گزرا۔ لیکن تاہم ابوطاہر نے اپنے آدمی سے کہدیا کہ اچھا اُنکو اندر آنے دو۔ خلاصہ یہ کہ حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ اُنکے تشریف لاتے ہی ہم سب کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حالانکہ ہم میں سے کسی کا ارادہ اُن کی تعظیم وتکریم بجا لانیکا ہرگز نہیں تھا۔ ابوطاہر نے نہایت ادب سے اُنکو صدرِ محفل میں بٹھلایا۔ اور آپ زانوئے ادب تہ کرکے سامنے بیٹھ گیا۔ اور ہم لوگ سب کے سب دستِ ادب باندھے خوش بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد خود ابوجعفر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے آغازِ کلام کیا اور ابوطاہر کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ تم ہی سچ سچ بتلا دو کہ آیا تمہارے پاس ایسا مالِ مؤمنین نہیں ہے جس کے لیے حضرت صاحب الامر علیہ السّلام نے یہ حکم تم کو دیا ہے کہ وہ تمام وکمال میرے سپرد کر دیا جائے؟ یہ سُنکر ابوطاہر نے کہا بیشک ایسا ہی ہے۔ امام علیہ السّلام نے مجھ سے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے۔ محمد ابنِ محمد راوی حدیث کا بیان ہے کہ ابوطاہر کا جواب اقبالی سُنکر ہم سب کے سب متعجب ہوگئے۔ اور اپنے اپنے مقام پر سوچنے لگے کہ یہ اس وقت کیسے چُوک گئے کہ جس مال کے لیے یہ سب کچھ ہو گیا وہی اِنہیں واپس دیئے دیتے ہیں۔ غرضکہ ہم اسی کشمکش میں تھے کہ ابوطاہر اُٹھے اور وہ مال تمام وکمال لاکر ابوجعفر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا۔ اور وہ اُس کو لیکر وہاں سے روانہ ہوگئے جب وہ تشریف لیگئے تب وہ ایک خاص عالم جو ہم لوگوں پر طاری تھا، تار ہا تو ابوطیب نے اپنے بھائی ابوطاہر سے دریافت کیا کہ تم نے حضرت قائم آلِ محمد علیہ السّلام کو دیکھا ہے جو ایسا دعوےٰ کرتے ہو کہ آپ نے تمہیں واپسی کا حکم دیا ہے۔ ابوطاہر نے جواب دیا کہ ہاں۔ اور وہ اِس طریقہ سے کہ ایکدن ابوجعفر

رضی اللہ عنہ کے مکان پر میں موجود تھا کہ اتنے میں مجھے اپنے مکان کے اُس حصّہ کی طرف لے گئے جس کی سقف پر بالاخانہ کی عمارت تیار کیگئی تھی۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ جناب صاحب الامر علیہ السلام بالاخانہ سے نیچے اُترے آتے ہیں۔ یہانتک کہ آپ نیچے تشریف لائے اور مجھے کھڑا دیکھکر ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس جو مال ہے وہ حضرت ابوجعفر کے حوالہ کردو۔

ابوطیّب نے پوچھا کہ پھر تم نے کیسے جانا کہ یہی امام علیہ السلام ہیں۔ ابوطاہر نے جواب دیا کہ اُنکے تشریف لاتے ہی اُنکی عظمت وجلالت کا ایسا اثر میرے دل پر طاری ہوا کہ مجھ میں اُسکے بیان کی اِس وقت طاقت موجود نہیں ہے۔ اور اُسی تاثیر روحانی کے ذریعۂ بشارت سے میں نے یقین کامل کرلیا کہ آپ ہی حضرت صاحب الامر علیہ السلام ہیں۔

محمد ابن محمد ابن یحییٰ معاذی کا بیان ہے کہ اُنکی زبانی یہ نقل سُنکر ابوطاہر کے جھوٹے دعووں کی حقیقت مجھ پر کُھل گئی۔ اور بجائے اُنکے حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ کی صداقت ثابت ہوگئی۔ اور میں اُسی وقت سے ابوطاہر کی اطاعت سے خارج ہوکر عقائد حقّہ پر راسخ ہوگیا۔

محمد ابن علی شلمغانی اور نیابت کا دعوےٰ

انکے طوفانِ بدتمیزی کے بعد محمد ابن علی شلمغانی کی شورش پیدا ہوئی۔ انکا فساد پہلے لوگوں کی فتنہ انگیزیوں سے بڑھکر ثابت ہوا۔ ان کا نام محمد ابن علی تھا۔ کنیت ابوعزاقر اور لقب شلمغانی۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ ابوعزاقر اپنے ابتدائی زمانہ میں فقہائے شیعہ میں شمار ہوتے تھے اور مؤمنین کے دائرہ میں عظمت وعزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ ابوجعفر کی خدمت میں باقاعدہ حاضر باش تھے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ابوجعفر علیہ الرحمہ نے اِن کے ظاہری تقدّس اور زہد پر اعتبار کرکے انکو فرقۂ بسطام کی ہدایت کے لیے روانہ فرمایا۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ فرقۂ بسطامیہ کے لوگ اپنے اصولِ عقائد سے تائب ہوکر طریقۂ اہلبیتِ کرام علیہم السلام میں داخل ہوگئے تھے۔ چونکہ ارکانِ ضروریہ وغیرہ اور دیگر عملیۂ ضروریہ سے پورے طور پر واقف نہیں تھے اِس لیے شیخ علیہ الرحمہ کی خدمت میں اِن لوگوں نے ایک شخصِ عالم کے بھیجدیے جانے کی خاص طور پر استدعا کی جو اُنکو طریقۂ حقّہ کے ارکان واحکامِ ضروری تعلیم کرے۔ اِسی غرض سے ابوعزاقر فرقۂ بسطام کی طرف بھیجدیے گئے۔ اب سُنیے۔ یہ وہاں پہنچے۔ اُن بیچاروں نے اِن کی بڑی آؤبھگت کی۔ یہ اُنکی اخلاصمندی اور عقیدت کو دیکھکر اپنے جامہ سے باہر ہوگئے۔ رفتہ رفتہ تعلیم دینیات میں انہوں نے اپنے فضائل ومناقب کے خصوصیات بھی بتلانے شروع کردیے۔ اور شدہ شدہ اپنے ذاتی اعزاز ومراتب کو ابوجعفر کے مدارج کے مقابل اور مساوی تبلایا۔ اِس درمیان میں حضرت ابوجعفر کی وہ تحریریں جو ان لوگوں کے پاس اِنکی آرام رسانی اور راحت دہی کی تاکیدوں میں آتی تھیں وہ انکی مغویانہ تحریک کی برابر تائید کرنے لگیں۔ جو انکے اخلاق کریمانہ کے تقاضے تھے وہ ابوعزاقر کی کامیابی کے خاص ذریعے ثابت ہوئے

غرض یہ سب مواد کچھ ایسے اتفاقِ وقت سے اکٹھے ہوتے گئے کہ تھوڑے ہی زمانہ میں فرقۂ بسطامیہ کے تمام لوگ ابوعراق کے پنجہ میں پورے طور سے آگئے۔ جب اور جس طرف چاہیں انکو پھیر دیں اور یہ پھر جائیں۔ انکے کلام اور احکام میں کسی کو چون و چرا کی مجال نہیں تھی۔

جب اِس گروہ کے نومسلم لوگ اپنی ضعیف الاعتقادی کے ہاتھوں اپنے دین و ایمان کے آخر نتیجوں تک پہنچ گئے تو ابوعراق نے اپنی شکم پرستی کی کوششوں میں اور وسعت دی اور اپنے معتقدین اور مقلدین کے بَل بُوتے پر اپنی دنیا طلبی کے اور ہاتھ پاؤں نکالے۔ اور اپنے خاص عقائد اور اصول جدید قائم کرنے میں علومِ تصوّف اور علومِ اشراق کی رعایت سے ایسے ایسے اضلفے ایجاد کیے جو آج تک کبھی کسی کے سُننے میں بھی نہیں آئے تھے۔ اُنکے ایجادی لغویات اور حشویات کے انبار اِس وقت ہمارے پیشِ نظر ہیں۔ جنکو ابوعراق شلمغانی نے خصوصیّت کے ساتھ اپنے طریقہ کے اعتقاد میں داخل کیا ہے۔ ہم اُن میں سے صرف ایک دلیل کے اُس خلطِ مبحث کو اپنی کتاب کے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو تصوّف اور اشراق کی معمولی رعایتوں کے علاوہ معقولات کا بھی پہلو دبائے ہوئے ہے۔ اور اِسی سے ہمارے ناظرین کو اچھی طرح معلوم ہو جائیگا کہ تینوں طریقے کے اجزا باہم آمیز کرکے شلمغانی نے وہ شب دیگ مرکب تیار کی ہے جو کبھی بغداد کے مطبخ شاہی میں بھی آج تک تیار نہ ہوئی ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ:۔

ابوعراق کے سینکڑوں ہزاروں عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ ولیٔ خدا کا عدو معیوب اور مقدوح نہیں ہوسکتا بلکہ محبوب اور ممدوح۔ اِس لیے کہ وہ تصدیقِ ولی کی ضرورت کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اور اُس سے خلاف میں جو افعال ظاہر ہوئے وہ اگرچہ ظاہر بین نگاہوں میں مخالف دکھلائی دیتے ہیں مگر حقیقت میں اُنہی مخالف امور سے اُس ولیٔ خدا کی معرفت کی تصدیق و تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر مخالف اصل موافق ثابت ہوتا ہے۔ اور جب اِن دلائل سے وہ موافق ثابت ہو چکا تو پھر وہ محبوب و مقبول ہوگا نہ معیوب و مردود۔ اور یہ طریقہ امتیاز عن الاتضاد روزِ ازل کی ایجاد ہے اور مشیّتِ الٰہی کے قدیم ارادوں میں شامل ہے اور آدمِ اوّل سے لیکر آدمِ ہفتم تک برابر جاری اور قائم ہے۔

آدمِ اوّل اور ہفتم کی تفصیل یہ ہے کہ ابوعراق کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں سات عالم اور سات آدم اِس وقت تک مخلوق ہوئے ہیں۔ اُن کے سات عالم کی تفصیل تو غیر ضروری ہے۔ مگر ہاں۔ اُنکے سات آدم کی فہرست البتّہ موجود ہے اور واقعی قابلِ دید ہے نہ لائقِ شنید۔ اگرچہ بالکل ایجادِ بندہ کا لطف آرہا ہے۔

۱ اوّل آدم۔ حضرت آدم علےٰ نبیّنا و آلہٖ و علیہ السّلام۔ ۲ دوم حضرت موسےٰ علےٰ نبینا و آلہٖ و علیہ السّلام۔ ۳ سوم فرعون ۴ چہارم حضرت محمد مصطفےٰ صلےٰ اللہ علیہ و آلہٖ و سلّم۔ ۵ پنجم جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام۔ ۶ ششم حضرت ابوبکر خلیفۂ اوّل۔ ۷ ہفتم معاویہ ابنِ ابی سفیان۔ اب اس کی توضیح یوں کیگئی ہے کہ ہر آدم کے ساتھ اُس کا ضد بھی ضرور پیدا کیا گیا ہے۔ اِس لیے ہر آدمِ ظاہری کے ساتھ جو مرتبۂ ولایت پر پہنچا ہوا تھا ایک آدمِ باطنی بھی ضرور تھا

جو بظاہر اُسکا ضد اور مخالف تھا۔ مگر حقیقت میں وہ اُسکا موافق تھا اور مصدّق۔ کیونکہ اِسکی تصدیقِ معرفت اُسکی مخالفت کے ساتھ وابستہ تھی۔

طرفہ یہ کہ اب ان اربابِ اتضاد کے انعقاد اور خلقت میں بھی بہت سے اُلجھے ہوئے دلائل بیان کیے جاتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ خدا کی طرف سے اصل اپنی ضد کے ساتھ پیدا کیا جاتا ہے اور کبھی کہا جاتا ہے نہیں۔ ولیِ ظاہر اپنے ضد کو اپنے گروہ میں منتخب کر کے آپ مقرر کر لیتا ہے۔ اور کبھی کہا جاتا ہے کہ نہیں۔ ضد اپنے ولی سے قدیم تر ہے۔ کیونکہ شیطان کی خلقت ترکیبِ آدم سے کہیں پیشتر ثابت ہے۔ اِس لیے ضرور ہوا کہ ہر آدم کی ضد اُس سے قدیم ثابت ہو۔

غرضکہ ایسی ہی لغویات اور حشویات سے ابو عزاق کے گمراہانہ عقائد پُر اور مملو پائے جاتے ہیں۔ اب سُنیے۔ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے متعلق حضرت نے کیا مضمون تراشا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اُسنے اپنی امامت اور نیابت کے نئے رنگ جمانیکی غرض سے اپنے معتقدین اور متبعین کو یہ بتلایا کہ اہلِ ظاہر جو قائمؑ سے امامِ یازدہم علیہ السّلام کے فرزند کو مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ قیام کرینگے۔ حالانکہ (معاذ اللہ) خاکَ بدہانش باد۔ قائم سے مراد ابلیس ہے۔ کیونکہ آیۂ فسجد الملٰئکۃ کلّھم اجمعون سے ثابت ہوتا ہے کہ سجدۂ آدم علٰے نبینا وآلہ وعلیہ السّلام کے وقت تمام ملائکہ سر بسجود ہو گئے۔ سوائے ابلیس کے کہ وہ قائم رہا۔ لاقعدان لھم صراطک المستقیم میں اُن کو تیری راہِ راست بتلا دونگا۔ اِس سے شیطان کے ارادے کی خوبی ظاہر ہے۔ استغفر اللہ ربّی واتوب الیہ۔ اُسکی ایسی ہی لغویات وحشویات بھری پڑی ہیں جنکی نقل میں سوائے تضیعِ اوقات کے کوئی فائدہ متصور نہیں ہے۔ اُس کے اِن عقائد کو دیکھکر تمام اہلِ ایمان نے اُسکی خوب خوب دھجیاں اُڑائیں۔ اور اُسکے دلائلِ بے اصول کی تردید و تنقید میں بہت سے اشعارِ آبدار نظم کیے ہیں۔ جو آج تک مختلف کتابوں میں مذکور و مسطور ہیں۔ چنانچہ ملاء مجلسی علیہ الرّحمہ نے بھی ایک بہت بڑی نظم بحار الانوار جلد ۱۳ میں قلمبند فرمائی ہے جسکو طوالت کے خوف سے ہم نہیں لکھتے۔

غرضکہ اُن کے اصول و عقائد کی عجیب و غریب صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اِس میں کوئی کلام نہیں کہ اُنکے ہمخیالوں میں انکا پایہ سب سے بڑھا چڑھا تھا۔ کیونکہ انکے ایسے وہ تمام لوگ جن کا ذکر اِس بحث میں خاص طور پر مندرج کیا گیا ہے اپنے مغویانہ اور گمراہانہ خیالوں میں ایسی جرأت اور آزادی سے کام نہیں لیتے تھے اُنھوں نے بھی اپنے اصولِ عقائد میں تغیّر و تبدّل ضرور کیا تھا۔ مگر تاہم اسلام کے قدیم عقائد میں کوئی ایجاد اور اضافہ نہیں کیا تھا۔ مگر شلمغانی نے تو شروع سے لیکر آخر تک تمام عقائد کو درہم و برہم کر ڈالا۔ اور اپنے حساب سے اپنے آپ کو ایک نئے مذہب اور جدید شریعت کا موجد بتلایا۔ چنانچہ علی ابنِ ہمام کا بیان ہے کہ ہم نے ایک دن شلمغانی کو کہتے ہوئے اپنے کانوں سے سُنا ہے کہ اگرچہ خدا ایک ہے مگر (معاذ اللہ) مختلف لباسوں میں ظہور کرتا ہے۔ ایک روز اُسکا لباس سفید ہوتا ہے تو ایک دن قرمزی۔ پھر تیسری بار کبود۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ

خدا ایک تو ہے لیکن مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ علی ابن ہمام کہتے ہیں کہ اُسنے مجھے انہی عقائد کی تعلیم دینی چاہی تھی اور یہ پہلا کلام تھا جو میں نے اُس سے سُنا تھا۔ مگر یہ باتیں سُنتے ہی میں نے قطعی انکار کر دیا اور اُس کے اغوائے شیطانی پر لاحول پڑھکر کہا کہ یہ عقائد تو بالکل مذہب حلولیہ کے ہیں۔

ہماری کتاب کے ناظرین شلمغانی کے ان عقائد سے جو صرف ذاتِ باری تعالےٰ عزّ اسمہ کی نسبت لکھے گئے کامل طور سے سمجھ جائینگے کہ جب وجودِ الٰہی کے متعلق انکی قیاسی اور مصنوعی دلائل کی یہ حالت ہے تو نبوت اور امامت اور اور دیگر مسائلِ دینیہ کی بابت انکے کیا خیال ہونگے۔ ہم ضمناً نبوت و امامت کے بھی چند عقائد ذیل میں قلمبند کرتے ہیں تاکہ ہمارے ناظرین کو انکے عقائدِ فاسد کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے۔

یہانتک تو ہمارے ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ اُس نے اپنی ابلہ فریبی کا جیتا جاگتا جادو قبیلۂ بسطامیہ کے لوگوں پر خوب اچھی طرح چلا لیا تھا۔ جب اِن کے ارتداد اور فتنۂ و فساد کی خبر حضرت ابی قسم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اِن لوگوں کو اُس کے اغوا سے باز رکھنا چاہا۔ مگر وہ گروہ کا گروہ اور قبیلہ کا قبیلہ اِسکا کچھ ایسا مطیع اور مُرید تھا کہ اُنکی تحریر اور تاکید پر بہت کم متوجہ ہوا۔ اور شلمغانی سے جیسا لپٹا تھا ویسا ہی لپٹا رہا۔

اب سُنیے کہ حضرت ابی قسم رضی اللہ عنہ کی بات نہ ماننے کی کیا وجہ ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ جب ایسے متوبانہ حکموں پر حضرت ابی قسم رضی اللہ عنہ کی طرف سے ناراضی اور ناپسندیدگی کے امتناعی حکم جاری ہوئے تو فرقۂ بسطامی کے محض سادہ لوح لوگوں نے شلمغانی سے اسکی وجہ پوچھی تو اُسنے انکو یہ پٹی پڑھائی کہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ ابی قسم نے مجھ سے چند ایسے اسرار کہے تھے جنکو میرے یا اُنکے سوا کوئی تیسرا نہیں جانتا تھا۔ اتفاق سے میں انکے اسرار کے مخفی رکھنے پر قادر نہو سکا اور اپنے بعض احباب سے اُسکا حال کہدیا۔ بس یہی وجہ اُنکی ناراضی کی ہوئی۔ وہ راز بھی کچھ ایسا ہی عظیم تھا کہ اُسکے لیے سوائے مَلکِ مقرب یا نبی مرسل یا خالص الاعتقاد اور کامل الایمان مردِ مومن۔ جسکی راسخ الایمانی اور فیوضِ روحانی کا امتحان خدائے سبحانہ و تعالےٰ کے روبرو ہو چکا ہو اور وہ اُس قدرتی آزمائش میں کامل اُتر چکا ہو اور دوسرا شایان اور سزاوار نہیں تھا۔

شلمغانی کی یہ توجیہ کیا تھی؟ اُسکا چلتا فقرہ۔ جیتا جادو اور سفید جھوٹ۔ شلمغانی کی اس سے کیا غرض تھی؟ صرف یہی کہ اِس بیان سے اُسکے اوصافِ قربت۔ کمالِ معرفت اور پھر معاذ اللہ اُسکے ذاتی مراتب مَلکِ مقرب اور نبی مرسل کے برابر اور مساوی تسلیم کیے جائیں۔ ورنہ حقیقۃً نہ کوئی راز تھا۔ نہ کوئی اسرار۔ یہ صرف زبانی باتیں تھیں اور لفاظی جمع خرچ۔ وہ (فرقۂ بسطامیہ) عقل کے کچے اور جہالت کے سچے۔ شلمغانی کے دعوائے زبانی کو وحیِ آسمانی سمجھے اور آمنّا و صدّقنا کہکر اُسکی عقیدت اور خلوص کی رفتار میں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئے۔ بہر حال۔ ہم نے جہانتک شلمغانی کے اِس فقرے کی بابت تحقیق کی ہے ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ صرف اُسکا فقرہ ہی فقرہ نہیں تھا۔ جو ایک وقتِ خاص تک محدود و موقوف بتلایا جاتا۔ بلکہ ہمیشہ اُسکا یہی عقیدہ تھا اور اُسنے اپنے اسی مصنوعی اسرار کی تعلیم ساری دنیا کو دینی چاہی تھی۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ ہمارے بیان پر

تصدیق و توثیق کی کافی اور کامل روشنی ڈالتا ہے۔

اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت ابی قسم رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ناقل ہیں کہ میں ایک دن ابو جعفر بسطامی کی ماں کو دیکھنے گئی۔ کیونکہ وہ کچھ علیل ہو گئی تھیں۔ وہ میرے استقبال کو دروازے تک آئیں اور میری تعظیم و تکریم میں حد سے زیادہ کوشش کی۔ یہانتک کہ میرے قدموں پر گر پڑیں۔ میرے پاؤں کو چومنے لگیں اور اپنی آنکھوں سے لگانے لگیں۔ اُنکے یہ خلافِ دستور اور غیر معمول اخلاص دیکھکر میں نے اپنے پاؤں کو کھینچ لیا اور کہا اے خاتون! آج کیا ہے جو آپ اپنی شان سے گزری ہوئی باتوں کا اظہار فرما رہی ہیں۔ یہ امور آپکے ذاتی مراتب کے خلاف ہیں۔ میں کبھی اتنی تعظیم و تکریم کیے جانیکی مستحق نہیں ہو سکتی۔ یہ سنکر وہ رونے لگیں اور کہنے لگیں۔ اے خاتونِ معظمہ! میں کیونکر آپکی تعظیم نہ کروں۔ کیونکہ آپ تو ہماری سیدہ اور مخدومہ ہیں۔ اور آپ میرے نزدیک جنابِ سیدہ فاطمۂ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔ یہ اُن سے سُننا تھا کہ میرے تمام بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آخر آپ نے میری اِس علوِّ مرتبت کی حقیقت کہاں سے معلوم کی۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ حضرت ابی قسم ابو جعفر سمری رضی اللہ عنہ نے ہم لوگوں کو ایک راز سپرد کیا ہے اور ہماری امانت و حفاظت میں دیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کونسا راز ہے۔ ہم بھی تو سنیں۔ اُنہوں نے کہا کہ اُس کے ہمیشہ مخفی رکھے جانیکا حکم ہے۔ اگر ہم اُس سرِ عظیم کو افشا کریں تو ہم عذابِ الیم میں گرفتار ہونگے۔ اُمّ کلثوم رحمہا اللہ تعالےٰ کا بیان ہے کہ اِن باتوں کو سُن سنکر میرے دل کی اُلجھن التہاب اور اضطراب کی وہ کیفیت ہوئی کہ حدّ بیان سے بالکل باہر ہے۔ آخرِ کار میں نے کسی نہ کسی طرح اپنے دل کو سنبھالا اور اپنے اضطراب و استعجاب کو ٹالا اور پھر اُن خاتون سے بمنت و سماجت کہا کہ آپ کامل طور سے مطمئن رہیں۔ مجھ کو اُس راز سے مطلع کر دیں۔ میں کسی سے آپ کے اُس راز کو نہ کہونگی، اور نہ کسی صحبت میں اُسکا چرچا یا ذکر کرونگی۔ جب میں نے اُنکا پورا اطمینان کر دیا تو انہوں نے بیان کیا کہ ابی قاسم رضی اللہ عنہ نے ہم لوگوں کو بتلایا ہے کہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روحِ مطہر نے (معاذ اللہ) شیخ ابی قاسم محمد ابن عثمان سمری رضی اللہ عنہ میں حلول کیا ہے۔ اور حضرت امیر المؤمنین علی ابنِ ابیطالب علیہ السلام کی روح شیخ ابو جعفر کے جسم میں داخل ہوئی ہے (نعوذ باللہ) اور جنابِ سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی روحِ مبارک تم میں (اُمّ کلثوم راویۂ حدیث میں) موجود ہے۔ جب تمہارے عزّ و مراتب اور فضائل و مناقب کی یہ کیفیت ہو تو پھر ہم کیونکر تمہاری تعظیم و تکریم کو اپنی مفاخرت اور سعادتِ ابدی کا باعث نہ سمجھیں اور تمہاری گردِ پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ نہ بنائیں؟

اُمِ کلثوم کا بیان ہے کہ یہ تفصیل پر تفضیل سُنکر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں اپنے تمام جسم سے کانپنے لگی۔ اُسی عالم میں میں نے اُن کو ڈانٹا اور کہا کہ یہ ساری باتیں جھوٹی اور وضعی اور یہ تمام کلام صریح اتہام ہیں۔ جو ابو جعفر کے سر مُفت مُفت باندھے جاتے ہیں۔ اِنکی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ یہ سُنکر اُس پیرزن نے مجھ سے کہا کہ یہ ایک رازِ عظیم ہے کہ آپکے اطمینان دلانے اور آپکو امین پانیکی وجہ سے میں نے اسکا افشا آپ سے

کر دیا تھا۔ اب مجھ کو خوف ہے کہ اِسکے افشا کر دینے کی وجہ سے مجھ پر عذابِ الیم نازل نہ ہو۔

اُمِ کلثوم کا بیان ہے کہ میں نے اُنکی ان لغویات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے گھر واپس آ کر ساری روئداد حضرت ابو جعفر سے بیان کر دی۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ تمام کفر و زندقہ کے عقائد ہیں اور اُس خبیثِ ملعون شلمغانی نے اِس سادہ لوح جماعت کے دل میں کفر و الحاد کے ایسے گمراہانہ عقائد بھر دیے ہیں اور وہ اپنی کم عقلی۔ سوء فہمی اور گمراہی کی وجہ سے اُس کے کلام اور اقوال کا اعتبار کرتے ہیں اور انہی ضلالت کے عقائد کو اپنا خاص طریق سمجھے ہیں۔ اب یہی باقی رہگیا ہے کہ تھوڑے دنوں اور آگے چل کر یہ ان بیوقوف اور کوتہ اندیشوں کو بتلائیگا کہ معاذ اللہ ہم شلمغانی اور خدا ایک ہے۔

اُمِ کلثوم کا بیان ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے یہ سُنکر میں ایسی متنبہ ہوئی کہ پھر میں نے اُسی وقت سے گروہ بسطامیہ کے لوگوں سے رسم و راہ اور دید و وادید۔ غرضکہ جملہ ابواب مقطوع اور مسدود کر دیے۔ یہانتک کہ شلمغانی کی شامت کا پورا زمانہ آگیا۔ اور قبیلۂ نوبختی کے تمام لوگوں میں انکی ابلہ فریبی کی داستان بچّہ بچّہ کے زبان زد ہو گئی۔ اور ہر شخص انکے حشویات و لغویات سے بخوبی واقف ہو گیا۔ یہانتک کہ توقیع مبارک کے ذریعہ سے انکے مطاعن و معائب کا پورا اعلان فرما دیا گیا۔ اور حضرت ابی قسم کے ذریعہ سے انکے لعن اور طعن و تشنیع کا حکم بھی آگیا۔ جب اُنکے لعن کا فتوٰے شہر کے تمام گلی کوچوں میں مشتہر ہونے لگا تو قبیلۂ بسطام کے لوگوں میں پھر تشویش پیدا ہوئی۔ وہ سب پھر گھبرائے ہوئے انکے پاس آئے اور اب اِسکی وجہ پوچھنے لگے تو شلمغانی نے اُنکو یہ اُلٹی منطق سُنائی اور اپنی بگڑی بات یوں بنائی کہ ابی قسم نے مجھ پر لعن کرنے کے بارے میں جو حکم سُنایا ہے پہلے اُسکو سمجھ لو۔ وہ تو اُس حکم میں بھی میری مخالفت کا حکم نہیں دیتے۔ بلکہ اِس سے تو میری موافقت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ مجھ پر لعنت کیے جانے سے یہ مراد نہیں ہے جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ یہ مقصود ہے کہ خدائے سبحانہ و تعالےٰ اپنے عذاب کو ہم سے دور رکھے۔ فرقۂ بسطامیہ کے لوگ اُس وقت کچھ ایسی ہی شامت میں گرفتار تھے کہ اُسکی اِس ہی میں بھی آگئے اور شلمغانی نے اِن گرما گرم چھینٹوں سے اُنکی ساری گرمی کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور وہ پھر اُسی کے کلام پر ایمان لا کر اُسکے ویسے ہی مطیع و فرمانبردار بنے کے بنے رہے جیسے اِس سے پہلے تھے۔

اب سُنیے۔ یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ اِس (شلمغانی) کی مصنوعی عظمت و جلالت اِسی سادہ لوح فرقہ تک محدود و موقوف تھی۔ اُس نے جب اپنے اِس گمراہانہ مشن کا اثر تمام شیعہ گروہ میں پھیلتا ہوا نہیں دیکھا اور وہ کسی طرح اپنی ابلہ فریبیوں کی کوششوں میں کامیاب نہوا تو اُس نے اپنے جھوٹے دعووں کی زبانی تصدیق میں شیخ ابی قسم رحمۃ اللہ علیہ سے مباہلہ کرنے پر آمادگی دکھلائی اور اپنے معتقدین کے ایک بڑے جلسہ میں بیان کیا کہ میں شیخ ابی قسم رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑتا ہوں۔ اور وہ میرا۔ اور وہ اپنے استحقاقِ نیابت کے حق ہونے پر حلف لیں اور میں اپنے حقوق پر۔ اِس حالت میں اگر آسمان سے بجلی گرے

تومیں حق پر ہوں اور وہ ناحق پر۔ اور اگر آسمان سے بجلی نہ گرے تو وہ حق پر ہیں اور میں باطل پر۔
چونکہ اقسامِ مباہلہ حضراتِ انبیاء و اوصیاء سلام اللہ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہم السّلام تک محدود و موقوف رکھے گئے ہیں اِس لیے شیعہ پبلک نے شلمغانی کے اِس چیلنج کو خلافِ شریعت سمجھ کر کوئی توجہ اور اعتنا نہیں فرمائی۔
شدہ شدہ اسکی خبر مقلہ کے ذریعہ سے راضی باللہ کو ہوئی کیونکہ شلمغانی نے یہ دعوے زبانی ابن مقلہ کے گھر میں کیے تھے۔ راضی یہ گمراہانہ تقریر سُنکر سخت برہم ہوا۔ اُسنے شلمغانی کو بلوایا۔ یہ آئے تو فوراً اِنکی گردن مارنیکا حکم دیا۔ حکم کی دیر تھی۔ سرہنگانِ سلطانی نے فوراً خلیفۂ عصر کے حکم کی تعمیل کردی۔
یہ تھے شلمغانی کی مغویانہ اور گمراہانہ کوششوں کے مفصّل حالات اور آخر نتیجے۔ ہم نے اِس کے حالات کو اُس کے دوسرے ہمنیالوں کے واقعات سے زیادہ لکھا ہے۔ اور اِس تفصیل سے ہماری اتنی ہی غرض تھی کہ اُس زمانہ میں چاروں طرف ارتداد اور کفر والحاد کے سر بفلک طوفان اُٹھ رہے تھے۔ اور شلمغانی کے ایسے مختلف لوگ اپنی دنیا بنانے اور عوام الناس کو بہکانے کی غرض سے جہالت وضلالت کے دام میں گرفتار کر رہے تھے۔
ابو محمد ہارون ابنِ موسےٰ نے علی ابنِ محمد ابنِ ہمّام سے شلمغانی کے عقائد کی نسبت پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ شلمغانی کو کوئی رسوخیت اور رسوخ حضرت ابوقسم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاصل نہیں تھا اور نہ شیخ مرحوم علیہ الرّحمہ نے اپنی طرف سے اُسکو کسی خاص منصب پر مامور فرمایا تھا۔ بلکہ وہ تو معمولی فقہاء میں شمار ہوتا تھا۔ اور جہاں اور لوگ شیخ علیہ الرّحمہ کے حلقۂ صحبت میں اپنے استفاداتِ علمی اور تعلیمِ ہدایت کی غرض سے حاضر ہوا کرتے تھے اُنہی میں ایک یہ بھی تھا۔ ایک عرصہ تک اُنکی حاضری اُنکی خدمت میں ہوتی رہی۔ مگر اس حضوری سے کسی خاص عہدے یا منصب کی ماموری نہیں ثابت ہوتی۔ اور نہ ایسی کوئی عظمت وجلالت نمایاں ہوتی ہے۔ یہ ایسے ہی رہے۔ یہانتک کہ اِن پر طمعِ دنیاوی حاوی ہوگئی۔ حصولِ دولت کی حرص غالب آگئی۔ فرقۂ بسطام سے انکا تعلّق ہونا تھا کہ اِنکے ایمان میں کفر وزندقہ کی لغزش پیدا ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ اتنی بڑھی کہ آخر میں اِنکو کافر ثابت کر گئی۔ اور یہ اپنے عقائدِ باطلہ کے ہاتھوں فرقۂ حلولیہ میں داخل اور شامل ہو گئے۔ یہانتک کہ اِن کے ملعون ہونیکے متعلق ذیل کی عبارت میں توقیعِ مبارک صادر ہوئی۔

اعرف۔ اطال اللہ بقاك وعرفك الخیر کلہ وختم بہ عملك من تثق بدینہ وتسکن الی نیتہ من اخواننا ادام اللہ سعادتھم بان محمد ابن علی المعروف بشلمغانی عجل اللہ لہ النقمۃ ولا امھلہ قد ارتد عن الاسلام وفارقہ والحد فی دین اللہ وادعی ما کفر معہ بالخالق جل وتعالیٰ وافتری کذبا وزورا وقال بھتانا واثما عظیما وکذب العادلون باللہ وضلوا ضلالا بعیدا وخسروا خسرانا مبینا وانا برئنا الی اللہ

تعالیٰ والیٰ رسولہ وآلہ صلوات اللہ ورحمتہ وبرکاتہ علیہم منّہ ولعنّاہ علیہ لعائن اللہ سرّی فی الظاہر منّا والباطن فی السرّ والجہر وفی کلّ وقت وعلیٰ کلّ حال وعلیٰ من شایعہ وتابعہ وبلّغہ ھٰذا القول منّا فمن اقام علیٰ تولّیہ بعدہ واعلمہم تولاکم اللہ اننا فی التوقی والمحاذرۃ منّہ علیٰ مثل ماکنّا علیہ ممّن تقدمہ من نظرائہ من الشریعی والنمیری والھلالی والبلالی وغیرھم وعادۃ اللہ جلّ ثناءہ مع ذٰلک قبلہ وبعدہ عندنا جمیلہ وبہ نثق وایّاہ نستعین وھو حسبنا فی کلّ امورنا ونعم الوکیل۔

خدائے سبحانہ وتعالےٰ تمہیں طولِ عمر کی نعمت عطا فرمائے۔ اور تم کو تمام خیر و برکات سے مطلع فرمائے کہ تم اپنے دین پر قائم رہو۔ اور اپنے اخوانانِ دینی کے ساتھ اپنی نیّت درست رکھو۔ خدائے سبحانہ و تعالےٰ تمہاری سعادت کو ہمیشہ قائم رکھّے۔ سمجھ لو کہ محمد ابنِ علی المعروف بہ شلمغانی۔ خدا اُس پر عذاب نازل فرمائے اور اُس کو مہلت نہ دے۔ اسلام سے مرتد ہو گیا۔ دینِ خدا سے تارک ہو گیا۔ اُسنے دینِ خدا میں الحاد پیدا کیا۔ اور اُن چیزوں کا دعوےٰ کیا جو خدائے سبحانہ و تعالےٰ کی طرف سے کفر قرار دی گئیں۔ اور اُس ذاتِ مقدّس پر کذب وافترا کیا۔ معصیتِ عظیم کا مرتکب ہوا۔ جو لوگ کہ حق سے پھر گئے ہیں اُنہوں نے خدا پر افترا کیا ہے۔ اور وہ گمراہ ہوئے ہیں۔ اور سخت نقصان اُٹھانیوالے ہوئے ہیں۔ میں اُس کے تمام افعال و اقوال سے بری الذمّہ ہوتا ہوں۔ اور اپنے اس اقرار و اعتراف پر خدا۔ رسولؐ اور تمام ائمہٗ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کو شاہد کرتا ہوں۔ اُس پر لعنت کرتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ ہر وقت اور ہر حال میں۔ ظاہر میں اور باطن میں۔ اُس پر اور اُس کے تمام تابعین پر خدائے وحدہ لا شریک کی لعنت ہو۔ اور اُن لوگوں پر بھی جو میری اِس وصیّت اور ہدایت کے سننے کے بعد بھی اُسکی عقیدت اور اطاعت کا دم بھریں۔ اور اُسکی فرمانبرداری اور متابعت کا اقرار کریں۔ تم میری اِس تحریر کو اپنے تمام معتمدین اور مؤمنین و موقنین پر اعلان کر دو۔ اور ہماری بیزاری کے معاملات اُنکے ساتھ جو اِسی کے ایسے قبل میں گزر چکے ہیں ایسے ہی ہیں۔ جیسے شریعی۔ نمیری۔ ہلالی اور بلالی وغیرہم دشمنانِ خدا گزر چکے ہیں۔ ہم خدا پر قائم ہیں اور اُسی سے اعانت کے خواہاں ہیں۔ اور اپنے تمام امور کو اُسی کے سپرد کرتے ہیں۔ اور وہی ہمارا مالک ہے۔

بہرحال۔ ہماری اِس بحث سے جس کو ضرورتاً ہم نے کسی قدر طوالت کے ساتھ لکھا ہے۔ ہمارے ناظرین کتاب کو پورے طور سے معلوم ہو جائیگا کہ نظامِ مشیّت کو اپنی حجّتِ آخر کے پنہاں کر دینے کے لیے ایسے کفر و ضلالت اور ارتداد و جہالت کے طوفاں خیز عالم میں کیسی سخت اور ناگزیر ضرورت پیش ہوئی۔ کیونکہ قبولِ حق سے تمام طبائع پھرتے جا رہے تھے۔ اور متنفر ہوتے جاتے تھے۔ صراطِ مستقیم سے پھرتے جاتے تھے۔ زمانۂ ناہنجار کی روش اختیار کرتے جاتے تھے۔ ارشاد و ہدایت کے ایجاب و تسلیم کے عوض میں الحاد و غوایت کے اصول نہایت رغبت اور میلانِ طبیعت کے ساتھ قبول کرتے تھے۔ انبیائے مرسلین اور اوصیائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ارشاد و ہدایت کو جانے دیجیے۔ الوہیت اور خدا

کی وحدانیت کے خاص عقائد میں بھی جسکو اصولِ اسلام نے مختلف ادیان و مذاہب کے مقابلہ میں بھی کس خوبی اور وضاحت کے ساتھ بدلائلِ صحیحہ ثابت کر دیا تھا۔ اپنی نفسانیت اور جہالت کے باعث اپنی طرف سے کیسے کیسے خاص اضافات قائم کیے۔ اور اُس کی ذاتِ یکتا کو مختلف وسائل اور متفرق اسباب و ذرائع کا محتاج ثابت کرنے لگے۔

یہانتک بھی خیریت تھی۔ کیونکہ ایسے عقائد رکھنے والے اور ایسے اصول بتلانیوالے اُممِ سابقہ کے زمانہ میں بھی گزر چکے ہیں۔ قیامت تو یہ ہوئی کہ کچھ اور آگے چلکر اِن دشمنانِ اسلام نے اپنے آپ کو خدا کی خدائی میں شریک اور اُسکی یکتائی میں سہیم بتلایا۔ یہ کچھ ایسا دورُویہ خدائی کا دعوٰے تھا۔ جو نمرود و فرعون کے دعووں سے بھی بڑھ گیا تھا۔ کیونکہ نمرود و فرعون نے اپنے آپ کو صرف خدا کہلانیکی کوشش کی تھی۔ مگر اِن لوگوں نے تو نصارٰے کے عقائد کے موافق خدا کو بھی خدا بتلایا اور اپنے آپ کو بھی۔ اگر سچ پوچھا جائے تو ایک روشن عقل اور صحیح دماغ شخص اِن لوگوں کو نمرود و فرعون سے بھی بدتر اور انکے حشویات و مہملات کو اُنکے لغویات سے بھی زیادہ فضول اور بیکار سمجھیگا۔ اسی کے ساتھ یہ امر بھی ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اُممِ سابقہ کے زمانہ میں اُلوہیت کے دعوے کرنیوالا ایک ہی شخص ہوا کرتا تھا۔ اور وہ بھی کون؟ جو اپنی ذاتی قوت و اختیار اور ثروت و اقتدار کے اعتبار سے ظاہری طور پر تمام دنیا کے لوگوں سے عظیم الشان اور جلیل القدر ثابت ہوتا تھا۔ غرضکہ انہی صفاتِ ظاہری کے باعث سے وہ اپنی نسبت ان مہملات کا دعوٰے کرنے لگتا تھا۔ مگر اِس زمانۂ ناہنجار میں خدائی کے دعوے کرنیوالے ایک نہیں بلکہ مختلف اور متفرق قوم و قبیلہ کے معمولی اور محض ادنےٰ لوگ ہوا کرتے تھے۔ جنکو نہ دنیاوی ثروت و اقتدار میں کوئی حصہ ملا تھا اور نہ قدرت و اختیار میں کوئی سلیقہ حاصل تھا۔ اِس لیے واقعاتِ موجودہ کے اعتبار سے یہ ناہنجار زمانہ زمانۂ سابق کے ایامِ نافرجام سے کہیں زیادہ بدتر تھا جس میں ظہورِ حقیقت قطعی دشوار تھا۔

ان تمام مصالح کو پیشِ نظر رکھکر نظامِ مشیت نے احکامِ امامت کے آیندہ نفاذ کو اگرچہ وہ کیسی ہی آزادی سے نہ جاری کیے جاتے ہوں قائم رکھنا مناسب نہ سمجھا اِس لیے کہ ناعاقبت اندیش۔ کوتہ بین اور معمول پسند ابنائے زمانہ کے موجودہ طبائع جہالت و ضلالت کے آرائشی اور نمائشی اصول و احکام کے مقابلہ میں شریعت کے بتلائے ہوئے قواعد اور نصاب کو اختیار نہیں کرینگے اور اپنی سہل پسندی اور تن آسانی کی موجودہ حالتوں میں احکامِ امامت اور مناظرِ شریعت کو کوئی چیز نہیں سمجھینگے۔ کیونکہ وہی احکام آج ساٹھ برس سے رات دن اُنکے پیشِ نظر تھے۔ اور اُنہی میں اسلام کا ایک فرقہ اُنکو اپنے خلوص و عقیدت کے ساتھ مانتا اور برتتا چلا آتا ہے۔ جنکی رفتار و کردار کو وہ برابر دیکھتے چلے آتے تھے۔ مگر تاہم اِس سے کوئی نتیجہ نہیں نکالتے تھے۔ اور نہ اِس سے کوئی فائدہ اُٹھاتے تھے۔ بلکہ بخلاف اِس کے اُنکی جہالت۔ اُنکی ضلالت اُنکا ارتداد اور کفر و الحاد روز بروز ترقی کرتا گیا۔ نئے نئے اصول اور نئے نئے اعتقاد کی ایجاد ہوتی گئی۔ اسلا

کی تمام خوبی سیرتِ مصطفوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام محاسن فراموش کر دیے گئے۔ یہانتک کہ اِن بگڑے ہوئے مسلمانوں نے اپنے اصول وعقائد کی صورت بگاڑ دی کہ خدا کی یکتائی تک میں اپنا حصّہ ٹھہرایا۔ اور علانیہ انا الحق کا نعرہ لگایا۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ یہ وہی اسلام ہے جس نے شرک سے بچنے کے لیے امت کو کس قدر سخت تاکید کی تھی اور ان الشرک لظلم عظیم کے مدعا کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ یہ وہی اسلام تھا جس نے خدا کی وحدانیت کے الجھے ہوئے مسئلہ کو پاک وصاف کر کے اُس کو پھر دنیا کی سطح پر قائم کیا تھا۔ یہ وہی اسلام ہے جس کے بانی روحی لہ الفدا نے تمام مسلمانوں کو ایک خدا کی خالص عبادت کرنیکا حکم دیا تھا۔ یہ وہی اسلام ہے جس نے وحدانیت کی تعلیم کی بابت تمام دوسرے مذہب والوں کو چیلنج دیا تھا۔ مگر افسوس! اب وہی اسلام ہے جو اور مسائل کو چھوڑ کر وحدانیت کے خاص مسئلہ میں نصرانیوں اور مجوسیوں کے اصول وعقائد کا پابند ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اتنے اور ایسے کفر والحاد کے موجودہ زمانہ میں نظامِ ظاہری امامت کا قائم رہنا اب شریعت کے خلاف تھا۔ اور چونکہ بفحوائے لا یعلمہ الا باذنہ اُسکا وقتِ مقررہ بھی پہنچ ہی گیا تھا اِس لیے نظامِ مشیت اور احکامِ قدرت نے اجرائے شریعت اور احیائے سنت کی خدمات کو ظاہری طور پر علمائے کبار اور فضلائے روزگار کی قوتِ اجتہاد کے سپرد فرمایا جن کے اوصاف کو ان العلماء اخشیٰ کی صفاتِ مخصوصہ سے موصوف فرما چکا تھا۔ اور نظامِ امامت کے آیندہ نفاذ کو ایک زمانہ محدود تک موقوف فرما دیا۔ جسکے شمار اور تعداد کا علم سوائے اُس کے اور کسی کو نہیں دیا گیا ہے۔

یہ تھے غیبتِ کبرےٰ کے واقع ہونیکے سرسری اور سطحی اسباب۔ جن کو ہمنے صرف موجودہ واقعات پر نظر کر کے لکھدیا ہے۔ جنپر ہم حقیقت اور اصلیت کا کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔ اور نہ ہم اُنکو اصلی سبب اور واقعی وجہ غیبتِ کبرےٰ ہونے کی ٹھہرا سکتے ہیں۔ اِسکے اصلی وجوہ اور واقعی اسباب سوائے علام الغیوب کے کوئی دوسرا جان نہیں سکتا۔ اور انکی بابت زیادہ غور وخوض کا بھی حکم نہیں ہے کیونکہ اسرارِ الٰہی میں خواہ مخواہ مداخلت بالکل بے موقع اور بیجا جسارت ہے جس کو کوئی صاحبِ عقل وشعور پسند نہیں کرتا۔

اتنا لکھکر ہم کو یقین ہے کہ ہماری کتاب کے ناظرین ہمارے موجودہ مضامین بحث سے اپنی خاطر خواہ تشفی اور کامل اطمینان کر لینگے۔ اب ہم اُنکے مزید اطمینان کی غرض سے جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کے خاص ارشاد واقوال بھی ذیل میں درج کیے دیتے ہیں۔ جنکو آپ نے غیبتِ کبرےٰ کے ابتدائی زمانہ میں ایک خالص الاعتقاد اور کامل الایمان اصحاب سے ارشاد فرمایا تھا۔

ابراہیم ابنِ مہزیار رحمۃ اللہ علیہ سے جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کی گفتگو

ملا مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار جلد سیزدہم میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابراہیم ابنِ مہزیار رحمۃ اللہ علیہ بزرگانِ شیعہ میں سے تھے اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے معتمدین اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔

غیبتِ کبرےٰ کے وقوع ہوتے ہی اُنکو جناب قائم علیہ السلام سے بالمشافہہ ملنے اور آپکی زیارت سے مشرف ہونیکا کچھ ایسا ہی شوق پیدا ہوا کہ ایک عرصہ تک وہ اپنا گھربار اور تمام کاروبار چھوڑ کر آپکی تلاش میں شہر بشہر اور قریہ بقریہ پھرتے رہے۔ یہانتک کہ وہ اسی تردد و تجسس میں مدینۂ منورہ میں وارد ہوئے اور یہاں بھی اپنے اثنائے قیام میں گلی گلی کی خاک چھان ڈالی۔ مگر کہیں سراغ نہ ملا۔ مجبور ہو کر مکۂ معظمہ میں تشریف لائے۔

ابراہیم کا خود بیان ہے کہ میں ایک دن طوافِ کعبہ سے فارغ ہو چکا تھا کہ ایک جوانِ صالح باحسن و صورت میرے سامنے سے گزرا۔ میں اُسکی طرف خود بخود اس غرض سے چلا کہ اپنی عرضِ حاجت اُس سے کرونگا اور اپنے موجودہ امور میں اُس سے کچھ مشورت خاص لونگا۔ اِس غرض سے جب میں اُنکے قریب پہنچا تو میں نے اُن کو سلام کیا۔ اُنہوں نے نہایت کشادہ پیشانی اور حسنِ اخلاق سے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا کہ عراق کا رہنے والا ہوں۔ پوچھا کہ عراق کے کس شہر میں رہتے ہو؟ میں نے کہا کہ شہرِ اہواز کا رہنے والا ہوں۔ یہ سُنکر اُس نے خوش ہو کر کہا مرحبًا القائک خدا میرے لیے تیری ملاقات کو مبارک فرمائے۔ تم اہواز میں جعفر ابنِ حمدان خُصیبی کو بھی جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ میں اُنہیں خوب جانتا تھا۔ اُن کا تو انتقال ہو گیا۔ یہ سُنکر اُنہوں نے کہا کہ رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ شب و روز عبادت گزاری اور پرہیزگاری میں بسر کرتے تھے۔ تا اینکہ اُنہی محاسنِ اعمال کے صلہ میں خداوندِ عالم نے اُن کو ثوابِ جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمایا۔ اتنا کہکر اُنہوں نے پھر پوچھا کہ ابراہیم ابنِ مہزیار کو بھی جانتے ہو؟ میں نے کہا کہ وہ میں ہی ہوں۔ یہ سُنکر اُنہوں نے مجھ سے معانقہ کیا۔ اور کہا کہ مرحبًا بِکَ یا ابا اسحٰق۔ وہ نشان جو خلوص و اعتقاد کے اعتبار سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے تمہیں عنایت فرمایا تھا کیا ہوا؟ یہ سُنکر مجھے حد درجہ کی مسرت ہوئی۔ اور میں نے اُسی وقت اپنے دل میں سمجھ لیا کہ اب انشاء اللہ تعالےٰ میں بہت جلد اپنے مقصودِ دلی پر فائز ہونگا۔ کیونکہ جس علامت کی طرف اِس جوانِ صالح نے اشارہ کیا ہے وہ ایک انگشتری ہے جو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے عنایت فرمائی ہے اور آپ کے اِس عطیہ کو سوائے میرے یا اُن جناب کے کوئی دوسرا شخص نہیں جانتا تھا۔ اور نہ آج تک میں نے اِس قصہ کو کسی سے بیان کیا۔

بہرحال۔ ابراہیم ابنِ مہزیار کا بیان ہے کہ میں نے اپنی مسرت اور فرحت کے موجودہ عالم میں جواب دیا کہ وہ آپ کی عنایت فرمودہ علامت میرے پاس اِس وقت تک موجود ہے۔ یہ کہکر وہ انگشتری مطہر میں نے اپنے ہمیان سے نکالی اور اُن کو دکھلائی۔ اُسکو دیکھتے ہی اُس جوانِ صالح نے نہایت شوق سے اُس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور نہایت عظمت سے اُسکو آنکھوں سے لگایا اور متواتر بوسے لیے۔ پھر جو کچھ اُس خاتمِ مطہر کے حلقہ میں تحریر تھا پڑھا۔ اُس میں اسمائے مقدس یا اللہ۔ یا محمد۔ یا علی۔ منقوش تھا۔ اِن سب امور کے بعد اُنہوں نے کہا کہ میری جان اُن حضرت (جناب امام حسن عسکری علیہ السلام) پر فدا ہو۔ میں نے ہزارہا مسائل

Syed Saleem Husain Sahib Rizvi

آپکی خدمت میں عرض کیے اور اُنکے جواب خاطر خواہ پائے۔ انواع و اقسام کی حدیثوں کو آپکی زبان معجز بیان سے سُنا اور اُنکو اپنے سینہ میں ذخیرہ کیا۔ اور اِنہی خاص وجوہ سے میں آپکی خدمت میں بمقابلہ دیگر حضرات کے زیادہ ممتاز خیال کیا جاتا تھا۔

ابراہیم ابنِ مہزیار کا بیان ہے کہ وہ جوانِ صالح یہانتک بیان کرکے پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا اے ابا اسحٰق! اپنے اُس مقصدِ عظیم سے جس کی تقدیم و تعمیل کا قصد تم بعدِ فراغتِ حج اپنے دل میں رکھتے ہو مجھ سے بیان کرو۔ اِس کے جواب میں میں نے اُن سے کہا کہ میں اپنا کوئی مطلب آپ سے پوشیدہ نہیں رکھنے کا۔ اُس نے جواب دیا کہ مناسب تو ایسا ہی ہے۔ اب اِس وقت تم کو جو پوچھنا ہو پوچھو۔ انشاء اللہ المستعان تمہارے تمام مطالب و مقاصد کی تفصیل و تشریح تم سے من و عن بیان کردونگا۔ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کی اولاد کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا سبحان اللہ! آپکی دو صاحبزادے ہیں محمد (قائم علیہ السّلام) اور موسٰے۔ اور میں اِن دونوں بزرگواروں کی جبینِ قمر آئین سے انوارِ ہدایت مشاہدہ کرتا ہوں۔ میں اُنہی کا فرستادہ ہوں۔ وہ طائف میں مقیم ہیں۔ تمکو بُلایا ہے۔ اگر تم کو اُن کی زیارت کا شرف حاصل کرنا ہے تو بے تکلّف اور بلا توقف میرے ساتھ چلے چلو۔ اور اپنے رفقا میں سے کسی کو بھی اِس کی مطلق خبر نہ کرو۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی میں اُس جوانِ صالح کے ہمراہ ہولیا اور ریگستان کے لق و دق میدان سے ہوتا ہوا اُس مقام پر پہنچا جہاں صحرا کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں پہنچکر میں نے ایک بہت بڑا عظیم الشّان پشمینہ کا خیمہ ایک اونچی زمین پر برپا دیکھا۔ جس کی وجہ سے اُس ویران میدان کے چاروں طرف کا حصّہ شاداب اور آباد معلوم ہوتا ہے۔ جب یہاں ہم پہنچے تو ہمارا ہمراہی جوان صالح ہم سے جُدا ہو کر اُس خیمہ کے اندر چلا گیا۔ اور وہاں میری حاضری کی اطلاع کی۔ اِن دونوں بزرگواروں میں سے وہ حضرت جو سِن میں بڑے تھے باہر نکل آئے۔ اور میں نے اُنکے سراپائے مبارک پر نظر کی تو دیکھا کہ وہ نہایت پاکیزہ صورت ہیں اور جوان۔ جسم مطہّر کا رنگ بالکل صاف ہے۔ چوڑی پیشانی ہے۔ ابروہائے مبارک ایک دوسرے سے باہم ملے ہوئے ہیں۔ رخسار نرم ہیں اور بینیٔ مقدّس اونچی ہے۔ سیدھے رخسار پر ایک تل تارے کی طرح روشن ہے۔ اور وہ عالم دکھا رہا ہے جیسے آئینہ پر مشک کا ریزہ۔ فرقِ اقدس پر تین گیسو کانوں کی لو تک چھوٹے ہوئے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ خداداد صورت تھی کہ دنیا کی آنکھوں نے کبھی اِس حسن و صورت کا انسان نہ دیکھا ہوگا۔ اور میں نے بخدائے لایزال ایسے وقار عظمت و اقتدار کا کوئی آدمی آج تک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ اللّٰہمّ صلّ علےٰ محمد وّ آلِ محمدؐ۔

بہرحال۔ ابراہیم ابنِ مہزیار رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اُنکو اس ہیبت و جلالت سے اپنی طرف آتا ہوا دیکھکر میں اپنے موجودہ اشتیاق و تمنّا کی مضطربانہ پرجوشیوں میں دوڑتا ہوا اُنکے قریب پہنچا اور جیباختہ اُنکے

قدموں پر گر پڑا۔ اور اُنکے دستِ مبارک کو بار بار چومنے لگا۔ آپ نے اپنے خلقِ عظیم کے تقاضے سے مجھے فوراً اُٹھایا۔ گلے سے لگایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے ابا اسحٰق! تم نے آج بہت بڑے مکانِ رفیع و وسیع میں قدم رکھا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ تم مجھ سے ملنے کا ہمیشہ اشتیاق رکھتے تھے۔ مگر یہ بات جانبین کو میسّر نہیں ہوئی تھی۔ مگر باوجود ظاہری مفارقت و دوری کے چونکہ ہمارے تمہارے فیما بین خلوص و اتحاد کے ایسے ہی مراسم وابستہ تھے اور کامل کہ تمہارا خیال اور تمہاری یاد میرے دل میں ہمیشہ متمکن تھی اور یہ خیال اور یہ یاد کچھ ایسی ہی مستقل اور پائدار تھی کہ گویا مجھ کو ہمیشہ تم سے مجالست اور مکالمت کا لطف حاصل ہے۔ اُس خدا کا ہزار ہزار شکر ہے جو لائقِ حمد و ثنا ہے اور اُس نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو تمہاری ملاقات میسّر فرمائی اور میرے طائرِ دل کو قفسِ مفارقت سے رہائی دلوائی۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ اتنی تقریر کے بعد پھر آپ نے اہواز کے دیگر مؤمنین کو مجھ سے پوچھا تو میں نے خدمتِ مبارک میں عرض کی کہ یا مولا جس وقت سے میرے آقا جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام نے انتقال فرمایا میں نے آپ کی تلاش میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا۔ اور اُس وقت سے لیکر اِس وقت تک برابر آپ کی جستجو میں حیران و سرگردان پھرتا ہوں۔ اِس وجہ سے میں اُن حضرات کی کچھ بھی خبر نہیں رکھتا۔ مگر اب الحمد للہ۔ خدا نے مجھ کو میرے مقصود تک پہنچایا۔ اور میرے خضرِ طالع نے مجھ کو راہِ مقدس تک جالگایا۔ اور حقیقۃً مجھ پر بڑا فضل و کرم فرمایا۔ اِسکے بعد آپ مجھے ایک علحدہ خلوت میں لیگئے۔ اور مجھکو اطمینان سے بٹھلا کر ارشاد فرمانے لگے۔

إنّ أبي صلّى الله عليه وآله عهد عليّ أن لا أوطن من الأرض إلّا أخفاها وأقصاها إسراراً لأمري تحصيناً لمحلّي من مكائد أهل الضّلال والمردة من إحداث الأمم الضّوال فنبذني إلى عالية الرّمال وجبت صرائم الأرض تنظرني الغاية الّتي عندها يحلّ الأمر وينجلي الهلع وكان صلوات الله عليه أنبط لي من خزائن الحكم وكوامن العلوم ما إن أشعت إليك منه جزءً أغناك عن الجملة اعلم يا أبا إسحٰق إنّه قال صلوات الله عليه يا بنيّ إنّ الله جلّ ثناؤه لم يكن ليخلي أطباق أرضه وأهل الجدّ في طاعته وعبادته بلا حجّة يستعلي بها وإمام يؤتمّ به ويقتدى بسبل سنّته ومنهاج قصده وأرجو يا بنيّ بلزوم حواني الأرض تتبع أقاصيها فإنّ لكلّ وليّ من أولياء الله عزّ وجلّ عدوّاً مقارعاً وضدّاً منازعاً افتراضاً لمجاهدة أهل نفاقه وخلافه أولي الإلحاد والعناد فلا يوحشنّك ذلك واعلم أنّ قلوب أهل الطّاعة والإخلاص نزّع إليك مثل الطّير إذا أمّت أوكارها وهم معشر يطلعون بمخائل الذّلّة والاستكانة وهو عند الله بررة أعزّاء يبرزون بأنفس مختلّة محتاجة وهم أهل القناعة والاعتصام واستنبطوا الدّين فوازروه على مجاهدة الأضداد خصّهم الله باحتمال الضّيم ليشملهم باتّساع العزّ في دار القرار وجبلهم على خلائق الصّبر لتكون لهم العاقبة الحسنى و

كَرَامَةُ حُسْنِ الْعُقْبٰى فَاقْتَبِسْ يَا بُنَيَّ نُوْرًا الصَّبْرِ عَلٰى مَوَارِدِ اُمُوْرِكَ تَفُزْ بِدَرَكِ الصُّنْعِ فِيْ مَصَادِرِهَا وَاسْتَشْعِرِ الْعِزَّ فِيْمَا يَنُوْبُكَ تَحْظَ بِمَا تُحْمَدُ عَلَيْهِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَكَاَنَّكَ يَا بُنَيَّ بِتَاْيِيْدِ نَصْرِ اللّٰهِ قَدْ اٰنَ وَتَيْسِيْرِ الْفَلَجِ وَعُلُوِّ كَعْبٍ قَدْ حَانَ كَاَنَّكَ بِالرَّايَاتِ الصُّفْرِ وَالْاَعْلَامِ الْبِيْضِ تَخْفُقُ عَلٰى اَثْنَاءِ اَعْطَافِكَ مَا بَيْنَ الْحَطِيْمِ وَزَمْزَمَ وَكَاَنَّكَ بِتَرَادُفِ الْبَيْعَةِ وَتَصَافِ الْوَلَاءِ يَتَنَاظَمُ الدُّرِّ فِيْ مَثَانِي الْعُقُوْدِ وَتَصَادُفِ الْاَكُفِّ عَلٰى جَنَبَاتِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ تَلُوْذُ بِفِنَائِكَ مِنْ مَلَاءٍ بَرَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ طَهَارَةِ الْوِلَادَةِ وَنَفَاسَةِ الْقُرْبَةِ مُقَدَّسَةً قُلُوْبُهُمْ مِنْ دَنَسِ النِّفَاقِ مُهَذَّبَةً اَفْئِدَتُهُمْ مِنْ رِجْسِ الشِّقَاقِ لَيِّنَةً عَرَائِكُهُمْ لِلدِّيْنِ خَشِنَةً ضَرَائِبُهُمْ عَنِ الْعُدْوَانِ وَاضِحَةً بِالْقَبُوْلِ اَوْجُهُهُمْ نَضِرَةً بِالْفَضْلِ عِيْدَانُهُمْ يَدِيْنُوْنَ بِدِيْنِ الْحَقِّ وَاَهْلِهِ فَاِذَا اشْتَدَّتْ اَرْكَانُهُمْ وَتَقَوَّمَتْ اَعْمَارُهُمْ قُدَّتْ بِمُكَاتَفَتِهِمْ طَبَقَاتُ الْاُمَمِ اِذْ تَبِعَتْكَ فِيْ ظِلَالِ شَجَرَةٍ دَوْحَةٍ سَبَقَتْ اَفْنَانُ غُضُوْنِهَا عَلٰى حَافَاتِ بُحَيْرَةِ الطَّبَرِيَّةِ فَعِنْدَهَا يَتَلَاْلَؤُ صُبْحُ الْحَقِّ وَيَنْجَلِيْ ظَلَامُ الْبَاطِلِ وَيَقْصِمُ اللّٰهُ بِكَ الطُّغْيَانَ وَيُعِيْدُ مَعَالِمَ الْاِيْمَانِ يَظْهَرُ بِكَ اسْتِقَامُ الْاٰفَاقِ وَالسَّلَامُ الْوِفَاقِ يَوَدُّ الطِّفْلُ فِي الْمَهْدِ لَوِ اسْتَطَاعَ اِلَيْكَ نُهُوْضًا وَنَوَاشِطُ الْوَحْشِ لَوْ تَجِدُ نَحْوَكَ مَجَازًا تَهْتَزُّ بِكَ اَغْصَانُ الْعِزِّ نَضِرَةً وَتَسْتَقِرُّ بَوَانِي الْعِزِّ فِيْ قَرَارِهَا وَتَؤُوْبُ شَوَارِدُ الدِّيْنِ اِلٰى اَوْكَارِهَا يَتَهَاطَلُ عَلَيْكَ سَحَائِبُ الظَّفَرِ فَتَخْنُقُ كُلَّ عَدُوٍّ وَتَنْصُرُ كُلَّ وَلِيٍّ فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ جَبَّارٌ جَاحِدٌ وَلَا جَاهِدٌ غَامِطٌ وَلَا شَانِئٌ مُبْغِضٌ وَلَا مُعَانِدٌ كَاشِحٌ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ -

حقیقتِ حال یہ ہے کہ میرے پدرِ بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام نے مجھے وصیت فرمائی ہی اور مجھ سے اِن امور کی نسبت عہد و پیمان لیا ہے کہ میں دنیا میں کسی مقام کو اپنا وطن اور اپنا مسکن نہ بناؤں۔ اور بالعوض اِس کے دور و دراز اور پوشیدہ سے پوشیدہ مقامات میں سکونت اختیار کروں تاکہ معاندینِ دین اور گروہِ مخالفین کو میرے اُمور کی کوئی خبر اور اطلاع نہونے پائے۔ یہ بھی مجھ کو تاکید کیگئی ہے کہ میں اپنے مدارج و مراتب اور فضائل و مناقب کو کسی شخص پر ظاہر نہ کروں۔ اِن وجوہ سے میں نے ان دور و دراز۔ ویران اور غیر آباد مقامات کو جہاں انسان کی آبادی کا کسی کو بھی گمان اور احتمال نہیں ہو سکتا اپنے قیام کے لیے تجویز کیا ہے۔ اور میں اِن مقامات میں اُس وقت تک قیام کرنیکے لیے ضرور مامور اور مجبور کیا گیا ہوں جبتک کہ خدائے سبحانہٗ و تعالےٰ میرے لیے ظہور کا حکم نہ دے تاکہ مخلوق درد و مصیبت سے رہا کر دی جائے۔ اے ابو اسحٰق میرے پدرِ بزرگوار جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام نے اسرارِ غیب و حکمت کے بیشمار خزانے مجھے عنایت فرمائے ہیں کہ اگر اُن میں سے کوئی جزو یا کوئی حصّہ میں تم کو بتلا دوں تو پھر تم کو دنیا میں کسی دوسرے سے کسی شے کے پوچھنے

یا سیکھنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہیگی۔ اے ابواسحٰق! سمجھ لو! جیسا کہ میرے پدرِ عالیمقدار نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ خدائے حکیم و دانا نے کسی وقت میں۔ کسی زمانہ میں اور کسی حالت میں دنیا کے کسی حصّہ کو ایسا نہیں چھوڑا ہے جس میں اپنی حُجّت نہ باقی چھوڑی ہو۔ جو امورِ دینی اور دنیاوی میں اُنکا حامی اور معین ہو اور دنیا وآخرت میں اُنکا ہادی اور پیشوا ثابت ہو۔ اِس وجہ سے میں تمہیں بتلائے دیتا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ میرے بعد اے میرے فرزند! تم بیشک اُنہی مقدّس لوگوں میں ضرور ہو جو منجانب اللہ حق کو حق کرنے اور باطل کو باطل کرنیکے لیے دنیا میں آج تک یکے بعد دیگرے بھیجے گئے ہیں۔ یہی مقدّس سلسلہ حق کو حق۔ ناحق کو ناحق کرتا ہے۔ اور اساس ناحق شناسی کو قطعی مستاصل بناتا ہے۔ آتشِ کفر والحاد کو بجھاتا ہے۔ اِن اصولِ عقائد سے تم کو لازم ہے کہ تم آسیبِ زمانہ اور خصومتِ خویش و بیگانہ سے بچنے کے لیے ہمیشہ دور و دراز اور پوشیدہ سے پوشیدہ مقامات میں اپنی سکونت اختیار کرو۔ کیونکہ ہر زمانہ میں ہر ولی خدا کا ایک دشمن بھی ضرور پیدا کیا گیا ہے اور وہ اُس ولی خدا کی مخالفت میں ہمیشہ اُسکے ساتھ نزاع اور مخاصمت پر کمربستہ رہا کرتا ہے۔ اور اُس کی مخالفت کی یہ وجہ ہوتی ہے کہ وہ خاصۂ الٰہی معاندین اور مخالفین کے ساتھ جہاد کرنیکو اپنا فرض سمجھا کرتا ہے۔ اِس اعتبار سے اے فرزندِ گرامی قدر! تمکو تمہارے دشمنوں کی کثرت متردد اور خائف نہ کردے۔ تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ آفرینشِ عالم کے وقت سے لیکر اِس وقت تک اولیاء اللہ سلام اللہ علیہم کے یہی طریقے ثابت ہوتے آئے ہیں۔ اور یہ بھی یقین کرلو کہ اہلِ خلوص وعقیدت کے قلوب تمہارے جمالِ جہاں آرا کے ایسے مشتاق ہیں جیسے طائرِ گُم کردہ آشیان اپنے آشیانہ کے شائق اور آرزومند ہوتے ہیں۔ اور خالص الاعتقاد اور کامل الخلوص وہی حضرات ہیں جو دنیا میں ظاہری طور پر نہایت معمولی اور گئی گزری حالتوں میں بسر کرتے ہیں۔ مگر خدائے سبحانہ وتعالٰی کی درگاہ میں اُنکے بڑے بڑے اعتبار اور اقتدار ہیں۔ وہ اپنے پیدا کنندہ کی نگاہ میں ضرور عزیز تر ہیں۔ گو وہ خلائق کی آنکھوں میں کیسے ہی ذلیل وحقیر اور پریشاں حال ومحتاج سمجھے جاتے ہوں۔ وہ اہلِ طہارت اور قناعت ہیں اور دنیا کی مخلوق اُنکی قناعت کو فقر اور ناداری کے معنوں میں سمجھتی ہے اور یہ وہی لوگ ہیں کہ جو دینِ الٰہی کو مستنبط کرتے ہیں اور وہ دشمنانِ دین کے ساتھ مجاہدہ پر آمادہ اور تیار ہیں۔ خدائے سبحانہ وتعالٰے نے اُن کو ظلم وستم کے تحمّل کے ساتھ خاص طور پر موصوف ومخصوص پیدا کیا ہے اور وہ ہمیشہ دنیا میں انہی صفات کے ساتھ رہینگے جبتک کہ خدائے واہب العطایا اُنکو دارالقرار بہشت کے دائمی قیام پر مشرف اور معزز فرمائے۔ اُن کی طبیعتوں میں صبر وشکیبائی کی مخصوص صفات اِس لیے پیدا کیگئی ہیں کہ وہ ظلم وایذا کے وقوع کے وقت اپنے صبر وشکیبائی کے جوہر دکھلائیں اور دنیا کے تمام مصائب کو نہایت خاموشی کے ساتھ برداشت کرجائیں۔ تا اینکہ اِن تمام مراحل کو طے فرماکر برکات وحسناتِ عقبےٰ پر فائز المرام ہوں۔ اے فرزندِ ارجمند بلاؤ مصیبت اور ذلّت وحقارت کے تمام تاریک

امور کو تم صبر و شکیبائی کے انوار سے منور کرو۔ تا اینکہ خدائے ارحم الراحمین وہ بلاؤ مصیبت تم سے اٹھالے اور یہ بھی یقین کر لو کہ جتنے مصائب اور بلائیں تم پر گزری ہیں وہ سب حقیقت میں تمہاری عزت و وقعت کا باعث ہے۔ اِس لیے کہ تم تمام دنیا میں نیکبخت اور سعادتمند مشہور ہو۔ اور اِسی وجہ سے تمام مقامات پر تمہاری توصیف و تعریف بیان کیجاتی ہے۔ اے فرزندِ سعید! گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ زمانہ آگیا ہے کہ تم تائیدِ ربانی سے موید کیے گئے ہو۔ اور اُسکی وجہ سے تم اپنے دشمنوں پر فتح و ظفر۔ عزت و غلبہ پا گئے ہو۔ اور گویا زرد اور سفید علم حطیم اور زمزم کے درمیان تمہارے چاروں طرف دیکھ رہا ہوں۔ خداوندِ عالم نے جنکے قلوب کو خالص محبت اور مبارک طینت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اُنکو خباثت اور نفاق کی تمام غلیظ اور آلودہ اشیاء سے پاک و صاف پیدا کیا ہے وہ طریقۂ دینِ الٰہی اور اُس کے اوامر و نواہی کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ اور اُنکے قلوب عام فتنۂ و فساد اور ظلم و تعدّی وغیرہ سے ہمیشہ دور رہتے ہیں۔ اور بوجہ قبولیت درگاہِ الٰہی کے اُن کے چہرے ہمیشہ منوّر اور روشن رہتے ہیں۔ اُن کے جسم فضل و ہنر کے باعث سے ہمیشہ مضبوط اور تر و تازہ رہتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو دینِ حق پر ایمان لائے ہیں۔ اور یہی لوگ غایت اشتیاق سے ایک دوسرے پر گر پڑ کر تمہاری بیعت اختیار کرینگے۔ اور تمہاری الفت و محبت میں نہایت صفائی اور رسوخ سے کام لیتے ہیں۔ اور تمہارے پاس مثل موتیوں کے جمع ہوتے ہیں۔ اور اپنی پناہ و حفاظت کے لیے تمہارے گھر کی طرف وہ اپنی آنکھیں اِس طرح اُٹھاتے ہیں جیسے حجر الاسود کی طرف ہاتھ اُٹھاتے ہیں۔ خداوندِ تعالےٰ نے اُنکے جسموں کو قوی اور اُنکی عمروں کو طویل بنایا ہے۔ اور وہ ایک درختِ سایہ دار کے نیچے جسکی شاخیں بہت لمبی ہوتی ہیں۔ اُس مقامِ خاص میں جو بحیرۂ طبریّہ کے اطراف میں واقع ہے۔ تم سے بیعت کرتے ہیں۔ اور اِن بزرگواروں کے اجماع کی وجہ سے اہلِ بدعت و ضلالت کے قوم و قبیلہ کے لوگ متفرق اور پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ اِسی زمانہ میں حقیقت کی صبح روشن ہوتی ہے اور شامِ جہالت و ضلالت کی تاریکی زائل ہوتی ہے۔ اور اِن سامانوں سے خداوندِ عالم فتنۂ و فساد اور طغیان کو دنیا سے اُٹھالیگا۔ اور دین و ایمان کے طریقوں کو محو ہو جانیکے بعد پھر حالتِ اوّل پر لے آئیگا۔ اور یہ تمام امور ایک تمہارے باعث سے ہونگے۔ کیونکہ انسان اُس زمانہ میں امراضِ روحانی میں مبتلا ہونگے۔ مگر تمہارے رفقا اور اعوان و انصار کو اِن امراض سے کوئی اثر نہیں پہنچیگا۔ وہ بالکل صحیح و سالم رہینگے۔ اور تمہاری عام قبولیت کا اُس وقت یہ عالم ہوگا کہ ایک بچّہ تک جو اپنے گہوارے میں ہوگا وہ بھی تم سے بیعت کرنیکے لیے گہوارے سے حاضر ہونیکی آرزو کریگا۔ لیکن وہ جو صراطِ مستقیم سے علحدہ اور بہائم کی طرح عالمِ وحشت میں گرفتار ہوگا وہ البتہ تمہاری طرف مائل نہو گا۔ باقی تمام دنیا تمہاری خدمت سے تحصیلِ سعادت کر کے اپنی زندگی چین سے بسر کریگی۔ تمہاری وجہ سے عزت و ثروت کی شاخیں تر و تازہ ہونگی اور اپنے جوشِ مسرت میں فرطِ محبت سے جھومنے لگینگی۔ اور عزت و وقعت کی عمارت اپنے مقام پر قیام و قرار کریگی۔ اور احکامِ شرعیہ اور نصابِ دینیہ کے مرغانِ

گم کردہ آشیاں تمہاری عنایت و اعانت کی وجہ سے پھر اپنے اپنے سابق مقام پر پہنچ جائینگے۔ سحاب فتح و ظفر تمہارے لیے برسائے جائینگے۔ اُس وقت تم اپنے دشمنوں کے گلے گھونٹ ڈالو گے۔ اور اپنے رفقاءِ اصحاب کی امداد و اعانت فرماؤ گے۔ پس اُسی زمانہ میں تمام روئے زمین پر کوئی ایسا ستمگار نہیں رہیگا جو امرِ حق سے عدول کرنیوالا ثابت ہوتا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا منکر معلوم ہوگا جو احکامِ حقّہ کو ذلیل و حقیر جانتا ہو۔ نہ تمہارا کوئی دشمن رہیگا اور نہ عیب لگانیوالا۔ اور نہ تمہارا کوئی ایسا مخالف موجود پایا جائیگا جو تمہارے امور سے اعراض و اغماض کرے۔ پس جو بندہ کہ تفضلاتِ الٰہی پر توکل اختیار کرتا ہے خدا اُس کی مدد کرتا ہے کیونکہ خدائے قادر و توانا جس شے کا ارادہ کرتا ہے وہ اُس کی قدرت سے پورا اور مکمل ہو جاتا ہے۔

یہ تقریر بیان کرکے راویٔ حدیث۔ ابراہیم ابن مہزیار کا بیان ہے کہ جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام نے نہایت تاکید کے ساتھ مجھے ہدایت فرمائی کہ میں اِس صحبت کو ہمیشہ مخفی اور پنہاں رکھوں مگر وہ حضرات جو اہلِ دیانت و صداقت ہیں اور اخوت و یکجہتی دینی میں داخل ہیں اُن سے بیان کرنے میں البتہ کوئی مضائقہ نہیں۔ بحارالانوار مطبوعۂ تبریز صفحہ ۱۸۴۔

اِس طول و طویل اور پُر تفصیل حدیث سے آپ کی غیبت کے تمام وجوہ۔ مصالح جو ظاہری طور پر اسکے باعث معلوم ہوتے ہیں سمجھ میں آگئے۔ مگر باطنی طریقہ سے اِسکے وجوہ اور یقینی اسباب دریافت کرنیکے لیے ہمارے پاس کوئی ذریعہ یا قرینہ نہیں ہے جس سے ہم اِن اسباب و وجوہ کی علت اور غایت معلوم کرسکیں بہرحال۔ ہمارا دعوے جو اسبابِ غیبت کے متعلق کیا گیا تھا۔ اِس حدیث سے کافی طور پر معلوم ہوگیا۔ اِن اسباب کی بحث کو ختم کرکے اب پھر ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ رؤیت اور نفاذِ احکامِ شریعت جو خاص خاص معتمدین کو وقتاً فوقتاً حاصل ہوا کرتے تھے اب بالکل ممنوع اور مقطوع ہو گئے۔ اُنکے مصالح اور وجوہ وہی تھے جو اوپر لکھے گئے۔ اور جو آپکی زبانِ صداقت ترجمان سے کماحقّہ مترشح ہو چکے ہیں۔ کوتاہ فہم انسان کے سمجھنے کیلیے اتنا ہی کافی ہے کہ اسرارِ الٰہی کے متعلق جو تھوڑا بہت ظاہری طور سے اُسکو معتبر اور مستند ذرائع سے معلوم ہوگیا ہے وہی غنیمت ہے۔ ورنہ اُسکے محدود فہم میں اتنی سمائی ہے جو اُس کے تمام رموز کی اصلیت سمجھے اور نہ اُس کے مقیّد ادراک و شعور میں اتنی رسائی کہ اُس کے تمام غوامض کی حقیقت تک پہنچے۔ بندہ کی شان یہی ہے کہ وہ اُتنے ہی تفویضِ ایزدی کا ہزاروں لاکھوں شکر ادا کرے اور اِسی ہی سے اپنے قلب کا اطمینان اور دل کی تسکین کرلے۔ اِس سے زیادہ کی ہوس اُس مُشتِ خاک کی بساط سے کہیں باہر ہے اور وہ ہرگز اِس کے شایاں نہیں۔

بہرحال۔ غیبتِ صغرےٰ کے تمام حالات۔ واقعات اور اسباب جہانتک اخبار و آثار کے معتبر ذریعوں سے معلوم ہوئے ہیں بتلا دیے گئے۔ اب غیبتِ کبرےٰ کے متعلق جو کچھ لکھنا ہے وہ یہ ہے۔

غیبت کبرٰے میں امام علیہ السّلام کی رؤیت

یہ امر ظاہر ہو چکا ہے کہ غیبتِ کبرٰے میں یہ فیوض و مراحمِ ربّانی بھی جاتے رہے جو غیبتِ صغرٰے کے ایّام میں آپ کی ذاتِ مجمع الحسنات سے حاصل ہوا کرتے تھے۔ دنیا تاریک ہو گئی۔ وسعتِ عالم میں اندھیرا چھا گیا۔ کفر و الحاد اور ضلالت و ارتداد کے سر بفلک طوفان اُٹھنے لگے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے مشیّتِ ایزدی نے انہی مصالح پر نظر کرکے غیبتِ کبرٰے کا حکم نافذ فرما دیا۔ اور اپنی اُس حجّتِ آخر کو جس سے نظامِ مشیّت نے نظامِ امّت کو متعلق کیا تھا ایک ایسے مقام میں اپنے حجابِ قدرت کے اندر چھپا لیا جس کا علم سوائے اُسکے کسی اور کو نہیں ہے۔ اور رؤیت وغیرہ کے تمام ابواب مسدود فرمادیے مگر ان تمام قیود پر بھی اُس ارحم الرّاحمین نے اپنے بندوں کے لیے جنکا ہدایت پانا اور ایمان لانا آپکی رؤیت پر موقوف اور منحصر تھا۔ یا ایسے راسخ الایمان اور خالص الاعتقاد حضرات کے واسطے جو آپ کے اشتیاقِ لقا میں بالکل تارکِ دنیا ہو بیٹھے تھے۔ اور اپنے خلوص و عقیدت اور رنج و مصیبت کی تمام آزمائشوں میں کامل اُتر چکے تھے رؤیت کا اذن دیدیا جانا منظور کر لیا تھا۔ کیونکہ رؤیت ایسے ناگزیر وقتوں میں نہایت ضروری اور لازمی ہو جاتی تھی۔ معرفت اور احیائے شریعت کے تمام امور اُسپر موقوف ہو جاتے تھے۔ اس لیے ایسے ایسے اوقاتِ مخصوصہ میں نظر بمصالح یمحو اللہ ما یشاء ویثبت ایسے خوش قسمت حضرات کو زیارت و رؤیت کے شرفِ مخصوصہ سے مشرف و ممتاز فرما دیا جاتا تھا۔ یہ امور ایسے نہیں ہیں جن کی مثال صرف حضرت قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام ہی کے حالات میں پائی جاتی ہو۔ بلکہ یہ ایسے واقعات ہیں جو حضرات انبیاء و اولیاء صلوات اللہ علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہم السّلام کے مبارک حالات میں بھی اکثر پائے جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے آثارِ قدیمہ اور اخبارِ ماضیہ کو پڑھا ہے وہ ان امور کو بخوبی جانتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں جنابِ خضر علیہ السّلام اور حضرت موسےٰ علےٰ نبیّنا وآلہ و علیہ السّلام کی زیارت اور باہمی مجالست و مکالمت کی پوری کیفیت مذکور ہے۔ اور کتاب الاسفار توریتِ مقدّس میں جنابِ داؤد علیہ السّلام اور حضرت ارمیا علیہ التّحیۃ والثنا کی ملاقات کا حال مسطور ہے

بہر حال۔ انہی قدیم اصول کے مطابق نظامِ مشیّت نے آپ کی غیبت کے زمانہ میں بھی ایسے موقع اور ضرورت کے وقتوں میں ایسے خلوص و عقیدت اور خوش قسمت حضرات کو رویتِ امام علیہ السّلام کے لیے ماذون کر دیا چنانچہ اس وقت ہمارے موجودہ دعوے کی تصدیق میں کثیر التّعداد واقعات پیشِ نظر ہیں۔ جن سے بلا تامل معلوم ہو جاتا ہے کہ غیبتِ کبرٰے کے موجودہ زمانہ میں بھی بہت سے کامل الولا اور صاحبانِ صدق و صفا نے آپکے جمالِ جہاں آرا کی زیارت کا شرف حاصل کرکے اپنا مقصودِ قلبی اور مطلبِ دلی حاصل کیا ہے۔ ہم ان تمام واقعات کی پوری تفصیل سے قطع نظر کرکے ذیل میں چند واقعات جن کو امام قندوزی نے اپنی مستند کتاب ینابیع المودہ میں درج فرمایا ہے قلمبند کرتے ہیں۔

غیبت کبریٰ میں رؤیت کے واقعات

شیخ الاسلام قسطنطنیہ امام سلیمان قندوزی نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ میں ایک علیحدہ باب اِس عنوان کے ساتھ تحریر فرمایا ہے فی بیان من رای صاحب الزّمان المھدی علیہ السّلام بعد غیبۃ الکبریٰ ہم مندرجہ عنوان سے ذیل کے واقعات منتخب کرتے ہیں۔

عن غانم الھندی قال اتیت بغداد فی طلب المھدی علیہ السّلام وقد مشیت علی الجسر مفکّراً این اجدہ اذا تانی ات فقال لی اجب مولاك فلم یزل یمشی معہ حتیٰ ادخلنی دارا وبستانا فاذا مولای قاعد افلما نظر الیّ قال یاغانم اھلاً وسھلاً فکلّمنی بالھندیہ وسلّم علیّ وقال انت ترید الحج فی ھٰذہ السّنۃ مع اھل قم فلا تحج فی ھٰذہ السّنۃ وانصرف الی خراسان وحج من عام قابل والقیٰ الی صُرّۃ وقال اجعل ھٰذہ نفقتك ولا تخبر لشئیٍ مما رأیت۔ (ینابیع ص ۳۸۲ بمبئی)

غانمِ ہندی کا بیان ہے کہ ہم بھی جناب امام الزّمان علیہ السّلام کے اشتیاق میں ایک مدّت سے حیران وسرگردان پھرتے تھے یہانتک کہ شہر بغداد میں پہنچے۔ ایک دن بغداد کے پُل پر ہم اسی فکر وتردّد میں ٹہل رہے تھے کہ وہ کونسی ترکیب کیجائے کہ امام علیہ السّلام کی زیارت حاصل ہو۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ چلو تم کو تمہارے مولا بُلاتے ہیں۔ یہ سُنکر ہم شادان وفرحاں اُسکے ساتھ چلے۔ یہانتک کہ ہم ایک باغ اور مکان میں پہنچے۔ ہم نے وہاں ایک جوانِ رعنا کو استادہ پایا۔ جس وقت اُسنے ہمیں دیکھا فرمایا اہلاً وسہلاً۔ پھر اتنا فرماکر آپ نے ہمارے سلام کا جواب دیتے ہوئے ارشاد کیا کہ کیا تم امسال مؤمنین کے ساتھ حج بیت اللہ کا قصد رکھتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں۔ ارشاد فرمایا کہ تم امسال حج نہ کرو بلکہ امسال زیارتِ مشہدِ مقدّس پر اکتفا کرو۔ سالِ آیندہ حج سے مشرّف ہولینا۔ اتنا فرماکر ایک روپیوں کی تھیلی ہم کو دی اور ارشاد فرمایا کہ اسے اپنی ضرورتوں میں صرف کرنا۔ اور جو کچھ تم نے یہاں دیکھا ہے کسی سے ذکر نہ کرنا۔

(۲) عن محمّد ابن شاذان الکابلی قال کنت لم ازل اطلب المھدی علیہ السّلام واقمت فی المدینۃ ولا ذکرتہ لاحد الا استھزنی فلقیت شیخا من بنی ھاشم وھو یحییٰ بن محمّد العریضی فقال لی ان الّذی بصریا ودخلت فی الدکان فزجرنی غلام اسود وقال قم من ھٰذا المکان فقلت لا اخرج فدخل الدّار ثمّ خرج وقال لی ادخل فدخلت فاذاً مولای قاعد بوسط الدّار وسمّانی باسم لم یعرفہ احد الّا اھلی بکابل واخبرنی باشیاء ثمّ انصرف عنہ ثمّ اتیت السنۃ الثانیۃ فلم اجدہ۔

محمد ابن شاذان کابلی بیان کرتے ہیں کہ میں بھی جنابِ امام صاحب العصر والزّمان علیہ السّلام کے اشتیاق میں دیار وامصارِ مختلفہ سے پھرتا پھرتا مدینۃ النبی صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں مقیم ہوا۔ یہاں جس شخص نے

میرے مدعائے دلی کو سُنا وہ مجھ پر ہنسا اور مجھ سے مزاح کرنے لگا۔ یہانتک کہ میں سادات بنی ہاشم میں سے ایک سن رسیدہ بزرگ سے مِلا جنکا نام یحیےٰ ابن محمد العریضی تھا۔ اُن کے ساتھ میں دُکان پر گیا۔ وہاں ایک غلامِ حبشی نے مجھے اندر جانے سے منع کیا مگر یحیےٰ نے اُسکو ڈانٹا اور مجھے اندر لے گئے۔ میں نے اندر جاکر دیکھا تو (جناب امام صاحب الزمان علیہ السلام) میرے مولا وہاں وسطِ مکان میں استادہ ہیں۔ مجھ کو آتا ہوا پاکر آپ نے مجھ کو اُس نام سے پکارا جس کو سوائے میری بی بی کے جو اُس وقت کابل میں تھی اور کوئی دوسرا شخص نہیں جانتا تھا۔ اور پھر مجھ کو آپ نے بہت سی ایسی چیزوں کی بھی خبر دی جو مجھے اس وقت تک معلوم نہیں تھی۔ اسکے بعد ہم آپ کی خدمت سے رخصت ہو کر چلے آئے۔ دوسرے سال ہم پھر مدینۂ منورہ میں گئے، تو آپ کو اُس مقام پر نہ پایا۔

(۳) عن الحسن ابن وجنا النصیبی قال کنت ساجدا تحت المیزاب فی رابع اربعة خمسین حجة منی وانا اطلب صاحب الزمان بالتضرع والدعاء اذ حرکتنی جاریة فقالت قم یا حسن فمشت معی حتی اتت بی دار خدیجة رضی اللہ عنہا فوقفت بالباب فقال لی صاحب الزمان علیہ السلام یا حسن واللہ ما من حج حججت الا وانا معك فی حججك فالزم دار جعفر بن محمد الباقر علیہما السلام ولا یھمنك طعامك وستر عورتك وعلمنی دعاء وقال ادع وصل علی ولا تعطه الا محق اولیائی ولزمت ذلك الدار ولم ازل اجد فیہا وقت افطاری ماء ورغیفا وادما واجد کسوة الشتا فی الشتا وکسوة الصیف فی الصیف۔ (ینابیع ص ۳۸۷)

حسن ابن وجنائے النصیبیؒ کا بیان ہے کہ میں بیت اللہ شریف میں میزابِ مقدس کے نیچے سربسجدہ تھا۔ اُس وقت تک میں چوّن ۵۴ حج کر چکا تھا۔ اور میں اُن دنوں جناب امام صاحب العصر علیہ السلام کی زیارت کا ازحد طالب تھا۔ اور خدا سے اِس حصولِ سعادت کے لیے دعائیں مانگ رہا تھا کہ اتنے میں ایک لونڈی آئی اور اُس نے مجھے حرکت دیکر کہا کہ اے حسن اُٹھو اور میرے ہمراہ چلو۔ یہ سنکر میں شاد و مسرور ہو کر اُس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھ کو جناب صدیقۂ کبرٰے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں لے آئی۔ اور مجھ کو دروازہ پر کھڑا کر دیا۔ وہ اندر چلی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد باہر آکر کہنے لگی کہ چلو اندر بُلایا ہے میں نے اندر جاکر حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کو صحنِ مکان میں استادہ پایا۔ آپ نے مجھے دیکھکر ارشاد فرمایا کہ اے حسن تمہارے حجوں میں سے کوئی حج ایسا نہیں گزرا ہے جس میں میں تمہارے ساتھ شریک نہ ہوا ہوں۔ اب تم مکانِ جناب امام جعفر ابن محمد علیہما السلام میں جاکر قیام کرو۔ اور اپنے کھانے پینے کی ضروریات بھی فراہم نہ کرو۔ اور اپنے عورتین کی حفاظت کرو۔ اور پھر ہم کو آپ نے ایک دعا تعلیم فرمائی اور ارشاد کیا کہ یہ دعا پڑھا کرو اور مجھ پر درود بھیجا کرو۔ اور سوائے مومنین مستحقین کے کسی اور کو اِس عمل کی تعلیم نہ دینا۔ بس میں اُسی گھر میں فروکش ہوا۔ مجھ کو وہاں کھانے کے لیے کھانا۔ پینے کے لیے پانی مِلا کرتا تھا۔

اِس واقعہ کو مجلسی علیہ الرحمہ نے کسی قدر اضافہ کے ساتھ بحارالانوار جلد سیزدہم ۱۳ میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

(۴) عن علی ابن محمد الکوفی عن الازدی قال بینا انا فی طواف فاذا شاب حسن الوجہ طیب الرایحۃ یتکلم الیّ فقلت یا سیدی من انت قال انا مھدی وانا صاحب الزمان وانا القائم الذی املاء الارض عدلا کما ملئت جورا ان الارض لا تخلوا من حجۃ ولا یبقی الناس فی فترۃ فھذہ امامۃ لا تحدث بھا الا اخوانک من اھل الحق ثم القی حصاۃ الی فاذا سبکۃ ذھب وقال بعضھم انہ یظھر فی

علی ابنِ احمد کوفی ازدی سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے طوافِ بیت اللہ زاد اللہ شرفاً کی خاص حالت میں ایک جوانِ خوشرو اور خوشبو کو دیکھا۔ اُس نے مجھے پکارا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ آپ کون صاحب ہیں؟ فرمایا کہ میں مہدی (علیہ السّلام) ہوں۔ اور میں ہی امام آخرالزمان (علیہ السلام) ہوں اور میں وہی قائم ہوں کہ جو دنیا کو عدل و انصاف سے مملو کر دیگا جس طرح اس سے قبل ظلم و ستم سے بھری ہوگی۔ یقین کر لو کہ کبھی زمین حجّتِ خدا سے خالی نہیں رہتی۔ اور کبھی انسان ایّامِ فطرت میں تنہا چھوڑا نہیں جاتا۔ یہ اُسی امامت کا زمانہ ہے۔ اسکو سوائے برادرانِ فرقۂ حقہ کے اور کسی سے ذکر نہ کرنا۔

(۵) عن راشد الھمدانی قال لما انصرفت من الحج ظللت الطریق فوقعت فی ارض خضراء نضرۃ وتربتھا الطیب وفیھا فساط فلما بلغتہ رایت الخادمین وقالا اجلس فقد اراد اللہ بک خیرا فدخل احدھما خرج فقال ادخل فدخلت فاذا فتی جالس وقد علق فوق راسہ سیف طویل فسلمت علیہ فرد السلام علیّ فقال من انا فقلت لا اعلم فقال انا القائم انا الذی اخرج فی آخر الزمان بھذا السیف فاملاء الارض قسطا وعدلا کما ملئت جورا وظلما فسقطت علی وجھی فقال لا تسجد غیر اللہ ارفع راسک وانت راشد من بلد ھمدان اتحب ان ترجع الی اھلک قلت نعم وناولنی صرۃ واوحی الی الخادم فھو مشی معی خطوات فرایت اسد آباد فقال ھذہ اسد آباد امض یا راشد فالتفت فلم ارہ فدخلت اسد آباد فی الصرۃ خمسون دینارا فدخلت ھمدان وبشرت باھلی ولم نزل بخیر ما بقی معنا من تلک الدنانیر۔

(ص ۳۰۸ بمبئی)

ارشد ہمدانی کا بیان ہے کہ جب میں حجِ بیت اللہ زاد اللہ شرفاً سے فارغ ہوا تو واپسی میں راہ بھول گیا۔ اور ایک بار ایک زمینِ سبز و شاداب میں میرا گذر ہوا۔ وہ نہایت پُر فضا مقام تھا۔ اور وہاں کی زمین (مٹی) بھی نہایت خوشبودار تھی۔ اور وہاں ایک خیمہ بھی نصب تھا۔ جب میں کچھ اور آگے بڑھا تو میں نے دو غلاموں کو دیکھا۔ اُنہوں نے مجھ کو دیکھکر کہا کہ ٹھہرو اور بیٹھ جاؤ۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ نے

تیرے ساتھ نیکی کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ پس اُن میں سے ایک شخص اُس خیمہ میں داخل ہوا اور فوراً باہر آیا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ چلے چلو۔ میں اندر گیا تو میں نے ایک جوانِ رعنا کو اندر بیٹھے دیکھا۔ اُس کے گلے میں ایک طویل سیف حمائل تھی۔ میں نے اُس پر سلام کیا۔ اُس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے استفسار کیا کہ آپ کون بزرگ ہیں؟ ارشاد ہوا کہ کیا تو نہیں جانتا کہ میں وہ قائم آلِ محمد (علیہ السلام) ہوں جو زمانہٗ آخر میں اِس تلوار سے تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح پُر اور مملو کر دونگا جس طرح اِس سے قبل ظلم وستم سے بھری ہوگی۔ یہ سُنکر میں اپنے مُنہ کے بھل گر پڑا۔ یہ دیکھکر آپ نے فرمایا سوائے خدائے سبحانہ وتعالےٰ وتقدّس کے کسی اور کو سجدہ نہ کیا کرو۔ اپنا سر اُٹھالے۔ تیرا نام راشد ہے۔ اور تو شہر ہمدان کا رہنے والا ہے۔ آیا تیری خواہش ہے کہ تو پھر اپنے اہل وعیال میں پہنچ جائے؟ میں نے عرض کی ہاں میرے مولا! میری ایسی خواہش ضرور ہے۔ پھر اِس کے بعد آپ نے مجھے ایک صرہ عنایت فرمایا اور مجھ کو اپنے ایک خادم کے ہمراہ کر دیا۔ وہ میری آنکھیں بند کر کے چند قدم لے چلا اور پھر مجھ سے کہا کہ راشد! آنکھیں کھولدے۔ تو اسد آباد میں پہنچ گیا۔ اب میں جو اپنی آنکھیں کھولکر دیکھتا ہوں تو واقعی میں اسد آباد میں پہنچ گیا مگر میرا ہمراہی غائب ہے۔ اور اُس تھیلی میں پچاس دینار سپے ہوئے ہیں۔ میں اپنے وطن ہمدان میں داخل ہوا۔ اور اپنے اہل وعیال کو اپنے آنیکی بشارت دیدی۔ جبتک یہ روپیہ میرے پاس باقی رہا سوائے خیر وخوبی کے اور کسی شے سے مجھ کو مقابلہ نہیں ہوا۔

(۶) عن ابی نعیم الانصاری قال کنت فی مسجد الحرام فی الیوم السّادس من ذی الحجة سنة ثلٰث وتسعین ومأتین اذا رأینا شابا فقمنا الھیبته فجلس وقال اتد رون ماکان جعفر الصّادق علیہ السّلام یقول فی دعائه قلنا وما کان یقول قال کان یقول۔

ابو نعیم انصاری کا بیان ہے کہ میں نے ۷ر تاریخ ماہ ذی الحجہ ۲۹۳ ہجری کو مسجد الحرام میں ایک جوانِ رعنا کو دیکھا اور ایکبارگی اُسکی ہیبت وعظمت میرے دل میں ایسی سمائی کہ میں اُسے بیان نہیں کر سکتا۔ وہ ہمارے پاس بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ کیا تم کو جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی وہ دعا نہیں پہنچی ہے جو آپ سے منقول ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ وہ یہ ہے۔

اللّٰھم انّی اسئلك باسمك الّذی به تقوم السّمآء والارض به تفرق بین الحقّ والباطل وبه یجمع بین المتفرق وبه تفرق بین المجتمع وبه احصیت عدد الرّمال وزنة الجبال وکیل البحار ان تصلّی علیٰ محمّد وّاٰل محمّد وان تجعل لی من امری فرجا ومخرجا ثم انصرف۔

(ینابیع المودّة)

اے پروردگار! میں تجھ سے اُن اسمائے مقدّسہ کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں جنکے باعث سے آسمان وزمین قائم ہوئے ہیں۔ جن کے باعث سے حق وباطل کا فرق ہوتا ہے۔ جنکی وجہ سے متفرق اور پراگندہ لوگ جمع

ہوتے ہیں جنکے ذریعے سے مجموع میں انفراق و اختلاف واقع ہوتا ہے۔ اور جن کے وسیلہ سے ریگ بیابان کی اعداد۔ پہاڑوں کے اوزان۔ اور دریاؤں کے پانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ درود بھیج محمدؐ و آلِ محمدؐ پر۔ میرے جملہ امور کو کشادہ اور آسان فرما۔ یہ بتلا کر وہ جوانِ رعنا روحی لہ الفدا چلا گیا۔

(۷) فلمّا کان الغد فی ذٰلک الوقت خرج من الطّواف وجلس وقال لنا اتدرون ما کان یقول امیر المؤمنین علیہ السّلام فی الدّعاء بعد الفریضۃ قلنا وما کان یقول قال کان یقول۔

پھر دوسرے دن اُسی وقت طواف سے فراغت کرکے وہی جوانِ قبول صورت پھر تشریف لائے۔ اور فرمانے لگے کیا تم کو جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی دعا نہیں پہنچی ہے؟ میں نے کہا کہ وہ کونسی دعا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ دعا ہے جو بعد فریضہ کے پڑھی جاتی ہے۔ وہو ہذا۔

اللّٰھمّ الیک رفعت الاصوات ودعیت الدّعوات ولک عنت الوجوہ ولک خضعت الرّقاب والیک التحاکم فی الاعمال یاخیر من سئل وخیر من اعطی یاصادق یاباری یامن لایخلف المیعاد یامن امر بالدعاء وتکفل بالاجابۃ یامن قال ادعونی استجب لکم یامن قال واذا سئلک عبادی عنّی فانّی قریب اُجیب دعوۃ الدّاع اذا دعان فلیستجیبوالی ولیؤمنوابی لعلّھم یرشدون یامن قال یاعبادی الّذین اسرفوا علٰی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ انّ اللہ یغفر الذّنوب جمیعا انّہٗ ھو الغفور الرّحیم۔

اے پروردگار! تیری ہی طرف سب کی آوازیں جاتی ہیں۔ تجھی سے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ تیرے ہی سامنے رخسارے رکھے جاتے ہیں۔ تیری درگاہ میں خضوع وخشوع بجا لایا جاتا ہے۔ تمام اعمال میں تیرا ہی حکم مانا جاتا ہے۔ اے تمام سوال کیے جانیوالوں سے بہتر۔ اور اے تمام عطا کرنیوالوں سے بہتر۔ اے سچے اور اے عفو فرمانیوالے اے وہ جو کبھی اپنے وعدے سے خلاف نہیں کرتا۔ اے وہ جو دعا کرنیکے لیے بھی حکم کرتا ہے۔ اور قبول فرمانیکا بھی وعدہ فرماتا ہے۔ اے وہ کہ جس نے فرمایا ہے مجھ سے دعا کرو کہ میں قبول کرونگا۔ اے وہ کہ جسنے ارشاد فرمایا ہے جس شخص نے جو کچھ مجھ سے طلب کیا میں اُس سے قریب ہوں۔ اُسکی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ جس دم وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔ پس دین کو قبول کرو۔ اور مجھ پر ایمان لاؤ کہ تم ہدایت وارشاد یافتہ ہو۔ اور اے وہ جو ارشاد فرماتا ہے اے میرے بندو! جو اپنے نفوس پر اسراف کرچکے ہو خدا کی رحمتوں سے ناامید نہو خداوندِ تبارک وتعالےٰ تمام گناہوں کا بخشدینے والا ہے کیونکہ وہ بہت بڑا بخشنے والا اور رحم کرنیوالا ہے۔

ثمّ قال اتدرون ما کان امیر المؤمنین علیہ السّلام یقول فی سجدۃ الشکر قلنا وما کان یقول قال یقول۔

پھر اُس جوانِ عظیم الشان نے فرمایا کہ جناب امیر المؤمنین علی علیہ السّلام جس دعا کی سجدۂ شکر میں تلاوت اور مزاولت فرماتے تھے وہ تم تک پہنچی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا وہ کون دعا ہے؟ کہا یہ ہے۔

یامن یزیدہ الحاح الملحّین الّا کرما وجودا یا من لہ خزائن السمٰوٰت والارض یا من لہ فضل العظیم لا تمنعک اسائتی من احسانک الیّ اسئلک ان تفعل بی ما انت اھلہ وانت قادر علی العقوبۃ وقد استحقتھا لا حجّۃ لی عندک اتوءالیک بذنوبی کلّھا واعترف بھا کی تعفو عنّی وانت اعلم بھا منّی برائت الیک بکلّ ذنب اذنبتہ الیک وکلّ خطیئہ اخطاھا وکلّ سیئۃ عملتھا یا ربّ اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت اعزّ الاکرم۔

رونیوالوں کی گریہ وزاری سوائے تیرے کرم وجود کے اضافہ کے اور کوئی اضافہ نہیں کرتی۔ اے وہ تبارک و تعالےٰ جس کے پاس آسمان وزمین کے خزانے ہیں۔ اے وہ جسکے فضل بہت بڑے اور وسیع ہیں۔ میرے گناہ مجھے تیرے اُن احسانات کے ملنے سے نہیں روک سکتے جن کے لیے میں تیری جناب میں استدعا کرتا ہوں۔ تو میرے ان امور میں ویسا ہی کر جس کا کہ تو شایان وسزاوار ہے۔ تو ہر قسم کے عذاب پر قادر ہے۔ تجھ کو اُن عذابوں کا پورا استحقاق ہے مجھ کو تیری جناب میں کوئی حجت حاصل نہیں ہے۔ اور نہ تیری درگاہ میں مجھے کوئی عذر کرنیکا موقع ہے۔ میں اپنے تمام گناہ تیری خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اور اُنکی نسبت اپنا اقرار کرتا ہوں۔ اسی لیے کہ تو اُنہیں معاف فرما دے۔ اور تو اُنکو سب سے بہتر جاننے والا ہے۔ میں اُن تمام گناہوں سے جو عمل میں لا چکا ہوں بری ہوتا ہوں۔ اور اُن تمام خطاؤں سے جو مجھ سے سرزد ہو چکیں اور اُن تمام بُرائیوں سے جو بجالایا۔ اے میرے پروردگار! تو مجھے بخشدے۔ اور تو مجھپر رحم فرما۔ اور اُن تمام امور سے درگزر فرما جن کو تو سب سے اچھا جانتا ہے۔ کیونکہ تو سب سے زیادہ عزیز تر اور مہربانی کرنیوالا ہے۔

ثم عاد من غد فی ذٰلک الوقت فجلس وقال کان علی ابن الحسین علیہما السلام سیّد العابدین یقول فی سجودہ فی ھٰذا الموضع واشار بیدہ الی الحجر الاسود۔

پھر اسکے بعد دوسرے دن اُسی وقت پھر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ جناب علی ابن الحسین علیہما السلام امام زین العابدین علیہ السلام سجدہ کی حالت میں اس مقام پر (حجر الاسود کی طرف دستِ مبارک سے اشارہ فرماکر) یہ پڑھتے تھے۔

عبیدک بفنائک مسکینک بفنائک فقیرک بفنائک سائلک بفنائک یسئلک ما لا یقدر علیہ سواک

تیرا بندہ تیرے احکام پر۔ تیرا محتاج تیرے احکام پر۔ تیرا فقیر تیرے احکام پر۔ تیرا سائل تیرے احکام پر تجھ سے اُن چیزوں کا طالب ہے جسپر سوائے تیرے کوئی دوسرا قدرت نہیں رکھتا۔

ثم نظر الی محمد ابن قاسم العلوی فقال یا محمد ابن القاسم انت علی خیر لانہ کان یطلب صاحب الزمان علیہ السلام وقام وانصرف۔

پھر آپ نے محمد ابن قاسم العلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اپنی اس تمنا میں کہ جناب امام

آخرالزّمان علیہ السّلام کی زیارت سے مشرف ہو تم بخیر و برکت فائز المرام ہوئے۔ یہ فرمایا اور تشریف لے گئے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ اسکے بعد محمودی سے ہم لوگوں نے پوچھا کہ تم نے اس جوانِ رعنا کو پہچانا یا نہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم یہی مہدی آخرالزّمان علیہ السّلام ہیں۔ میں اپنے پروردگار سے ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا کہ وہ مجھے جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کی زیارت کا شرف حاصل فرمائے۔ آج سات برس کا زمانہ ہوتا ہے کہ میں نے آپ کو شبِ عرفہ دعائے عشیہ پڑھتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں بنی ہاشم ہوں۔ میں نے کہا بنی ہاشم کی کون شاخ سے ہیں؟ فرمایا کہ اُس خانوادے سے کہ جنکی خلقت ہمّت کے ساتھ ہوئی ہے۔ جو بھوکوں کو کھلاتے ہیں۔ رات بھر شب بیداری کرتے ہیں۔ جب دنیا کے لوگ سویا کرتے ہیں۔ اُنکے اتنا ارشاد فرمانے سے مجھ کو یقینِ کامل ہو گیا کہ آپ علوی سیّد ہیں۔ اسکے بعد آپ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں نے مطلق نہیں جانا کہ آپ آسمان پر تشریف لے گئے یا زمین کے اندر۔ پھر میں اُن لوگوں کے پاس گیا جو اُس وقت آپ کے اِردگِرد بیٹھے ہوئے تھے اور اُنسے پوچھا کہ تم اس سیدِ علوی کو پہچانتے ہو؟ اُنہوں نے کہا کہ ہاں ہم جانتے ہیں۔ یہ ہر سال ہم لوگوں کے ساتھ پاپیادہ حج فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا تم لوگوں کو یہ بھی خبر ہے کہ وہ اِس وقت یہاں سے کہاں تشریف لیگئے؟ اُن لوگوں نے کہا کہ مزدلفہ کی طرف چلے گئے۔ میں نے اُنکے شوقِ زیارت میں مزدلفہ پہنچکر وہ رات وہیں بسر کی۔ رات کو سویا تو میں نے جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو دیکھا کہ آپ مجھ سے ارشاد فرما رہے ہیں اے محمودی! تو اپنے مطلوب و مقصودِ دلی تک پہنچ گیا۔ وہی صاحب الزّمان علیہ السّلام تھے جن کو تم نے شبِ عرفہ میں دیکھا تھا۔ یہ واقعہ ایسا متواتر ہے جسکو علمائے فریقین نے تین طریقوں سے ذکر کیا ہے۔ (ینابیع المودۃ ص ۳۸۸ مطبوعۂ بمبئی)

غیبت کبرےٰ میں رویتِ امامؑ کے اور واقعات

اِن واقعات کے لکھنے کے بعد جنکو ہمنے سوادِ اعظم اہلسنّت کے ایک معتبر عالم کی تالیف سے لکھا ہے۔ اب ہم ملّا مجلسی علیہ الرحمہ کی کتاب بحار الانوار جلد سیزدہم ۱۳ سے بھی چند واقعات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

(۱) ابراہیم فدکی کا بیان ہے کہ میں ایک سال حج کے ایّام میں طواف کرتا تھا۔ چھ شوط (دَور) تمام کر چکا تھا اور ساتویں دور کو شروع کرنا چاہتا تھا کہ میں نے خانۂ کعبہ کے داہنی طرف آدمیوں کی ایک کثیر جماعت دیکھی اور اُنہی لوگوں میں میں نے ایک جوانِ خوشرو اور خوشبو کو باحسن و جمال و ہیبت و جلال دیکھا جو باوجود اپنی موجودہ سطوت و ہیبت کے اپنے اخلاق و اشفاق کے تقاضہ سے اُن لوگوں سے قریب تر تھا اور اُن لوگوں سے باتیں کر رہا تھا۔ اُس کا طرزِ کلام۔ خوش بیانی اور شیریں زبانی ایسی تھی کہ آج تک میں نے اِس سے پہلے ایسی فصاحت و بلاغت نہیں سُنی تھی۔ اُنکی نشست بھی ایسی خوشنما اور خوش قطع تھی کہ میں نے ایسی نشست بھی آج تک نہیں دیکھی تھی۔ اِسی حالتِ اشتیاق میں میں اُنکے پاس گیا۔ اور اُنسے دو ایک باتیں بھی کیں۔ مگر

آدمیوں کی کچھ ایسی کثرت ہو گئی کہ آپ کا جمالِ مبارک میری آنکھوں سے چھپ گیا اور میں حصولِ زیارت کی سعادتوں سے آیندہ محروم رہگیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ فرزند جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں۔ جو سال بھر میں ایک مرتبہ اپنے مؤمنین خالصین کی جماعت میں نمودار ہوتے ہیں۔ اور اُنکو ہدایت وارشاد کے حکم واحکام سے آگاہ فرماتے ہیں۔ یہ سُنکر میں کسی نہ کسی طرح اُن کی خدمتِ مبارک میں جا پہنچا اور عرض کی کہ میں بھی آپکی ہدایت وارشاد کا طالب ہوں۔ مجھے بھی ہدایت ورہنمائی فرمائی جائے۔ آپ نے یہ سُنکر کچھ سنگریزے اُٹھا کر مجھے دیدیے۔ میں اُنہیں لیکر چلا تو لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے فرزند نے تمہیں کیا عنایت فرمایا ہے۔ میں نے کہا کہ تھوڑے سے سنگریزے تو مجھے میرے ہاتھوں میں دیے ہیں اور تو کچھ بھی نہیں۔ یہ کہکر میں نے اپنی مٹھیاں کھولیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُن سنگریزوں کی جگہ خالص سونے کے ٹکڑے موجود ہیں۔ یہ مشاہدہ دیکھکر میں وہاں سے فوراً واپس ہوا۔ کچھ دور چلا تھا۔ دیکھا کہ آپ میرے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے مجھے مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ اب تجھ پر خدا کی حجّت ثابت ہو گئی اور امرِ حق تجھ پر ظاہر اور آشکار ہو گیا۔ اور تیری کور سوادی اور تیرہ قلبی زائل ہو گئی۔ آیا اب بھی تو نے مجھے پہچانا یا نہیں میں نے عرض کیا حقیقتِ حال تو یہ ہے کہ میں نے اِس دم تک آپکو بالکلیہ نہیں پہچانا۔ ارشاد فرمایا کہ میں وہی مہدی آخر الزّمان (علیہ وعلےٰ آبائہٖ سلام) ہوں جو ایک وقت دنیا کو عدل وانصاف سے ایسا بھر دیگا جیسا کہ وہ اس سے پہلے جور وستم سے پُر اور مملو ہو گی۔ یقین کر لو کہ کسی زمانہ میں دنیا حجّتِ خدا سے خالی نہیں رہتی۔ اور بندگانِ الٰہی قومِ بنی اسرائیل کی طرح ایامِ فطرت میں پریشان وحیران نہیں چھوڑے جاتے۔ میرے امور اور میرے حالات تو سفراء اور تابعین کے ذریعہ سے عام ہو چکے ہیں۔ اور اِس وقت تو نے جو کچھ معلوم کیا ہے وہ تو ایک ایسی خاص امانت اور مخصوص راز ہے جو تیری سپردگی میں دیا گیا ہے۔ جسکے احوال وکیفیت کو سوائے طالبانِ حق کے اور کسی سے ذکر کرنیکا مجاز نہیں ہو سکتا۔

ملا مجلسی مرحوم اس واقعہ کو محمد ابنِ جعفر اسدی کی اسناد سے ۳۰۰ھ ہجری کا واقعہ بتلاتے ہیں حساب سے قبل از مرورِ ایّامِ غیبتِ کبریٰ ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

(۲) احمد ابنِ فارس۔ ادیب۔ جو اپنے زمانہ میں عربی علمِ ادب کے بہت بڑے کامل اور فاضل شمار کیے جاتے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے شہرِ ہمدان میں قیام کرنیکا اتفاق ہوا تو مجھے وہاں صرف ایک قبیلہ جو بنی راشد کے نام سے مشہور تھا مذہب شیعہ کا متمسک اور پابند ثابت ہوا۔ اور باقی لوگ اور مذہب کے لوگ تھے۔ مجھ کو اکثر تعجب ہوا کرتا تھا کہ تنہا اس قبیلہ کے شیعہ ہونیکا کیا باعث ہے۔ ایک دن میں نے قبیلۂ بنی راشد کے ایک بزرگ سے جو اُس وقت میری ملاقات کو آئے تھے اِس امر کو دریافت کیا تو اُنہوں نے بیان کیا کہ میرے جد القبیلہ جنکی اولاد واعقاب میں ہم اور ہمارا تمام قبیلہ داخل ہے حج بیت اللہ

زاد اللہ شرفاً کو تشریف لے گئے تھے۔ اُنکا بیان ہے کہ میں ارکانِ حج بالتمامہ ادا کر کے صحرا کی راہ سے واپس ہوا۔ اثنائے سفر میں مجھے شوق ہوا کہ پیدل چلوں۔ چنانچہ میں سواری سے اُترا اور پیدل چلنے لگا۔ اور یہاں تک پیدل چلا کہ بالکل خستہ ہوگیا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ تھوڑی دیر آرام کرلوں کہ اِس عرصہ میں قافلہ بھی پہنچ جائیگا اور میری ماندگی بھی دور ہو جائیگی۔ یہ سوچکر میں وہیں لیٹ گیا لیٹا تو سو گیا۔ اُٹھا تو دیکھا کہ آفتاب اچھی طرح بلند ہو گیا ہے۔ اور اُس کی حرارت سے ہوا بھی گرم ہو گئی ہے اور کوئی شخص اُس وادی میں کسی طرف کہیں دکھلائی نہیں دیتا۔ یہ حالت دیکھکر مجھے سخت پریشانی اور حیرانی لاحق ہوئی۔ کسی طرف کوئی راہ نہیں ملی۔ آخر چاروں طرف سے مایوس ہو کر میں نے فضلِ خداوندی پر توکل کر کے خاموشی اختیار کرلی اور اب دل میں پھر ہمت کر کے یہ قصد کیا کہ میں سیدھا رستہ پکڑے چلا جاؤنگا۔ اب جہاں جا نکلوں اور جہاں جا پہنچوں۔ یہ سوچکر اور توکلت علی اللہ کہکر میں سیدھا چلا اور تھوڑے عرصہ میں مجھ کو ایک نہایت سبز و شاداب باغ دکھلائی دیا۔ مجھ کو اُس مکانِ عظیم الشان کے دیکھنے کا جس میں یہ باغ آراستہ تھا از حد شوق ہوا۔ اور میں اپنا راستہ چھوڑ کر اب اُسکی طرف چلا۔ جب اُس کے دروازے پر پہنچا تو میں نے دو گورے گورے خدمتگاروں کو وہاں استادہ پایا۔ اُنکو میں نے سلام کیا۔ اُنہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ اور مجھ کو بٹھلایا۔ اور کہا کہ یہاں تھوڑی دیر دم لیلو۔ اور ٹھہر جاؤ کیونکہ خدائے سبحانہ و تعالےٰ نے تمہارے خوش قسمت اور صاحب سعادت ہونیکی وجہ سے تمکو یہ نعمت عطا فرمائی ہے جو بندگانِ الٰہی میں سے کم کسی کو عطا کیجاتی ہے۔ یہ کہکر وہ تو اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر آیا اور مجھ سے کہا کہ اندر آؤ۔ میں اُسکے ہمراہ اندر گیا۔ دیکھا کہ وہ قصرِ عالیشان زیب و زینت اور آراستگی میں اپنی آپ مثال بنا ہوا ہے۔ حقیقت میں میں نے ایسی آراستہ و پیراستہ اور خوشنما عمارت آج تک نہیں دیکھی تھی۔ اِس اثناء میں اُس خدمتگار نے اُس پردے کو جو اُس مکان میں کھنچا ہوا تھا اُٹھا دیا۔ پردے کا آگے سے اُٹھنا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک جوانِ رعنا خوش جمال اور خوبصورت پاک و پاکیزہ کپڑے پہنے بیٹھا ہے اور اُس کے سر کی جانب ایک طویل شمشیر دیوار میں آویزاں ہے۔ وہ تلوار ایسی طویل تھی کہ اُسکا پیپلا اُن کے فرقِ مبارک سے بالکل قریب پہنچا ہوا تھا۔ میں نے اُنکو ایسا صاحبِ جمال و جلال پاکر نہایت عقیدت سے سلام کیا اور اُنہوں نے بھی بڑی مہربانی اور کشادہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ مجھے پہچانتے ہو میں کون ہوں؟ میں نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں۔ آپ کون صاحب ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ میں مہدی (امام آخر الزمان علیہ السلام) ہوں۔ اور میں ہی دائرۂ مقدسۂ آلِ محمد علیہ السلام میں وہ شخص ہوں جو اِس تلوار سے (تلوار آویزاں کی طرف اشارہ فرماکر) روئے زمین پر ظہور کرونگا۔ اور تمام عالم کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو کر دونگا۔ اُسی طرح جس طرح قبل اِسکے وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی۔ اتنا سُننا تھا کہ میں زمین پر گر پڑا اور اپنا مُنہ آپکے قدموں سے

ملنے لگا۔ آپنے فوراً اپنے پائے مبارک ہٹالیے اور ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ تو فلاں شخص ہے (نام لیا) اور کوہستانی شہروں میں سے اُس شہر کا رہنے والا ہے جو شہر ہمدان کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے کہا کہ اے سیدو آقا ہمارے جو کچھ آپنے فرمایا صحیح وراست اور بے کم وکاست ہے۔ اسکے بعد پھر ارشاد ہوا کہ تم اپنے اہل وعیال سے ملنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا البتہ میں اپنے بال بچوں سے ملنے کا ضرور مشتاق ہوں۔ اور اُس نعمتِ الٰہی کا جو آپکی شرفِ زیارت کے معنوں میں اس وقت مجھے دربارِ ایزدی سے خاص طور پر عنایت فرمائی گئی ہے مژدہ اور بشارت اُنکو بھی پہنچانا چاہتا ہوں۔ تاکہ یہ تفویضِ خداوندی ابدالآباد تک ہمارے خاندان اور سلسلہ کا شرف اور اعزاز خاص ثابت کرسکے۔ یہ سُنکر آپ نے اپنے خدمتگار کو اشارہ کیا۔ وہ ایک روپیوں کی بھری ہوئی تھیلی لایا۔ آپ نے وہ تھیلی مجھے عنایت فرمائی اور کہا کہ ان کو اپنے ہمراہ لیجاؤ۔ چنانچہ میں اُس کے ہمراہ روانہ ہوا۔ کچھ اور آگے چلکر مجھ کو فوراً آبادی کے آثار معلوم ہوئے۔ اور درخت اور مسجد کے مینارے معلوم ہونے لگے۔ یہ دیکھکر میں نے اپنے رفیق سے پوچھا کہ بھائی یہ تو مجھے شہرِ استاباد کی سی آبادی معلوم ہوتی ہے جو میرے شہر سے ملا ہوا شہر ہے۔ اُسنے کہا ہاں۔ یہی شہرِ استاباد ہے۔ اِس کے بعد جو میں نے اپنے رفیق کی طرف نگاہ کی تو اُسے وہاں نہ پایا۔ غرضکہ میں شہرِ استاباد میں داخل ہوا اور اُس کیسہ عطیۂ امام علیہ السّلام کو کھولا تو اُس میں چالیس یا پچاس دینار رکھے پائے۔ غرضکہ وہاں سے بخیر وخوبی تمام اپنے شہرِ ہمدان میں داخل ہوا۔ اور اپنے اعزہ واقارب کو جمع کرکے اُس نعمتِ الٰہی کے حاصل کرنیکا واقعہ اُن سے بیان کیا جو مجھکو اِس سفر میں عنایت ہوئی تھی۔ پھر جبتک کہ وہ عطیہ روپیہ میرے پاس رہا مجھ کو برابر خیر وبرکت ہوتی رہی۔

ملا مجلسی نوراللہ مرقدہ کا خیال ہے کہ شہرِ استاباد وہی ہے جو فی الحال اسدآباد کے نام سے مشہور ہے۔

علی ابنِ فاضل کی سرگزشت

علی ابنِ فاضل بیان کرتے ہیں کہ میں کئی برسوں تک شہرِ دمشق میں تحصیلِ علم کی غرض سے مقیم تھا۔ شیخ زین الدین علی مغربی مالکی اندلسی کے پاس علم القرأت سیکھتا تھا۔ اور وہ اُس وقت امام القراء کہے جاتے تھے اور قرأت ہفتگانہ پر عبور کامل رکھتے تھے اور علاوہ علم القرأت کے اُنکو سائر علوم صرف۔ نحو۔ منطق۔ معانی۔ بیان۔ اصول اور فقہ وغیرہ میں بھی پوری دستگاہ حاصل تھی۔ انکے علاوہ شیخ عبدالرحیم حنفی کے پاس عربی کے علمِ ادب اور علمِ اصول کی تعلیم پاتا تھا۔ شیخ زین الدین طبیعت کے نرم اور صلح پسند بزرگ تھے اور کبھی مباحثِ مذہبی اور مناظرۂ دینی کی طرف متوجہ اور راغب نہیں ہوتے تھے اور جب کسی مختلف فیہ مسئلہ کا ذکر آجاتا تھا تو صرف اتنا کہدیتے تھے کہ علمائے امامیہ اِس مسئلہ میں یہ کہتے ہیں۔ بخلاف دوسرے مدرسین کے جو ہمیشہ ایسے اوقات میں علمائے شیعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اِس مسئلہ میں رافضیوں کے عالم یہ کہتے ہیں۔ مجھ کو اُنکی یہ متعصبانہ اور محض مخالفانہ تقریریں نہایت ناگوار گزرتی تھیں۔

مگرمیں اُن پر برابر ضبط کیا کرتا تھا۔ آخر کار میں نے عاجز آ کر سوائے شیخ زین العابدین اندلسی کے جن میں تعصب کم تھا اور مدرسین کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا۔ اور اُنہی کے پاس ایک مدت تک رہکر جو کچھ مجھے حاصل کرنا تھا سب کچھ حاصل کرلیا۔ اتفاقِ وقت سے اُنکو دمشق سے ممالک مصر کی طرف جانیکی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ اُن کو مجھ سے محبت اور مجھ کو اُن سے ایک خاص اُنس پیدا ہوگیا تھا اُس لیے اُنکی مفارقت کو میں اور میری جدائی کو وہ کسی طرح گوارا نہ کرسکے۔ آخرِ کار طرفین سے یہ طے پایا کہ میں بھی اُنکے ہمراہ چلوں۔

بہرحال۔ میں اور میرے اُستاد دمشق سے چلکر مصر کے مشہور و معروف شہر قاہرہ میں پہنچے وہاں پہنچکر ہمارے اُستاد نے مسجدِ جامع میں قیام فرمایا۔ اور اپنے قدیم مشاغلِ درس و تدریس میں بدستورِ سابق مصروف ہوگئے۔ اُنکی آمد کا حال سُنکر علماؤ فضلائے مصر اُنکے شوقِ زیارت میں کسبِ فیوض اور تحصیلِ علوم کی ضرورت سے اُنکے پاس ہر وقت جمع ہونے لگے۔ کامل نو مہینوں تک ہم لوگ اُس مسجد میں مقیم رہے۔ اِس اثنا میں شیخ کی شہرت تمام دیار و امصار میں اِس کثرت اور وسعت سے ہوئی کہ دمشق میں بھی باوجود اتنے طویل قیام کے ایسی نہیں ہوئی تھی۔ ہم دونوں آدمی قاہرہ میں نہایت آرام و عافیت اور اطمینان و راحت سے رہتے تھے۔ اتنے میں اُندلس سے ایک قافلہ آیا اور اُس قافلہ والوں میں سے ایک شخص نے آ کر میرے اُستاد کے نام کا ایک خط دیا۔ وہ انکے باپ کا خط تھا جس میں تحریر تھا کہ میں عرصہ سے سخت بیمار ہوں۔ اب میری آرزوئے دلی یہی ہے کہ میری موت سے پہلے تم میرے پاس پہنچ جاؤ تو میں تمہارے دیدارِ فرحت آثار سے اپنے دیدۂ انتظار کو ٹھنڈا کروں اِس خط کو دیکھتے ہی وقفہ نہ کرو۔ دیر نہ لگاؤ۔ میرے پاس چلے آؤ۔ ہمارے اُستاد اپنے والد کا حال سُنتے ہی بیچین ہوگئے۔ اور محبتِ پدری کے تقاضہ سے زار و قطار رونے لگے۔ اور اُسی وقت جزیرۂ اندلس کی طرف روانہ ہوئے۔ اُنکے اکثر موجودہ شاگردوں نے اُنکی ہمراہی کا قصد کیا اور میں بھی اُنہی لوگوں میں تھا۔ کیونکہ اُنکے اِشفاق و اخلاق ہمارے ساتھ ایسے ہی تھے۔ اُستاد ہمارے خلوص دیکھکر ہرچند منع کرتے رہے مگر ہم نہ مانے اور اُنکے ساتھ ہولیے۔

جب ہم لوگ جزیرۂ اندلس کی پہلی منزل میں پہنچے تو اتفاقِ وقت سے مجھے سخت تپ آگئی۔ اور میں اُسکی شدت کی وجہ سے نقل و حرکت کرنیکے بھی قابل نہ رہ سکا۔ اُستاد نے مجھے اِس حالت میں دیکھکر سخت افسوس ظاہر کیا۔ یہانتک کہ رونے لگے۔ اور کہا کہ بخدا مجھے تمہاری مفارقت سخت شاق ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ جیسی کچھ مجھے مجبوری ہے وہ خدائے عالم الغیوب خوب جانتا ہے۔ یہ فرماکر وہاں کے خطیب کو بلوایا اور دس درم اُسکو دیکر اُس سے کہا کہ اگر یہ صحت پا جائیں تو اِسی صرف سے انہیں میرے مکان تک پہنچوا دینا اور اگر صورت دوسری ہوجائے تو اِسی سے اِنکی ضروریاتِ اخروی انجام کرا دینا۔

خطیب کو میرے معاملات کی حفاظت اور نگرانی سپرد فرما کر استاد اُندلس کی طرف تشریف لے گئے۔ اِس مقام سے اُنکے وطن اور مسکن تک کی مسافت دریا کے راستہ سے پانچ روز کی راہ بتلائی جاتی تھی۔ اُستاد گھر گئے۔ میری یہ حالت ہوئی کہ اُن کے چلے جانے کے بعد میں تین روز تک اپنے مرض کی شدت میں اُسی طرح بتلا رہا جیسا اُن کے سامنے تھا۔ چوتھے روز میرا بخار اُتر گیا۔ اور خود مجھے اپنے مرض میں کچھ افاقہ اور جسم میں کچھ طاقت معلوم ہونے لگی تو میں خطیب کے مکان سے باہر گلی میں نکل آیا۔ میں نے وہاں اہلِ مغرب کی اُس صحرائی جماعت کو دیکھا جو مغربی دریا میں بہت دور و دراز مسافت پر رہتے ہیں۔ اور اِن ممالک میں پشم۔ روغن اور انواع و اقسام کی صحرائی چیزیں اور ادویہ وغیرہ بیچنے کے لیے لاتے ہیں۔ میں نے اُن لوگوں سے اُنکے احوال پوچھے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ اُس قطعۂ زمین کے رہنے والے ہیں جو علاقۂ بربر سے قریب تر ہے اور وہ علاقہ جزیرۂ رافضیان سے قریب ہے۔ جزیرۂ رافضیان کا نام سنتے ہی مجھ کو پہلے تو سخت تعجب ہوا۔ اور پھر ایک قسم کی خوشی اور فرحت بھی ضرور حاصل ہوئی کہ خیر مُلک ہو یا کوئی علاقہ۔ ایک مدت کے بعد ہم کو اپنے ہمطریق اور ہم عقیدہ بھائیوں سے نیاز اور یکجائی تو میسّر ہو گی۔ میں نے اُن لوگوں سے وہاں کی مسافت پوچھی اور وہاں پہنچنے کی راہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ یہاں سے وہاں تک کامل پچیس ۲۵ روز کی راہ ہے۔ منجملہ اُس کے دو روز کی راہ ایسی سخت اور دشوار ہے جس میں نہ انسان کو دانہ مل سکتا ہے اور نہ پانی۔ ہاں اِس کے بعد دیہات و قصبات متصل ملتے چلے جاتے ہیں۔ میں اپنے جذبۂ شوقِ تمنا میں کچھ ایسا بیتاب ہو رہا تھا کہ میں نے اس سفرِ دور و دراز اور اُس کے مصائب و شدائد کا بھی کوئی خیال نہیں کیا اور بسم اللہ مجریها و مرسٰها کہکر اُس جماعت صحرائی کے ساتھ ہو لیا۔ اور اتنے حصۂ مسافت کے لیے جہاں دانہ اور پانی نہیں ملتا تھا میں نے ایک دراز گوش تین درہم پر اُنہی لوگوں سے کرایہ کر لیا۔ اور روانہ ہوا۔ اور بائیس ۲۲ روز کے بعد اُن بے آب و دانہ والی منزلوں کو برابر طے کرتا ہوا اُس لوگوں کی بود و باش کے خاص مقام پر پہنچ گیا۔ یہاں اُن کا دراز گوش اُن کو دیدیا۔ اور ایک دیہات سے دوسرے تک اب پیدل جانا شروع کر دیا۔ جب آخر دیہ میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ جزیرۂ رافضیان ابھی تین روز کی راہ ہے۔ میں نے کوئی خیال نہیں کیا اور پھر توکلت علے اللہ کہکر ہمت باندھی اور روانہ ہوا۔ دوسرے روز ایک جزیرے میں پہنچا۔ اِس جزیرے میں برابر کے چار قلعے تھے اور اُن کی عمارتیں مستحکم اور استوار تھیں۔ اُن میں اندر داخل ہونیکا صرف ایک ہی راستہ تھا جو دریا کی طرف نہایت استحکامی سے مستحکم کیا گیا تھا۔ میں اُسی راہ سے اُس جزیرہ میں داخل ہوا۔ اِدھر اُدھر گلیوں میں پھرنے لگا۔ اور لوگوں سے وہاں کی مسجد کو پوچھا تو لوگوں نے بتلایا۔ میں تلاش کرتا ہوا مسجد میں پہنچا تو اُس کو بڑی وسیع و رفیع مسجد پایا۔ جو شہر سے پچھم کی طرف دریا سے ملی ہوئی واقع تھی۔ میں وہاں آرام کرنے کے لیے

ٹھہر گیا۔ اِسی اثنا میں موذن آیا اور اذان دینے لگا۔ اُس نے اذان میں حیّ علیٰ خیر العمل بھی کہا اور اذان سے فراغت کرکے اُنہوں نے حضرت صاحب الامر علیہ السّلام کے امور کی کشادگی کے لیے درگاہِ ربّ العزّت سے دعا مانگی۔ اُنکی اذان سُنکر میرے دل میں کچھ ایسا اثر اور جوش پیدا ہوا کہ میں بے اختیار ہو کر رونے لگا۔ اِس کے بعد بندگانِ خدا جوق جوق آنے لگے اور جماعت کی جماعت اور صف کی صف ہو کر مسجد میں داخل ہونے لگے۔ اور اُس چشمۂ شیریں سے جو مسجد کے پورب کی طرف ایک سایہ دار درخت کے نیچے واقع تھا وضو کرنے لگے۔ میں اُن کے وضو کرنیکے طریقوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ تا اینکہ میں نے اُن کے تمام ارکانِ وضو کو طریقۂ شیعہ کے مطابق پایا۔ اتنے میں ایک نہایت خوشرو اور قبول صورت نوجوان صاحبِ عظمت و وقار تشریف لائے اور محراب مسجد میں کھڑے ہو کر جماعت موجودہ کی امامت فرمانے لگے۔ میں نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے اُن کی نماز کے تمام ارکانِ واجبہ اور مستحبہ کو پورے غور و تامّل سے دیکھا اور نماز کے بعد اُن کی تعقیبات و تسبیحات کو بھی پورے طور سے سُنا۔ اُن کو بھی میں نے طریقۂ اہلبیت علیہم السّلام کے مطابق پایا۔ چونکہ میں سفر کی زحمت سے بالکلیہ خستہ ہو رہا تھا اِس لیے اُن کے ہمراہ نماز نہ پڑھ سکا۔ اتنے میں سب لوگ نماز سے فارغ ہوگئے تو مجھ کو اُس مقام پر بیٹھے کا بیٹھا دیکھکر سخت متعجب ہوئے۔ اور حقیقۃً میرا نماز میں شریک نہ ہونا اُن لوگوں کو نہایت ناگوار معلوم ہوا تھا۔ یہانتک کہ وہ لوگ میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ تمہارا کیا حال ہے۔ نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ اور پڑھتے ہو تو کہاں اور کیسے پڑھتے ہو۔ اور کس مذہب اور مسلک پر چلتے ہو؟ میں نے نہایت متانت سے اُن کے جواب میں کہا کہ میں ملکِ عراق کا ساکن اور طریقۂ اسلام کا سالک ہوں اور میرا عقیدہ یہ ہے اشہد ان لا الٰہ الّا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ اشہد انّ محمّداً عبدہٗ ورسولہ ارسلہ بالحقّ والھدٰی ودین الحقّ لیظھرہٗ علی الادیان کلّھا ولو کرہ المشرکون۔ یہ سُنکر اُن لوگوں نے جواب دیا کہ سبحان اللہ! صرف اِن دو شہادتوں سے تو تمہیں کوئی نفع پہنچ ہی نہیں سکتا سوائے اِس کے کہ اِس اقرار کی وجہ سے تم دارِ دنیا میں قتل سے بری ہو سکتے ہو۔ تیسری شہادت کیوں نہیں ادا کرتے کہ اسلام تمہارا کامل اور ایمان تمہارا راسخ ہو جائے۔ اور پھر بغیر کسی مواخذہ کے بہشتِ عنبر سرشت میں داخل کیے جانے کے مستحق ہو جاؤ۔ میں نے کہا خدا آپ لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کرے مجھے مہربانی فرما کر بتلادیں کہ وہ تیسری شہادت کیا ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ تیسری شہادت اِس امر کا اقرار اور تصدیق ہے کہ بعد جنابِ ختمی مآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حضرت امیر المؤمنین ویعسوب الدین وقائد الغرّ المحجّلین مظہر العجائب ومصدر الغرائب سیّدنا ومولٰنا علی ابن ابیطالب علیہما السّلام اور اُن کے گیارہ فرزند اوصیاء اور خلفائے بلافصل ہیں۔ اور یہ وہی حضرات رفیع الدرجات ملکوتی صفات ہیں جن کی اطاعت خدائے سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ صلّے اللہ علیہ

وآلہ وسلّم کی اطاعت کے بعد اپنے تمام بندوں پر واجب کی ہے۔ اور اُنہی کی زبانِ صداقت ترجمان سے اپنے اوامر و نواہی کے تمام احکام اپنے بندوں پر پہنچائے ہیں۔ اور اپنی جانب سے اُن لوگوں کو دنیا میں اپنی حجت قرار دیا ہے۔ اور اُن کی ذاتِ بابرکات کو تمام خلائق کے لیے امن کا باعث قرار دیا ہے۔ کیونکہ خداوندِ تعالےٰ نے معراج کی رات کو ان حضرات کے نام ایک ایک کر کے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بتلا دیے تھے۔ اور اُنکی امامت وخلافت کے تمام واقعات ظاہر فرما دیے تھے۔ اور اُس صادق۔ امین اور رسول رب العالمین صلوات اللہ علیہ وآلہ اجمعین کے ذریعہ سے یہ تمام چیزیں ہم لوگوں کو پہنچیں۔

جب میں اُنکے اِس کلام مدلّل کو مفصّل طور سے سُن چُکا تو میں اپنے جی ہی جی میں خدا کا ہزار ہزار شکر بجالایا اور اپنے دل میں اِس قدر خوش ہوا کہ کُسلِ سفر کی تمام زحمتیں میرے تمام اعضاؤ جوارح سے جاتی رہیں۔ پھر اُنہیں بھی معلوم ہوگیا کہ یہ ہمارے ہم مذہب اور ہم طریق ہیں۔ تو وہ لوگ مہربانی اور اخلاق سے زیادہ پیش آئے۔ اور اُسی وقت مسجد کا ایک حجرہ میرے لیے خالی کر دیا۔ جبتک کہ میں وہاں رہا وہ سب کے سب میرا بڑا اعزاز واکرام اور خاطر و مدارات کرتے رہے۔ اور اُن کے امام جماعت تو کسی وقت میری صحبت سے جُدا نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن میں نے اُن بزرگوار سے دریافت کیا کہ میں آپکے تمام جزیرہ میں کہیں زراعت کا تو نام بھی نہیں دیکھتا۔ آخر آپ حضرات کا آذوقہ کہاں سے چلتا ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کے کھانے پینے کی تمام چیزیں جزیرۂ خضراء سے جو بحیرۂ ابیض میں واقع ہے اور جو اولاد حضرت صاحب الامر علیہ السّلام کے زیرِ فرمان ہے۔ آتی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ سب چیزیں وہاں سے سال بھر میں کے بار آتی ہیں؟ فرمایا دو بار۔ امسال ایک دفعہ آچُکی ہیں اور ابھی ایک بار اور آنیوالی ہیں۔ میں نے کہا کہ بارِ ثانی کے آنے میں کتنی مُدّت باقی ہے؟ فرمایا چار مہینے۔ اِس طولانی مُدّت کو سنکر مجھے حیرت ہوئی اور چالیس روز تک میں برابر انتظار کرتا رہا۔ چالیسویں دن میں فرطِ انتظار سے بیقرار ہوکر ساحل پر چلا گیا۔ اور جس طرف جدھر سے ان کشتیوں کا آنا بتلایا گیا تھا نگاہ غور سے دیکھنے لگا۔ یہانتک کہ ایک سفید چیز مجھے دور سے آتی دکھلائی دی۔ میں نے یہ دیکھکر اُن لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے دریا میں سفید جانور بھی پیدا ہوتے ہیں؟ اُنہوں نے کہا کہ نہیں تو۔ کیا تم نے کوئی سفید چیز دریا میں دیکھی ہے؟ میں نے کہا ہاں دیکھی ہے۔ یہ سُنکر وہ سب کے سب از حد خوش اور مسرور ہوگئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ تم نے جس سفید چیز کو دیکھا ہے وہ وہی کشتیاں ہیں جو ہر سال اولادِ امام علیہ السّلام کی طرف سے ہم لوگوں کے لیے آیا کرتی ہیں۔ ابھی اِن باتوں کو ہوتے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ وہ کشتیاں سامنے نمودار ہوگئیں۔ اُن میں جو بڑی کشتی تھی وہ سب سے پہلے ساحل پر لائی گئی۔ اِس کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری۔ یہانتک کہ سات کشتیاں برابر سے ساحل پر لگ گئیں۔ اُس بڑی کشتی میں سے ایک بزرگ مقدس۔ خوبصورت اور مستوی القامت

برآمد ہوئے۔ مسجد میں گئے۔ طریقۂ اہلبیت علیہم السّلام کے مطابق وضو کیا۔ اور نمازِ ظہرین پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو خود بخود میری طرف متوجّہ ہوئے اور پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ قیافہ تو یہ کہتا ہے کہ تمہارا نام علی ہے۔ میں نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر پوچھا کہ تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟ پھر آپ ہی فرمایا کہ میرا گمانِ غالب ہے کہ تمہارے والد کا نام فاضل ہے۔ میں نے کہا کہ آپنے صحیح فرمایا۔ انکی گفتگو سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شہرِ دمشق سے مصر تک سفر کرنے میں میرے ضرور رفیق اور شریک ہونگے۔ تب تو میری اتنی معرفت رکھتے ہیں۔ یہ خیال کر کے میں نے اُنکی خدمت میں عرض کی کہ آپنے کیونکر مجھے اور میرے باپ کو پہچان لیا۔ اور ہم دونوں کے نام بھی آپ بتلائے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ میں تم کو اور تمہارے نسب کو پہلے ہی سے خوب جانتا ہوں لیکن میں دمشق سے مصر تک کے سفر میں کبھی تمہارا رفیق نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ اچھا اگر میرے پہلے سفر میں آپ میرے رفیق نہیں تھے تو میرے دوسرے سفر میں جو اُندلس سے یہانتک کیا گیا ہے میرے ضرور شریک اور ہم سفر رہے ہونگے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے مولا جناب صاحب الامر علیہ السّلام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے کسی سفر میں تمہارا رفیق اور ہم طریق نہیں ہوا۔ یہ سُنکر مجھے سخت تعجب ہوا۔ اور میں نے کہا کہ پھر آپ نے مجھے کیونکر اس تفصیل سے پہچان لیا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ مجھے تمہاری معرفت بتلائی گئی ہے اور اِس امر پر مامور کیا گیا ہوں کہ تمہیں جزیرۂ خضراء میں لیجاؤں یہ مژدہ سُنتے ہی قریب تھا کہ میں شادی مرگ ہو جاؤں۔ کیونکہ مجھے یقین ہو گیا کہ اِن سعادتمندانِ ازلی کے جریدہ میں ہمارا بھی نام ہے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ اِن بزرگ کا قاعدہ ہے کہ اِس جزیرہ میں تین روز سے زیادہ نہیں رہتے تھے مگر ابکی بار خلافِ معمول ایک ہفتہ تک قیام فرما رہے اور اُن تمام ذخیروں کو جو اپنے ہمراہ لائے تھے وہاں کے مومنین پر تقسیم فرما دیا۔ جب اِن لوگوں سے اُنکے وظائفِ مقررہ کی رسیدیں لے لیں تو پھر مجھ کو اپنے ہمراہ لیکر وہاں سے روانہ ہوئے۔

جب ہم لوگوں کے سفرِ دریا میں کامل سولہ روز ختم ہو چکے تو ایک دن ہم لوگوں کو نہایت صاف و شفاف دریا ملا۔ میں نے کبھی ایسا پاک و پاکیزہ دریا آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اِس لیے میں خاصکر اُسکو غور کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اِن بزرگ نے جن کا نام محمد تھا مجھے موجودہ غور و فکر میں مصروف پاکر مجھسے استفسار فرمایا کہ تم اِس دریا کے پانی کو اتنے غور سے کیوں دیکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ اِس دریا کا پانی دنیا کے کسی اور دریا کے پانی سے نہیں ملتا ہے۔ اِس تغیّر کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ یہی بحرِ ابیض ہے۔ اور وہ جزیرۂ خضراء واقع ہے۔ اور یہ پانی اُس جزیرہ کے چاروں طرف مثل حصار کے محیط ہے جس طرف سے اِس جزیرہ میں داخل ہوگے ایسا ہی پانی ملیگا۔ اور حکمتِ حکیم علے الاطلاق اور برکتِ جناب صاحب الامر علیہ السّلام کے باعث سے جو مخالف اِس جزیرہ میں آنیکا قصد کرتا ہے غرق ہو جاتا ہے۔ یہ سُنکر میں نے اُس میں سے تھوڑا سا پانی لیا اور پیا تو اُسکو آبِ دریائے فرات سے بھی ذائقہ میں مشابہ اور مساوی پایا۔

بہرحال۔ اس دریا کو طے کر کے ہم لوگ جزیرۂ خضراء میں بخیر و خوبی پہنچ گئے۔ ساحل سے شہر تک مجھ کو سات قلعے ایک دوسرے سے متصل نظر آئے۔ انکی تمام عمارتیں مضبوطی اور استحکامی میں اپنا آپ جواب تھیں۔ شہر سے ملے ہوئے بہت سے بستا نہائے میوہ دار اور میدانہائے سبزہ زار اپنی اپنی بہار دکھلا رہے تھے۔ ان میں جابجا بہت سی خوشنما اور پُر تکلف عمارتیں بھی بنی ہوئی تھیں۔ شہر میں داخل ہوا تو سب سے پہلے مجھے حمامِ شہر کی عمارت نظر پڑی۔ اُسکی تعمیر میں زیادہ تر صاف و شفاف سنگِ مرمر کے پتھر لگائے گئے تھے۔ اور وہاں کے اہلکار بھی سب کے سب نہایت پاک و پاکیزہ دکھلائی دیتے تھے۔ شہر کی انہی دونو عمارتوں کو دیکھکر میری طبیعت کچھ ایسی شاد و مسرور ہوئی۔ جو میرے بیان سے بالکل باہر ہے۔

بہرحال۔ اس وقت تو میں اپنے رفیق محمد کے ہمراہ اُنکے مکان پر چلا گیا اور وہیں فروکش ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے رفیق مجھ کو مسجدِ جامع میں لیگئے۔ وہاں میں نے آدمیوں کی جماعتِ کثیر دیکھی۔ اُنکے بیچ میں ایک صاحب باہمت و جلال اور شوکت و اقبال تشریف فرما تھے۔ اُن کی عظمت و جلالت کی کچھ ایسی تاثیر میرے قلب پر طاری ہوئی کہ پھر مجھ میں تکلم اور تقریر کی ذرا بھی قوت باقی نہ رہی۔ باقی اور لوگ جو اُن سے میٹھی باتیں کر رہے تھے اُنکی بات چیت سے میں نے معلوم کر لیا کہ ان کا نام سیّد شمس الدین محمد ہے اور اُن کو لفظِ عالم سے تمام حضرات مخاطب فرما رہے تھے۔ وہ جماعت کی جماعت اس وقت علم القرآن۔ علم الفقہ۔ علمِ ادب عربیہ۔ اور علمِ اصولِ دینیہ وغیرہ وغیرہ جو جنابِ صاحب الامر علیہ السلام کی خدمت سے اخذ کر چکے تھے۔ اُنکے تمام مسائل و قضیۂ قضیہ۔ مسئلہ مسئلہ اور حکم حکم کر کے اُنکی خدمت میں عرض کرتے تھے۔ صرف اِس غرض سے کہ اگر ان امور کے سمجھنے۔ یاد کرنے اور تفصیل کرنے میں اُن لوگوں سے کوئی خطا یا فرد گزاشت ہو گئی ہو تو وہ اُسے درست فرما دیں اور اُسکی اصلاح کر دیں۔

جب میں اُنکی خدمت میں پہنچا تو مجھ کو دیکھتے ہی سیّد صاحب نے وسیع جگہ اپنے قریب میرے لیے خالی کر دی اور بعد تحیّۃ و سلام مجھ سے فرمانے لگے کہ تمہیں زحمتِ سفر تو بہت ہوئی ہوگی۔ انہی کلمات کو دو تین بار مجھ سے متواتر فرمایا اور اپنی مہربانی اور مہماں نوازی کے اعلےٰ جوہر دکھلائے۔ اِسکے بعد ارشاد فرمایا کہ تمہارے پہنچنے سے پہلے مجھ کو تمہارے آنیکی خبر معلوم ہو چکی تھی۔ اور میں ہی نے تمہارے رفیق محمد کو تمہارے لانے کے لیے مخصوص بھیجا تھا۔ اس کے بعد اُنہوں نے حکم دیا کہ مسجد کے حجروں میں سے ایک حجرہ میرے قیام کے لیے خالی کر دیا گیا اور میں وہیں اُتر گیا۔ جب میں اُس حجرہ میں جانے لگا تو مجھ سے ارشاد ہوا کہ جس وقت تمہارا جی چاہے بلا تکلف اور بلا تامّل میرے پاس چلے آیا کرو۔ میں سلام کر کے اُنکی خدمت سے چلا آیا۔ اور اپنے حجرہ میں عصر کے وقت تک برابر سوتا رہا۔ یہانتک کہ خدّامِ مسجد میں سے ایک خادم نے مجھے آکر جگایا اور مجھ کو حکم دیا کہ آپ یہاں

شام تک کہیں باہر تشریف نہ لیجائیں۔ کیونکہ سید صاحب تشریف لا رہے ہیں اور وہ شام کا کھانا آپ ہی کے ساتھ تناول فرمائینگے۔ میں نے کہا مجھے بسر و چشم قبول و منظور ہے۔

سید صاحب تھوڑی دیر میں اپنے اصحاب و احباب کے ساتھ تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھ گئے۔ پھر کھانا آیا اور رکھا گیا۔ پھر ہم لوگوں نے ملکر کھایا۔ کھانا کھانیکے بعد تھوڑی دیر تک ذکر و اذکار ہوتے رہے۔ اتنے میں مغرب کا وقت آ گیا۔ اور میں سید صاحب کے ہمراہ نمازِ جماعت میں شریک ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر سید صاحب اپنے دولتخانہ پر تشریف لے گئے اور میں اپنے حجرہ میں واپس آیا۔ اب جمعہ کا دن آیا اور یہ پہلا جمعہ تھا جو مجھے وہاں گزرا۔ میں نماز میں شریک ہوا اور صفِ اوّل میں سید صاحب کے قریب کھڑا ہوا۔ میں نے سُنا کہ سید صاحب نے نمازِ جمعہ کی نیّت شرطِ وجوب کے ساتھ ادا کی۔ جب نماز سے فراغت ہو گئی تو میں نے اُنکی خدمت میں استفسار کیا کہ آپ نے نمازِ جمعہ بہ نیّتِ وجوب پڑھائی ہے اسکی علت ارشاد ہو۔ اُنہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہاں۔ شرطِ وجوب موجود تھی اس لیے واجب ہو گئی۔ اُس وقت میں نے اُن کا یہ جواب سُنکر سمجھ لیا کہ شاید جنابِ صاحب الامر علیہ السلام یہاں موجود ہیں۔ اِس لیے یہ نماز بہ نیّتِ وجوب پڑھی گئی۔ مگر دوسرے وقت میں نے سید صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ آیا جنابِ صاحب الامر علیہ السلام اُس وقت نمازِ جمعہ میں شریک تھے۔ فرمایا نہیں مگر میں اُن کی جانب سے خاص اس امر پہ مامور تھا اور اُن کا نائب حاضر تھا۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ آپنے اُنکی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ فرمایا نہیں۔ لیکن میرے والدِ بزرگوار فرماتے تھے کہ اُنہوں نے صرف آپکے کلامِ معجز نظام کو سُنا تھا۔ مگر اُنہوں نے بھی آپکے جمالِ باکمال کو نہیں دیکھا تھا لیکن میرے جدّ بزرگوار نے آپکی تقریر کو بھی سُنا تھا اور آپکے جمالِ جہاں آرا کی زیارت بھی حاصل کی تھی۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ اچھا اسکی کیا وجہ ہے کہ اِن میں سے ایک کو زیارت نصیب ہوتی ہے اور دوسرے کو نہیں۔ اِس کے جواب میں اُنہوں نے فرمایا کہ حقیقت امر یہ ہے کہ یہ امر قطعی طور پر خدائے سبحانہ و تعالےٰ کی مرضی اور اختیار پر منحصر ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کے ساتھ چاہے یہ فضل و احسان کرے اور جس کے ساتھ نہ چاہے نہ کرے کسی بندہ کو اُس میں چون و چرا کی مجال نہیں ہے چنانچہ قدیم سے عادتِ الٰہی ایسے ہی جاری ہوئی ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے بندوں میں سے انبیا و اوصیا سلام اللہ علےٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام کو منتخب کرتا ہے اور اُنکو دنیا میں اپنی حجت اور ودیعت قرار دیتا ہے اور اپنے بندوں کے درمیان اُنکو ذریعہ اور وسیلہ قرار دیتا ہے تاکہ دنیا میں ہر شخص کی موت و حیات ایک دلیل اور حجت کے ساتھ قائم ہو۔ اِسی وجہ سے پروردگارِ عالم نے دنیا کو کسی وقت اور کسی حالت میں اپنی حجت کے وجود سے خالی نہیں چھوڑا ہے اور ابتدائے آفرینش سے لیکر وقتِ موجودہ تک کوئی زمانہ حجتِ الٰہی سے خالی نہیں گزرا اُنکے تمام نظام و احکام اپنے اپنے زمانہ میں سفرا و نائبین کے

ذریعہ سے انجام ہوتے تھے اور اب تک اسی معیار پر انجام دیے جاتے ہیں۔

یہ باتیں تمام کرکے سید صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور سیر کناں مجھ کو سواد شہر سے باہر لے آئے اُس مقام پر فضا میں بہت سے چمنہائے لالہ زار شاداب و تیار تھے اور اُن میں صاف و شفاف نہریں جاری تھیں اور مختلف اقسام کے تر و تازہ میوے کثرت سے درختوں میں لگے ہوئے تھے۔ میں نے کبھی اس کثرت سے میوے شام اور عراق کی سرزمین میں بھی نہ دیکھے تھے۔ میں اسی طرح اُنکے ہمراہ ایک باغ سے دوسرے باغ کی سیر کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک خوبصورت جوان پشم سفید کا لباس پہنے ہم لوگوں کے سامنے آیا اور اُسنے ہم لوگوں کو سلام کیا اور پھر فوراً واپس گیا۔ میں نے اُس کی صورت اور ہیئت دیکھکر سید صاحب سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ فرمایا کہ اِس سامنے والے پہاڑ کو دیکھتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ اِس پہاڑ کے وسط میں ایک نہایت خوشنما اور پُرفضا مقام واقع ہوا ہے۔ وہاں پر ایک سایہ دار درخت کے نیچے ایک پاک و پاکیزہ چشمہ صناعِ ازلی نے اِس لطافت اور صنعت سے جاری فرمایا ہے کہ اُس درخت سایہ دار کی شاخیں اُس چشمہ پر آ آ کر باہم ایک حجرہ کی صورت میں ملحق اور متصل ہو گئی ہیں۔ اُس چشمہ کے قریب ایک قبہ نما عمارت بنی ہوئی ہے۔ یہ شخص اور اِس کا رفیق دونوں اس قبہ کے ملازم ہیں۔ ہر جمعہ کے دن صبح کے وقت میں اُس قبہ کی طرف جاتا ہوں اور جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے ارشاد و اقوال سے مشرف ہوتا ہوں۔ دو رکعت نماز پڑھتا ہوں۔ اُس قبۂ مبارک سے مجھ کو ایک جریدہ عنایت ہوتا ہے اور اُس میں وہ تمام احکام مندرج ہوتے ہیں جن کی تعلیم و ہدایت کی مؤمنین کو ضرورت واقع ہوتی ہے اور اُنکو بھی مجھے بتلانا ہوتا ہے۔ جس قدر حکم و احکام اُس جریدہ میں قلمبند ہوتے ہیں میں اُتنے ہی مؤمنین کو بتلاتا ہوں۔ اور جو احکام اُس میں مندرج نہیں ہوتے وہ نہیں بتلاتا۔ تمہیں بھی مناسب ہے کہ قبۂ مطہرہ جناب صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا شرف و اعزاز حاصل کرلو۔ یہ سُننا تھا کہ مجھے کمال مسرت حاصل ہوئی اور میں اُسی وقت اُنکی رفاقت چھوڑ کر اُس کوہِ مقدس کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچا تو میں نے اُس قبۂ مطہرہ کو اُسی شوکت و عظمت کی حالت میں پایا جیسا کہ مجھے بتلایا گیا تھا۔ میں نے دو خادموں کو وہاں استادہ پایا۔ اُن میں سے ایک خادم نے جسنے مجھے سید صاحب کے ہمراہ باغ میں دیکھا تھا اور سلام کیا تھا مجھے اب بھی سلام کیا اور مرحبا کہا۔ اُس کے دوسرے ہمراہی رفیق کو اُسکی یہ تقدیم ناخوش معلوم ہوئی تو اُسنے فوراً اپنے رفیق سے کہا کہ تمہیں ناخوش نہ ہونا چاہیے کیونکہ میں نے اِس مردِ خالص الاعتقاد کو سید شمس الدین صاحب عالم کے ہمراہ فلاں باغ میں دیکھا تھا۔ اپنے رفیق سے میرا حال سُنکر اُسنے بھی میری بڑی تعظیم و تکریم کی۔ پھر دونوں مجھ سے باتیں کرنے لگے اور اِسکے بعد نانِ گرم اور انگور تازہ لاکر میری دعوت کی۔ میں نے بطیبِ خاطر اُنکے تحفوں کو

قبول کیا اور کھایا اور اُس چشمۂ شیریں سے پانی پیا۔ پھر وضو کیا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور بعد نماز کے اُن لوگوں سے دریافت کیا کہ آیا میں اپنے سید و مولا جناب صاحب الامر علیہ السلام کو دیکھ سکتا ہوں؛ اُن لوگوں نے مجھے قطعی انکاری جواب دیا کہ نہیں تم نہیں دیکھ سکتے اور ہم لوگ اِن امور کے افشاء کے لیے ماذون نہیں ہیں اور نہ کسی کو یہاں کے واقعات کی خبر دے سکتے ہیں۔ یہ سُنکر میں خاموش ہوگیا۔ بالآخر میں نے اُن کی خدمت میں عرض کی کہ اگر اور کچھ نہیں تو آپ لوگ میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ چنانچہ اُن دونوں حضرات نے میرے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اِس کے بعد میں وہاں سے لوٹ آیا۔ جب میں مولانا شمس الدینؒ کے دروازے پر پہنچا تو معلوم ہوکہ وہ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ سُنکر میں وہاں سے لوٹا اور شیخ محمد کے گھر آیا۔ یہ وہی بزرگ تھے جن کے ساتھ میں بسوارئے کشتی اس جزیرۂ مطہرہ میں پہنچا تھا۔ اِن سے میں نے اپنا سارا واقعہ دُہرایا جسے سُنکر محمد نے جواب دیا کہ اُس قُبۂ مقدس کے اندر سوائے سید شمس الدینؒ کے کوئی دوسرا شخص نہیں جا سکتا۔ اِس کے بعد میں نے سید صاحب کے ذاتی حالات اور اُنکے حسب و نسب کی بابت اُنسے پوچھا تو محمد نے جواب دیا کہ "وہ اولادِ جناب صاحب الامر علیہ السلام سے ہیں اور اُن میں اور امام علیہ السلام میں صرف پانچ پُشت کا فاصلہ ہے اور وہ حضرتؑ کی طرف سے یہاں عہدۂ نیابت پر مامور و ممتاز ہیں۔ اس کے بعد میں اپنے مقام پر چلا آیا۔

اِس واقعہ کو ایک ہفتہ سے زائد ہوگیا۔ اِسی اثناء میں میں نے ایک دن سید صاحب سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپکی خدمت میں چند ایسے مسائل دریافت کروں جن کی مجھکو اکثر ضرورت پیش آیا کرتی ہے۔ اور میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ میں پورا قرآن مجید آپ کی خدمت میں پڑھکر سُنا لوں تاکہ میری قرأت میں جو کچھ فساد اور نقص واقع ہو وہ بتمامہ دور ہو جائے اور تمام مشکل مقامات اور مشتبہ احکام جو اِس وقت تک میرے فہم ناقص میں نہیں آئے ہیں وہ سب مجھ کو بتلا دیے جائیں۔ میری یہ استدعا سُنکر سید صاحب نے جواب دیا کہ اگر حقیقت میں تم اِن امور کی تحصیل کے لیے ایسے ہی مجبور ہو جیسا کہ تمہارے کلام سے ظاہر ہوتا ہے تو تم اپنی تحصیل قرآن مجید کی ترتیل سے کرو۔ یہ سُنکر میں نے قرآن مجید سے ابتدا کی۔ اور جن مقامات میں کہ قرائے سبعہ کے درمیان اختلاف تھا اُن پر پہنچکر میں نے اُن کی خدمت میں تفصیلاً بیان کر دیا کہ اِس کو حمزۂ کوفی نے یوں پڑھا ہے اور کسائی نے یوں۔ عاصم نے یوں اور ابن عمر نے اور ابن کثیر نے یوں قرأت کی ہے۔ سید صاحب نے کہا کہ میں اِن میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا۔ اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ ہجرت سے پہلے قرآن نہیں نازل ہوا مگر سات حرفوں میں۔ اور ہجرت کے ایام تمام ہونے کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام جناب ختمی مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں بمقام خمِ غدیر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم قرآن مجید جو

آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ تمامہ میرے سامنے تلاوت فرمائیے تاکہ اوائل و اواخر۔ متشابہات۔ غیر متشابہات محکمات۔ غیر محکمات۔ ناسخات اور منسوخات اور اُنکی شانِ نزول وغیرہ ہر سورے کے لیے میں آپ کو بتلا دوں۔ پس اُس وقت جناب علی ابن ابیطالب وحضرات حسنین علیہم السلام و ابی ابن کعب۔ عبداللہ ابن مسعود۔ حذیفہ ابن یمان۔ جابر ابن عبداللہ الانصاری۔ ابوسعید خدری اور حسان ابن ثابت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اُس مجمع میں قرآن شریف کو اوّل سے آخر تک تلاوت فرمایا اور جس مقام پر کچھ شبہ یا شک واقع ہوتا تھا آپ اُسکو جبرئیل امین سے پوچھ لیتے تھے اور وہ آپ کو بتلا دیتے تھے اور جناب امیر المؤمنین علیہ السلام اُس کو اوراقِ چرمی پر لکھتے جاتے تھے اِس رُو سے قرأتِ موجودہ سب جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی ہے۔

پھر میں نے پوچھا کہ بعض عباراتِ قرآنی ایسی نامربوط ہیں کہ اُن کی ابتدا کو انتہا سے کوئی ربط اور واسطہ نہیں ہے۔ اِس کی وجہ ارشاد ہو۔ فرمایا سچ کہتے ہو۔ قرآن مجید میں کئی جگہ ایسا ہے جیسا کہ تم نے دیکھا ہے اِس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا اور دو صنم قریش نے خلافت کو غصب کر لیا تو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے خانہ نشین ہو کر قرآنِ مجید کو جمع کیا۔ اور ایک بقچہ کے اندر رکھکر اُس کو مسجدِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لائے اور اُن لوگوں کو دکھلایا اور کہا کہ یہی کتابِ الٰہی ہے۔ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ میں اِسے تم لوگوں کو دکھلا دوں تاکہ بروز قیامت تم لوگوں پر حجت باقی رہے۔ یہ سُنکر عمر ابن الخطاب نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کو تمہارے جمع کردہ قرآن کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنابِ ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو تم لوگوں کے یہ جواب پہلے ہی بتلا دیے تھے۔ لیکن میں نے اِس وقت جو کچھ تم سے کہا وہ صرف اتمامِ حجت کی غرض سے تھا۔ یہ کہکر وہ قرآنِ مجید لیے ہوئے دولتسرا کی طرف تشریف لے گئے۔ اور اپنی زبانِ مبارک سے فرماتے جاتے تھے لَا اِلٰہ اِلَّا انت وحدك لا شريك لك لا رادّ لما سبق في علمك ولا مانع لما اقتضته حكمتك فكن انت الشاهد عليهم يوم العرض عليك۔ ترجمہ۔ کوئی پروردگار تیرے ایسا بے نظیر اور لاشریک نہیں ہے۔ جو چیز کہ تیرے علم میں گزر چکی ہے کوئی اُسکا رد کرنیوالا نہیں ہے۔ جس چیز کے جاری کرنیکا قصد تیری حکمت میں گزر چکا ہے پھر کوئی اُسکا منع کرنیوالا نہیں ہے۔ پس اِس قوم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اے خُدا تو اُس پر گواہ رہنا۔ اس کے بعد ابن ابی قحافہ نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جس شخص کے پاس کوئی آیت یا سورہ ہو تو وہ اُس کو میرے پاس لائے۔ یہ سُنکر ابوعبیدہ جراح۔ عثمان۔ سعد ابن ابی وقاص۔ معاویہ ابن ابوسفیان۔ عبدالرحمٰن ابن عوف۔ طلحہ ابن عبیداللہ۔ ابوسعید خدری اور حسان ابن ثابت وغیرہم۔ یہ اشخاص آیات وسُوَرِ قرآنی جس قدر کہ

اُن لوگوں کے پاس موجود تھے لائے اور اِس طرح رفتہ رفتہ اِس قرآن کی ترتیب کیگئی۔ اور اُن آیات کو جن میں اُنکے اعمالِ قبیحہ اور افعالِ ذمیمہ کی خبر مندرج تھی عمدًا نکالدیا۔ اِسی وجہ سے آیاتِ قرآنی اُن مقامات پر بالکل غیر مربوط ہوگئیں اور وہ قرآنِ مجید جو جنابِ امیرالمؤمنین علیہ السّلام نے خاص جمع کیا تھا ہمارے آقا جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام کے پاس اُسی طرح محفوظ ہے۔ اُس میں تمام و کمال احکام جن میں گال پر ایک خراش تک پہنچانے کی حد یعنی سزائے شرعیہ پوری تفصیل کے ساتھ درج ہیں موجود ہیں۔ علی ابنِ فاضل کا بیان ہے کہ میں نے اِسی طرح پورے نوّے مسئلے سیّد صاحب کی خدمت میں دریافت کیے اور اُنکے جوابات حاصل کیے۔ اور وہ سب اس وقت تک میرے پاس موجود ہیں۔ اُن کو میں نے ایک رسالہ کی صورت میں خاص طور پر ترتیب دیا ہے اور اُسکا نام **فوائدِ شمسیہ** رکھا ہے اور میں نے اِس وقت تک اُس کو سوائے اپنے برادرانِ ایمانی کے اور کسی کو نہیں دکھلایا۔

بہرحال۔ اُس دن تو اتنی ہی گفتگو ہمارے اور سیّد صاحب کے درمیان ہوکر رہگئی۔ جب دوسرا جمعہ آیا تو مجھے یاد ہے کہ وہ نیمۂ ماہ تھا۔ نماز سے فارغ ہوکر سیّد صاحب اپنے مقام پر تشریف فرما ہوئے۔ میں حسبِ دستور اُنکی خدمت میں حاضر ہوا۔ اتنے میں چاروں طرف سے مسجد میں کچھ لوگوں کی آوازیں آنے لگیں۔ پہلے تو میں نے خیال نہیں کیا۔ تھوڑی دیر تک سُنتا رہا۔ مگر جب اُنکی کوئی ظاہری وجہ نہیں معلوم ہوئی تو میں نے سیّد صاحب سے پوچھا کہ یہ آواز کیسی ہے اور کن لوگوں کی ہے۔ میرے جواب میں اُنھوں نے ارشاد فرمایا کہ جس نیمۂ ماہ کے دن جمعہ ہوتا ہے تو ہمارے لشکر کے امرا سوار ہوکر جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام کے ظہورِ پرنور کے منتظر رہتے ہیں۔ آج چونکہ وہی دن ہے اور وہی تاریخ اِس لیے وہ لوگ انتظارِ ظہور کی غرض سے باہر نکلے ہیں اور یہ آوازیں اُنہی لوگوں کی ہیں۔ یہ سُنکر میں نے سیّد صاحب سے اُنکے دیکھنے کی اجازت مانگی۔ اُنہوں نے مجھے اجازت عنایت فرمائی۔ میں مسجد سے باہر نکل آیا۔ دیکھا کہ ایک جمع کثیر باہر میدان میں تسبیح و تحمیدِ ربِ مجید میں مشغول و مصروف ہے اور خدائے سبحانہ و تعالےٰ کی درگاہ سے جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے ظہورِ پرنور کی دعائیں مانگ رہا ہے۔ یہ دیکھکر میں مسجد میں واپس آیا۔ سیّد صاحب نے پوچھا کہ تم نے ہمارے لشکر کو دیکھا؟ میں نے عرض کی جی ہاں دیکھا۔ فرمایا اُن کو شمار بھی کیا تھا۔ میں نے عرض کی شمار تو نہیں کیا۔ ارشاد کیا کہ شمار میں وہ سب بزرگوار تین سو تیرہ[۳۱۳] ہیں۔ اور یہ وہی سعادتمندانِ روزگار ہیں جو حضرت صاحب الامر علیہ السّلام کی رکابِ ظفر انتساب میں احیائے شریعت اور استیصالِ کفر و ضلالت کے محاسنِ خدمات بجالائینگے۔ یہ سنکر میں نے عرض کی کہ آخر ظہورِ پرنور آپکا کب ہوگا؟ ارشاد ہوا۔ بھائی اِس کا علم سوائے عالم الغیب کے اور کسی کو نہیں ہے اور یہ امر قطعًا اُسکی مشیّت پر منحصر ہے۔ جنابِ امام علیہ السّلام خود اُس وقت کو نہیں جانتے۔ مگر آپ کے ظہورِ پرنور کی چند علامتیں ضرور ہیں اور منجملہ اُنکے ایک نطقِ ذوالفقار ہے اور اُس مقدّس تلوار کا اپنے غلاف سے خود بخود باہر نکل آنا ہوگا اور بآوازِ بلند

امام علیہ السّلام کی خدمت میں یہ عرض کرتا کہ یا ولی اللہ سلام اللہ علیہ اب خدا کا نام لیکر اُٹھیے اور دشمنانِ خدا کو قتل کیجیے۔ اور منجملہ اُن کے تین آوازیں بھی آئینگی۔ جن کو تمام خلائق پورے طور سے سُن لیگی۔ پہلی آواز تو یہ ہوگی کہ اے مؤمنین ہوشیار ہو جاؤ۔ قیامت قریب آگئی۔ دوسری آواز یہ ہوگی کہ خدا کی لعنت اُن لوگوں پر ہو جنہوں نے آلِ محمد علیہم السّلام پر جور و ستم کیا۔ تیسری ندا اُس مجسمۂ قدرتی سے برآمد ہوگی جس کو خدائے سبحانہ و تعالے آفتابِ عالمتاب کے درمیان پیدا کریگا اور وہ ندا کریگا کہ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام دنیا میں ظاہر ہو گئے۔ اُن کے امر و نہی کے احکام کو سنو اور اُنکی اطاعت اور فرمانبرداری بجالاؤ۔

یہ تمام وکمال احوال سُنکر میں نے سیّد صاحب کی خدمتِ بابرکت میں عرض کی کہ ہمکو ہمارے علمائے دین کے ذریعہ سے آپکی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب غیبتِ صغرٰے کے ایام ختم ہوکر آپ کی غیبتِ کبرٰے کا زمانہ شروع ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص غیبتِ کبرٰے کے ایّام میں میرے دیکھنے کا دعوٰے کریگا وہ حقیقت میں جھوٹا ہوگا۔ تو پھر باوجود اس انکارِ صریح کے جناب صاحب العصر والزّمان آپ لوگوں کے درمیان کیسے ظاہر ہوتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔ اور تم سے کہنے والوں نے بھی بالکل سچ کہا ہے۔ بیشک آپ نے ابتدائے غیبتِ کبرٰے کے وقت ایسا ہی حکم نافذ فرمایا تھا مگر بات یہ ہے کہ یہ امر کثرتِ مخالفین کی وجہ سے تھا جن میں سے بعض تو آپ ہی کے اقربا اور عزیز تھے اور باقی بنی عبّاسیوں کے ظلمۂ وقت اور جبّارینِ زمانہ۔ کیونکہ اُن کے عام ظلم و ارتداد اور فتنہ و فساد کی وجہ سے اُس زمانہ میں گروہِ شیعہ کے لوگ نہایت تقیّہ کی مجبورانہ حالتوں میں مبتلا تھے کہ ایک شیعہ دوسرے شیعہ سے آپ کے متعلّق کوئی ذکر نہیں کرسکتا تھا بلکہ ایک دوسرے کو ان تذکروں سے منع کرتا تھا چہ جائیکہ زیارت اور رؤیتِ مبارک کے حالات و واقعات۔ زمانۂ موجودہ میں آپ کی مُدّتِ غیبت کو عرصہ ہو چکا۔ اور خدائے قادر و توانا کی تدبیرِ مشیّت سے فی الحال آپ کے دشمن آپ کے کسی امر پر قابو پانے سے قطعی مجبور ہو گئے ہیں۔ اور وہ لوگ اب ہمارے شہر اور موجودہ آبادیوں سے بہت دور ہیں اور ہم پر کسی طرح قابو نہیں پا سکتے۔ اِس لیے یہاں کے اکثر سعادتمندوں کے واسطے اُس حُکم کا نافذ ہونا ضروری اور لازمی نہیں ہے۔

پھر میں نے پوچھا کہ میں نے اپنے علمائے کرام رضوان اللہ علیہم کی زبانی سُنا ہے کہ غیبتِ کبرٰے کے زمانہ میں جناب صاحب الامر علیہ السّلام نے رقمِ خمس اپنے شیعوں کے لیے معاف فرمادی ہے۔ آیا آپکی نظر سے بھی کوئی ایسی حدیث گزری ہے۔ فرمایا ہاں وہ ساداتِ کرام جو جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی اولاد سے ہوں۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ اُن غلام اور لونڈیوں کی خرید و فروخت کی بھی اجازت ہے جن کو سوائے اہلسنّت کے اور لوگوں نے اسیر کیا ہو۔ فرمایا ہاں۔ کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم کو انکے ساتھ وہی معاملات رکھنے چاہییں جو معاملات وہ ہمارے ساتھ قائم رکھتے ہیں۔ یہ دو مسئلے

ایسے ہیں جن کو میں نے **فوائدِ شمسیہ** میں نہیں لکھا ہے۔ اِس کے بعد سیّد صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام مکۂ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں درمیان رکن و مقام کے اُس سال ظہور فرمائینگے جس کا شماری عدد طاق واقع ہوگا تمام مؤمنین کو چاہیے کہ اِس سالِ مبارک کا انتظار کریں۔ یہ سُنکر میں نے اُن کی خدمت میں عرض کی کہ میرا دلی ارادہ اور قلبی تمنّا یہی ہے کہ آپ کے وقتِ ظہور تک میں آپ ہی لوگوں کے زیرِ سایہ رہا کروں۔ میری یہ تمنّا سُنکر سیّد صاحب نے جواب دیا کہ بھائی! تمہارے وطن کی طرف بھیجدیے جانیکے لیے حکمِ امام علیہ السلام آج ہی میرے پاس آچکا ہے اور اب میرے لیے یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ میں حکمِ امام علیہ السلام کی مخالفت کروں۔ اور تم کو بھی چاہیے کہ حکمِ امام علیہ السلام کی مخالفت نہ کرو۔ ڈرو اور خوف کرو۔ اور دل میں اچھی طرح سوچ لو کہ تم صاحبِ عیال ہو اور ایک زمانۂ مدید گزر چکا ہے کہ تم اُن سے جُدا اور علیٰحدہ ہو۔ اور اب تمہارے لیے اُن کی مفارقت کسی طرح مناسبِ وقت اور مصلحت نہیں ہے۔ اُن کا یہ حکم سُنکر مجھکو سخت افسوس دامنگیر ہوا۔ یہانتک کہ میں رونے لگا اور پھر میں نے سیدصاحب کی خدمت میں عرض کی کہ اگر میں اِس امرِ خاص کی استدعا کے لیے حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی حضور میں خاص عریضہ لکھوں تو یہ سعادت میرے لیے ممکن ہو سکتی ہے۔ اور میری یہ حاجت مقرونِ اجابت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ارشاد فرمایا نہیں۔ اب تمہاری کوئی تحریک اور التجا پذیرائی اور شنوائی کے قابل نہیں۔ یہ سُنکر میری حسرت اور مایوسی اور بھی بڑھ گئی۔ مگر اپنے مقدر کی شومی اور محرومی پر اعتبار کرکے میں بالکل خموش ہو بیٹھا اور تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد میں نے اُنکی خدمت مبارک میں عرض کی کہ مجھے اِس امر کی اجازت اور رخصت حاصل ہے کہ میں نے جو کچھ اس دیار و امصارِ مطہرہ میں دیکھا ہے۔ جو کچھ کہ ارشاد و ہدایتِ دینیّہ کے متعلق آپکی زبانِ صداقت ترجمان سے سُنا ہے اُس کو میں اپنے برادرانِ ایمانی اور اخلائے روحانی سے بیان کروں۔ ارشاد ہوا کہ البتہ تم اُن تمام امور کا تذکرہ اپنے ہموطن مؤمنین سے ضرور کرسکتے ہو کہ اُن کے قلوب کو اِن اذکار و اخبار سے تشفّی اور اطمینانِ کامل حاصل ہو۔ مگر ہاں۔ فلاں فلاں چیزیں جو تمہارے مشاہدے میں آئی ہیں اُنکا بیان کرنا البتہ تمہارے لیے کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُنکے ذکر کرنے سے انکشافِ اسرار کا احتمال قوی ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ جمالِ مبارکِ آنحضرت علیہ السلام کا دیکھنا بھی کسی طرح ممکن ہے یا نہیں؟ ارشاد ہوا کہ اب تک سوائے خاص حالتوں کے اور سوائے اُن خالص مؤمنین کے جو اِس شرفِ سعادت کے لیے منجانب اللہ ماذون ہو چکے ہیں اور کسی کے لیے کبھی امکان نہیں ہو سکتا۔ اور وہ بھی بسا اوقات اِس طرح کہ وہ سعادتمندانِ ز آپ کی زیارت سے مشرّف تو ہوئے لیکن آپ کو مطلق نہ پہچان سکے۔ یہ سُنکر میں نے عرض کی کہ

میں بھی اُن حضرت علیہ السّلام کا مخلص اور صادق شیعہ ہوں مگر باوجود اس اختصاص کے آپکی زیارت کے شرف سے مشرف نہیں فرمایا گیا۔ ارشاد ہوا کہ یہ تم اپنے غلط قیاس سے کہتے ہو۔ ابھی ابھی مجھ کو اسی خط میں پوری حقیقتِ حال سے اطلاع دی گئی ہے اور بتلا دیا گیا ہے کہ تم دو بار جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام کی زیارت سے مشرّف ہو چکے ہو۔ میں اب اُن دونوں موقعوں کو تمہیں یاد دلائے دیتا ہوں۔

ایک تو اُس وقت تم نے جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کی زیارت کی ہے جبکہ تم پہلے پہل سرمن رائے میں آئے تو تم پیچھے رہ گئے تھے اور تمہارے رفیق آگے چلے گئے تھے۔ یہانتک کہ تم اُس چشمہ کے پاس گئے جس میں پانی مطلق نہ تھا۔ پس اُس وقت ایک شخص نقرئی گھوڑے پر سوار نمودار ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک طولانی نیزہ تھا جس کی انی (نوک) دمشق کی بنی ہوئی تھی۔ تم اُس کو اس ہیبت و جلالت سے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھکر ڈر گئے تھے اور تم نے یہ خیال کیا تھا کہ یہ مہیب آدمی کہیں تم سے تمہارے کپڑے نہ اُتروالے۔ تم ابھی اِسی خیال میں تھے کہ وہ شخص تم سے بالکل قریب آگیا اور تم سے کہنے لگا کہ تم کوئی خوف نہ کرو اور نہ ڈرو۔ اُٹھو اور اپنے رفیقوں کے پاس چلے جاؤ۔ دیکھو وہ لوگ سامنے والے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ سیّد صاحب کے یاد دلانے سے مجھ کو یہ سارا واقعہ فوراً یاد آگیا۔ اور میں نے اُن کی خدمت میں اِس واقعہ کی تصدیق کرتے ہوئے عرض کیا کہ کیا وہی بزرگوار ہمارے مولا حضرت صاحب الزّمان علیہ السّلام تھے؟ ارشاد فرمایا ہاں۔ وہی تھے۔

سیّد صاحب نے فرمایا کہ دوسری بار پھر تم کو آپکی زیارت کا شرف اِس طور پر حاصل ہوا ہے کہ جب تم اُس شیخ اُندلسی کے ساتھ جو تمہارا اُستاد تھا دمشق سے مصر کی طرف چلے اور اپنے ہمراہی قافلہ سے پیچھے رہ گئے تو پھر قافلہ تک تمہاری رسائی کسی طرح ممکن نہو سکی تو تم پر سخت خوف کا عالم طاری ہوا اُس وقت ایک سوار ایسے گھوڑے پر جس کی پیشانی اور دونوں پاؤں سفید تھے اور اُس کے ہاتھ میں ایک طولانی نیزہ تھا نمودار ہوا۔ اور تمہاری راہ میں کھڑا ہو گیا تھا اور اُس نے تم سے کہا تھا ذرا بھی خوف نہ کرو اور یہاں سے سیدھے ہاتھ کی طرف والے گاؤں میں چلے جاؤ اور آج کی رات اُنہی لوگوں کے پاس سو رہو اور اپنا طریق و مذہب بھی اُن لوگوں پر ظاہر کر دینا اور اُن سے مطلق تقیہ نہ کرنا کیونکہ اُس قریہ اور اُس کے مضافات کے تمام دیہات کے باشندے جو شہرِ دمشق سے جنوب کی طرف واقع ہیں مؤمنینِ موقنین میں داخل ہیں اور وہ سب کے سب جنابِ امیر المؤمنین اور سائر ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ کے متمسّک ہیں۔ اِتنا فرما کر سیّد صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابنِ فاضل! میں جس سوار کا تم سے ذکر کر رہا ہوں آیا اُس نے تمہاری ہدایت و دلالت کی یا نہیں میں نے کہا بیشک اُسی سوار نے میری کامل رہنمائی فرمائی تھی چنانچہ میں اُنہی کے ارشاد کے مطابق اُس

گاؤں میں پہنچا تھا اور رات بھر مقیم رہا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے میرا بڑا اعزاز و اکرام کیا تھا میں نے اُن سے اُن کے مذہب کی نسبت دریافت کیا تھا تو اُن لوگوں نے بلا تقیہ مجھ سے نہایت آزادانہ طور پر کہا تھا کہ ہم سب کے سب جنابِ امیر المومنین علیہ السلام و سائر ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ پر ہیں۔ میں نے پوچھا تھا کہ یہ طریقہ کب سے تم لوگوں نے اختیار کیا ہے اور کس شخص کے ذریعہ تم کو اس فرقہ کی دعوت پہنچی ہے تو اُن لوگوں نے جواب دیا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ہم کو اس طریقہ کی تعلیم و ہدایت فرمائی تھی۔ اُس زمانہ میں جبکہ خلیفہ عثمان نے اُنکو مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بلادِ شام کی طرف جلاء وطن کر دیا تھا اور معاویہ کے پاس بھیجدیا تھا اور بعد چندے معاویہ نے اُنکو ہم لوگوں کے انہی دیہات کی طرف نکالدیا تھا۔ وہ مقدس بزرگوار رضی اللہ عنہ ہمارے ہی قبیلہ میں قیام فرما ہوئے تھے۔ اور ہم لوگوں نے اُنہی کی برکت اور ہدایت سے اِس نعمتِ عظمےٰ کی تحصیل کا شرف حاصل کیا۔ رات بسر کر کے جب صبح ہوئی تو ہم نے اُن لوگوں سے اپنے قافلہ تک پہنچا دیے جانیکے لیے درخواست کی تھی اور میں نے اُنہیں اپنا مذہب بھی بتلا دیا تھا۔ یہ سُنکر وہ لوگ نہایت مسرور ہوئے تھے اور اُن لوگوں نے اپنے قبیلہ کے دو آدمی میرے ہمراہ کر دیے تھے اور میں اُنہی لوگوں کے ہمراہ اپنے قافلہ تک پہنچ گیا تھا۔ یہ تمام و کمال روئداد سُنا کر پھر میں نے سید صاحب سے عرض کی کہ آیا جنابِ امام صاحب العصر والزمان علیہ السلام ہر سال حج کو تشریف لیجاتے ہیں؟ یہ سُنکر جنابِ سید صاحب نے ارشاد فرمایا کہ یا ابن فاضل! تمام دنیا مومنِ کامل کے اُسکے ایک قدم کا فاصلہ ہے۔ پس اُسکے لیے دنیا کی سیر کیا مشکل ہو سکتی ہے کہ خود جس کے اور جس کے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے یمنِ قدوم اور برکتِ وجود پر بقائے عالم کا انحصار موقوف و محدود ہو۔ ہاں بیشک آپ ہر سال فریضۂ حج ادا فرماتے ہیں اور اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے عتباتِ عالیات پر مدینہ۔ عراق اور مشہدِ مقدس کی زیارت کر کے پھر اِسی دیار و امصار میں واپس تشریف لے آتے ہیں۔

غرضکہ یہ باتیں تمام کر کے سید صاحب نے مجھ کو میرے وطن واپس جانیکے لیے سخت تاکید فرمائی اور بلادِ مغرب میں زیادہ قیام کرنیکی مضرت اور عراق میں واپس جانیکے فوائد اور منافع بیان فرمائے۔ میں نے نہایت عقیدت سے اُنکی ہدایت کو سُنا۔ پھر پانچ درہم جناب صاحب العصر والزمان علیہ السلام کے خاص سکۂ مبارک کے جو اُن دیار و امصار میں رائج تھے مجھے بکمال شفقت عنایت فرمائے۔ میں نے اُنکے نقوش پر غور کیا تو دیکھا کہ اُن درہموں پر لآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ علیّ ولی اللہ۔ محمد ابن الحسن القائم بامر اللہ۔ لکھا ہوا ہے۔ میں نے بڑی خوش قسمتی اور سعادت کا خاص ذریعہ سمجھ کر اُن درہموں کو تبرک کے طور پر لے لیا۔ اِس کے بعد سید صاحب نے مجھے اُسی کشتی پر سوار کر کے جس پر میں آیا تھا مجھے وطن کی طرف بھیجدیا۔ یہانتک کہ میں

شہر بربر کے اوّل شہر میں داخل ہوا۔ اور یہ وہی مقام تھا جہاں میں دمشق اور مصر سے چل کر پہلے پہل پہنچا تھا۔ سید صاحب نے مجھے تھوڑے سے جُو اور گیہوں بھی دیے تھے۔ میں نے اُس غلّہ کو اپنے شہر میں ایک سو چالیس ۱۴۰ دینار طلائی پر فروخت کیا۔ اور اُس جگہ سے علاقۂ طرابلس میں جو مغربی شہروں میں داخل ہے پہنچا اور جناب سید صاحب سلّمہ اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے مطابق میں نے اُندلس کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ مغربی ملکوں کے حجّاج کے ساتھ طرابلس سے چلکر مکّۂ معظمہ زاد اللہ شرفہا کی طرف روانہ ہوا۔ فرائض حج بیت اللہ ادا کیے۔ وہاں سے ملک عراق میں آیا اور یہیں سکونت پذیر ہوا۔ اور انشاء اللہ المستعان میرا ارادہ ہے کہ روزِ وفات تک میں نجف اشرف میں ہی مجاور رہوں۔ میں نے علمائے امامیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سوائے اِن پانچ بزرگواروں کے جن کے نام نامی نیچے لکھے جاتے ہیں اور کسی صاحب کا نام یا ذکر نہیں سُنا۔ اِن میں سے اوّل جناب سید مرتضٰے علیہ الرحمہ (۲) جناب شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ (۳) جناب محمد ابن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ (۴) جناب ابن بابویہ علیہ الرحمہ اور (۵) شیخ ابو قسم جعفر ابنِ اسمٰعیل حلی علیہ الرحمہ۔

(۲) سید امیر علّام کا بیان ہے کہ میں نجف اشرف میں ایک شب کو خاص صحنِ مقدّس میں ٹہل رہا تھا رات بہت جا چکی تھی کہ ناگاہ میں نے ایک شخص کو ضریحِ مطہرہ کی طرف جاتے دیکھا۔ میں اُس شخص کے پہچاننے کے لیے آگے بڑھا تو دیکھا کہ وہ میرے اُستاد مُلّا احمد اردبیلی نور اللہ مرقدہ ہیں۔ اُنکو دیکھتے ہی میں پاسِ ادب کی وجہ سے ایک دوسری طرف چھپ گیا۔ یہاں سے میں نے دیکھا کہ مُلّائے موصوف روضۂ مطہرہ کے دروازے پر پہنچے تو دروازے جو بند کر دیے گئے تھے فوراً کُھل گئے۔ اور مُلّا علیہ الرحمہ روضۂ مقدسہ کے اندر داخل ہو گئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے چلا۔ اور قریب پہنچکر میں نے اپنے کان لگائے اور سُنا تو معلوم ہوا کہ ہمارے اُستاد بزرگوار کسی سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں۔ اِس کے بعد وہ تشریف لائے اور پھر دروازے بدستورِ سابق بند ہو گئے۔ میں اُنکے پیچھے پیچھے اِس طرح روانہ ہوا کہ وہ ذرا بھی نہ جانتے تھے کہ میں اُنکے پیچھے آرہا ہوں یہانتک کہ وہ نجف اشرف کی آبادی سے باہر چلے آئے۔ میں بھی اُنکے عقب میں برابر چلا آیا تا آنکہ وہ مسجد کوفہ میں داخل ہوئے اور اُس محراب مقدّس میں کھڑے ہوئے جس میں جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام ضربِ شمشیر اُٹھا کر فائز بشہادت ہوئے تھے۔ ایک عرصہ تک وہاں کھڑے رہے۔ پھر وہاں سے واپس ہوئے اور شہر کی طرف متوجہ ہوئے۔ میں بھی بدستورِ سابق اُن کے پیچھے پیچھے چلا آیا یہانتک کہ مسجدِ حنّانہ تک پہنچے۔ اتفاق سے مجھے کھانسی آگئی۔ میرا کھانسنا تھا کہ اُستاد نے پیچھے پھر کر دیکھا اور مجھے پہچانکر پوچھا کہ امیر علّام تم اِس وقت یہاں کہاں اور کس ضرورت سے آرہے ہو؟ میں نے عرض کی کہ میں تو روضۂ مقدّس سے آپ کے ساتھ ساتھ ہوں۔ پس اب آپ کو جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کی قسم دیتا ہوں کہ آپ نے اُس وقت سے لیکر اِس وقت تک جو کچھ مشاہدہ فرمایا ہے

وہ سب مجھ سے ارشاد فرما دیجیے۔ مُلّائے مرحوم نے فرمایا کہ اچھا میں تمام و کمال واقعات تم سے بیان تو کیے دیتا ہوں مگر اس شرط پر کہ جب تک میں زندہ ہوں تم اُنکو کسی سے نہ کہنا۔ یہ سُنکر میں نے اُن کے سامنے قسمِ شرعی کھائی مُلّائے مرحوم کو جب میرے اقرار حلفی پر اعتبار ہوگیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ مجھے چند مسائل کے جواب میں جو مجھ سے پوچھے گئے تھے سخت دقت درپیش تھی اور میں اُن کا صحیح جواب دینے میں ازحد متردّد و متفکّر تھا۔ جب مجھے ہر طرف سے مایوسی ہوگئی تو میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ روضۂ مطہرۂ جناب امیر المومنین علیہ السّلام میں حاضر ہو کر ان مسائل کے جواب حاصل کروں۔ چنانچہ میں اسی قصد سے رات کے وقت روضۂ مقدس میں پہنچا تو جیسا کہ تم نے بچشمِ خود دیکھا کہ بغیر کلید کے تمام دروازے میرے لیے آپ ہی آپ کُھل گئے میں اندر گیا اور درگاہِ مجیب الدعوات میں اپنے مسائل کے جوابات کے لیے نہایت الحاح و زاری کے ساتھ دعا کی۔ میں ابھی اپنی دعا میں مصروف تھا کہ قبرِ مطہر سے ندا آئی کہ مُلّا احمد! مسجدِ کوفہ میں چلے جاؤ اور اپنے مسائل کے جواب جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام سے دریافت کرلو کہ وہ تمہیں اُنکے صحیح جوابات سے مطلع کردینگے کیونکہ وہ اس وقت امامِ زمانہ ہیں اور تمام امور کی مصلحت و مناسبت اُنہی سے متعلّق ہے۔ یہ سُنکر میں مسجدِ کوفہ میں پہنچا جیسا کہ تم نے دیکھا۔ اور جنابِ امام آخر الزّمان علیہ السّلام کی خدمت سے جوابات حاصل کیے اور اب مکان واپس جارہا ہوں۔

(۵) ملّا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ کے والدِ بزرگوار علّامہ محمد تقی مجلسی نور اللہ مرقدہ بیان فرماتے ہیں کہ میرے زمانہ میں ایک بزرگ بہت بڑے متقی اور پرہیزگار مشہور تھے ہر سال بلاناغہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ اُنکی نسبت یہ مشہور تھا کہ وہ طیّ الارض کے معجزے اور قدرت پر قادر اور فائز ہیں اتفاقِ وقت سے وہ ایک بار شہرِ اصفہان میں تشریف لائے۔ میں (مُلّا محمد تقی مرحوم) اُنکی آمد سُنکر اُن کے پاس گیا اور اُنسے پوچھا کہ آپ کی نسبت معجزۂ طیّ الارض جو مشہور ہے اُسکی حقیقت کیا ہے؟ وہ سُنکر ہنس پڑے اور فرمانے لگے کہ اُسکی اصلیّت صرف اتنی ہے کہ ایک بار میں حج بیت اللہ کا سفر کر رہا تھا۔ جب میرا قافلہ اُس مقام تک پہنچا جہاں سے مکّہ معظمہ پانچ منزل رہجاتا ہے تو میں اپنے ہمراہی قافلہ سے چھوٹ گیا یہانتک کہ سوادِ قافلہ بھی میری نگاہوں سے بالکل چھپ گیا اور میں راستہ بھی بھول گیا۔ اور اب سخت مضطرب الحال اور پریشان تھا اور مجھ کو پیاس بھی معلوم ہونے لگی تھی۔ یہانتک کہ شدّتِ تشنگی کے باعث میں بیتاب اور بے چین ہوگیا تھا اور نوبت جان جانے کی آگئی تھی۔ اُس وقت میں اپنے عالمِ مایوسی میں چلّا چلّا کر پکارنے لگا یا اباصالح! یا اباصالح! خدائے سبحانہ و تعالےٰ تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ مجھ کو میری راہ بتلا دو۔ اور اس مصیبت سے مجھے نجات دلوا دو۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ سامنے سے ایک سیاہی نمودار ہوئی۔ یہانتک کہ وہ سیاہی بڑھتے بڑھتے بالکل میرے قریب آگئی اور میں نے دیکھا کہ ایک جوانِ رعنا پاک و پاکیزہ صورت۔ گندم گوں۔ خوش وضع اور خوش قطع جس کے سراپا سے شرافت و عظمت کے کُل آثار ہویدا و آشکار تھے ایک ناقۂ خوش رفتار پر سوار ہیں۔

اُنکے دستِ مبارک میں ایک مطہرّہ (لوٹا) بھی تھا۔ میں نے اُنہیں دیکھکر سلام کیا۔ اُنہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کیا تم پیاسے ہو؟ میں نے کہا کہ بہت پیاسا ہوں۔ یہ سُنکر اُنہوں نے وہ لوٹا جو ہاتھ میں لیے ہوئے تھے مجھے دیدیا۔ میں نے وہ لوٹا لیکر پانی پیا اور سیراب ہوگیا۔ پھر مجھ سے پوچھا کیا تم اپنے قافلہ سے ملنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی جی ہاں۔ یہ سنتے ہی اُنہوں نے اپنا اونٹ بٹھلایا اور مجھے اپنے پیچھے سوار کرلیا اور مکّہ معظمہ زاداللہ شرفہا کی طرف تشریف لے چلے۔ میرا ہمیشہ سے معمول تھا کہ میں روزانہ حرزِ یمانی پڑھا کرتا تھا۔ اِس وقت بھی میں نے اُسے پڑھنا شروع کر دیا تھا وہ میرے حرز پڑھنے کو غور سے سُنتے جاتے تھے۔ اور بعض بعض مقامات پر مجھے ٹوکتے جاتے تھے کہ یوں نہیں یوں پڑھو۔ بس ایک لمحہ کے بعد مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم اِس مقام کو پہچانتے ہو؟ اب جو میں دیکھتا ہوں تو میں مکّۂ معظمہ زاداللہ شرفہا کے اُس مقامی حصّہ میں پہنچ گیا ہوں جسے اَبْطَحْ کہتے ہیں۔ پھر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اچھا اب تم اُتر جاؤ۔ میں فوراً اُتر پڑا۔ نیچے اُتر کر جو دیکھتا ہوں تو نہ وہ سواری ہے اور نہ وہ جوانِ صالح۔ اُنکے یوں دفعتاً پوشیدہ ہو جانے سے مجھے یقینِ کامل ہوگیا کہ آپ ہی جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام تھے۔ آپ کی مفارقت کا مجھے سخت صدمہ ہوا اور آپ کے نہ پہچاننے کی وجہ سے مجھے سخت ندامت اور خجالت دامنگیر ہوئی۔ میرے بعد میرا قافلہ داخلِ مکّۂ معظمہ ہوا۔ وہ لوگ مجھے زندہ پاکر از حد مسرور ہوئے۔ اُن لوگوں نے مجھے اتنا جلد پہنچ جانیکی وجہ سے معجزۂ طی الارض سے موصوف کر دیا۔ بات اتنی تھی اور بس۔
(بحار الانوار جلد سیزدہم ۱۳)

(۶) سیّد کاشانی نوراللہ ضریحہ کا بیان ہے کہ ایک شخص کاشانی نجفِ اشرف میں وارد ہوا۔ بیماری کی شدّت اور ضعف و نقاہت کے سبب سے اُس کے دونوں پاؤں بالکل سوکھ گئے تھے اور اُن میں چلنے پھرنے کی ذرا بھی طاقت باقی نہ رہی تھی۔ اُسکی یہ مجبوری و معذوری دیکھکر اُس کے رفیقوں نے اسکو ایک مردِ صالح کی نگرانی میں چھوڑ دیا اور سب کے سب حجِ بیت اللہ کو چلے گئے۔ اُس مردِ محافظ کا روزانہ معمول یہ تھا کہ اپنے حجُرہ کو مقفّل کرکے ہر روز بلا ناغہ اپنی فکرِ معیشت اور نیز تفریحِ طبع کے قصد سے صحرا کی طرف نکل جاتا تھا اور یہ مردِ بیمار اُسی حجُرہ میں تنہا اور بند پڑا رہتا تھا۔ ایک دن اُس شخص بیمار نے اِس مردِ صالح سے بہ منّت کہا کہ اب تو اِس قیدِ تنہائی کی مصیبت سہتے سہتے میرا دل تنگ ہوگیا اور میں اپنی زندگی سے عاجز آگیا۔ اب ایک ساعت کے لیے بھی اِس حجُرہ میں رہنا نہیں چاہتا۔ آپ مہربانی فرما کر مجھے باہر نکالدیجیے اور کسی مقام پر ڈالدیجیے آگے یا قسمت یا نصیب۔ اُنہوں نے میرا کہنا مان لیا اور حجرہ سے مجھے اپنے کاندھے پر چڑھا کر باہر اُس مقام پر لے گیا جو مقامِ قائمُ علیہ السّلام کے مبارک نام سے مشہور ہے۔ وہ مجھے وہاں بٹھلا کر اپنے کپڑوں کو حوض میں دھو کر اور پھر ایک درخت پر سوکھنے کے لیے ڈالکر بدستور صحرا کی طرف چلا گیا۔ میں اُس مقام پر اپنی موجودہ

تنہائی اور بیدست وپائی کی حالت میں بیٹھا ہوا اپنی ناکامی اور سخت جانی پر ملول و محزون ہو رہا تھا کہ اتنے میں ایک جوانِ رعنا خوش رو وخوشبو سامنے سے نمودار ہوا۔ اور اُس مقام کے صحنِ مقدس میں داخل ہوا۔ مجھے سلام کیا۔ پھر اُسی مبارک عمارت میں چلا گیا جو جناب قائم علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ اور وہاں محراب میں استادہ ہو کر اُس نے اس خضوع وخشوع کے ساتھ چند رکعتیں نماز کی پڑھیں کہ میں نے آج تک ایسا خضوع وخشوع کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نماز سے فراغت کرکے وہ باہر نکل آئے اور میرے پاس تشریف لاکر مجھ سے میرا حال دریافت کرنے لگے۔ میں نے عرض کی کہ میں عرصہ سے اِن حالتوں میں گرفتار ہوں اور اِن مصیبتوں میں مبتلا ہوں اور عاجز آگیا ہوں خدائے سبحانہ وتعالیٰ نہ مجھے شفا دیتا ہے کہ میں صحیح وسالم ہو جاؤں اور نہ مجھے موت ہی دیتا ہے کہ میں اِن تکلیفوں سے نجات پا جاؤں۔ یہ سُنکر ارشاد فرمایا کہ تم نہ گھبراؤ خدائے سبحانہ وتعالیٰ یہ دونوں امور تمہیں عنایت فرمائیگا۔ تمہیں شفا بھی ہو جائیگی اور بعد شفایابی کے تمہاری اجلِ موعود بھی آجائیگی۔ یہ فرما کر وہ صحنِ مقدس سے باہر تشریف لے گئے۔ اُنکے تشریف لیجانیکے بعد میرے رفیق کا وہ پیراہن جسے وہ دھو کر درخت پر خشک ہونیکے لیے لٹکا گئے تھے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ درخت سے نیچے گر پڑا مجھ سے یہ دیکھکر نہ رہا گیا۔ میں نے اُسے فوراً اُٹھالیا۔ اور نجس ہو جانیکے خیال سے بارِ دیگر اُسے طاہر کیا اور اُسی طرح درختِ مذکور پر پھر لٹکا دیا۔ جب اتنے کام ایک دم کر چکا تو مجھے خیال آیا کہ مجھ سے ایک قدم تو کیا۔ اِس کروٹ سے اُس کروٹ بدلنے کی تو طاقت تھی ہی نہیں۔ اتنے کاموں کے کرنیکی قوت اِس وقت کہاں سے آگئی۔ یہ سوچکر میں نے اپنی طبیعت اور اپنے مرض دونوں کا بخوبی اندازہ کیا تو طبیعت پر مرض کا کوئی اثر نہ پایا۔ اس امر کے معلوم کرتے ہی مجھے یقین کامل ہو گیا کہ وہ جوان رعنا ضرور قائم آلِ محمد علیہ السلام تھے۔ اور کوئی نہیں۔ میں فوراً اپنے مقام سے اُٹھا اور صحرا میں اِدھر اُدھر آپ کو تلاش کرنے لگا مگر کسی کو کسی طرف نہ پایا۔ آخرِ کار مجھے سخت حسرت اور ندامت حاصل ہوئی۔ میں اپنی جگہ پر چلا آیا۔ اتنے میں میرا رفیق بھی پھر اسی واپس آیا اور میری موجودہ حالت اور فوری صحت کو دیکھکر سخت متعجب اور حیران ہوا۔ اور مجھ سے میری صحتیابی کا باعث پوچھنے لگا۔ میں نے ساری روئداد جو ابھی ابھی آنکھوں سے دیکھی تھی اُس سے بیان کر دی۔ وہ میرے واقعہ کو سنکر میری اور اپنی محرومی قسمت پر سخت حسرت وافسوس کرنے لگا۔ اسکے بعد ہم اور وہ دونوں نجفِ اشرف کی طرف واپس آئے۔

نجفِ اشرف کے تمام اکابر وعمائد کا بیان ہے کہ راوی حدیث اُس وقت تک صحیح وسالم تھا جبتک کہ اُس کے ہمراہی حجِ بیت اللہ معظم کے مناسک بجالا کر پھر نجفِ اشرف واپس آئے۔ اور وہ ان لوگوں سے اپنی اسی صحت وتندرستی کی حالت میں ملا۔ اور وہ لوگ اس کو صحیح وسالم اور قوی وتوانا پاکر

از حد مسرور ہوئے۔ اِس کے بعد وہ تھوڑے دنوں تک زندہ رہا۔ پھر بیمار ہو کر مر گیا۔ اور وہیں صحنِ مقدس میں مدفون ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

بہر حال۔ ہم اُن تمام کثیر التعداد واقعات سے جو اِس بحث کے ثبوت میں ہمارے پیشِ نظر ہیں قطع نظر کر کے صرف مندرجۂ بالا واقعات و مشاہدات پر اکتفا کرتے ہیں اور اِنہی کو اپنی تصدیق و توثیقِ مدعا کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ ہماری کتاب کے ناظرین اِن اخبار اور روحانی آثار کو پڑھکر بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ غیبتِ کبرٰے کے موجودہ ایام میں رؤیتِ امام علیہ السّلام ممکنات سے ہو بھی تاہم اِسکا امکان ہماری سعی و کوشش سے نہیں ہو سکتا ہے بلکہ اِس کا ہونا اور نہ ہونا مشیتِ تقدیر اور ارادۂ الٰہی پر منحصر ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ۔ مبدأ فیض سے یہ سعادت اور شرفِ خاص بھی اُنہی سعادتمندانِ زمانہ کو منجانب اللہ عطا کیا جاتا ہے جن کی کامل الایمانی اور راسخ الاعتقادی کا امتحان خدائے سبحانہ و تعالٰے قبل ہی سے لے چُکتا ہے اور اُن کے خلوص و عقیدت کو پورے طور سے آزما لیتا ہے۔ تا وقتیکہ اُن کا خلوص اور کمال اس درجہ تک ثابت نہ ہو وہ اپنی اِن تمناؤں پر فائز نہیں ہوتے۔ اور پھر بھی فائز بزیارت ہوئے اور نوعی رؤیتِ امام علیہ السّلام حاصل بھی ہوئی تو بھی معرفت امامؑ تو نہیں حاصل ہوئی۔ اِس طرح کہ کسی خاص موقع پر ایسے لوگوں کو زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ مگر معرفت نہیں کرائی گئی جس کی وجہ سے یہ لوگ آپ کو مطلق نہ پہچان سکے۔ اِس وجہ خاص میں جو راز مضمر ہے وہ خدائے تعالٰے کے اسرار کی محافظت تھی اور کچھ نہیں۔ کیونکہ ایسے تمام واقعات اور مشاہدات کے موقعوں پر اگر رؤیت کے ساتھ ساتھ معرفت کی شرط بھی لازم کر دی جاتی تو موجودہ نظامِ غیبت کے فوائد میں انواع و اقسام کے فساد اور خلل کا پورا احتمال تھا۔ ہاں۔ غیبتِ صغرٰے کے زمانہ میں۔ جو واقعات ایسے پیش آئے وہ اوپر اسی کتاب میں بیان ہو چکے ہیں۔ اُن میں بسا اوقات رؤیت کے ساتھ ساتھ معرفت بھی کرا دی گئی ہے اور اسمِ مبارک بھی بتلا دیا گیا ہے۔ اور اِس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ غیبتِ صغرٰے کے ایام تک آپ کا قیام حجاز و عراق کے کسی مقام پر ضرور تھا۔ عام اِس سے کہ آپ کہیں تشریف فرما ہوں۔ اِس لیے رؤیت کا مسئلہ قطعی ممنوع یا غیر ماذون نہیں ہو سکتا تھا۔ اگرچہ اُس زمانہ میں بھی ہر واقعہ رؤیت کے ساتھ ساتھ معرفت کا شرط ہونا بھی ہم تسلیم نہیں کرتے مگر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ غیبتِ کبرٰے کے موجودہ ایام کی طرح اُس وقت رؤیت اور معرفت ناممکن الوقوع نہیں تھی غرضکہ یہ تمام امور مصالحِ ایزدی کے متعلق تھے اور اسی کے ارادے اور تدبیر کے ساتھ پورا واسطہ اور سروکار رکھتے تھے۔ سوائے اُس مدبرِ حقیقی کے کسی دوسرے کو اِس میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ وہ جس وقت اور جس شخص کے ساتھ جیسی مصلحت سمجھتا تھا اپنے ارادہ اور اپنی تدبیر سے اُن امورِ مخصوصہ کے متعلق اپنے احکام نافذ فرماتا تھا۔ چونکہ ہم نے اپنی موجودہ کتاب میں یہ ترتیب ہمیشہ سے

مدِ نظر رکھی ہے کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السّلام کے تمام واقعات۔ حالات اور مشاہدات کو انبیاءؑ و اوصیاءؑ سابقین کے گزشتہ واقعات سے مطابق کرکے اپنی کتاب کے ناظرین کی تشفّی اور اطمینان کردیں اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان حالات اور واقعات کی تمثیل بھی اُن خاصانِ الٰہی کے گزشتہ حالات و واقعات میں دکھلاکر اپنے دعوے کی پوری تصدیق و توثیق کرادیں۔ ہم اِس سے قبل اکثر مقامات پر اسی کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ جناب قائم آلِ محمد علیہ السّلام کے حالات اور واقعات کو انبیاءؑ سابقین اور اوصیائے پیشین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ پوری مشابہت اور مطابقت حاصل ہے۔ اِس بنا پر ضرور ہے کہ آپ کی سیرت اور اُنکی سیرت۔ آپکی صفات اور اُنکی صفات باہم مطابق اور موافق ہوں۔ جیسا کہ اسلام کے سچّے اصول جملہ انبیاءؑ و اصفیاء سلام اللہ علےٰ نبینا وعلیہم کی معرفت کے متعلق ایسی ہی تعلیم دی ہے۔ ہم اسکی تصدیق و توثیق میں اپنی کتاب کے ناظرین کا زیادہ وقت ضائع نہونے دینگے اور اُنکو بہت جلد بتلا دینگے کہ انبیائے سابقین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس دائرہ میں بھی جن حضرات کو غیبت کا حکم ملا تھا اُنکے حالات و واقعات بھی آثارِ قدیمہ میں ایسے ہی پائے جاتے ہیں جن لوگوں نے اِن اخبار و آثار کو مطالعہ فرمایا ہے وہ ان حالات اور واقعات سے بخوبی واقف ہیں۔

زمرۂ انبیاء علیہم السّلام میں سب سے پہلے جنابِ ادریس علےٰ نبینا و آلہ و علیہم السّلام کو ایک خاص میعاد تک ظلمۂ وقت کی ایذارسانی اور ہلاکتِ جانی کے خوف سے غیبت کا حکم ملا تھا اور آپ اُس زمانۂ معدودہ تک آس پاس کے پہاڑوں اور درّوں میں پوشیدہ رہے تھے۔ رزّاقِ مطلق اور حافظِ برحق بحکمِ یرزق من یشاء بغیر حساب ۰ آپ کو اُنکی قوتِ لایموت بھی پہنچاتا رہا۔ اور اُسی تنہا۔ ویران اور سنسان مقام میں جہاں کبھی انسانی بود و باش کا کسی کو خیال بھی نہ آتا ہوگا آپکی پوری پوری نگرانی اور محافظت فرماتا رہا۔ جنابِ ادریس علیہ السّلام ایک عرصہ تک عبادت گزاری اور طاعتِ باری عزّ اسمہ میں شب و روز بسر کرتے رہے۔ اِس درمیان میں آپ کے وہ عقیدتمند اور کامل الایمان معتقدین جو آپکی نبوت کے قائل تھے آپ کا سُراغ لگاتے رہے اور جنگل۔ میدان اور مختلف ویرانوں میں چکر کھاتے کھاتے منزلِ مقصود تک جا پہنچے۔ چونکہ وہ علّام الغیوب اُنکے اخلاص اور ایمان فی القلب سے واقف تھا اور یہ بھی بذاتِ خاص اپنی راسخ الاعتقادی اور کامل الایمانی کے امتحان میں پورے اور کامل اُتر چکے تھے۔ اس لیے اُس واہب العطایا اور خالق البرایا نے اپنی حجّتِ عصر اور نبیِّ زمان علیہ السّلام کو اُن سعادتمندانِ زمانہ کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا اور اِس طرح اُنکو اُنکی شرعی اور دینی ضرورتوں کے پورا کرنے سے جنکے لیے وہ اپنے مقتدا اور پیشوا کی خدمت میں اتنے مصائب اور شدائد اُٹھاکر پہنچے تھے قطعی محروم رکھنا بمقتضائے وَمَنْ سَبَقَتْ رَحْمَتُهٗ غَضَبَهٗ اپنی رحمت اور عام مرحمت کے

محض خلاف سمجھا۔ اپنے رسول۔ اپنے پیغمبر سلام اللہ علیہ کو رویت کا حکم دیدیا اور اُن خالص الایمان مؤمنین کو اپنے پیغمبر کا جمال باکمال دکھلایا۔ وہ سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو ضرورت تھی حضور پیغمبرؑ میں پیش کر کے اُس کے متعلق ضروری اور مناسب حکم سُنکر ہر شخص اپنے جداگانہ مطالب اور مقاصد پر فائز ہوگیا۔ اِن خالص الاعتقاد حضرات کی آمد و رفت ایک عرصہ تک قائم رہی۔ اپنی دینی اور شرعی ضرورتوں کے وقت یہ حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے ارشاد و ہدایت سے مستفاد و مستفیض ہوتے رہے۔ تا اینکہ اُس ظلمۂ وقت حکمران کے ایامِ سلطنت تمام ہوگئے اور وہ عام بیدینی والحاد۔ کفر و ارتداد جو اُس تیرہ و تار زمانہ میں تمام عالمگیر ہو رہا تھا۔ اُٹھ گیا۔ تب جنابِ احدیت عزّ اسمہٗ نے حضرت ادریس علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السّلام کو پھر اپنی قوم اور امّت کی طرف مراجعت فرمانے کی اجازت دیدی۔

انکے بعد قومِ عاد کے واقعات میں جنابِ ہُود علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السّلام کی غیبت کے بھی ایسے ہی حالات پائے جاتے ہیں ان کے بعد جنابِ صالح علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السّلام کے واقعات و حالات بھی ایسے ہی ہیں ان دونوں بزرگواروں نے اپنی اپنی امّت کے گنہگار اور بدکردار ہو جانیکے بعد جب نزولِ عذاب کے علامات و آثار ملاحظہ فرمائے تو خداتعالےٰ نے نزولِ بلا سے پہلے اِن حضرات کو اُنکی گنہگار امت کے درمیان سے علٰحدہ کر دیا۔ یہ دونوں بزرگوار اپنی اپنی امتِ بدکردار کے ہاتھوں طرح طرح کے مظالم اور آزار اُٹھا اُٹھا کر آخر کار ایک میعادِ خاص تک کے لیے۔ جو کئی صدیوں تک بتلائی جاتی ہے غیر متعارف مقامات میں پوشیدہ رہے جہاں سکونتِ بشری کا سوتے جاگتے کبھی خیال ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ واماندگانِ امت میں سے وہ نفوسِ خالص جنکے اخلاص و اعتقاد کا امتحان اور آزمائش پہلے سے ہو چکی تھی۔ اپنے اپنے پیغمبرِ زمان کی مفارقت کو اپنی ضروریاتِ دینیہ کے باعث کسی طرح برداشت نہ کر سکے بالآخر بیچین اور مضطرب الحال ہو کر اپنے اپنے گھروں سے شوقِ زیارت میں نکل کھڑے ہوئے۔ خدائے سبحانہ و تعالےٰ کی رحمت نے بھی اِن سعادتمندوں کو حصولِ سعادت سے باز نہ رکھا۔ اور اِن مشتاقینِ زیارت کو اُن انبیائے مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کا جمالِ باکمال دکھلا ہی دیا۔ جلّ جلالہٗ و عمّ نوالہٗ۔

یہ تو بہت سابق زمانہ کے حالات تھے۔ ایامِ فطرت میں جنابِ یونس علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السّلام کی غیبت کے حالات دیکھے جاتے ہیں تو اُنکے واقعات بھی ایسے ہی ثابت ہوتے ہیں۔ ان سے قبل جنابِ عَزَرْ اور عُزَیر سلام اللہ علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہما السّلام کی طولانی غیبت بھی ایک معتد بہ زمانہ تک تاریخوں سے اور تمام مقدّس کتب سے ثابت ہوتی ہے۔ اِسی درمیان میں اِن میں سے ایک کے لیے خداتعالےٰ نے اُن تمام لوگوں کی استخوانوں کو اپنی قدرت سے بارِ دیگر زندہ فرمایا اور کتمِ عدم سے معرضِ وجود میں لایا۔ جو خوفِ طاعون سے بے حکمِ الٰہی اپنے اپنے گھر چھوڑ کر اس میدان میں بھاگ آئے تھے

اور دوسرے کو خود سنو برس کے لیے موت دیکر پھر مبعوث فرمایا اور اپنی قدرتِ کاملہ کا نمونہ قرار دیا۔
بہرحال۔ یہ واقعات ایسے متواتر ہیں کہ مجھ کو انکی تصدیق و توثیق بہم پہنچانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اِن کے لکھنے اور دکھلا دینے سے مؤلف کا مقصود جو کچھ تھا وہ یہی ہے کہ جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے تمام ابتدائی حالات اور واقعات کو جس طرح انبیاؑ و اوصیاءِ سابقین سلام اللہ علیٰ نبینا و آلہ وعلیہم السّلام کے واقعات سے پوری پوری مماثلت حاصل ہے اُسی طرح آپکے آخری واقعات کو بھی اُن حضرات عم کے حالات سے کامل مشابہت ہے۔ اِس بحث سے پہلے جو مبحث ہماری کتاب میں قلمبند کیے گئے ہیں اُن میں اُن سعادتمند اِن زمانہ کے احوال خصوصیّت کے ساتھ درج کیے گئے ہیں جو غیبتِ صغرےٰ کے ایام میں جناب صاحب الامر علیہ السّلام کی رؤیت اور زیارت کے شرف سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اُنکے بعد مندرجۂ بالا بحث ہمنے خاص طور پر اُن خوش قسمت بزرگواروں کے حال میں لکھی ہے جنہوں نے غیبتِ کبرےٰ کے زمانہ میں (جو موجودہ زمانہ ہے) آپکی رؤیت کی عزّت یا کسی نہ کسی طرح حضور میں رسائی کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ الغرض ان تمام واقعات کو غور سے پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ تمام واقعات کچھ آپ ہی کے ساتھ محدود نہیں ہیں بلکہ اممِ سابقہ کے زمانہ میں بھی انبیاؑ و اوصیاء سلام اللہ علیہم اجمعین کی غیبت کے موقعوں پر بھی قدرتِ الٰہی کے نظام اور مشیّتِ خداوندی کے ایسے ہی احکام نفاذ پذیر ہو چکے ہیں اور اممِ سابقہ کے خالص الاعتقاد اور کامل الایمان حضرات بھی امتناعِ رؤیت و زیارت کے حکمِ عام سے مستثنےٰ فرمائے گئے ہیں۔ جب ہم کو اِس استثناء اور براءت کی مثال اِس کثرت کے ساتھ اخبارِ قدیمہ سے مل رہی ہے تو ہم کو جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے زمانہ غیبت میں بھی اِن واقعات اور اُن خوش نصیبوں کے حالات کو بھی انہی کا معادل اور مسلوی سمجھ لینا چاہیے۔

ہم اپنے موجودہ سلسلۂ تالیف کے ہر نمبر میں بوضاحتِ تمام دکھلا آئے ہیں کہ کوئی حالت ہو۔ کوئی وقت ہو۔ امام اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا۔ ایسی مجبوری اور معذوری کی خاص حالتوں میں بھی مشیتِ الٰہی اور ارادۂ ایزدی اُسکی کشود کاری اور مطلب برآری کا کوئی نہ کوئی سامان ضرور فراہم کر دیتی ہے۔ انّ اللہ یفعل ما یشاءُ وھو علیٰ کلّ شئٍ قدیر اسی کی تعریف ہے۔ اپنے قدیم سلسلۂ بیان کے قائم رکھنے کے لیے ہم اِس مقام پر لکھے دیتے ہیں کہ اپنی غیبت اور امتناعِ رؤیت کے ایسی مجبوری کے زمانہ میں بھی جب ظلمۂ وقت اور جبابرہ عہد کی کفرکرداریوں کی وجہ سے رویت یا زیارت کے عنوان کسی طرح امکان کی صورت نہیں رکھتے تھے تو بھی آپ نے اُن تمام خدماتِ مقدسہ کو جو آپکے فرائضِ امامت میں داخل تھے اُسی طرح اُنکی تمام شرائط کے ساتھ انجام دیا جس طرح آپ سے قبل آپکے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین انجام دے چکے تھے۔ اِن تمام واقعات کی کامل

تشریح اور کافی تصریح اِس کتاب کے ابتدائی حصہ میں بیان ہو چکی ہے۔ اس لیے اُنکے بار دیگر اعادہ سے ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو طول دینا محض بیکار اور فضول سمجھتے ہیں لہٰذا ہم اپنی موجودہ بحث کو تمام کرکے ذیل میں اُن سعادتمندانِ زمانہ کے صرف نامِ نامی اور اسمائے گرامی درج کیے دیتے ہیں جنہوں نے غیبتِ کبریٰ کے خاص ایّام میں آپکی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے اِس وجہ سے کہ اُن میں سے ہر ایک بزرگ کے علٰحدہ علٰحدہ واقعات لکھنا اور شروع سے لیکر آخر تک اُن کے کُل حالات قلمبند کرنا کس قدر طوالت کا باعث ہوگا اور پھر یہ مضامین بطورِ خود ایک طولانی دفتر ہو کر ناظرین کتاب کے بارِ خاطر ہونیکے علاوہ خواہ مخواہ زوائد اور حشویات میں داخل سمجھے جائینگے۔ ان مجبوریوں سے اُن کی تفصیل کتابِ مبسوطہ کے حوالہ پر چھوڑی جاتی ہے۔ اور حسبِ وعدہ صرف اُن بزرگواروں کے ناموں کی تصریح و تفصیل پر اکتفا کیجاتی ہے۔

غیبتِ کبریٰ میں مشرّف بزیارت ہونیوالوں کے نام اور اُنکی سکونت کے مقام

فریقین کے علماء نے لکھا ہے کہ جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام کے دیکھنے والے دو قسم کے حضرات تھے۔ ایک تو وہ جو منجانب امام علیہ السّلام ایّامِ غیبتِ صغریٰ میں نیابت و وکالت کے عہدوں پر ممتاز رہ چکے تھے۔ دوسرے وہ بزرگوار جو اگرچہ ان خدمات پر فائز تو نہ تھے مگر اُنکی کامل الایمانی اور راسخ الاعتقادی ایسی ہی صادق اور صحیح ثابت ہوئی تھی کہ اُنکے اِس اعزاز سے معزّز اور اس شرف سے مشرّف ہونیکا باعث ہوئی۔ بہر حال اِن بزرگواروں کی مکمل اور مفصّل فہرست یہ ہے۔

شہرِ **بغداد** میں عمری[1] اور اُن کے صاحبزادے[2]۔ حاجز[3]۔ بلالی[4] اور عطّار[5] تھے۔ **کوفہ** میں عاصمی[6]۔ **اہواز** میں محمد[7] ابنِ ابراہیم مہزیار۔ **قم** میں احمد[8] ابن اسحٰق۔ **ہمدان** میں محمد[9] ابنِ صالح۔ **رَے** میں بُستامی[10] اور اسدی[11]۔ **آذربائیجان** میں قسم[12] ابن علاء۔ **نیشاپور** میں محمد[13] ابنِ شاذان۔ یہ بزرگوار وہی تھے جو مندرجۂ بالا مقامات میں آپ کی طرف سے اُن خدمات پر مامور تھے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اب ہم ذیل میں اُنکے نام اور سکونت کے مقام بھی لکھے دیتے ہیں جو ان خدمات سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ مگر زیارت سے مشرّف ہوتے تھے۔

شہرِ **بغداد** ابی قسم[14] ابن ابی حابس۔ ابی عبداللہ[15] کندی۔ ابی عبداللہ[16] جُنیدی۔ ہارون[17] قرار۔ نیلی[18]۔ ابی قسم[19] ابنِ دبیس۔ ابی عبداللہ[20] ابنِ فروخ۔ مسرور[21]۔ طبّاخ[22] غلام حضرت امام علی نقی علیہ السّلام۔ احمد[23] و محمد[24] پسرانِ حسن۔ اسحاق[25] کاتب۔ **قبیلۂ نوبخت**۔ صاحب فرّا[26]، اور صاحب صرّہ[27] مختومہ۔ **ہمدان** میں محمد[28] ابن کشمرد۔ جعفر[29] ابنِ ہمدان۔ محمد[30] ابن ہارون ابن عمران۔ **دینور** میں حسن[31] ابنِ ہارون احمد[32] ابنِ اخیہ اور ابوالحسن[33]۔ **اصفہان**۔ ابنِ بادشالہ[34]۔ **ضُمیرہ** میں زیدان[35]۔ **قم** میں حسن ابنِ نصر۔

[۳۸]محمد ابن محمد۔ [۳۹]علی ابنِ محمد۔ [۴۰]ابنِ اسحاق اور اُنکے والد ماجد [۴۱]حسن ابنِ یعقوب۔ رَے میں [۴۲]قسیم ابنِ موسیٰ
اور اُن کے صاحبزادے [۴۳]ابو محمد ابنِ ہارون۔ [۴۴]صاحبِ حصاۃ۔ [۴۵]علی ابنِ محمد۔ [۴۶]محمد کلینی اور [۴۷]ابوجعفر۔
قزوین میں [۴۸]مرداس اور [۴۹]علی ابنِ احمد۔ قابس میں [۵۰ و ۵۱]دو حضرات جن کے نام نہ معلوم ہوسکے۔ ر وز
میں [۵۲]ابن الخیل۔ فارس میں [۵۳]مجروح۔ مرو میں [۵۴]صاحب ہزار دینار۔ [۵۵]صاحبِ رقعۂ بیضا و [۵۶]مال اور
[۵۷]ابو ثابت۔ نیشاپور میں [۵۷]محمد ابنِ شعیب ابنِ صالح۔ یمن میں [۵۸]فضل ابنِ یزید اور اُن کے [۵۹]صاحبزادے
[۶۰]جعفری۔ [۶۱]ابنِ عجمی۔ [۶۲]شمشاطی۔ مصر میں [۶۳]صاحبِ دو مولود۔ شہرِ مکہ میں [۶۴]صاحبِ مال اور [۶۵]ابو رجاء۔
نصیبین میں [۶۶]ابو محمد ابنِ وجنا اور شہرِ اہواز میں [۶۷]حصینی۔ [۶۸]شیخ ابوالقاسم حسین ابنِ روح نوبختی
[۶۹]ہیمی۔ ابی علی ابنِ محمد سمری۔ [۷۰]حکیمہ خاتون دخترِ جناب امام محمد تقی علیہ السّلام۔ [۷۱]نسیم خادمِ جناب
امام محمد تقی علیہ السّلام۔ [۷۲]ابونصر طریف خادمِ آنحضرت علیہ السّلام۔ [۷۳]کامل ابنِ ابراہیم مدنی و [۷۴]بدر خادم
[۷۶]عجوزہ قابلہ مربیۂ احمد ابنِ ہلال ابنِ داؤد۔ [۷۷]کاتب عامی۔ [۷۸]خادمۂ آنحضرت علیہ السّلام۔ [۷۹]جاریۂ ابوعلی
خیزرانی۔ [۸۰]ابی غانم خادمِ آنحضرت علیہ السّلام و [۸۱]جمعے از اصحاب و [۸۲]ابوہارون۔ [۸۳]معویہ ابنِ حکم۔ [۸۴]محمد ابن
العرب ابنِ نوح۔ [۸۵]عمر اہوازی۔ [۸۶]مردِ فارسی۔ [۸۷]محمد ابنِ اسمٰعیل ابنِ موسےٰ ابن جعفر علیہم السّلام۔ [۸۸]ابوعلی
ابنِ مطہر۔ [۸۹]ابراہیم ابنِ عبدہ نیشاپوری و [۹۰]خادمۂ او۔ [۹۱]رشیق بازارمی با [۹۲ و ۹۳]دو نفر (نام نامعلوم)
[۹۴]ابنِ عبداللہ ابنِ صالح۔ [۹۵]ابوعلی احمد ابنِ ابراہیم ابنِ ادریس۔ [۹۶]جعفر ابنِ ہادی علیہ السّلام۔ [۹۷]مردے
از جلادورہ (نام نامعلوم) [۹۸]ابوالحسین محمد ابن محمد ابنِ خلف۔ [۹۹]یعقوب ابنِ منقوش۔ [۱۰۰]ابوسعید غانم ہندی۔
[۱۰۱]محمد ابنِ شاذان کابلی۔ [۱۰۲]عبداللہ سوری۔ [۱۰۳]حاجی ہمدانی۔ [۱۰۴]سعید ابنِ عبداللہ قمّی اشعری۔ [۱۰۵]ابراہیم ابن
محمد ابنِ فارس نیشاپوری۔ [۱۰۶]علی ابنِ ابراہیم مہزیار۔ [۱۰۷]سلیمان ابنِ نعیم انصاری۔ [۱۰۸]زیدی۔ [۱۰۹]برزی۔ [۱۱۰]ابوعلی
محمد ابنِ احمد محمودی و [۱۱۱]علان کلینی۔ [۱۱۲]ابوالہیثم دیناری انبازی۔ [۱۱۳]ابوجعفر احول ہمدانی۔ [۱۱۴]محمد ابنِ ابوالقاسم
عنوی عقیقی مع تیس نفر۔ [۱۴۴]جدّ [۱۴۵]ابی الحسن ابنِ وجنا۔ [۱۴۶]ابوالدّیان خادمِ جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام
[۱۴۷]ابوالحسن محمد ابنِ جعفر حمیری۔ اہلِ قم کی ایک [۱۴۸]جماعت (نام و شمار نامعلوم) [۱۴۹]ابراہیم ابنِ محمد ابنِ احمد
انصاری۔ [۱۵۰]محمد ابنِ عبداللہ ہاشمی قمّی۔ [۱۵۱]یوسف ابنِ احمد۔ [۱۵۲]احمد ابنِ عبداللہ عباسی۔ [۱۵۳]ابراہیم ابنِ محمد
تبریزی۔ [۱۶۴]یاسی اور اُنکے نو ہمراہی۔ [۱۶۵]حسن ابنِ عبداللہ تیمی۔ [۱۶۶]زیدی۔ [۱۶۷]زہری۔ [۱۶۸]ابوسہل اسمٰعیل ابن
علی نوبختی۔ [۱۶۹]عقید حبشی نوبی خادمِ حضرت ہادی علیہ السّلام و مُربّی جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام۔
[۱۷۰]یعقوب ابنِ یوسف ضراب۔ [۱۷۱]غانی با اصفہانی راویِ صلواتِ کبیر۔ [۱۷۲]عجوزہ خادمۂ حضرت امام حسنِ عسکری
علیہ السّلام۔ جو مکہ معظمہ زاداللہ شرفہا میں مقیم تھیں۔ [۱۷۳]محمد ابنِ حسن ابن عبدالحمید۔ [۱۷۴]پدرِ بایزید [۱۷۵]غلام احمد
ابنِ حسن ماذرانی۔ [۱۷۵]ابوالحسن عمری برادرِ محمد ابنِ عثمانؓ نائب دوم۔ [۱۷۶]عبداللہ سفیان۔ [۱۷۷]ابوالحسن حسینی۔
[۱۷۸]محمد ابنِ عباس قصری۔ [۱۷۹]ابوالحسن علی بن حسن یمانی۔ [۸۱]دو مرد مصری جنہوں نے حملِ فرزند کیلیے دعا کی تھی

(۱۸۲) سرور ا نہ عابد متہجد اہوازی۔ (۱۸۳) اُمِ کلثوم دختر ابی جعفر۔ (۱۸۴) محمد ابن عثمان عمری۔ (۱۸۵) رسولِ قمی۔ (۱۸۶) سنانِ موصلی۔
(۱۸۷) احمد ابنِ حسن ابنِ احمد کاتب۔ (۱۸۸) حسن ابنِ علی ابنِ محمد معروف بہ ابنِ بغدادی۔ (۱۸۹) محمد ابنِ حسین صیرفی۔
(۱۹۰) بزاز قمی۔ (۱۹۱) جعفر ابنِ احمد۔ (۱۹۲) حسن ابن قطاۃ صید لانی۔ وکیلِ وقف در واسط۔ (۱۹۳) احمد ابنِ ابی روحؒ۔ (۱۹۴) ابوالحسن
(۱۹۵) خضر ابنِ محمد۔ ابی جعفر محمد ابنِ احمد۔ (۱۹۶) ضعیفہ دینوری۔ (۱۹۷) حسن ابنِ حسین استرآبادی۔ (۱۹۸) مرد استرآبادی۔
(۱۹۹) محمد ابنِ حصین کاتب مروی۔ (۲۰۰) مرد مدائنی مع رفیق۔ (۲۰۱، ۲۰۲) علی ابنِ حسین ابنِ موسٰے ابنِ بابویہ القمی والدِ علامہ
شیخ صدوق نور اللہ مرقدہما۔ (۲۰۳) ابو محمد۔ (۲۰۴) علجی۔ (۲۰۵) ابو غالب احمد ابن محمد ابنِ سلیمان رازی۔ (۲۰۶) حسن ابنِ حمدان
ناصر الدولہ۔ (۲۰۷) احمد ابنِ سورہ۔ (۲۰۸) محمد ابنِ حسین ابن عبد اللہ تمیمی۔ (۲۰۹) ابوطاہر علی ابنِ یحیٰے رازی۔ (۲۱۰) احمد ابنِ براہیم
ابنِ مخلد۔ (۲۱۱) محمد ابنِ علی الاسود۔ (۲۱۲) داؤدی۔ (۲۱۳) عفیف حامل حضرت علیہ السلام از مدینہ منورہ تا سامرہ مقدسہ۔
(۲۱۴) ابو محمد شمالی۔ (۲۱۵) محمد ابنِ احمد۔ (۲۱۶) وہ شخص جس کی معرفت عکرا ایس توقیع موصول ہوئی تھی۔ (۲۱۷) عینان (۲۱۸) حسن ابن
جعفر قزوینی۔ (۲۱۹) مرد قاسمی۔ (۲۲۰) ابوالقاسم جلیبی۔ (۲۲۱) نصر ابنِ صبلح۔ (۲۲۲) احمد ابنِ محمد سراج دینوری۔ (۲۲۳) ابوالعباس
ملقب بہ اُستاد۔ (۲۲۴) احمد برادر زادۂ حسن ابنِ ہارون۔ (۲۲۵) محمد ابنِ احمد ابنِ جعفر القطان وکیل۔ (۲۲۶) حسن ابن محمد
اشعری۔ (۲۲۷) محمد ابنِ جعفر وکیل۔ (۲۲۸) مردِ آبی۔ قصبۂ آبہ کا باشندہ۔ (۲۲۹) ابوطالب خادم۔ (۲۳۰) مردِ مصری۔ (۲۳۱) مرد احسن
ابنِ علی۔ (۲۳۲) ایک شخص رَیضِ حمید کا باشندہ۔ (۲۳۳) ابوالحسن ابنِ کثیر نوبختی۔ (۲۳۴) محمد ابنِ علی شلمغانی۔ (۲۳۵) رفیق ابیطالب
رازی۔ (۲۳۶) ابنِ رئیس۔ (۲۳۷) ہارون ابنِ موسٰے ابن الفرات۔ (۲۳۸) محمد ابنِ یزد۔ (۲۳۹) ابو علی نیلی۔ (۲۴۰) جعفر ابنِ عمر۔ (۲۴۱) ابراہیم
ابن محمد ابن الفرج الرُّجحی۔ (۲۴۲) ابو محمد ہروی۔ (۲۴۳) غزال یا زلال کنیز موسٰے ابنِ عیسٰے ہاشمی و (۲۴۴) ضعیفہ صاحب حقہ۔
(۲۴۵) ابوالحسن احمد ابنِ محمد ابنِ جابر بلاذری عالمِ اہلسنت صاحبِ تاریخ الاشراف۔ (۲۴۶) ابوالطیب احمد ابن محمد
ابن بطہ۔ (۲۴۷) احمد ابنِ حسن۔ (۲۴۸) ابی صالح خجندی پسرِ خواہر ابی بکر ابن نخالی عطار صوفی جو شہر اسکندریہ میں
آنحضرت علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ (غایت المقصود مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۹)

ہم نے اپنے مندرجۂ بالا بیان میں اتنے سعادتمندانِ زمانہ کے نام لکھدیے ہیں جو جناب صاحب الامر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اس میں ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ ہیں۔ اِنکے جدا گانہ واقعات سے وہ تمام اسباب اور بواعث معلوم ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر وہ اِس سعادت مخصوصہ کے لیے منجانب اللہ ماذون کیے گئے تھے۔ مندرجۂ بالا فہرست میں وکلاء۔ سفراء اور نابینین بھی شامل ہیں۔

بہرحال۔ اِن تمام دلائل سے جو اوپر لکھی گئیں اور نیز اُن مباحث سے جو اس سے پہلے قلمبند ہو چکے ہیں یہ امر پورے طور سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان غیبتِ کبرٰے کے ایامِ موجودہ میں بھی اپنے خلوص و اعتقاد کے امتحان میں خدا کے آگے ویسا ہی کامل اور پورا اُترے تو انشاء اللہ تعالٰے جیسا کہ متعدد اور متواتر واقعات اور مشاہدات سے اوپر ثابت ہو چکا ہے ویسا ہی وہ رُویتِ مبارک اور زیارتِ مقدس کے شرف و اعزاز سے۔ عام اِس سے کہ وہ زیارت بلا معرفت ہو یا با معرفت ضرور مشرف

ہوسکتا ہے۔

وجودِ جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام کے متعلق اور دلائل

ہم اپنی بحث کو اِسی تمام ضروری باتوں کے ساتھ کامل طور سے بیان کرکے اپنے سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور اپنی آئندہ بحث میں جنابِ قائم آلِ محمد علیہ السّلام کے وجودِ ذیجود اور آپکی امامت کی متعلق وہ باتیں ذیل میں درج کرتے ہیں جو عموماً متنازع فیہ خیال کیجاتی ہیں۔

اگرچہ اِن مباحث کو ظاہری طور پر ہماری موجودہ تالیف سے اصولِ تاریخی کی بنا پر کوئی خاص تعلق نہیں معلوم ہوتا مگر چونکہ ہمارا نظامِ تالیف اور سلسلۂ ترتیب ہم کو اِس امر پر مجبور کر رہا ہے کہ ہم اپنی موجودہ سیرت نگاری کی ضرورت اور اپنی مؤلفانہ خدمات کی انجام دہی کے اعتبار سے جنابِ صاحب العصر والزمان علیہ السّلام کے متعلق اُن تمام حالات اور واقعات کو پوری تفصیل اور کامل تشریح کے ساتھ قلمبند کردیں۔ جو آپ کی ذاتِ مجمع الحسنات سے وابستہ پائے جاتے ہوں۔ نیز اُن امور کی تصریح و توضیح بھی کامل درجہ کردی جائے جو عام غلط فہمی اور کم بینی کی وجہ سے عام نگاہوں میں مشتبہ اور مشکوک ہوکر اکثر حضرات کی حیرانی اور غیر اطمینانی کا باعث ہو رہے ہیں۔

الحمدللہ علےٰ احسانہٖ ہم اپنا پہلا فرضِ منصبی جو آپکے حالات و معاقعات کی تحریر و تفصیل سے تعلق رکھتا تھا بخیر و خوبی انجام دے چکے۔ اور آپ کے روزِ ولادت سے لیکر غیبتِ کبریٰ کی ابتدا کیا۔ نوعہ زمانۂ موجودہ تک لکھ چکے۔ اِس کے بعد ہم اپنے دوسرے تالیفی فرائض کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور اُن تمام شبہوں کو علیحدہ علیحدہ ذیل کے مباحث میں قوی دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ جو عدمِ واقفیت اور جہالت کی وجہ سے عام لوگوں کو جنابِ صاحب الامر علیہ السّلام کے متعلق لاحق ہوا کرتے ہیں۔

ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ ہم اپنی موجودہ کتاب کے عنوان میں پہلے ہی لکھ آئی ہیں اور اِس مقام کے علاوہ اکثر دوسرے مقاموں پر بھی لکھ چکے ہیں کہ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کی مبارک سیرت کے تمام و کمال حالات اور آپ کی امامت و ہدایت وغیرہ کے سارے واقعات ظاہری طریقوں سے زیادہ باطنی طور پر ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ آپ کے احکام کے نفاذ۔ آپکے ارشاد و ہدایت۔ نظامِ اُمّت۔ حفاظتِ شریعت و احیائے سنّت وغیرہ۔ غرض اِن امور کے متعلق تمام خدمات جو آپ کی ذاتِ والاصفات سے ظہور میں آئیں وہ سب کی سب مشیّتِ الٰہی اور مصلحتِ ایزدی سے متعلق تھیں۔ تدابیر انسانی اور تجاویز بشری کو اُن میں کوئی مداخلت نہ تھی۔ اگرچہ اور تمام انبیاؑ و اوصیاؑ سلام اللہ علےٰ نبیّنا وآلہٖ وعلیہم السّلام کی نسبت بھی انکے تمام اوامر و نواہی کو عین مشیّتِ خداوندی اور ارادۂ الٰہی کے مطابق تسلیم کرنا ہوگا۔ مگر چونکہ سابق تمام ایسے امور ہم کو ایک محجّب ظاہر

کے ذریعہ سے پہنچے تھے۔ اس لیے ظاہری طریقوں کو چھوڑ کر ہم کو اُنکے باطنی ذریعوں کے تلاش کرنے اور سمجھنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ بخلاف اُن حضرات مقدسہ کے ہمارے حضرت صاحب العصر والزمان علیہ السلام کے احکام اور جملہ امور آپکی زبانِ مبارک سے تو ہمکو پہنچے نہیں ہیں بلکہ حسبِ حکمِ خداوندی اور مشیتِ ایزدی کے مطابق۔ جن حضرات معتبرین و مستندین کے ذریعے سے اُس نے چاہا ہمکو پہنچایا ہے۔ انکے علاوہ آپکی غیبتِ خاص کے حالات اور واقعات ہمکو بتلا رہے ہیں اور کامل طور سے ثابت کر رہے ہیں کہ آپکے جملہ امور بخلاف اور حجتہائے الٰہی کے جو آپ سے دونوں غیبتوں کے ایام میں ظاہر ہوئے وہ بالکل مشیتِ الٰہی سے متعلق ہیں۔ اس لیے ہم ان امورِ مخصوصہ اور تدابیرِ مستورہ کی نسبت کسی کی تلاش۔ تحقیق یا کم سے کم کسی غور وفکر کو بالکل فضول اور بیکار سمجھ کر ان تمام کوششوں کو بیجا مداخلت کی حدود تک پہنچا ہوا یقین کرتے ہیں۔ اور اُنکی اِن عملی کارروائیوں کو وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ اَحَدًا کے بالکل خلاف سمجھتے ہیں۔

ان تمام امور کے سمجھنے کے لیے یہی کافی ہے کہ جس طرح سے اور اسرارِ ربانی کے سمجھنے کے لیے ہمارے ادراک اور فہم میں وسعت اور گنجائش نہیں ہے اُسی طرح ان آثار و آیاتِ ربانی کے سمجھنے کے لیے بھی نہ ہم میں اتنی استعداد ہے اور نہ جامعیت۔ نہ ہماری عقل میں اتنی قدرت ہے اور نہ ہمارے دماغ میں ایسی صلاحیت۔ ہم ایک سے ہزار تک اور ہزار سے لاکھوں تک اپنی فکر پر فکر دوڑائیں۔ خیال پر خیال۔ قیاس پر قیاس دوڑائیں مگر کیا؟ تمام راستوں سے تھک کر اور اپنی مجبوری و معذوری کے آخری مرکز پر واپس آکر یہی کہنے لگینگے ۔ قسم خدا کی خدا کے بندو! خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔

ہم کیا ہیں۔ ہمارے ایسے بلکہ ہم سے کہیں اچھے سینکڑوں نہیں ہزاروں نے اپنی اپنی مختلف فکروں میں اپنی عمریں گنوا دیں۔ اپنی جانیں کھپا دیں۔ مگر ہوا کیا۔ منزلِ مقصود تک رسائی نہ پا سکے پر نہ پا سکے۔ اس دریائے ناپیدا کنار میں برسوں غوطہ لگاتے رہے مگر گوہرِ مدعا تک دسترس نہ ہونی تھی نہ ہوئی۔ اتنی جانکاہ مسافت اور دور و دراز کے سفر کے بعد جب حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ منزلِ مقصود ہنوز اُتنی ہی دور ہے اور پائے رفتار بالکل معذور ۔ ہفتاد و دو سال صرف کردم اما ہا معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد۔

اسرارِ الٰہی اور غوامض لامتناہی کی یہی حالت ہے۔ اُنکی عظمت وجلالت کے اعتراف کے لیے ہماری مجبوری کافی ہے اور اُسکے مصدرِ جلال کے آگے ہماری عبودیت کی اعلیٰ اور زیباترین شان یہی ہے کہ ہم اپنی تسلیم اور اجابت و اطاعت کی گردن جھکا دیں۔ اپنی عبادت گزاری۔ عجز و انکساری کے سر نہوڑا دیں۔ اُسکی مصلحت کے احکام ۔ مشیت کے تمام انتظام۔ عام اس سے کہ ہماری دانست ہماری عقل اور ہمارے شعور میں آئیں یا نہ آئیں۔ اپنے لیے عین مصلحت سمجھ کر اُن کو مان لیں۔ اور بغیر

قصدِ مداخلت اُن کی تعمیل میں آمادہ و مستعد ہو جائیں ع اپنی یہی ہے شان فدا اُسکی شان کے۔

بہرحال۔ تمہیداً اتنا بیان کرکے۔ اب ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں اور ایک ایک کرکے ان تمام شبہات کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ آپ کے وجودِ ذیجود کے متعلق جو اختلاف پایا جاتا ہی وہ صرف اتنا ہی ہے کہ اہلسنّت والجماعت کے وسیع دائرۂ معتقدات میں جنابِ صاحب الامر مہدی آخر الزمان علیہ السّلام کی پیدائش ابھی نہیں ہوئی ہے۔ اُسکا صحیح زمانہ بھی صاف نہیں بتلایا جاتا۔ صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ قریبِ قیامت آپ پیدا ہونگے۔ مگر شیعہ فرقہ کے عقائد میں آپ کی پیدائش ۲۵۶ھ؁ ہجری میں واقع ہوئی اور ۲۶۰ھ؁ ہجری سے ۳۳۱ھ؁ ہجری تک پورے ستّر برس آپ غیبتِ صغرےٰ کے زمانہ میں اپنی امارت و ولایت کے تمام کام انجام دیتے رہے جیسا کہ اِس کتاب کے مندرجۂ بالا مباحث سے بتفصیل ثابت ہو چکا ہے۔

بہرحال۔ اِن اختلافات کی بابت جہانتک غور کیا جاتا ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فریقین کے نزدیک نہ آپ کے وجودِ ذیجود کی بابت اصلی مسئلہ میں کوئی اختلاف ہے نہ اُن نصوص الٰہیّہ اور احادیث نبویّہ علےٰ صاحبہا من اللہ الصّلوات والتحیّہ کی نسبت جو آپ کے فضائل و مناقب اور اخبار و آثار کی خبر دیتے ہیں کوئی کلام۔ جو کچھ عذر ہے وہ یہی ہے کہ آپ ابھی پیدا نہیں ہوے۔ ایک وقتِ خاص میں پیدا ہونگے۔ ہم نے جہانتک اِس خاص مسئلہ کی حقیقت میں غور کیا ہے ہم کو یہ ثابت ہوا ہے کہ اِس انکار پر بھی سوادِ اعظم کے تمام علماء کا اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ اُنکے بڑے بڑے معتمد اور مستند علماء کی جماعت شیعوں کی طرح آپ کے پیدا ہو جانیکے مسئلہ کا اقرار کر چکی ہے۔ اور اُنکے اخبار و آثار کو اُسی طرح تسلیم کر چکی ہے جس طرح ایک شیعہ معتقدات کا شخص۔ اور اُنہوں نے اپنے طریقہ کے علماء کے سامنے جو اس مسئلۂ خاص میں اُنکے ساتھ اختلاف رکھتے تھے۔ اِن اخبار و آثار کو پورے دلائل اور براہین کے ساتھ ثابت بھی کر دیا ہے اور اپنے مباحث کو اسانیدِ معتبرہ سے ثابت کرکے دکھلا دیا ہے کہ مخالف حکومت کے دباؤ۔ اُنکے تعلّق اور تملّق نے ایسے روشن اور واضح امور پر تعصّب اور نفسانیت کا تاریک پردہ ڈالدیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں اِس کی اصلیّت اور واقعیّت کالشّمس فی نصف النّہار ہویدا و آشکار ہے۔ اِن حضرات میں سب سے پہلے ہم علامہ بلاذری کا نام لکھتے ہیں۔

علامۂ بلاذری کا اقرار۔ اِن کا نام احمد ابن محمد ابنِ جابر ہے اور کنیّت ابوالحسن۔ یہ صاحب اپنے زمانہ کے بہت بڑے صاحبِ سواد اور صاحب استعداد تھے اور خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے انکو سوادِ ظاہری اور باطنی دونوں بیک جا اور بیک وقت عنایت فرمائے تھے۔ تاریخ الاشراف آپ ہی کی تالیفات سے دنیا میں آج تک یادگار ہے۔ یہ بزرگ غیبتِ صغرےٰ کے زمانہ میں موجود تھے۔ اور اُن سعادتمندانِ زمانہ کے مبارک دائرہ میں شامل۔ جو آپ کی زیارت کے شرف سے منجانب اللہ ماذون ہو کر مشرّف ہو چکے

تھے۔ جیسا کہ ابھی ابھی فہرستِ مندرجہ بالا میں بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے بھی اپنے مشرف بزیارت ہونیکی پوری کیفیت ایک مختصر رسالہ میں جمع فرمادی ہے۔ اور اسی کے ساتھ آپ کے وجودِ ذیجود اور نظامِ امامت اور مصالح غیبت۔ غرض تمام مسائلِ متنازعہ فیہ وغیر متنازعہ فیہ کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے۔ یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔ اور قوم وملّت کی غفلت کی وجہ سے ابھی تک اِس کے ترجمہ کی کیا طبع کی بھی نوبت نہیں آئی۔ خدائے مسبّب الاسباب ایسی نادر اور گرانبہا تالیفات وتصنیفات کے چھپ جانے اور شائع ہوجانیکے سامان بہت جلد فراہم فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔ بمحمد وآلہ الطاہرین۔

محمد عبد الکریم معروف بہ امامِ یمانی ۔ یہ بزرگ بھی علومِ شریعت اور رموزِ طریقت کے بہت بڑے امام اور پیشوا تھے۔ ان کی کتاب تبیان فی بیانِ مہدیِ آخرالزمان علیہ السّلام۔ اِن کی استعداد وجامعیّت اور کمالِ قابلیّت کے ثبوت میں آج تک موجود ہے۔ قابل مؤلف نے آخرِ کتاب میں جب آپ کے متعلق اپنے تمام دلائل وبراہین بیان کرلیے ہیں تو اپنے حسنِ عقیدت اور خلوصِ اطاعت کے تقاضہ سے ایک قصیدۂ مدحیہ آپ کی شان میں منظوم فرمایا ہے جسکا مطلع یہ ہے ؎

وفی یصحن امان یکون لاھلھا   الی ان تریہ نور الھدایۃ مقبلا

مولانا عبد الرحمٰن بسطامی ۔ جن کی مشہور ومعروف کتاب درۃ المعارف علم الحروف میں آج تک تمام شائع وذائع ہے انہوں نے آپ کے متعلق ایسے ہی عقائد کا اظہار فرمایا ہے۔ خصوصًا حرف المیم کی توضیحات میں ایک طولانی اور فصیح وبلیغ قصیدہ آپکی شان میں منظوم فرمایا ہے اُس کا ایک مشہور شعر یہ ہے ؎ ھٰذا ھو المھدیؑ بالحق ظاھرا   سیاتی من الرحمٰن للحق مرسلا
ولایتہ بالامر عند ربہ   خلیفۃ خیر الرسل من عالم العلا۔

شیخ محی الدین اعرابی ۔ جو مسئلۂ شہادتِ جنابِ امام حسین علیہ السّلام میں یزید کے اجتہاد کے قائل۔ اُس کی لعن کے مانع۔ اور اُس کی نجاتِ عقبےٰ کے متوقع ثابت ہوئے ہیں اس لیے اِس مادّہ میں انکا اعتراف واقرار معجزۂ ائمۂ اطہار علیہم السّلام کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنی اُس مشہور ومعروف کتاب میں جس کا نام عنقائے مغرب ہے ایک مفصّل اور مطوّل باب آپ کے احوال میں علیحدہ تحریر کیا ہے اور اُس کے عنوان کو اِس عبارت کے ساتھ قائم کیا ہے۔ فی بیان المہدیؑ الموعود ووزرائہ ۔ اُنہوں نے بھی آپ کی شان میں ایک طولانی قصیدہ نظم کیا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں ؎ فعند فناء جاء الزمان ودابھا   علی مامدلوك الکرود بقوم
مع السبعۃ الاعلام والناس عقل   علیھم بتدبیر الامور حکیم   فانخماصا خمس وخمس وخمسۃ   علیھم تری امر الوجود یقیم۔

پھر اپنی دوسری کتاب فتوحات مکیہ کے ایک خاص باب میں آپ کے متعلق یہ عبارت قلمبند فرمائی

ہے الباب السّادس والستّون وثلثمائة منزل وزراء المهديؑ الظّاهر فی آخر الزّمان الّذی بشّر به رسول الله صلّی الله علیه وآله وسلّم۔ باب تین سو چھیاسٹھ ۳۶۶۔ جناب مہدی آخر الزّمان علیہ السّلام کے وزراء کے مقام کے متعلّق جن کی بشارت جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دی ہے۔

شیخ صدر الدّین المعروف بہ امام قونوی۔ ان کی استعداد و جامعیت سے تمام اسلامی دنیا واقف ہے۔ وہ فقیہ بھی تھے۔ متکلّم بھی۔ محدّث بھی تھے۔ مفسّر بھی۔ مؤرخ بھی تھے۔ حکیم بھی۔ جنابِ امام آخر الزّمان علیہ السّلام کے متعلّق ان کے معتقدات ان کی وصیّت سے بخوبی معلوم ہوتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے بسترِ مرگ پر اپنے شاگردوں کو جمع کرکے پہنچائی تھی۔ چنانچہ انکے حالات میں تحریر ہے۔

قال الشّیخ صدر الدّین لتلامذتہ فی وصایاہ لانّ الکتب الّتی کانت لی من کتب الطّب وکتب الحکماء وکتب الفلاسفه بیعوها وتصدّقوا ثمنها للفقرآء وامّا کتب التّفاسیر والاحادیث والتّصوّف فاحفظوها فی دار الکتب واقرآء کلمة التوحید لا الٰه الّا الله سبعین الف مرّة لیلة الاولی بحضور القلب وبلغوا منّی سلاما الی المهدی علیه السّلام۔

شیخ صدر الدین نے اپنے شاگردوں کو وصیت فرمائی کہ میری جتنی کتابیں علمِ طب۔ حکمت اور فلسفہ میں ہیں اُن کو میرے بعد بیچ ڈالنا اور اُن کی قیمت فقراء پر تصدّق کر دینا۔ لیکن علومِ تفسیر۔ حدیث اور تصوّف کی کتابوں کو کتب خانہ میں محفوظ رکھنا۔ میرے مرنے سے پہلی رات کو خلوص و حضورِ قلب سے ستّر ہزار مرتبہ کلمۂ توحید لآ الٰہ اِلّا اللہ پڑھکر جنابِ امام عصر حضرت مہدی آخر الزّمان علیہ السّلام کی خدمت میں میری جانب سے ہدیہ پہنچا دینا۔

محمد الصّبیان مصری بھی اسی مسلک کے بزرگ ہیں۔ کتابِ اسعاف الرّاغبین انکی بہت بڑی مستند اور جامع کتاب ہے۔ پہلی بار خاص مصر میں پھر ہندوستان میں چھاپی گئی ہے علّامۂ موصوف نے اِس کتاب میں آپکے تمام حالات پوری تفصیل سے لکھے ہیں۔

امام عبد الوہاب شعرانی بھی اِسی عقیدہ کے بزرگ ہیں۔ سوادِ اعظم میں اِن کی کتاب الیواقیت والجواہر بہت بڑی مستند اور مشہور کتاب ہے جو مطبوع ہو چکی ہے اُس کے مبحث خامس والستّون میں تحریر ہے۔

المهدیؑ من ولد الامام الحسن العسکری علیه السّلام ومولده لیلة النّصف من شعبان خمس وخمسین ومائتین وهو باق الی الآن یجتمع بعیسی ابن مریم۔ یعنی جنابِ امام مہدیِ آخر الزّمان علیہ السّلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کی اولاد سے ہیں۔ ولادت آپ کی شبِ پانزدہم شعبان ۲۵۵ہجری میں واقع ہوئی۔ اور آپ اُس زمانہ تک دنیا میں باقی

رہینگے کہ جناب عیسےٰ ابنِ مریم علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام اور آپ اکھٹّے ہو جائیں۔ اِس کے آگے امام موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

ھٰکذا اخبرنی الشّیخ حسن العراقی عن الامام المھدی علیہ السّلام حین اجتمع بہ ووافقہ علی ذٰلک سیّدی علیؒ الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ۔ یعنی علاّمہ عبد الوہاب شعرانی کہتے ہیں کہ جب میں علامہ شیخ حسن العراقی کی خدمت میں پہنچا تو اُن کی زبانی بھی جنابِ امام مہدی علیہ السّلام کی نسبت ایسی ہی واقفیت حاصل کی اور اُنہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ اُنکو آپکے احوال کی تحقیق سید علی خواص کی خدمت سے معلوم ہوئی ہے۔

اِس تحریر سے معلوم ہوا کہ اُنکی خاص ذات کے علاوہ شیخ حسن العراقیؒ اور سید علیؒ خواص کا بھی مسلک اور طریقہ یہی تھا جو عبد الوہاب شعرانی کا۔

شیخ عبد اللطیف الحلبی المتوفی ۱۰۸۰ہجری بھی اِسی عقیدہ کے بزرگ تھے۔ وہ اپنی معتبر کتاب سبحۃ المروارید میں اپنے والد سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں۔

سمعت ابی الشّیخ ابراھیم رحمہ اللہ تعالیٰ قال مشائخی من مشائخ مصر یقول بایعنا الامام المھدی علیہ السّلام۔

میں نے اپنے پدر بزرگوار شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہمارے مصر کے مشائخ میں سے ایک شیخ کو جنابِ امام مہدی آخر الزّمان علیہ السّلام سے بیعت حاصل کرنیکا شرف ملا تھا۔

صاحب ینابیع المودۃ فی القربیٰ شیخ ابراہیم کے ذکر میں لکھتے ہیں وکان الشّیخ ابراھیم فی الطریقۃ القادریّۃ من کبار شیوخ حلب الشھباء المحروسۃ۔

شیخ ابراہیم طریقۂ قادریہ کے اکابر اشیاخ کے اُس سلسلہ میں ہیں جو شہر حلب کے درجۂ ولایت پر مامور تھے اور اُن کا شجرۂ نسب یوں منتہا ہوتا ہے۔

(۱) شیخ اسمٰعیل (۲) شیخ عبد الجواد (۳) شیخ اسمٰعیل ثانی (۴) شیخ محمد وشیخ عبد القادر پسرانِ شیخ اسمٰعیل ثانی۔ یہی شیخ عبد القادر صاحب ینابیع المودۃ کے اُستاد اور مرشد بھی تھے۔ اِنہی کی اولاد میں شیخ طٰہٰ صاحب کتابِ ینابیع المودۃ کی تالیف کے وقت تک زندہ اور قائم تھے۔ یہ تمام حضرات اِس مسئلہ میں خاص طور پر ہمخیال۔ ہمکلام اور ہم زبان ہیں۔

امام محمد ابن طلحۃ الشافعی بھی اِسی مسلک کے بزرگ ہیں۔ علم الحدیث۔ علم الفقہ علم التفسیر اور تاریخ میں بہت بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ انکی کتاب مطالب السئول فی مناقب آل الرسول صلےّ اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اسلامی دنیا میں ذائع وشائع ہے۔ اُس میں بذیل جنابِ امام آخر الزّمان علیہ السّلام یہ عبارت تحریر ہے۔

المهدي هو ابن ابی محمّد الحسن العسکری علیہما السّلام ومولده بسامرہ۔
جنابِ مہدی علیہ السّلام حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السّلام کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی پیدائش شہر سامرہ میں واقع ہوئی ہے۔
اور ایسی ہی عبارت علامۂ موصوف اپنی دوسری کتاب دُرّ المنظم میں بھی جو مطالب السئول سے پہلے کی کتاب ہے تحریر فرما چکے ہیں۔
محمد ابنِ یوسف ابنِ محمد الگنجی الشافعی۔ یہ بزرگ بھی سوادِ اعظم کے امام، محدّث اور بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں۔ انہوں نے ایک جامع و مانع کتاب مخصوص آپ کے احوال میں تحریر فرمائی ہے جس کا نام البیان فی اخبارِ صاحب العصر والزّمان علیہ السّلام ہے۔ اِس کتاب کے بیسویں باب میں جو اِس کا آخری باب ہے آپ کے متعلق یہ عبارت مندرج ہے۔
ان المهدي ولد الحسن العسکری علیہما السّلام فهو حيّ موجود باق منذ غيبته الى الآن ولا امتناع فی بقائه بدليل بقاء عیسی والخضر والياس علی نبيّنا وآله وعليهم السّلام
یعنی جنابِ امام آخر الزّمان علیہ السّلام حضرت امام حسنِ عسکری علیہ السّلام کے صاحبزادے ہیں اور آپ اس وقت تک حالتِ غیبت میں زندہ اور موجود ہیں۔ اور انکے باقی اور قائم رہنے سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ آپ کی بقا پر بھی وہی دلیل قائم ہوتی ہے جو حضرات عیسےٰ۔ خضر اور الیاس علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہم السّلام کی بقا پر قائم ہے۔
امام حموینی محمد ابنِ ابراہیم الشافعی۔ سوادِ اعظم میں جس عظمت و جلالت سے یاد کیے جاتے ہیں اُس کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنی معتبر اور مستند کتاب فرائد السمطین میں قریب قریب یہی عبارت نقل فرماتے ہیں۔
امام مالکی نور الدین علی ابن محمد بھی بہت بڑے مجتہد۔ فقیہ اور مستند علمائے اہلسنّت سے شمار کیے جاتے ہیں۔ اپنی جامع اور مانع کتاب فصول المہمہ میں بذیلِ تذکرۂ جنابِ امام آخر الزّمان علیہ السّلام ایسی ہی عبارت مندرج فرماتے ہیں۔
علّامہ نسفی شیخ عبد العزیز ابنِ علامہ نسفی۔ بھی جن کے اصول و عقائد پر آج تک تمام سوادِ اعظم کے لوگوں کا اتفاق ہے۔ اِسی مسلک کے بزرگ ہیں۔ چنانچہ اُن کے صاحبزادے اپنی کتاب میں بذکرِ فضائل ومناقب جنابِ ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین اپنے والدِ ماجد کی کتاب سے ذیل کی عبارت فارسی ترجمہ میں لکھتے ہیں۔
شیخ الشیوخ علامہ سعد الدین می فرماید کہ پیش از پیغمبر ما محمد صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم در ادیانِ سابق اسمِ ولی نبودہ۔ اسمِ نبی بود۔ ومقربانِ حضرتِ خدا را کہ وارثانِ صاحبِ شریعت می بودند جملہ را انبیاء

می گفتند و در ہر دینے از یک صاحب شریعت زیادہ نہ بود۔ پس در دینِ آدم علیہ السّلام چندیں پیغمبر بودند کہ در وارثانِ او بودند و خلق را بدینِ او و شریعتِ او دعوت می کردند و ہمچنیں در دینِ نوح علیہ السّلام و در دینِ ابراہیم علیہ السّلام و در دینِ موسٰے علیہ السّلام و در دینِ عیسٰے علیہ السّلام۔ و چوں دینِ جدید و شریعتِ جدیدہ بہ پیغمبر ما محمّد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نازل شدہ۔ از نزدِ خدا اسمِ ولی در دینِ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم پیدا آمد۔ حق سبحانہ وتعالےٰ دوازدہ کس از اہلبیتِ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم را برگزید و وارثانِ او گردانید و مقرّبِ حضرتِ خود نمود و بولایت مخصوص فرمودہ ایشاں را نائبانِ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم و وارثانِ او گردانید کہ حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء درحقِ ایں دوازدہ[۱۲] کس فرمودہ شد و حدیث علماء امّتی کانبیاء بنی اسرآئیل درحقِ ایشاں اضافہ نمودہ۔ امّا ولیِ آخرین کہ نائبِ آخرین است۔ ولیِ دوازدہم[۱۲] و نائبِ دوازدہم او می باشد۔ خاتم الاولیاء است۔ و مہدیؑ صاحب الزّمان نامِ اوست۔ اولیاء در عالم بیش از دوازدہ نیستند وامّا آں سیصد و پنجاہ و شش[۳۵۶] کس کہ از رجال الغیب اند۔ ایشاں را اولیا نمی گویند۔ ایشاں را ابدال می گویند۔

عالمانِ شریعت کی طرح رہبرانِ طریقت کے عقائد

سوادِ اعظم کے دونوں طریق کے علماء اور فضلاء۔ ہادی اور مرشد اِس مسئلہ پر متفق ہیں۔ شریعت کے چند علماء کے اقوال سے اُن کے عقائد کے حالات معلوم ہو گئے۔ اب اُنہی کی طرح ہادیانِ طریقت کے عقائد بھی ذیل میں قلمبند کیے جاتے ہیں۔

شیخ المشائخ اور شیخ الاسلام مولانا احمد الجامی النامقی اور شیخ فریدالدین عطّار نیشاپوری و مولانا شمس الدین تبریزی و مولانا جلال الدّین رومی و سیّد نعمت اللہ ولی و سیّد نسیمی وغیرہم یہ کُل حضرات اِس مسئلہ میں متفق ہیں۔ یعنی جنابِ امام آخرالزّمان علیہ السّلام کے وجودِ ذیجود کے قائل ہیں۔

نفحاتُ الانس میں مولانا عبدالرّحمٰن جامی بذیل تذکرۂ مولانا احمد الجامی کہتے ہیں۔

انّ الشّیخ احمد الجامی النّامقی قدس سرّہ دخل فی غار جبل قریب بلدجام بجذب قویّ مّن اللہ جلّ شانہ وکان اُمّیاً لا یعرف الحروف ولا الکتاب وسنّہ کان اثنین و عشرین واستقام فی الغار ثمانی عشرۃ سنۃ من غیر طعام ویاکل اوراق الاشجار و عروقھا وعبداللہ فیہ الی ان بلغ سنّہٗ اربعین سنۃ ثمّ امرہ اللہ تعالیٰ بارشاد النّاس وصنّف کتاباً قدرہ الف ورقۃ تحیّر فیہ العلماء والحکماء من غموض معانیہ وھو عجیب فی ھٰذہ الامّۃ وبلغ عدد من دخل فی طریقہ من المریدین ستمائۃ الف

تفصیل کراماتہ وخوارق عاداتہ مذکورۃ ومن کلماتہ قدس اللہ اسرارہٗ بالفارسیہ۔

مُلّا عبد الرحمٰن جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ شیخ احمد جامی النامقی شہر جام کے قریب والے ایک پہاڑ کے غار میں اپنے اُس قوی جذب کی وجہ سے جو اُن کو منجانب اللہ عطا ہوا تھا داخل ہوئے وہ بے پڑھے لکھے آدمی تھے۔ نہ اُنکو عبارت میں کوئی دخل تھا اور نہ کتابت میں۔ بائیس برس کے سن سے اس غار میں داخل ہوئے تھے اور کامل اٹھائیس ۲۸ برس تک بغیر پکے ہوئے کھانا کھانے کے مقیم رہے۔ ہاں اِس تمام عرصہ میں وہ درختوں کے پتّوں پر اور اُنکی جڑوں پر بسر کرتے رہے۔ اور شب و روز معبودِ حقیقی کی عبادت فرماتے رہے۔ جب ان کا سن چالیس ۴۰ برس کامل کا ہوگیا تب خدائے سبحانہٗ و تعالےٰ نے اُنکو ہدایتِ خلق کا اعلےٰ مناصب اور ارفع مدارج عطا فرمایا۔ اُنہوں نے ایک ہزار صفحہ کی ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کے مباحث اور اغراض و مطالب کو دیکھکر تمام علماء اور حکماء عالمِ حیرت میں غرق ہوگئے۔ اور آپ کی ذات کو امتِ اسلامیہ کے دائرہ میں عجائبات و نوادر سے یقین کرنے لگے اور رفتہ رفتہ چھ لاکھ آدمی آپ کے حلقۂ ارادت وعقیدت میں داخل ہوگئے۔ اُن کی کرامات اور خوارقِ عادات کے تفصیلی حالات نفحات الانس میں کافی تفصیل سے مندرج ہیں۔ ذیل کے فارسی اشعار اُن کی طبع خداداد کے حقیقی نمونے ہیں۔

من ز مہر حیدرم ہر لحظہ اندر دل صفاست
ہمچو کلب اُفتادہ ام بر آستانِ بو الحسنؑ
عابدینؑ تاج سر و باقرؑ دو چشمِ روشنم
ای موالی وصف سلطانِ خراساں راشنو
پیشوائے مؤمنان ہست ای مسلماناں تقیؑ
عسکریؑ نورِ دو چشم عالم است و آدمؑ است
قلعۂ خیبر گرفتہ آں شہنشاہِ عرب
شاعران از بہرِ سیم و زر سخنہا گفتہ اند

از پئے حیدرؑ حسنؑ مارا امام و رہنماست
خاکِ نعلینِ حسینؑ در ہر دو چشم طوطیاست
دینِ جعفرؑ بر حق ہست و مذہبِ موسیٰؑ رواست
ذرۂ از خاکِ قبرش درد منداں را دواست
گر نقیؑ را دوست داری در ہمہ مذہب رواست
ہمچو یک مہدیؑ ہادی در جہاں پیدا کجاست
زانکہ در بازوئے حیدرؑ نامۂ الا فتےٰ ہست
احمدِ جامی غلامِ خاصِ شاہِ اولیاست

۳ شیخ فرید الدین عطار اپنی کتاب مظہر الصفات میں تحریر کرتے ہیں۔

مصطفےٰ ختمِ رسل شد در جہاں
صد ہزاراں اولیا روئے زمیں
مہدیِؑ ہادیست تاج اتقیا
اے توختمِ اولیائے ایں زماں

مرتضےٰ ختمِ ولایت در عیاں
از خدا خواہند مہدی را یقیں
بہترینِ خلق بُرجِ اولیا
از ہمہ عالم نہانی جانِ جاں

جملہ فرزندانِ حیدر اولیا
یا الٰہی مہدیم از غیب آر
اے ولائے تو معیّن آمدہ
اے تو ہم پیدا و ہم پنہاں آمدہ

جملہ یک نور اند حق کرد ایں ندا
در جہاں تا حل گردد آشکار
بر دل و جانہائے روشن آمدہ
بندہ عطارت ثنا خواں آمدہ

مولانا جلال الدین رومی اپنے دیوان میں۔ جو حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ تیار کیا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں۔

اے سرورِ مرداں علیؑ مستاں سلامت می کنند	وے صفدرِ مرداں علیؑ مستاں سلامت می کنند
با قاتلِ کفار گو یا دین و با دیندار گو	با حیدرِؑ کرار گو مرداں سلامت می کنند
با درجِ دو گوہر بگو با برجِ دو اختر بگو	شبیرؑ و با شبرؑ بگو مستان سلامت می کنند
با زینِ دیں عابدؑ بگو با نورِ دیں باقرؑ بگو	با جعفرِؑ صادق بگو مستاں سلامت می کنند
با موسئِ کاظمؑ بگو با طوسئِ عالمؑ بگو	باشد تقیؑ رہبر بگو مستاں سلامت می کنند
با میرِ دیں ہادیؑ بگو با عسکریؑ ہادی بگو	با آں ولی مہدی بگو مستاں سلامت می کنند
با بادِ نوروزی بگو با بختِ فیروزی بگو	با شمس تبریزی بگو مستاں سلامت می کنند

بعض اکابرِ فرقۂ شافعیہ کے یہ اشعار مشہور ہیں۔ جو قصیدۂ دالیہ کے نام سے معروف ہے۔

	وسائلی عن حب اہل البیت ہل	اسر اعلانا بہم ام اجحد
	واللہ مخلوط بلحمی ودمی	حبہم ہم الہدیٰ والرشد
	حیدرہؑ والحسنان بعدہ	ثم علیؑ وابنہ محمدؑ
	وجعفرؑ الصادق وابن جعفرؑ	موسیؑ ویتلوہ علی السند
	اعنی الرضا ثم ابنہ محمدؑ	ثم علیؑ وابنہ المسدد
	والحسنؑ الثانی ویتلو تلوہ	محمدؑ ابن الحسنؑ المسجد
١	فانہم سادتي وقادتي	وان الحساني معشروا قتدوا
	ائمۃ اکرم بہم ائمۃ	اسمائہم مسرورۃ تسطرد
	ہم حجج اللہ علیٰ عبادہ	وہم الیہ منہج ومقصد
	ہم النہار صائم لربہم	وفی الدیاجی رکع وسجد
	قوم لہم مکۃ والابطح وال	خیف والجمع والبقیع الغرقد
	قوم منیٰ والمشعران لہم	والمروتان لہم والمسجد
	قوم لہم فی کل ارض مشہد	لا بل لہم فی کل قلب مشہد

شیخ کامل ابنِ معتوق مصری بھی اِسی عقیدہ کے بزرگ تھے اُن کے ایک قصیدۂ نعتیہ کے چند اشعار جو اُنہوں نے جنابِ امام آخرالزمان علیہ السّلام کے محامد واوصاف میں منظوم فرمائے ہیں ذیل میں قلمبند کیے جاتے ہیں۔

قد اجل عن سائر التشبیہ رتبۃ	اذ فوقہ لیس الا اللہ فی العظم
ہواہ في دیني وایماني ومعتقدي	وحب عترتہ عوني ومعتصمي
وان لحا في معشر وفندوا	وطیبوا انصعنت اوصاف ذاتہم

ائمة اخذ الله العهود لهم	على جميع الورى قبل خلقهم
قد حققت سورة الاحزاب ما	جحدت اعداؤهم وابانت فضل جدهم
كفاهم ما بعمّ والضحى شرفا	والطور والنجم من اي انت بهم
سل الحواميم هل في غيرهم نزلت	وهل اتى هل اتى الا بمدحهم
اكارم كرمت اخلاقهم فبدت	مثل النجوم بسماء في صفاتهم
اطائب يجد المشتاق تربتهم	ريحا تدل على ذات طيبهم
شكر الالاء ربي حيث الهمني	ولاهم وسقاني كاس حبهم

امام **شیخ ابوالحسن** شاذلی۔ جن کی عظمت وجلالت سوادِ اعظم کے ہر فردِ واحد پر ظاہر وثابت ہے اسی اعتقاد کے بزرگ تھے۔ علم خواص الحروف میں بہت بڑے ماہر اور کامل تھے۔ چنانچہ علامۂ موصوف اپنی کتاب اسرار الحروف وآثار العلوم کے خاتمہ میں بذیلِ تذکرۂ جنابِ امام آخر الزمان علیہ السلام یہ دو شعر تحریر فرماتے ہیں۔

اذادار الزمان على حروف	بسم الله فالمهدي قاما
ويخرج بالحطيم عقيبه	الا اقرئه من عندي السلاما

اور بعد میں ایک درخواست اور ایک آیت اخرج یا امام تعطل الاسلام ؛ ان الذي فرض عليك القران لرادك الى معاد۔

علامہ مدینی شیخ ابومدین المغربی بھی اسی طریقہ اور مسلک کے بزرگ تھے۔ انہوں نے بھی آپ کے حالات وواقعات کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

ملک العلمائے دولت آبادی شیخ شہاب الدین بھی جو سوادِ اعظم اہلسنت والجماعت کے علمائے معتبرین اور فضلائے اعظم سے شمار کیے جاتے ہیں اسی عقیدہ کے متمسک تھے۔

علامہ ابنِ حجرِ مکی بھی اسی عقیدہ کے بزرگ تھے۔ انکی عبارت کو صواعقِ محرقہ کی اسناد سے ہم ایک مقام پر اوپر لکھ چکے ہیں۔ مناسبتِ مقام اور ناظرین کے مزید اطمینان کے لیے ہم پھر بارِ دیگر اسکو ذیل میں لکھ دیتے ہیں۔ وہو ہذا۔

وتوفي الحسن العسكري عليه السلام سنة ستين ومائتين ودفن عند ابيه وعمره ثمان وعشرون سنة ويقال انه مات بالسمّ ايضا ولم يخلف غير ولده ابى القاسم محمد الحجة وعمره عند وفات ابيه خمس سنين لكن اتى الله تبارك وتعالى له العلم والحكمة ويسمى القائم المنتظر لانه ستر وغاب فلم يعرف اين ذهب۔

جنابِ ابو محمد حسن العسکری علیہ السلام نے سنہ ٢٦٠ ہجری میں وفات پائی اور اپنے والدِ ماجد کے پاس

مدفون کیے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو بھی زہر دیا گیا۔ آپکی کوئی اولاد سوائے ابوالقاسم محمد الحجۃ علیہ السلام کے باقی نہیں ہے اور آپ کی عمر اپنے والدِ بزرگوار کی وفات کے وقت پانچ برس کی تھی لیکن خدائے تبارک و تعالےٰ نے آپ کو اسی زمانہ سے علم و حکمت عطا فرمائی تھی۔ آپ کو القائمؑ اور المنتظر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ ایکبارگی پوشیدہ اور عام نگاہوں سے غائب ہو گئے۔ اور کسی شخص کو یہ نہ معلوم ہوا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے۔

اِن عالمانِ شریعت اور ہادیانِ طریقت کی عظمت و جلالت کی جو شان ہے وہ سوادِ اعظم کے بچّہ بچّہ پر بخوبی ظاہر ہے۔ میرے لکھنے کی محتاج نہیں۔ صواعقِ محرقہ کی آخر عبارت اور انتہائی تصدیق و تحقیق سے جو اوپر لکھی گئی آپ کی ولادت اور غیبت کے حالات معلوم ہو گئے۔ پھر اتنے مشاہیر متواترہ اور اسانید متکاثرہ۔ جو ایک فرقۂ خاص کے اتنے بڑے علماؤ فضلاء اور مشائخ کبار کی تصانیف و تالیفات سے مستنبط کیے گئے ہیں۔ جب اِس مسئلۂ خاص پر متفق پائے جاتے ہوں تو پھر دو چار علماء کا یہ لکھدینا کہ آپ کی ولادت نہیں ہوئی بلکہ قریبِ قیامت ہوگی کیونکر قابلِ اعتبار سمجھا جاسکتا ہے۔

اب ہم کو یہ اور بتلا دینا ہے کہ آخر اِس مہمل افواہ اور اِس سوء اعتقادی کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی۔ ہم اِسکی وجہ بھی بتلائے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جن حضرات نے اُس وقت کی اور کتابوں کو نہیں صرف ہمارے ہی سلسلۂ تالیف کے تمام نمبروں کو ملاحظہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ اُس زمانہ میں عموماً حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے تمام اخبار و آثار مٹانے اور اُنکے فضائل و مناقب کے گھٹانے کی کیسی کیسی جی توڑ کوششیں کیجاتی تھیں اور پھر ہمارے حضرت صاحب الامر علیہ السّلام کے تمام حالات و واقعات پر تو اُن کے روزِ ولادت سے غیبتِ صغرےٰ کے ایّام تک خاص طور پر حسد تعصّب اور نفسانیت کے ایسے ایسے تیرہ و تاریک اور گہرے پردوں پر پردے پڑے تھے اور آپ کے اخبار و آثار سے جو منجانب اللہ والرّسولؐ خلائق کو بتلائے اور پہنچائے گئے تھے انکار پر انکار کیے جاتے تھے اور تمام دنیا کو آپکے اصل وجود ہی سے انکار و امتناع کی تاکیدِ اکید کیجاتی تھی چنانچہ ہم اِن واقعات کو اُن کے مقاماتِ مناسب پر اوپر بالتفصیل لکھ آئے ہیں۔ چونکہ عام امتناع و انکار کے سخت و شدید انتظام میں خاص طور پر سلطنت کی طرف سے احکام پر احکام نافذ کیے جاتے تھے۔ اِس لیے تمام علماؤ فضلاؤ فقہاؤ مورّخین و محدثین و مفسّرین غرض علم و دانست کے تمام اصحاب و ارباب۔ مجبوری۔ معذوری یا خود غرضی اور شکم پروری کی وجہ سے اس غلط فہمی کی اشاعت اور عقیدت پر مجبور ہو گئے۔ کیونکہ اُنکی اُس وقت ایسی مجال نہ تھی کہ وہ مدبّرانِ سلطنت کی منظور کردہ تدبیروں سے کبھی اختلاف و انحراف کر سکتے۔ ایسے خطرناک وقت میں نہ اُن کے مُنہ میں زبان تھی اور نہ سینہ میں کلیجہ جو سلطنت کے ساتھ خلاف ورزی اختیار کر کے اظہارِ حق کی جرأت کرتے اور یوں اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالتے۔ ایک تو سلطنت کے ایسے سخت اور شدید مظالم نے علمائے متقدمین کے

عام طبقہ کو اظہارِ حق اور اعلائے کلمۃ الحق سے باز رکھا۔ دوسرے اُنکی کورانہ تقلید اور حسد و نفسانیت کی تاکید نے اُن کو تعصب اور نفسانیت کے گہرے دریاؤں سے نہ نکلنے دیا اور اصحاب کبار کے مقابلہ میں حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب کی طرف سے عدم توجہی اور غفلت کی عالمگیر شامت نے جو انتظام خلافت کے شروع زمانہ سے لیکر اس وقت تک انکے سروں پر سوار تھی ان حضرات کو اور بھی اِن امور کے اظہار و افشاء کی طرف متوجہ اور مصروف نہ ہونے دیا۔ ورنہ ممکن تھا کہ جس طرح دنیا میں اور لوگوں نے سلطنت کے مظالم کے خلاف پوشیدہ اور مخفی طور پر اپنے بعض مطالب مقاصدِ تالیفی کو اپنے زمانۂ حیات میں قلمبند کر دیا ہے اور اُس کو اپنے بعد اپنا یادگار چھوڑا ہے اور جن کو اُنکے اور اُنکے زمانہ کے گزر جانیکے بعد قوم و ملت نے عظمت اور وقعت کے اعتبار سے ہاتھوں ہاتھ لیا ہی اُسی طرح یہ بھی آپ کے اخبار و آثار کو سلسلہ وار ضبطِ تحریر میں لاتے اور اِن تالیفات کو اپنی باقیات الصالحات بنا جاتے۔ مگر افسوس! اگر کسی وقت اِن امور کی طرف وہ توجہ کرتے بھی تو اُنکی وہی کورانہ تقلید۔ حسد۔ تعصب اور نفسانیت اُنکو کب ایسا کرنے دیتی۔ اگر وہ ایسا کرتے تو تقلیدِ سلطنت کے دائرہ سے باہر ہو کر ارتداد کے حلقہ میں داخل اور کُلُّهُمْ عُدُوْلٌ کے عام اصول سے خارج ہو کر کفر و الحاد کے سلسلہ میں شامل کر دیے جاتے۔ یہی وجہیں تھیں جو اُنکو توفیقات کی حدود تک نہ پہنچا سکیں۔ مگر قدرت کے نظام اور مشیت کے احکام کی خبر کسکو تھی۔ اُنہی کی خاص جماعت اور خاص طبقہ میں بہت سے ایسے افراد نکلے جو جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے وجودِ ذیجود کے اقرار کو اپنا ایمان سمجھکر اس پر کامل اعتقاد رکھتے تھے اور پھر اِن بزرگواروں نے اپنے اِن عقائد کو پوشیدہ بھی نہ رکھا بلکہ آزادانہ طور سے اُنکو اُنکی قوی اور معتبر دلائل کے ساتھ اپنے اُن معاصر علماء و فضلاء کے مقابلہ میں بیان کر گئے جو اِن امور میں اُن کے مخالف ثابت ہوتے تھے۔ اُنکی بڑی بڑی ضخیم اور عظیم تالیفات و تصنیفات اُنکے دلائل و براہین سے بھری پڑی ہیں۔ جو اپنے مخالف کو اِس مسئلۂ خاص میں دندان شکن جواب پہنچا کر قطعی طور پر ساکت اور بالکل خاموش بنا چکی ہیں۔ اِن میں سے بعض کتابوں کے نام اوپر لکھے گئے ہیں اور اُن کی عبارت جا بجا سے بقدرِ ضرورت قلمبند کر دی گئی ہے۔ اِن حضرات نے اپنے ایّامِ حیات میں عوام اسلام کو اپنے عقائد کی تعلیم و ہدایت بھی کی ہے اور اپنے دیار و امصار میں اِن امور کی توسیعِ اشاعت بھی۔ پھر جب اِس مسئلۂ خاص میں علمائے کرام کی ایک کثیر جماعت اتفاق کر کے اسیر اپنے اقرار اور اعتراف کا کامل اظہار کر چکی ہو تو ہم کو سمجھ لینا چاہیے کہ اِس مسئلہ کی حالت اصلی طور پر کبھی متنازع فیہ نہیں رہی بلکہ اِس میں مصنوعی طور پر صرف حسد۔ نفسانیت اور تعصب کے اصول اور کورانہ تقلید کی غیر ضروری اور غیر مفید تعقید کو مدِّ نظر رکھکر خواہ مخواہ کی مخالفت اور حق ناحق کی منازعت پیدا کی گئی ہے۔ ورنہ اگر کامل غور و تحقیق سے اسلامی علماء کے دائرہ میں اِس مسئلہ کی تلاش اور جستجو فرمائی جائے تو معلوم

ہوجائیگا کہ علمائے متقدمین کے نزدیک یہ مسئلہ کبھی مختلف فیہ نہیں تھا۔ اور خلافت کے زمانہ تک اسکی نسبت کسی قطع و برید اور اخفائے حقیقت کی کوشش نہیں کیگئی۔ بلکہ تمام اہلِ اسلام عام طور سے اُنہی نصوص الٰہی اور حدیث رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر راسخ الاعتقاد تھے جو اُن کو رسالت و نبوّت کے مبارک ایّام میں مخبرِ صادق کی زبانی پہنچ چُکی تھیں۔ چنانچہ آپ کے وجودِ ذیجود کے متعلق بہت سے تفصیلی حالات خلافتِ چہارم کے ایّام میں جناب امیر المؤمنین علی ابنِ ابیطالب علیہما السّلام کی زبانی معلوم ہوئے ہیں اور جو اس وقت تک آپ کے مختلف اقوال۔ ارشادات اور احکام میں محفوظ و موجود ہیں۔ مگر خلافتِ رابعہ کے تمام ہوجانیکے بعد جہاں اسلام میں ہزاروں خفیہ اور پوشیدہ بدعتیں داخل ہوگئیں وہاں آپس کے حسد۔ نفسانیت اور تعصّب نے علمائے اسلام کو اُنکی ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے جو زیادہ تر سلطنت کے خوف اور دباؤ سے تھیں اِس جہالت اور سوءِ اعتقادی کے گڑھوں میں گرادیا۔ اور پھر اُنہوں نے بھی بقولیکہ ع ہم توڈوبے ہیں مگر تم کو بھی لے ڈوبینگے۔ اپنے ساتھ عوام کالانعام کی بھی مٹی خراب کردی۔ اور اُنکو بھی اس کے ادراکِ حقیقت سے مجبور و معذور رکھکر محض تاریکی اور عدم واقفیت کی حالت میں چھوڑدیا۔ مگر اُنکی ان مخالفانہ کوششوں میں جو بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ وہ نصوص الٰہی اور منشورِ حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم جو آپ کے متعلق پوری بشارت دے رہے تھے کیسے نسیًا منسیًا کردیے جاتے۔ اِس لیے اُن اقوالِ صحیحہ میں یہ ترمیم کیگئی کہ حضرت امام العصر علیہ السّلام کے متعلّق انعقادِ ایّام کا ٹھیک زمانہ نہیں معلوم ہوتا۔ اِس لیے آپ کی ولادت باسعادت تا بقربِ قیامت وقوع پذیر نہیں تسلیم کیجاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ حُبُّ الشَّیْءِ یُعْمِیْ وَ یُصِمُّ۔ کسی شے کی محبّت انسان کو اندھا اور بہرا بنادیتی ہے۔ اِس ترمیم میں دو مشکلیں ایسی واقع ہوئی ہیں جن سے مخلصی اور نجات کی کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔

ایک تو یہ ہے کہ اِس نئی ترمیم اور اِس جدید عقیدہ کی رو سے جنابِ امامِ زمان علیہ السلام کا امامِ یازدہم حضرت ابو محمدؑ حسن العسکری علیہ السّلام کے خاص فرزند صلبی ہونیکی بشارت بالکل بے اصل اور بے دلیل ثابت ہوجاتی ہے۔ کیونکہ جب قربِ قیامت تک اس معاملہ کو پہنچایا جاتا ہے تو پھر حضرت امام حسنِ عسکری علیہ السّلام کا خاص فرزند ارجمند ہونا کیسے صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اور جب یہ امر صحت سے خالی پایا گیا تو پھر جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وہ تمام حدیثیں جن میں حضرات ائمۂ اثنا عشر علیہم السّلام کے نام فرداً فرداً بقیدِ ابنیّت کامل تصریح کے ساتھ موجود ہیں بالکل جھوٹی اور مصنوعی ثابت ہوتی ہیں۔ اور پھر اِنہی کے ساتھ اِن کے تمام رُوات اور وہ تمام علمائے اعلام جنہوں نے اپنی اپنی تالیفات و تصنیفات میں اِن کو نقل کیا ہے وہ بھی اعتبار کے قابل نہیں رہتے۔ چنانچہ وہ حدیث جو امام حموینی نے طرازِ المحدثین ابو المؤیّد موفق ابنِ احمد الخوارزمی کی خاص اسناد سے

لکھی ہے جس میں جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصیا، اور خلفاءِ دوازدہ گانہ کے نامِ نامی علیحدہ علیحدہ اور فرداً فرداً اُنکی ابنیّت کے ساتھ لکھے ہوئے ہیں۔ اور اِسی طرح فرائد السمطین میں وہ حدیث جو مجاہد اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی اسناد سے مندرج ہے۔ اور اس میں بھی حضرات ائمۂ اثنا عشر علیہم السلام کے نام فرداً فرداً بالقید ابنیّت لکھے گئے ہیں۔ یونہی کتابِ مناقب میں واثلہ ابن الاصقع نے حضرت جابر ابن عبداللہ الانصاری کی اسناد سے۔ جو حدیث لکھی ہے اُس میں بھی اِن حضرات علیہم السلام کے نام علیحدہ علیحدہ ابنیّت کے ساتھ لکھے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں بھی جابر ابن عبداللہ الانصاری کی زبانی جو حدیث لکھی ہے اُس میں بھی یہی تفصیل اور تشریح درج ہے۔

ہم نے یہاں تو صرف یہی چند حدیثیں لکھدی ہیں جن سے ہمارے بیان کی تصدیق ہو جاتی ہے جسکو ضرورت ہو وہ کتاب مجمع البحرین مؤلفۂ مولانا احمد حسین عظیم آبادی حنفی المذہب لیکر پڑھ لے۔ اِس کتاب میں ایسی تمام حدیثوں کو پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ ایک ایک کرکے جمع کر دیا ہے۔

اب اِس ترمیم کی رُو سے جب آپ کی ولادت کا معاملہ قیامت ہی پر اُٹھا رکھا گیا تو قبلِ وقوعِ قیامت حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کو جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کا صُلبی فرزند قرار دینا کیا معنی؟ کیونکہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا انتقال تو باتفاقِ فریقین ۲۶۰ ہجری میں واقع ہو گیا۔ پھر جو مولود کہ قریبِ قیامت پیدا ہوگا وہ آپ کا خاص فرزند کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کیونکہ ایسا یقین اور ایسا اعتقاد تو مشاہدات کے خلاف ہے جو کبھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں تمام حدیثیں جنابِ امام آخر الزمان علیہ السلام کو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا صُلبی فرزند قرار دیتی ہیں۔ تو ایسی حالت میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس کے قول کو ترجیح دیجائے اور کس کو اعتبار کے قابل سمجھا جائے۔ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و ارشاد کو یا اِن علماء کے قیاسی اجتہاد کو۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ یہ حدیثیں بھی اُنہی کے رُوات اور علمائے ثقات کے ذریعہ سے منقول ہوئی ہیں۔ بہرحال یہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ آپس کی خانہ جنگی۔ یہ باہمی مخالفت سوائے اِس کے کہ سوادِ اعظم میں فسادِ اعظم پیدا کرے اور اُنکا ایک عالم اپنے دوسرے عالم کو وضّاع اور کذّاب ثابت کرے کوئی دوسرا چارہ ہی نہیں ہو سکتا۔ ع باشد عذرِ گناہ بدتر ز گناہ۔ اِن حدیثوں کے مفہوم کے بالکل خلاف۔ مہدی ابن الحسن العسکری علیہما السلام کے معنی یہ لیے جاتے ہیں کہ آپ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد سے تو ہونگے اور قریبِ قیامت پیدا بھی ہونگے اور تابا ستثنا قیامت زندہ اور موجود بھی رہینگے مگر آپ کو اُن کا خاص فرزند ہونا کوئی ضروری نہیں ہے حالانکہ ایک نہیں متعدد معتبر اور مستند کتابوں سے اکابرِ علماء اور عمائدِ فضلاء مثل امام ابن حجر مکی۔ ابنِ صباغ مالکی۔ امام محمد ابن طلحہ الشافعی۔ محمد ابن یوسف الگنجی۔ امام مدینی۔ علّامہ بلاذری اور امام نسفی صاحب

عقائد نسفیہ وغیرہ وغیرہ کے۔ جو بہت بڑی عظمت وجلالت کے شمار کیے جاتے ہیں اسناد وارشاد سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ جناب امام آخرالزّمان علیہ السّلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے خاص صاحبزادے ہیں اور اسکی تصدیق وتوثیق میں وہ معتبر اور مستند حدیثیں بھی نقل کی گئی ہیں جن میں حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے نام نامی اور اسم گرامی مع ابنیّت کے درج ہیں۔ مگر کیا فائدہ۔ نہ اُنکے اقوال اور معتبر ماخذوں پر کوئی اعتبار کیا جاتا ہے اور نہ اُن حدیثوں کے متون اور ظاہر معنی پر کوئی لحاظ اور توجہ کیجاتی ہے بلکہ بخلاف اُنکے اپنے حسد۔ نفسانیت اور تعصّب کی وجہ سے اِنکی معتبر اسناد اور مستند ماخذوں کا صریح انکار کیا جاتا ہے۔ اور اصرار ہے تو اسپر کہ جناب امام آخرالزّمان علیہ السّلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کی اولاد سے ہونگے نہ کہ فرزند متصل۔ جو بحکم خدا قریب قیامت پیدا ہونگے اور وہ تمام امور آپ سے ظاہر ہونگے۔ جن کی خبر نصوصِ الٰہی اور احادیث نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ سے ثابت ہوتی ہے۔

مگر یہ دعوٰے بھی بالکل زبانی ہے اور ایسا ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی حدیث اور کلام کا کوئی جزو یا کُل یہ ثابت کرتا ہے جس سے معلوم ہو کہ جناب امام صاحب الزّمان علیہ السّلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے فرزند متصل نہیں ہیں۔ بلکہ آپ کی اولاد اور سلسلۂ اعقاب سے اِسی نام کے ایک بزرگ قریبِ قیامت پیدا ہونگے اور وہ اُن تمام اوصاف سے موصوف ہونگے جو اُن کے متعلق مذکور ومسطور ہیں۔ اور وہ تمام امور بھی اُن سے اُسی طرح ظہور پذیر ہونگے جس طرح احادیث نبوی اور نصوصِ الٰہیّہ کے ذریعے سے بتلائے گئے ہیں۔ اِس زبانی جمعخرچ کا لکھا جوکھا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہیں لکھا ہوا نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ یہ دلیل محض بے اصل اور بے بنیاد ہے اور ایسی کمزور اور ضعیف ہے جس کی تردید وتنقید کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ مگر بمصداقِ آنکہ دروغ گو را تا بدر خانہ اش باید رسانید اس لیے ہم چند حدیثیں ایسی بھی لکھے دیتے ہیں جن سے جناب امام عصر علیہ السّلام کا حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کا خاص فرزند ہونا ثابت ہوجائے۔ چنانچہ امام قندوزی شیخ الاسلام قسطنطنیہ نے کتاب ینابیع المودّۃ فی القربیٰ میں ایک علٰحدہ باب اِسی بحث میں لکھا ہے جس کے عنوان کو وہ اِس عبارت کے ساتھ لکھتے ہیں۔

الباب السّادس والثمانون فی ایراد القول ممّن صرح من علماء الحروف والمحدّثین المتکلّمین ان المھدی الموعود علیہ السّلام ولد الحسن العسکري علیہ السّلام۔

باب چھیاسی اُن اقوال وارشادات کے بارے میں جن میں علمائے حروف اور کلام محدّثین اور متکلمین اسلام نے اس امر کو تفصیل اور تصریح سے لکھا ہے کہ جناب امام آخرالزّمان علیہ السّلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے فرزند ارجمند ہیں۔

کتاب مطالب السئول میں تحریر ہے:-

قال الشیخ الجلیل العالم الکامل من اسرار الحروف کمال الدین ابو سالم محمد ابن طلحۃ بن محمد ابن الحسن الحلبی الشافعي قدس اللہ سرہ فی کتابه مطالب السئول في مناقب آل الرسول المهدي هو ابن ابي محمد الحسن العسكري ومولده بسامرة وهكذا ذكره ايضاً في كتابه در المنتظم كما تقدم-

شیخ جلیل عالم کامل علامہ کمال الدین ابو سالم محمد ابن طلحۃ ابن محمد ابن الحسن الحلبی الشافعی قدس اللہ سرہ اپنی کتاب مطالب السئول فی مناقب آل الرسول علیہم السلام میں تحریر فرماتے ہیں کہ جناب مہدی آخر الزمان علیہ السلام حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند ارجمند ہیں جو شہر سامرہ میں پیدا ہوئے اور علامۂ موصوف نے ایساہی ذکر آپکے متعلق اپنی کتاب در المنظم میں بھی تحریر کیا ہے جو مطالب السئول سے پہلے کی تصنیف ہے۔

والکامل باسرار الحروف صلاح الدین صفدي فی شرح الدائرة ان المهدي الموعود الامام الثاني عشر من الائمة اولهم سيدنا علیؑ و آخرهم المهدي رضي الله عنهم ونفعنا الله بهم-

شیخ کبیر کامل باسرار الحروف علامہ صلاح الدین صفدی شرح الدائرہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے طبقہ میں بارھویں امام حضرت مہدی موعود علیہ السلام ہیں۔ ان میں سے پہلے حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور آخر حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام ہیں خدا تعالے اُن سے راضی ہو اور ہم کو اُن سے مستفید و مستفیض فرمائے۔

قال الشیخ المحدث الفقیه ابو عبد الله محمد ابن یوسف ابن محمد الکنجي الشافعي رحمه الله في كتابه البيان في اخبار صاحب الزمان فی آخر باب العشرين وهو آخر الابواب - ان المهدي ولد الحسن العسكري عليه السلام حي موجود باق منذ غيبته الى الان ولا امتناع في بقائه بدليل بقاء عيسى والخضر والياس عليهم السلام

شیخ فقیہ محدث ابو عبد اللہ محمد ابن یوسف ابن محمد الکنجی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان علیہ السلام کے آخر بیسویں باب میں جو کتاب کا آخری باب ہے لکھتے ہیں کہ جناب امام مہدی علیہ السلام امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اور آپ اپنی غیبت کے زمانے لیکر اس وقت تک زندہ و قائم اور موجود ہیں اور آپکی بقا سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا اور آپ کی بقا پر وہی دلائل قائم ہو سکتی ہیں جو حضرات عیسے۔ خضر اور الیاس علےٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام کی وجود اور بقا پر قائم ہیں۔

قال الشيخ المحدث الفقيه نور الدين علی ابن محمد المالكي في كتابه فصول المهمة ان المهدي الموعود ابن ابی محمد الحسن العسكري ابن علی النقی علیہم السلام۔
شیخ محدث الفقیہ نور الدین علی ابن محمد المالکی اپنی کتاب فصول المہمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بیٹے اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔

قال الشيخ المحدث الفقيه محمد ابن ابراهيم الحمويني الجويني الشافعي في كتابه فرائد السمطين عن دعبل الخزاعي عن علي الرضا ابن موسى الكاظم عليهما السلام قال ان الامام من بعدي ابني محمد الجواد التقي ثم الامام من بعد ابنه علي ابن الهادي النقي ثم الامام من بعده ابنه الحسن العسكري ثم الامام من بعده محمد ابنه الحجة المهدى المنتظر في غيبته المطاع في ظهوره كما تقدم في الباب الثمانين۔
شیخ فقیہ محمد ابن ابراہیم الحموینی الجوینی الشافعی نے اپنی کتاب فرائد السمطین میں دعبل الخزاعی کی اسناد سے تحریر فرمایا ہے کہ جناب امام علی رضا ابن حضرت موسیٰ کاظم علیہما السلام نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد میرا بیٹا محمد الجواد الملقب بہ تقی امام ہوگا اور اسکے بعد اُس کا بیٹا علی الہادی الملقب بہ نقی امام ہوگا اور اُسکے بعد اُس کا بیٹا حسن عسکری امام ہوگا اور اُس کے بعد اُس کے صاحبزادے محمد حجۃ المہدی امام ہونگے اور اُنہی کے ایام غیبت میں انتظار کرنا ہوگا۔ اور اُنہی سے امید لگانا ہوگا۔ (ینابیع المودۃ فی القربیٰ صفحہ ۳۳۹)

ہم اِن اقوال کو اوپر بھی لکھ چکے تھے مگر اِس تکرار اور ہٹ دھرمی کی ضد اور اصرار نے پھر اُنکی تکرار اور اعادہ پر مجبور کر دیا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اتنے مستند اور معتبر علما و محدثین کے معتقدات اور ارشادات کے مقابلے میں اِن تعصب اور نفسانیت کی قیاسات اور لغویات کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال۔ اِن اقوال وارشادات سے ہمارے بیان اور دعوی کی پوری تصدیق و توثیق ہو گئی۔ اور اِس کے ساتھ اُن لغویات وحشویات کی تنقید و ردھی ہو گئی جو محض حسد۔ نفسانیت اور تعصب کی بنا پر مبنی تھے۔

اِن اقوال وارشادات نے تنہا اُنہی لغویات کو رد نہیں کر دیا کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے سلسلۂ اعقاب میں حضرت امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام ہونگے۔ اُن کا آپ کے صلب متصلہ سے ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ آپ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے صلب متصل سے آپکی حیات ہی میں پیدا ہو چکے۔ اِن شہادتوں نے آپ کے قرب قیامت پیدا ہونیوالی دلیل کو بھی قطع کر دیا۔ کیونکہ امام ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں صاف لفظوں میں لکھدیا ہے وعمرہ عند وفات ابیہ خمس سنین

آپ کا سِن اپنے والدِ ماجد کی وفات کے وقت پانچ برس کا ہو چکا تھا۔ امام ابنِ حجر مکّی کے علاوہ خواجہ محمد پارسا نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں آپکی ولادتِ باسعادت کے تمام حالات و واقعات پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ درج فرمائے ہیں اور آپ کی کم سِنی اور طفولیت کے اوقات میں آپ کے اعجاز و کرامات اور خوارقِ عادات کے اثبات میں مندرجۂ ذیل دلائل قائم کی ہیں۔

وقالوا اٰتٰه الله تبارك وتعالیٰ الحكمة وفصل الخطاب وجعله اٰیة للعٰلمین كما قال الله تعالیٰ یٰیحییٰ خذ الكتاب بقوة واٰتیناه الحكم صبیًّا وقال الله تعالیٰ قالوا كیف نكلّم من كان فی المهد صبیًّا وطوّل الله تبارك وتعالیٰ عمره كما طوّل عمر خضر والیاس علیهما السّلام۔

اور کہا جاتا ہے کہ خداوند تبارک و تعالےٰ نے آپ کو علم و حکمت۔ قوّتِ فیصلہ اور عدالت عطا فرما کر آپکی ذاتِ قدسی صفات کو دنیا کے لیے اپنی خاص حُجّت اور آیتِ ہدایت قرار دیا تھا جس طرح کہ حضرت یحییٰ علےٰ نبیّنا و آلہٖ و علیہ السّلام کے احوال میں ارشاد فرماتا ہے کہ اے یحییٰ مضبوط ہو کر یہ کتاب لیلو۔ اور ہم نے امارت اور سرداری اُس کو بچپن ہی سے عنایت فرمائی تھی۔ اِسی طرح حضرت عیسےٰ علےٰ نبیّنا و آلہٖ و علیہ السّلام کے متعلّق خدائے سبحانہ و تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔ اور کہا اُنہوں نے کہ وہ کیسے بولیگا جو ابھی تک گہوارے کے اندر ہے۔ اور خدائے سبحانہ و تعالےٰ نے آپ کو طولِ بقا کی نعمت اُسی طرح عطا فرمائی ہے جس طرح یہ دولت حضرت خضر اور الیاس علےٰ نبیّنا و آلہٖ و علیہما السلام کو عنایت فرمائی تھی۔

کیا اِس سے روشن اور واضح تر تصدیق اور توثیق اور بھی درکار ہے۔ وہ کون لهم قلوب لا یفقهون بها ولهم عیون لا یبصرون بها ولهم اٰذان لا یسمعون بها۔ اولٰئك كالانعام بل هم اضلّ کے اصلی مفہوم ہونگے۔ جو ایسی معتبر اور مستند شہادتوں پر بھی اعتبار نہ کرکے اپنے علمائے معتبرین اور فضلائے کاملین کے اقوال و ارشادات سے انکار کریں۔ اِسی طرح فصول المہمّہ میں امام ابنِ صبّاغ مالکی نے اور امام محمد ابن طلحۃ الشافعی نے مطالب السئول میں اور محمد ابنِ یوسف الگنجی نے کتاب البیان میں آپ کی ولادت کے واقعات اور تمام حالات وغیرہ کو پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ اتنے محدّثین۔ مؤرّخین۔ علماء اور فضلاء کے علمی اخبار و آثار کے مقابلہ میں عوام النّاس کا انکار کیا مفید کار ہو سکتا ہے۔ اِن تمام وجوہ کو پیشِ نظر رکھکر کیا کوئی شخص بھی ایسے مسئلہ کو سوادِ اعظم کا متفق علیہ مسئلہ سمجھ سکتا ہے۔ نہیں کبھی نہیں۔ اِس لیے ہمارے ناظرین کو سمجھ لینا چاہیے کہ جو لوگ اِس مسئلہ کو سوادِ اعظم میں متفق علیہ بتلاتے ہیں اُن کے دلائل اور عقائد خاصکر حسد۔ نفسانیت اور تعصب کے اصول پر مبنی ہیں جن کا ذکر ہم پوری تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔

سچ پوچھو تو یہ بھی اُنکی ابلہ فریبی کی ایک حسنِ تدبیر ہے کہ ایک مسئلۂ متفقہ کو جس کو اتنے علمائے روزگار اور فضلائے ذی اعتبار تسلیم کر چکے ہوں۔ متنازع فیہ اور مختلف عنہ بتلانا صاف طور سے ثابت کر رہا ہے کہ اُس بزرگوار کی ذاتِ مجمع الصّفات سے ان لوگوں کو ایک خاص کد اور ضد منظور ہے ورنہ حقیقتِ حال اِس کے برعکس ظاہر کر رہی ہے کہ ایسا صاف اور سُلجھا ہوا مسئلہ جس پر اُس فرقہ کے علمائے معتبرین اور فضلائے کاملین نے ایسے خلوص اور عقیدت کے ساتھ متواتر اور متعدد اقرار و اعتراف کیے ہوں۔ وہی مسئلہ متفقہ اور مسلّمہ قبول کیے جانیکے عوض میں مختلف فیہ سمجھا جائے۔

اِسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ حقیقتِ حال کیا ہے؟ یہ صرف تعصّب۔ نفسانیت۔ طمع دولت اور سلطنت کی خوشامد ہے۔ جو ان لوگوں سے استخفافِ امرِ حق کا گناہ بھی کرا رہی ہے اور مُفت عالم فریبی حیلہ بازی اور مکر سازی کے لیے اُنکو خطاوار بھی بنا رہی ہے۔

بہرحال۔ اِسی کے ضمن میں ابھی ایک جملۂ معترضہ کا بیان کرنا میرے ذمّہ باقی رہا جاتا ہے کہ بعض تعصّب سے بھرے اور حسد و نفسانیت سے پُر اشخاص کا خیال ہے کہ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السّلام کی اولاد سے ہونگے نہ کہ جنابِ امام حسین علیہ السلام کی ذرّیّت سے۔ اصل میں یہ فضولیات بھی اُنہی گزشتہ لغویّات کا ایک ضمیمہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ چونکہ حضرت امام حسنِ عسکری علیہ السّلام کی صلبِ متّصلۂ مطہرہ سے آپ کا وجود میں آنا تمام نصوص اور اخبار و آثار سے ثابت ہوتا تھا اور سلطنتِ مخالف پے درپے یہ جی توڑ کوششیں کر رہی تھی کہ کسی طرح جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ التحیۃ والثّنا کا وجود دنیا میں مشہور اور ثابت نہ ہونے پائے جیساکہ ابتدائی کتاب میں پوری تفصیل اور کامل تشریح کے ساتھ لکھا گیا ہے اِس لیے محض عوام النّاس کے بہکلنے اور ورغلانے کے قصد سے یہ مشہور کر دیا گیا کہ حضرت امام محمد مہدی آخرالزّمان علیہ السّلام حضرت امام حسین علیہ السّلام کی اولاد سے نہیں ہونگے بلکہ جنابِ امام حسن ابنِ علی ابن ابیطالب علیہ السّلام کی اولاد و اعقاب سے ہونگے۔ اِس ترکیب و ترغیب سے آپ کے متعلق امام حسنِ عسکری علیہ السّلام کے فرزندِ صلبی اور متّصل ہونیکا دعوےٰ کٹ جاتا ہے۔ استغفراللّٰہ ربّی واتوب الیہ۔

یہ دعوےٰ بھی ضعیف سے ضعیف اور محض بے دلیل ہے جو تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ غیر مستحکم اور ناپائدار ہے۔ اگرچہ جنابِ مہدی آخرالزّمان علیہ السّلام کا اولادِ حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہونا حدِّ تواتر تک پہنچ چکا ہے اور اسکی تصدیق و توثیق کی بھی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی مگر چونکہ ہم اپنی بحث کے کسی پہلو کو بغیر کسی دلیل کے نہیں چھوڑنا چاہتے اِس لیے اپنی قدیم دستور کے مطابق ہم ذیل میں وہ حدیثیں بھی لکھے دیتے ہیں جن سے جنابِ مہدی موعود علیہ السّلام کا حضرت امام حسین علیہ السّلام کی خاص ذرّیّت سے ہونا کالشّمس فی نصف النّہار ظاہر و آشکار ہو جائگا

چنانچہ امام دارقطنی کتاب الجرح والتعدیل میں حضرت ابو سعید خدری رضؓ کی اسناد سے لکھتے ہیں۔
ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض مرضہ ثقیلۃ فدخلت علیہ فاطمۃ علیہا السلام وانا جالس عندہ ولما رایت مابہ من الضعف خنقتہا العبرۃ الحدیث وھوانہ ضرب علی منکب الحسین علیہ السلام وقال من ھذا المھدی ھذہ الامۃ سلام اللہ علیہم۔
ایک بار جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرض سخت لاحق ہوا تو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا خدمتِ مبارک میں اُس وقت حاضر ہوئیں جبکہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور آپ میں اُس وقت ضعف و نقاہت کے تمام آثار موجود و آشکار تھے۔ اُس وقت آپ نے اِس حدیث کی عبارت ارشاد فرمائی تھی اِس طرح سے کہ جنابِ امام حسین علیہ السلام کے شانہ پر آپ نے ہاتھ مارا اور یہ فرمایا کہ اِس اُمّت کا مہدی سلام اللہ علیہ اِسی سے پیدا ہوگا۔

سُننِ ابو داؤد میں اِس حدیث کو ثقات حفّاظ کے اعظم ترین رُوات سے لکھا ہے اور ناقلینِ اخبار کی اسناد سے اسمہ اسمی۔ اتنی عبارت کا اور اضافہ فرمایا ہے۔ اور یہ بھی لکھدیا ہے کہ جن احادیث میں اسم ابیہ اسم ابی پایا جاتا ہے وہ حقیقت میں بڑھایا گیا ہے۔ اور اصل حدیث سے زیادہ ہے۔
صحیح ترمذی میں بھی یہ حدیث موجود ہے مگر اُس میں بھی اسم ابیہ اسم ابی موجود نہیں ہے۔

اخطب الخطباءِ سوادِ اعظم امام خوارزمی کتاب المناقب میں حضرت سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ کی اسناد سے لکھتے ہیں:۔
دخلت علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واذا الحسین ابن علی ابن ابی طالب علیہ السلام علی فخذہ وھو یقبل عینیہ ویلثم فاہ وھو یقول انت سید ابن سید انت امام ابن امام واخوامام انت حجۃ ابن حجۃ اخو حجۃ وانت ابو حجج تسعۃ تاسعہم قائمہم۔
جنابِ سلمانِ فارسی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تشریف لاتے تو آپ اُنہیں اپنی آغوشِ مبارک میں اُٹھا لیتے اُنکی آنکھوں کے بوسے لیتے اور اُن کے دہنِ مبارک میں اپنی زبانِ مطہّر دیدیتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ تو سیّد ہے۔ سیّد کا بیٹا ہے۔ امام کا بھائی ہے۔ تو حجتِ خدا ہے۔ حجتِ خدا کا بیٹا ہے اور حجّتِ خدا کا بھائی ہے اور نو حجتہائے خدا کا باپ ہے۔ جس میں کا نواں قائم علیہ السلام ہے۔

پھر اُسی کتاب میں جناب امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں ایک بار اپنے جدِ بزرگوار جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اپنے زانوئے مبارک پر بٹھلالیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ خدائے سبحانہ تبارک وتعالےٰ شانہ تیرے صلبِ مطہّر سے نو ائمہ علیہم السلام کو پیدا کریگا جن میں کا نواں اُنکا قائم علیہ السلام ہے اور وہ سب کے سب خدا تعالےٰ کے نزدیک فضل د

منزلت کے اعتبار سے مساوی اور برابر ہیں۔

ہم نے اتنی حدیثیں اپنے دعوے کی تصدیق میں لکھدیں جن کو دیکھکر ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ اِس غلط مشتبہ۔ محض فضول گمان اور بالکل بے اصول دعوے کی حقیقت ہی کیا ہے۔ یہ عجیب طرح کے عقائد ہیں اور نئے انداز کے طریقے کہ سنن وحدیث کیا صحاح تک کی کتابیں تو کیا بتلائیں اور ہم اُسکے معنی کیا سمجھیں اور پھر ہٹ دھرمی یہ کہ خم ٹھونک کر مقابلہ پر آمادہ ہیں ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی	کہ با آسماں نیز پرداختی

اب ہم اپنے ناظرینِ کتاب کو یہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ سوادِ اعظم میں اِس عام غلط فہمی۔ جہالت اور عدم واقفیت کا سبب کیا ہوا۔ اِن لوگوں کو جو سب سے زیادہ شبہ ہوا وہ صرف محمدؐ ابن حسن علیہ السلام کی ابنیت کی تخصیص ہے۔ چونکہ جنابِ امام حسنِ عسکری علیہ السلام کو بھی حسنؑ ابن علیؑ کہتے تھے اور حضرت امام حسن علیہ السلام کو بھی حسنؑ ابن علیؑ۔ اِس وجہ سے اِن لوگوں نے اپنی ناواقفیت کے باعث جنابِ امام حسنِ عسکری علیہ السلام کے عوض میں حضرت امام حسنِ مجتبیٰؑ علیہ السلام کو مراد لے لیا۔ اور یہ تمام فساد زیادہ تر اسی بنا پر واقع ہوا۔ چونکہ اِس فرقہ کو حقیقتاً حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس دائرہ سے کچھ ایسا تعلق ہی نہ تھا۔ اِس لیے اِن لوگوں نے اپنی موجودہ غلط فہمی کی اصلاح کیلیے کوئی تلاش اور توجہ نہ کی اور جتنا سمجھے تھے اُتنا ہی سمجھکر رہ گئے اور وہی عدم واقفیت اور جہالت اُس وقت سے لیکر اِس وقت تک اِن تمام حضرات سے اِس مسئلۂ خاص میں طرح طرح کے عقائد اور مفاسد کا اظہار کرا رہی ہے۔

جن لوگوں نے علم الحدیث اور علم الرجال کی کتابوں کا مطالعہ فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ فقہاء اور محدثین کو خصوصاً اور تمام ناقلینِ اخبار کو عموماً اکثر ایسے شبہے واقع ہوجایا کرتے ہیں اور ایسا صرف اُن کے سہوِ انسانی اور کثرتِ مشغولیت کے سبب سے ہوتا ہے۔ مگر نقادِ فنِ حدیث و رجال کے سامنے جب یہ مخدوش اسناد پیش کی جاتی ہیں تو وہ ایسے اقوال کو اصل مؤلف کی سہو سمجھ کر اُسکی عبارت پر حاشیہ چڑھا دیتے ہیں اور اُس کو صحیح کر دیتے ہیں۔ چنانچہ سوادِ اعظم کے اہلِ تحقیق نے جن کے نامِ نامی اوپر لکھے گئے ہیں اپنے فرقہ کی آگاہی اور عام ہدایت کی غرض سے لکھدیا کہ تم کو جو محمد ابنِ حسن ابن علی علیہم السلام کا نامِ نامی دیکھکر دھوکا ہوتا ہے وہ ہرگز واقعات نہیں ہیں جیسے کہ تم سمجھتے ہو۔ یا تمکو حسد۔ نفسانیت اور تعصب سے جیسا کچھ سمجھایا جاتا ہے۔ چونکہ تین پشت تک لگاتار اِن بزرگواروں کے نام بجنسہ ایک ہیں اِس لیے دھوکا دینے والوں اور فریب دینے والوں کو عام طور سے اپنی اِس ابلہ فریبی کا موقعہ ملگیا ہے ورنہ حسن ابنِ علی علیہما السلام سے یہاں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے صاحبزادے مراد ہیں اور آپ کے سوا

کوئی دوسرا نہیں۔ بات اتنی تھی جو لکھی گئی۔ مگر چونکہ سلطنتِ مخالف کو اِس مسئلہ کے ساتھ اپنی مخالفانہ اور ظالمانہ انتظام پورے کرنے تھے اور یہ منظور تھا کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کی کوئی اولاد ثابت نہ ہو اور حضرت مہدی صاحب العصر علیہ السلام کے متعلق تمام بشارتیں ناقص ظاہر ہوں اِس لیے عام طور سے اُن تمام اخبار و آثار کے مٹانے اور چھپانے میں جی توڑ کوشش کیگئی۔ چونکہ علماء۔ فضلاء۔ محدثین اور مفسرین تمام لوگ سلطنت کے دست نگر اور زیر اثر ہو رہے تھے اِس لیے اُنہوں نے بھی خلیفۂ عصر کی کورانہ تقلید اختیار کی۔ جہانتک اُن سے ہوسکا ان اخبار و آثار کے ظاہر اور واضح متون اور صاف اور ستھرے معنی میں نقل و ایزاد کے خاص نقائص پیدا کرکے اِن امور کو عام طور سے مشکوک اور مشتبہ بنا دیا۔ جیسا کہ اوپر کئی مقام پر دکھلا دیا گیا ہے۔ مگر با اینہمہ جن کے دیدۂ بصیرت کُشادہ ہیں اور حقیقتِ حال سے واقف ہو چُکے ہیں اور واقف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بہر تقدیر یہ بحث بھی تمام ہوئی اور شبہ بھی رفع ہوا۔ ایک دوسرا شبہ اب اُس میں یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ نہیں۔ جنابِ امام آخر الزمان علیہ السلام پیدا ہوئے اور ۳۲۲ھ ہجری میں یا انہی ایّام کے قریب انتقال بھی فرما گئے۔ یہ نئی منطق اور جدید فلسفہ بھی عام لوگوں کی ایجاد نہیں ہے بلکہ اچھے اچھے پڑھے لکھے آدمیوں کی ایزاد کا نمونہ ہے (دیکھو خطباتِ احمدیہ) ڈاکٹر سر سیّد احمد خاں بہادر مرحوم نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ جن کی عظمت و جلالت کو اِس وقت تمام ہندوستان کے مسلمان مانتے ہیں اور اُنکو کسی حیثیت میں امام اربعہ سے کم نہیں جانتے۔

ہم نے جہاں تک اِس نکتہ کے بارے میں تحقیق سے کام لیا ہے ہم کو یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ خیال اور یہ وہم بھی سر سیّد مرحوم کی خاص ایجاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی وہی قدیم آثار و اخبار ہیں جو سلطنتِ عباسیہ کی طرف سے اِس امرِ حق کے چھپانے کی کوششوں میں بڑے بڑے علماؤ فضلاؤ محدثین وغیرہم کے ذریعے سے سوادِ اعظم کی کتب ہائے معتبرہ میں خاص طور پر لکھوا دیے اور بلادِ اسلامیہ کے تمام گوشوں میں مشتہر اور منتشر کرا دیے گئے تھے۔ پھر اِسکی ایجادِ خاص کا سہرا غریب سر سیّد مرحوم ہی کے سر کیوں باندھا جائے اور اگر باندھا جائے تو پہلے معتمد اور معتبر اُنکے درباری علماؤ فضلاء کے سر پر باندھا جائے۔ سیّد صاحب مرحوم کو اِس امرِ خاص میں جو کچھ امتیازی اعزاز حاصل ہو سکتا ہے وہ صرف بلا تحقیق اِس غلط افواہ کے نقل کر دینے کی عزت ہے جو اِس مسئلہ میں پہلی بار نہیں شمار کی جا سکتی بلکہ اِس کے قبل بھی کئی بار بہت سے مسائلِ اسلامیہ اور احکامِ شرعیۃ میں آپ کو یہ منصب اور اعزاز حاصل ہو چکا ہے۔

بہر حال۔ محض تمہیداً اتنا عرض کرکے اب ہم اپنے اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حقیقتاً یہ تمام شبہات جو اوپر لکھے گئے ہیں اور اب بھی زیر بحث ہیں بالکل بے اصل اور محض بے دلیل ثابت ہوتے ہیں۔

اور ضلالت و تعصب کے ایسے اعتقاد رکھنے سے اصل اسلام اور حقیقی ایمان رخصت ہو اجاتا ہے کیونکہ ان عقائد اور مفاسد سے خدا اور رسول کی (معاذاللہ) تکذیب واقع ہوتی ہے. کیونکہ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ جو کچھ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے وہ من وعن ترجمۃ الوحی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۰ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۰ سے مفہوم ہوتا ہے. اِس بنا پر جو حدیث رسول ہے وہ حکمِ خدا سمجھی جائیگی - زاں بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان - اب جبکہ اِس مسئلہ میں وہ تمام حدیثیں. جو اسانیدِ معتبرہ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں - دیکھی جاتی ہیں - تو وہ تمام اخبار و آثار جو شیوعِ اسلام سے لیکر اس وقت تک اسلام کی تمام قوموں میں شائع ہیں بالکل جھوٹے اور غلط ٹھیرتے ہیں کیونکہ اِن تمام اخبار میں جہاں جہاں جناب مہدیِ آخرالزمان علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسے صاف صاف لفظوں میں تحریر ہے کہ ھُوَ حَیٌّ قَائِمٌ. جیسا کہ اوپر کے معتبر اور مستند علمائے حدیث کے مختلف اقوال وارشادات سے تحریر ہو چکا ہے - خواجہ محمد پارسا کتاب فصل الخطاب میں آپ کے طولِ بقا کی نسبت لکھتے ہیں طول اللہ تبارک وتعالیٰ عمرہ کما طول عمر خضر والیاس علیٰ نبیّنا وآلہ علیہما السلام یعنی خداوند تبارک وتعالےٰ نے آپ کو بھی طولِ عمر کی ویسی ہی دولت عطا فرمائی ہے جیسی کہ حضرات خضر والیاس علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہما السلام کو عطا فرمائی ہے.

امام المحدّثین محمد ابن یوسف الگنجی الشافعی نے بھی کتاب البیان فی اخبارِ صاحب الزمان علیہ السلام میں اِس بحث کے متعلق یہ عبارت تحریر فرمائی ہے.

المھدي ولد الحسن العسکري علیہما السّلام فھو حيٌّ موجود باق منذ غیبتہ الی الاٰن ولا امتناع في بقائہ بدلیل بقاء الخضر والعیسٰی والیاس علیٰ نبیّنا واٰلہ وعلیھم السّلام۔

جناب امام مہدی علیہ السلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اور حیّ وقائم ہیں اور اپنی غیبت کے وقت سے اِس وقت تک باقی اور قائم ہیں. اور آپ کے مسئلۂ بقا میں کوئی انکار یا امتناع بقاءِ حضرت خضر وعیسے والیاس علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہم السلام کی بقا کے اصول پر پیا نہیں ہو سکتا.

اب اگر اِن اقوال وارشادات کے آگے وہ قول صحیح مانا جائے تو یہ تمام اخبار و آثار یادرہوا ہوئے جاتے ہیں - اِن مختلف فیہ اقوال کو جمع کرنے سے ایک شخصِ واحد پر اجتماعِ ضدّین ثابت ہوتا ہے کیونکہ ایک گروہ تو اُسے ایک وقتِ خاص پر مُردہ خیال کرتا ہے اور دوسرا گروہ بالکل برعکس اُنکے اُس کو روزِ ولادت سے لیکر جس کو ہزار سال کے قریب ہوتے ہیں اس وقت تک حیّ القائم سمجھتا ہے. اور اُسکی طولِ بقاء کے دلائل واثبات میں حضراتِ عیسے - خضر اور الیاس علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہم السلام کی قوی استناد پیش کرتا ہے۔

ہم نے جہاں تک اِن مختلف فیہ اقوال پر اپنی تحقیق کی نظر ڈالی ہم کو یہ ثابت ہوا کہ یہ تمام بیجا اور مخالفانہ تاویلات صرف اُن حضرات کے حسد و نفسانیت کی تحریک اور اشتعال پر مبنی ہیں جو فضائل و مناقب حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مٹانے اور اِن اخبار و آثار کے نیست و نابود کرا دینے پر تُلے ہوئے تھے اور محض بے اصل اور بادر ہوا واقعات کو جن کو اصل بحث سے کوئی واسطہ نہ تھا معرض بحث میں ڈالکر خواہ مخواہ اصل مطلب کو اگر خبط و بے ربط نہیں تو کم سے کم مشکوک اور مخدوش تو ضرور بنا دیتے تھے۔ چنانچہ جس غلط فہمی کی بنا پر شبہ پیدا کیا گیا ہے اُسکی حقیقتِ حال یہ ہے کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایک اور صاحبزادے موسےٰ نامی تھے جو جنابِ امام مہدی علیہ السلام سے سن و سال میں ضرور بڑے تھے مگر اُن کا انتقال آپ کے سامنے ہی ہوگیا۔ چنانچہ اُن کا ذکر مُلا مجلسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب بحار الانوار جلد سیزدہم[۱۳] میں فرمایا ہے۔ یہ خبر اُن لوگوں کو ہوگئی بیچ کیا تھا۔ دیوانہ را ہوئے بس است۔ کا مضمون ہوگیا۔ اتنا شوشہ پاتے ہی اپنے مطلب اپنی غرض اور اپنی گوں گانٹھنے کے لیے مضامین ترشنے لگے۔ اور جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کے انتقال فرمانے کی ذراسی بات پاکر بلا تحقیق و تخصیص فوراً اُن صاحبزادے کو حضرت مہدی امام زمانہ قرار دے لیا گیا۔ اور اِس ترکیب سے آپکے وجودِ ذیجود اور تمام حالات اور واقعات کو عوام کالانعام کے آگے مخدوش و مشکوک کر دیا۔ مگر توبہ۔ نظامِ ربّانی کے آگے اغوائے انسانی کی نہ چلی ہے اور نہ کبھی چلیگی۔ صاحبانِ بصیرت اور اربابِ حقیقت نے اُنکی اِن ابلہ فریبیوں کا سارا پردہ کھولکر رکھدیا اور دودھ کا دودھ۔ پانی کا پانی نکال جُدا کرکے بتلا دیا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے جن صاحبزادے کی وفات ثابت کیجاتی ہے اُنکا نام موسےٰ تھا۔ اور وہ سن و سال میں جنابِ قائم علیہ السلام سے بڑے تھے۔ اُن کی ولادت حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے زمانۂ امامت میں واقع ہوئی تھی اور وہ قریب بزمانۂ غیبتِ کبرٰے رہگرائے عالمِ جاودانی ہوئے اور بعض علمائے محققین کی تحقیق اور مختار یہ ہے کہ اُنکی ولادت جنابِ امام آخر الزمان علیہ السلام کی ولادت سے کچھ پیشتر ضرور واقع ہوئی۔ ان کا نامِ نامی موسےٰ علیہ السلام ضرور تھا مگر انہوں نے ایامِ رضاعت ہی میں انتقال فرمایا۔ مُلا علیہ الرحمہ نے وہ خطوط بھی لکھے ہیں جو مؤمنینِ مخلصین کی طرف سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں اظہارِ تعزیت کی غرض سے لکھے گئے تھے۔ پھر اُنکو جو جواب لکھے گئے تھے وہ بھی تحریر کیے گئے ہیں۔

اصل حقیقت تو یہ ہے مگر چونکہ حسد۔ تعصب اور نفسانیت کی یہاں یہ کیفیت ہو رہی تھی کہ کوئی کیسی ہی ضعیف۔ غیر معتبر اور مقطوع الاسناد روایت مگر اپنے مطلب اور اپنی غرض سے جہاں ملتی ہوئی پائی گئی بھر کیا تھا۔ رائی کا پربت بنوا یا گیا۔ چونکہ اِس روایت سے آپ کے ایک صاحبزادے کے وفات فرمانے کی خبر معلوم ہوتی تھی اور یہ اُن کے مطلب کی خاص بات تھی۔ اِس لیے موسےٰ کے نام کو جناب

قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کے خاص نام سے بدل کر مشہور کر دیا۔ چونکہ یہ مسئلہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے مشہور و معروف بزرگ کا مختار ثابت ہوتا ہے اِس لیے ہم کو کتبِ تواریخ میں اِس کی خاص طور پر تحقیق اور تلاش کرنی ضرور ہوئی۔ چنانچہ ہم نے فریقین کی اکثر کتبِ معتبرہ کو بالاستیعاب دیکھا مگر سوائے کتاب مستطاب بحار الانوار کے حضرت موسےٰ ابنِ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کی ولادت اور پھر ایّامِ رضاعت ہی میں اُن کے مر جانے کی تفصیل کو منقول و مذکور نہیں پایا۔ اِس لیے اُنکی ولادت اور وفات کے حالات اوّل تو معیارِ صداقت پر کامل نہیں اُترتے اور اگر صحیح بھی مانے جائیں تو ایّامِ رضاعت ہی میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے سامنے اُن کا انتقال فرما جانا صحیح و معتبر سمجھا جائیگا۔ کیونکہ یہ واقعہ خلافِ مشہور اور مخالفِ جمہور ثابت ہوتا ہے۔ اگر بر تقدیرِ اوّل جنابِ موسےٰ کی ولادت کو حضرت امام علی نقی علیہ السّلام کے زمانۂ امامت میں تسلیم کیا جائے اور اُن کی وفات قریبِ غیبت جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے تو سرے سے تواریخ اسلامی کے تمام واقعات غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔ جو جعفرِ توّاب کی طرف سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کی وفات کے وقت اُنکے ترکہ کی نسبت معتمد کے دربار میں استغاثہ کے طور پر پیش کیے گئے تھے۔ کیونکہ اِس روایت کی بنا پر جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کی رحلت کے زمانہ میں جنابِ موسےٰ ضرور بالغ ثابت ہوتے ہیں۔ جب یہ حالت تھی تو پھر موسےٰ کو جعفرِ توّاب کے مقابلہ میں اپنے والدِ بزرگوار کے جائز دعوئے وراثت سے علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کرنیکی کیا وجہ ہوئی۔ کیونکہ احکامِ شرعیہ کے مطابق انکی موجودگی میں جعفر کو کوئی شئے نہیں رہتے۔ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کے جملہ متروکات و مقبوضات کے جائز وارث اور حقیقی مالک ہوتے۔ مگر کسی چھوٹی یا بڑی اسلامی تاریخ یا تذکرہ میں اِن بزرگوار کا کہیں کوئی واقعہ درج نہیں ہے۔ متروکات و مقبوضات جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کے متعلق یہانتک کہ اُن کی نمازِ جماعت کے مسئلہ تک جو کچھ منازعت پائی جاتی ہے اور تواریخ و سیر سے ثابت ہوتی ہے وہ صرف جعفرِ توّاب اور حضرت صاحب الامر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے درمیان موسےٰ کا تو کہیں بھی نام نہیں لیا گیا۔ چنانچہ شیعوں سے تسلیم کرا دیے جانیکی نسبت جو جعفر نے معتمد سے خاص طور پر کوشش کی تھی اُس کے جواب میں معتمد نے شیعوں کو بُلوایا اور جو جواب دیا وہ اِس کتاب میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ اِسی سے ظاہر ہے کہ اگر واقعی موسےٰ بھی کوئی شئے ہوتے تو اِن تمام واقعات اور حالات میں ان کا ذکر بھی پایا جاتا۔ اِس لیے یہ خیال کرنا کہ جنابِ امام حسن عسکری علیہ السّلام کے بیٹے موسےٰ نامی عمرِ طبعی کو پہنچکر ۳۲۵ھ ہجری میں رحلت فرما ہوئے محض غلط ہے۔ فریقین کے رجال میں کہیں اِن بزرگ کا نام نہیں پایا جاتا۔ بات اتنی ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے ایک صاحبزادے جو جنابِ قائمِ آلِ عبا علیہ السّلام سے پہلے پیدا ہوئے تھے وہ ایّامِ رضاعت ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ چلو ہو چکا۔ اتنی سی بات کو اتنا کر دیا گیا۔ اصل حقیقت یہی ہے کیونکہ جنابِ امام حسن عسکری

علیہ السلام کی اولاد کی نسبت علمائے فریقین نے یکزبان تحریر فرمایا ہے ولا عقب له الا المهدی آخر الزمان علیہ السلام یعنی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد سوائے جناب مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے کوئی دوسری اولاد باقی نہیں رہی۔

الغرض جب امام ابن حجر مکی۔ ابن صباغ مالکی۔ علامہ یوسف ابن محمد الگنجی الشافعی۔ امام ابو الفرج اصفہانی۔ علامہ تفتازانی۔ امام حموینی۔ شیخ محی الدین مالکی۔ شیخ محی الدین عربی۔ عبد الرحمن بسطامی۔ علامہ سید احمد نمیری۔ اور خواجہ محمد پارسا وغیرہم کے ایسے ایسے بزرگوار جو شریعت و طریقت دونوں طریقوں کے مقتدا تسلیم کیے جاتے ہیں اِس مسئلۂ مخصوصہ میں متفق الکلام و متحد البیان و ہمزبان ہیں کہ امام یازدہم حضرت ابو محمد حسن العسکری علیہ السلام کی کوئی اولاد و اعقاب سوائے جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے اور نہیں تھی۔ تو پھر ایسے ایسے معتبرین و مستندین شرع و ملت کے مقابلہ میں کسی دوسرے شخص کے کسی اضافہ یا شبہ پر کوئی خیال یا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت میں یہ شبہ اور یہ قیاس ایسا بے اصل اور بے دلیل ہے کہ کسی سطح پر قایم نہیں رہ سکتا۔ عرب میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ باپ کی کنیت اُس کے بڑے بیٹے کے نام سے مشہور ہوتی ہے اور یہ ایسا دستور ہے کہ جہالت سے لیکر اسلام کے وقت تک برابر قائم رہا۔ اور اسلام نے اس میں کوئی نقص یا کوئی عیب نہ پاکر اس میں کوئی تغیر یا تبدل نہیں کیا۔ اور اسکو اسکی خاص حالت میں چھوڑ دیا۔ تو پھر اس عام اور قدیم دستور کے مطابق اگر واقعی موسے ابن حسن عسکری علیہ السلام کا وجود دنیا میں کسی مدت تک قائم رہا ہوتا تو ضرور تھا کہ آپ موسٰے کی کنیت سے مشہور کیے جاتے۔ مگر نہیں۔ یہاں تو اِسکے خلاف آپکی مبارک کنیت ابو محمد علیہ السلام بین الفریقین والجمہور مشہور ہے۔ اِسکے کیا معنی؟ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ موسے ابن حضرت حسن عسکری علیہ السلام اپنے ایام رضاعت کے ایسے ابتدائی زمانہ میں رحلت فرما گئے کہ اُنکے نام سے اُنکی کنیت کسی طرح مشہور کیے جانیکے قابل نہیں سمجھی گئی۔ بلکہ بخلاف اِسکے آپ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے اصلی نام محمد علیہ السلام کی خاص مناسبت کی بنا پر ابو محمد علیہ السلام کی کنیت سے معروف ہوئے جیساکہ جمہور مؤرخین و محدثین کے فیما بین آج تک مشہور و معروف ہے۔ حقیقتاً یہ ایک ایسا واضح اور روشن مسئلہ ہے کہ اِس میں کسی کو عذر اور کلام کی ذرا گنجائش باقی نہیں ہے قل هاتوا برهانكم ان كنتم صٰدقين۔

اس بحث کو تمام کر کے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنے آیندہ سلسلۂ کلام میں وہ دوسرے شبہات اور قیاسات نقل کرتے ہیں جو بالکل حسد۔ نفسانیت اور تعصب کی وجہ سے آپ کے وجودِ ذیجود اور ظہور پر نور کے متعلق پیش کیے جاتے ہیں۔

جناب قائم آلِ عبا علیہ السلام اور طولِ بقاء

اِن میں سب سے پہلا جو عذر پیش کیا جاتا ہے وہ آپ کی طولِ عمر کا خاص مسئلہ ہے تاریخ قدیمہ اور اخبار و آثارِ ماضیہ کا صحیح مذاق رکھنے والے حضرات اِس عذر کو بھی مثل اور عذرات کے تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ ضعیف اور خفیف سمجھتے ہیں۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اِن تمام اعتراضاتِ باطلہ اور توہماتِ مہملہ کی ابتدا پہلے خواص ہی سے ہوتی ہے۔ پھر عوام میں تدریجاً مشتہر اور منتشر ہوا کرتی ہے۔ خواص اِس کی حقیقت اور ماہیت کو بخوبی جانتے ہیں۔ مگر چونکہ خودغرضی۔ تعصب اور نفسانیت اظہارِ حق سے اُنکو مانع آتی ہے اور اِس کے خلاف حکم لگاتی ہے اِس لیے وہ صرف اپنی جلبِ منفعت کی مجبوریوں سے اِن مہمل اور پادرہوا اعتراضات کو عوام کالانعام کے دائرہ میں ایک صورتِ خاص بناکر پیش کر دیا کرتے ہیں اور اِس کے اصلی مقصود کو جاہل اور ناواقف لوگوں کے قلوب سے زائل اور مفقود کر دیتے ہیں اور عوام بھی اپنی عدم واقفیت اور غیر استعدادی کے باعث اِنکی ابلہ فریبی اور عیاری کے دامِ فریب میں اُن کے ایسے دعویہائے زبانی اور اغوائے شیطانی کو وحی آسمانی سمجھ کر اُس کے قائل اور اُسیر عامل ہو جایا کرتے ہیں۔ استغفر اللّٰہ ربّی واتوب الیہ ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم

جناب امام آخرالزّمان علیہ السّلام کے طولِ بقا کے متعلق عوام کو سمجھا دیا گیا ہے اور اب تک سمجھایا جاتا ہے کہ ایک شخص کا ۲۶۰ھ ہجری سے لیکر اس وقت تک زندہ رہنا کسی صحیح الدماغ اور کامل العقل شخص کے آگے کیسے قابلِ تسلیم سمجھا جا سکتا ہے اِنْ هُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا۔ تو مشہور ہی ہے۔ دیوانہ را ہوئے بس است کے مصداق۔ اِن جاہلوں کے کانوں میں اِس منتر کا پھونکنا تھا کہ وہ اپنی جہالت اور ضلالت کے خیالات میں مستغرق ہو گئے۔ پھر کیا تھا۔ اب لاکھ سمجھائیں۔ کروڑ بتلائیں اور حقیقتِ حال اُنکو دکھلائیں مگر وہ ایک نہیں سُنتے۔ اور اپنے عقائدِ فاسدہ سے ایک اِنچ آگے پیچھے نہیں سرکتے۔ وہ تو اُسی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں جو تعصب کی لاٹھی سے پیٹ کر اُنکے سامنے تیار کر دی گئی ہے۔ وہ تمام عمر اِسی لکیر کو پیٹتے رہینگے اور لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا کی سچی مثال اور کامل مجسمے بنے رہینگے۔

اِن بے بصیرتوں کو یہ نہیں سوجھتا کہ باعتبارِ نوعیت یہ امور اور شکوک نئے نہیں ہیں بلکہ اِسکے ایسی اور مثالیں بھی گزر چکی ہیں۔ اور دنیا میں ہر کس و ناکس کے پیشِ نظر آچکی ہیں۔ اگر ان کوتہ اندیش اور کم بین اعتراض کرنیوالوں کو ذرا بھی شعور ہوتا تو وہ ایسی اور اتنی مثالوں کی موجودگی میں کبھی اِن لغویات اور مہملات کا ذکر نہ کرتے اور کوے کے پیچھے دوڑنے سے پہلے اپنے کانوں کو ٹٹول لیتے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں اِن حضرات کے مہملات کے جواب دینے یا کسی امر کے رد یا تنقید کرنیکی مطلق

ضرورت نہیں ہے۔ یہ اعتراض بھی اُن پہلے اعتراضوں کا ایک ضمیمہ ہے جنکو ہم قوی اور معتبر دلائل
سے۔ آپ کے وجود کی بحث میں بہ تفصیل و تشریح بیان کر چکے ہیں مگر تاہم اپنے سلسلۂ بیان اور اُنکے
مزید اطمینان کے لحاظ سے اُنکو یاد دلائے دیتے ہیں کہ اُنہی کے علمائے معتمدین نے اُنکی ان لغویات
وحشویات کی کامل طور سے رد فرمادی ہے۔ پھر ایسی کہ آج صدہا سال ہو گئے کسی نے اُن کی رد اور
تنقید پر ترمیم و تنسیخ کا قلم نہیں اُٹھایا۔ جن لوگوں نے کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان علیہ الصلوٰۃ
والسلام۔ صواعق محرقہ۔ مطالب السئول۔ فصول المہمہ۔ کفایت الطالب۔ فرائد السمطین۔ فصل الخطاب
تاخیر الظلامہ۔ التبیان۔ در المکتوم۔ درۃ المعارف اور ینابیع المودۃ فی القربیٰ کی ایسی جامع اور مانع
کتب کو دیکھا ہے وہ اِن دلائل اور مباحث کی حقیقتوں سے خوب واقف ہیں اور اِن شبہات اور ظنیات
کی ماہیت اور اصلیت کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اتنے معتبر شواہد کے سامنے ایسے ضعیف اور بے دلیل
عقائد کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ کیا اعتراض کرنیوالے ان دلائل اور مشاہد کی خبر نہیں رکھتے۔ نہیں وہ
ان سے پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں اور خوب سمجھتے بھی۔ مگر چونکہ عام ابلہ فریبیوں
سے اُنکی خود غرضی اٹکی ہے اِس لیے وہ جان بوجھکر نادان بنتے ہیں اور دوسروں کو بھی نادان بنانا
چاہتے ہیں۔ اِس غلط گمانی اور شبہ کو اِس زمانہ کی نئی روشنی نے اور چمکا دیا ہے۔ جدید فلسفہ اور
سائنس کی تعلیم نے اسپر اور قلعی کر دی ہے۔

ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ کسی وقت بھی تعلیم کا نتیجہ بُرا ثابت ہوا ہو۔ یہ فلسفہ یا سائنس ہی کی تعلیم کے
بُرے نتیجے کبھی نہیں کہے جا سکتے۔ یہ تو ہماری سمجھ کا نقص اور ہمارے فہم کا قصور ہے جو اصل حقیقت
تک ہم کو نہ پہنچا سکے۔ دنیا کی معمول پسند طبیعتیں اور روزانہ مشاہدے پر اعتبار کرنیوالی قومیں معمول
کے اصول کو قدرت کا خاص قانون سمجھتی ہیں جو بمصداق لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ کبھی متغیر
ہو نہیں سکتا۔

ہم بھی اِسکو تسلیم کرتے ہیں۔ ضرور ایسا ہی ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے مگر اُس قادر مطلق
اور حکیم برحق نے اِن امور اور اصول کے خلاف بھی اکثر اوقات دکھلا کر اپنی قدرتِ کاملہ کے عجائب و غرائب
دکھلا دیے ہیں اور یہ بھی بتلا دیا ہے کہ ہماری جبروت و قوت اور اُس کے تمام تصرفات اور اختیارات
کبھی محدود اور مقید نہیں ہو سکتے۔ ہمارے اصول نہ معمول کے پابند ہیں اور نہ مشاہدہ اور مکاشفہ کے
محتاج۔ اُسکو پورا اختیار ہے کہ بمصداق کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ اور یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ وَ
عِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ ہ وہ اپنی قدرت کے نئے تصرفات اور مشاہدات دکھلاتا رہے۔ اُسکے اِن تصرفاتِ
قدرت سے نہ کسی فلسفی کو آج تک انکار ہے اور نہ سائنس کو۔ حقیقت سے دور رہنے والے اپنی غلط فہمی
یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں علوم شاید علم الٰہیات کے مختلف امور کی تعلیم دیتے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ اگر

جدت اور مغربی دہریت نے اِن دونوں علموں کی تشریح و تکمیل پر اپنے قیاسی اور ظنّی اقتباسات کا غلاف نہ چڑھایا ہوتا تو افلاطون۔ سقراط۔ جالینوس اور دیگر حکمائے الٰہی کے اقوال و ارشادات کو جو وحدت ربّانی اور وحی و القا اور تمام ہدایاتِ آسمانی کے قائل تھے مشتبہ۔ مشکوک اور نامربوط نہ بتلائے جاتے۔

بہرحال۔ جو حضرات جنابِ قائمِ آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کے طولِ بقا کو خلافِ معمول سمجھکر ناممکن کہتے ہیں اُنکو علاوہ نصوص قرآنیہ اور بشارتِ ربّانیہ کے۔ دنیا کے مشاہدات سے بھی جن پر اُنکے تمام عقائدِ عقلیہ کا دار و مدار ہے انکار کرنا لازم ہو جائیگا نظر بہ روشِ زمانۂ موجودہ اگر نئی روشنی کے حضرات اپنی کوتاہ بینی اور خفّت چشمی کی وجہ سے حضرت خضر۔ الیاس اور حضرت عیسےٰ علےٰ نبینا و آلہٖ وعلیہم السلام کے زندہ ہونے سے انکار کریں اور اِسی طرح شہدائے فی سبیل اللہ علیہم السلام کے زندہ رہنے کی بشارت کو جو بمفادِ آیۂ کریمہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۘ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؏ اور (اے پیغمبرؐ) جو لوگ اللہ کے رستے میں مارے گئے ہیں اُنکو مرا ہوا خیال نہ کرنا (یہ مرے نہیں ہیں) بلکہ اپنے پروردگار کے پاس جیتے (جاگتے موجود) ہیں۔ (اُس کے خوانِ کرم سے) اُن کو روزی ملتی ہے (اور) جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو دیا ہے وہ اُس میں مگن ہیں۔ اور جو لوگ اُن کے بعد زندہ رہے اور ابھی ان میں آکر شامل نہیں ہوئے اُن کی نسبت (یہ خیال کرکے) خوشیاں مناتے ہیں کہ یہ بھی شہید ہوں تو ہماری طرح اِن پر بھی نہ (کسی قسم کا) خوف (طاری) ہو اور نہ یہ (کسی طرح) آزردہ خاطر رہیں۔ اللہ کی نعمتوں کی اور (اُس کے) فضل کی خوشیاں منا رہے ہیں اور نیز اِسکی کہ اللہ ایمان والوں کے ثواب کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔" ہمیشہ زندہ رہنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ معاذ اللہ مذاق سمجھیں۔ تو ہم ہرگز اُنکے مقابلہ میں نصوصِ الٰہیہ کے دلائل پر اصرار کرکے اُسکے مقدّس احکام کی عظمت کو کبھی نہ گھٹائینگے۔ بلکہ دنیا کے مشاہدات دکھلا کر اُن کے عقائدِ فاسدہ کو رد کو دینگے اور اُنہیں یہ سمجھا دینگے کہ تم جس کو اپنے زمانہ میں بالکل ناممکن اور قطعی محال سمجھتے ہو وہ کسی زمانہ میں بالکل سہل اور آسان۔ تمہاری لاکھ مشکل اور ہماری ایک آسانی۔ اِن مشاہدات کی مثالوں سے دنیا کے کارنامے بھرے پڑے ہیں۔

اتنا تمہیداً عرض کرکے اب ہم پھر اپنے اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے طولِ بقا کی نسبت یہی اعتراض ہے کہ کسی ذی روح کا اتنے دنوں تک زندہ رہنا خلافِ عقل ہے۔ خلافِ عقل ہونیکی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی سوائے اِسکے کہ خلافِ مشاہدہ ہے۔ اوّل تو وہ چیزیں جو آج تک مشاہدہ میں نہیں آئیں۔ اِس دلیل سے خلافِ عقل اور محال

سمجھی جائینگی۔ حالانکہ یہ کوئی کلیّہ نہیں ہے اور نہ کبھی دنیا کے عقلاء اِسکو تسلیم کرسکتے ہیں۔ دنیا میں ہزاروں چیزیں ایسی موجود ہیں جن کا مشاہدہ محال ثابت ہوتا ہے مگر بخلاف مشاہدے کے وہ تسلیم کرلی گئی اور مان لی گئی ہیں۔ جیسے وجودِ باریتعالےٰ۔ آج کرۂ زمین پر کوئی ایسی بدنصیب قوم نہ ہوگی جو کسی نہ کسی صورت سے وجودِ باریتعالےٰ کی قائل نہ ہو۔ مگر اِس عام اعتقاد کے ساتھ ہی وہ اِس کے بھی ضرور قائل ہیں کہ اُسکی پاک و پاکیزہ ذات کو وہ اور اشیائے دنیاوی کی طرح کبھی دیکھ نہیں سکتے۔

وجودِ باریتعالےٰ کی بحث کو چھوڑیے کیونکہ ہمارے مخاطب حضرات کو اِن اقسام کی دلائل سے بہت کم دلچسپی ہے۔ تو لیجیے آپ سائنس اور کیمیا کی مباحث کی طرف توجہ فرمائیے۔ دیکھیے علمِ طبیعیات اور علمِ کیمیا کی رُو سے بہت سے اشیاء کی پُرزور قوتیں ایسی ثابت ہوئی ہیں جن سے آج روئے زمین پر دنیا کے بڑے بڑے اور عظیم الشّان کاموں کا دار و مدار ہے۔ اِسکی مثال میں برقی قوت Electricity کافی ہے۔ حقیقتاً دیکھو تو دو یا تین بالکل ناچیز اور ادنےٰ اشیائے عالم سے کیمیاوی ترکیب کے ساتھ دو متفرق قوتیں جنکو انگریزی میں پازیٹو Positive اور نیگیٹو Negative کہتے ہیں پیدا کیجاتی ہیں۔ پھر اُن میں کیمیا کی عملی ترکیبوں سے ہزارہا کوس دوڑ جانیکی حرکت سیّالی (Wave Motion) پیدا کیجاتی ہے۔ یہ ترکیب اپنے عمل میں ایسی قوی اور سریع السیر ثابت ہوئی ہے کہ اُسکو تار ستون یا دیگر ذریعہ اور واسطہ کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہتی چشم زدن میں کہاں کی خبر کہاں پہنچ سکتی ہے۔ اور وائرلس ٹیلیگرافی (Wire-less Telegraphy بے تار کی تار برقی) دور و دراز ملکوں میں اپنی قوت کا کمال دکھلاتی رہتی ہے۔

یہ سب کچھ تو ہوا۔ مگر آیا کوئی اِن دونوں اشیاء کی قوتوں کو عمل کرتے ہوئے دیکھتا ہے یا یہ معلوم کرسکتا ہے کہ یہ کس طرح اور کس صورت میں اپنی ابتدا سے انتہا تک پہنچتی ہے۔ بالکل اِسی طرح ہوا کی ذاتی خلقت کو سوائے اِس کے کہ اُس کی اُس حرکت سے جو اُسکے متحرّک بہاکے افعال سے محسوس اور معلوم ہوتے ہیں۔ آج تک کسی نے دیکھا ہے۔ یا اُس کے دیکھنے کا دعوٰے کیا ہے۔ اِن اشیاء ناممکن المشاہدہ کے وجود کی قطعی دلائل اُنکے عمل ہیں جو روزانہ ہمارے مشاہدے میں آیا کرتے ہیں اور اِنہی اعمال و خواص سے ہم اُن اشیاء کے وجود اور اُنکی تمام قوتوں کو تسلیم کرتی اور مانتی ہیں۔

اوپر کی دونوں مثالوں سے پورے طور پر ثابت ہوگیا کہ جن اشیاء کو ہم نہ دیکھ سکیں تو اُنکے نہ دیکھنے کے باعث ہم کسی طرح اُنکے وجود سے انکار نہیں کرسکتے۔ یا اُن کو خلافِ عقل یا محال فطری یا محالِ عادی نہیں سمجھ سکتے۔ اِس لیے اِسکے متعلق عدم مشاہدہ کی بحث بالکل بے اصل ہے۔

قطع نظر اِس کے ہم اسکو خلافِ مشاہدہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ ہمارا تو یہ دعوٰے ہے کہ ہمارے

امام علیہ السلام کے وجودِ ذیجود کی طرح اور آپ کے طولِ بقا کی طرح سینکڑوں مثالیں مُدت تک دنیا کے مشاہدے میں آچکی ہیں۔ جن لوگوں نے اخبار و آثارِ قدیمہ کو دیکھا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سابق عمر انسانی کی میعاد کیا تھی اور آفرینشِ عالم کے بعد قرنِ اوّل و دوم و سوم تک کے انسان ایک ہزار سال سے زائد تک جیتے ہیں۔ جنابِ آدم صفی اللہ سے لیکر حضرت نوح علےٰ نبینا و آلہ وعلیہما السّلام تک عموماً انسان کی عمرِ طبعی ہزار سال سے کم کی نہیں پائی جاتی۔ پھر علمِ طبیعیات کے موجودہ اصولِ اقطار کے مطابق جوں جوں خلقتِ عالم کو زمانہ گزرتا جاتا ہے اُس کے نظام الاشیاء میں ووں ووں ضعف اور اضمحلال آتا جاتا ہے۔ مُدّت گزرتی جاتی ہے اور دنیا کی تمام اشیاء اور اسباب میں کمی محسوس ہوتی جاتی ہے۔ اِس اصول کے مطابق ہم کو حیاتِ انسانی کے نظام کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ ایک زمانہ میں تاریخوں سے ہمارے ہی باپ دادا کی کتنی بڑی بڑی عمریں معلوم ہوتی ہیں اور آج وہ زمانہ آلگا ہے کہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی جان کے لالے پڑجاتے ہیں۔ کہاں تو عمرِ طبعی کی ہزار سالہ میعاد تھی اور کہاں اب چالیس برس پورا کرتے کرتے ناک میں دم آجاتا ہے تو کیا اِس وجہ سے کہ اب ہم چالیس پچاس۔ ساٹھ اور ستر سال سے زیادہ دنیا میں زندہ رہتا کسی کو نہیں دیکھتے اس لیے ہم سمجھ لیں کہ انسان کے لیے ہزار یا دو ہزار سال کی عمر پانا یا اتنی مُدّت تک جینا قطعی محال ہے۔ نہیں کبھی نہیں۔

طولِ بقا سے انکار کرنیوالے حضرات کی تشفّی اور تسکین کے لیے ہماری یہ مختصر سی بحث جس کو ہم نے صرف ضمنی اور سرسری طور سے لکھدیا ہے۔ کافی ہے۔ کیونکہ اِن دلائل اور مسائل کو ہمارے مدعائے تالیفی سے بہت کم تعلّق ہے۔ اگر ہمارے اِس اختصار سے اِن حضرات کا دلی اطمینان اور خاطر خواہ تشفّی نہو اور وہ اِس کو بھی تاریخوں کا طومار سمجھیں اور محض افسانۂ روزگار۔ تو ہم اُنکے مزید اطمینان کے لیے طولِ بقا اور طولِ عمری کی چند مثالیں اُنکی خدمت میں پیش کیے دیتے ہیں۔ جو ظہورِ اسلام کی ایک مُدّت کے بعد یا قبل دنیا کے مشاہدے میں آچکی ہیں۔

ابی الدّنیائے مغربی۔ معمّر مغربی کا حال

عبداللہ ابن محمد ابنِ عبدالوہاب سنجری۔ محمد ابنِ مسلم۔ رقی کی زبانی اور رقّی مذکور علی ابن حسن ابن جنکار لائکی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ علی ابن حسن کہتے ہیں کہ ۳۰۹ھ ہجری میں ہم مکّہ معظمہ میں حج بیت اللّٰہ کے قصد سے داخل ہوئے۔ ہم نے یہاں اہلِ مغرب کی ایک جماعت کو دیکھا جس میں ایک شخص معمّر کبیر السّن تھا۔ مگر اُسکی ڈاڑھی اور سر کے بال سیاہ تھے۔ میں نے اِن جماعت والوں سے اس مردِ معمّر کا حال پوچھا تو اُنہوں نے دیارِ مغرب کے اُس وادی میں اِسکی سکونت بتلائی جو شہر حُرّہ عُلیا کے قریب واقع ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اور ہمارے باپ دادا نے اُسکو اِسی حالت میں پایا ہے۔ ہمارے اطراف میں لوگ اِنکو اِنکی طولِ عمری کے باعث ابوالدنیائے مغربی کے خاص لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اِس کا

اصلی نام علی ابنِ عثمان ابنِ خطاب ابنِ بُرّہ ابنِ مُویّد ہے۔ وہ اپنے آپ کو قبیلۂ ہمدان سے کہتا ہے اور مقامِ صعدیمن کو اپنا وطن بتلاتا ہے۔

علی ابنِ حسن کا بیان ہے کہ اتنا سُنکر میں نے خود اُس پیرِ معمّر سے پوچھا کہ تم نے جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے؟ میرا سوال سُنکر وہ میری طرف مخاطب ہوا اور اپنی آنکھوں سے اپنی ابرو کے بال اوپر اُٹھاکر جو اُسکی آنکھوں کو بالکل چھپائے ہوئے تھے کہنے لگا کہ میں نے اپنی انہی آنکھوں سے جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی زیارت کی ہے۔ میں نے ایک مُدّت تک اُنکی خدمت کی ہے اور جنگِ صفّین کے موقعہ پر میں آپکی رکابِ ظفر انتساب میں حاضر تھا۔ اِسی معرکہ میں آپ کے گھوڑے کی ٹاپ سے ایک زخم میرے لگ گیا تھا جس کا نشان اِس وقت تک موجود ہے۔ یہ کہکر اُس نے اپنے ابرو اور سر کے درمیان ایک زخم کا نشان ہم لوگوں کو دکھلایا اور ہم نے اُسکو بجنسہٖ اُسی صورت میں پایا جیسا کہ وہ بیان کرتا تھا۔ اِس کے بعد اُس نے اپنی طولِ عمری کے متعلق ایسے ایسے واقعات بیان کیے جنکو سُنکر ہم نے یقین کر لیا کہ شیخوخیّت اور کہولیّت کے نقائص نے ابھی تک اُسکے فہم و ادراک اور عقل و شعور میں کوئی فساد یا فتور نہیں پیدا کیا ہے۔ اِسی ضمن میں اُسکے بیان سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک اُسکی تین بار دانت ٹوٹ چکے ہیں اور پھر از سرِ نو نکل چکے ہیں۔

اِسکے بعد ہم لوگوں نے اُس سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ہم سے اُن حدیثوں کو بیان کرے جنکو اُس نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی زبانی سُنا ہو۔ چنانچہ اُسنے ہماری تمنّا کے موافق ہم کو آپ کی چند حدیثیں سُنائیں۔ جن کو ہم نے دیگر رُواتِ معتبرین سے بھی سُنا تھا۔ اُس نے اِن حدیثوں کو ہمارے سامنے ایک کتاب کھولکر پڑھا تھا۔ جسکی نسبت اُسکا بیان ہے کہ ہمارے قبیلہ اور اولاد کے لوگوں نے اِنکو میری اسناد سے اس مسند میں جمع کیا ہے۔

اِس کے بعد ابنِ جنکا لانگی کا بیان ہے کہ جب ابی الدّنیائے معمّر کی خبر والیِ مکّہ کو معلوم ہوئی تو اُسنے ایسے اعجوبۂ روزگار شخص کو مقتدر باللہ موجودہ خلیفۂ عباسی کی خدمت میں بھیجدیے جانیکا قصد کیا مگر ہم نے ابوبکر محمد ابن فتح اور دیگر حجّاج نے والیِ مکّہ کی خدمت میں عرض کی کہ اُسکو اِس پیرانہ سالی کی حالت میں بغداد جانیکی تکلیف سے معاف فرمایا جائے۔ والیِ مکّہ نے ہماری سفارشوں کو قبول کر لیا اور اُسکو وہاں بھیجنے سے باز رہا۔

اِس واقعہ کے بعد ابوالدّنیائے معمّر رضی اللہ عنہ تین یا چار برس تک کامل مکّہ میں مقیم رہے۔ اِنکے باقی حالات یہ ہیں۔ ابو محمد حسن ابنِ محمد ابنِ یحییٰ ابنِ حسن ابن جعفر ابنِ عبداللہ ابنِ حسن ابن علی ابن حسین ابنِ علی ابنِ ابیطالب علیہم السلام بیان کرتے ہیں کہ میں ۳۱۴؁ ہجری میں (اس واقعہ کے تین برس بعد) حجِ بیت اللہ مقدس کی ضرورت سے داخلِ مکّہ معظمہ ہوا۔ اِسی سال نصر قشوری جو خلیفہ مقتدر باللہ کے معز

اور معتمد مصاحبین میں داخل تھا ابو الہیجا عبد الرحمن ابن حمران کے ساتھ حج کی غرض سے آیا۔ میں ہی سب اُن لوگوں کے ہمراہ مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آیا۔ وہاں مصر سے ایک بہت بڑا حجاج کا قافلہ آیا ہوا تھا۔ اِس قافلہ والوں سے ملنے گیا تو میں نے ابو بکر محمد ابن علی ماورائی کو ایک اہلِ مغرب کے ساتھ پایا۔ جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اِس شخص نے جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ چاروں طرف سے آدمیوں کا ہجوم اُسکو گھیرے ہوئے تھا اور ایسی کثرت تھی کہ ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا اور اُس سے مصافحہ کی سعادت حاصل کرتا تھا۔ یہ دیکھکر میرے چچا ابو القاسم طاہر ابن یحییٰ نے اپنے غلاموں اور رفیقوں کے ذریعے سے اُس مجمع کو وہاں سے ہٹوا دیا۔ اور اُس شخصِ معمّر کو وہاں سے ابی سہل طفی کے گھر اُٹھا لائے۔ جہاں وہ خود فرود تھے۔ اُسی مکان میں اُس کو اُس کے پانچوں ہمراہیوں کے ساتھ اُتارا جو اُسکی اولاد اور ذرّیات میں سے تھے۔

سب سے پہلے اُس کے ہمراہیوں کی نسبت پوچھا گیا اور اُس شخصِ خاص کے متعلق استفسار کیا گیا جو اُن پانچوں آدمیوں میں اپنے سن کے اعتبار سے اسّی ۸۰ یا نوّے ۹۰ برس کی عمر کو پہنچ چکا تھا تو اُس نے بیان کیا کہ یہ میرا پوتا ہے۔ پھر اُس کے متعلق پوچھا گیا جس کا سن ستّر برس کا ہوگا تو اُسنے بتلایا کہ یہ میرا پوتا ہے اور پہلے شخص کا درمیانی بھائی۔ پھر بقیہ تین شخصوں کو بھی جن کا سن ساٹھ ۶۰۔ پچاس ۵۰ اور چالیس ۴۰ تک کا تھا اُس نے اپنا پوتا ہی بتلایا۔ پھر اُس سے اُس کا نام پوچھا گیا تو اُس نے اپنا نام علی ابن عثمان ابن خطاب ابن برّہ ابن مؤیّد بتلایا۔ وہ طویل القد نہیں تھا بلکہ مائل بہ قصر القد۔ اُس نے اپنی خصوصیات سے بتلایا کہ بھوک کے وقت میرے بال سفید ہو جاتے ہیں اور سیری کے وقت سیاہ۔ میں نے پہلے اُس کے اِس انوکھے دعوے پر اعتبار نہیں کیا مگر جب اپنی آنکھوں سے اپنے چچا کے گھر دونوں وقت کھانا کھانے کے دسترخوان پر اُسکی یہ حالت بجنسہ دیکھلی اور اپنے مشاہدہ کی تصدیق و توثیق دیگر عمائد۔ اکابر اور شیوخِ مدینہ۔ حجاز اور بغداد وغیرہ سے بھی کرالی تب میں نے اِس امر پر پورا یقین اور اطمینان کرلیا۔ اُس سے ملاقات کر کے اور اُسکے حالات و واقعات معلوم کر کے نصر قشوری نے اُسکے بغداد لیجانیکا قصد کیا۔ مگر یہ خبر پا کے فوراً فقہائے مکّہ اُسکے پاس جمع ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم کو جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ خبر ملی ہے کہ جس وقت معمّر مغربی داخلِ بغداد ہوگا تو اُس سال بہت سے فتنہ و فساد واقع ہونگے۔ شہر برباد ہو جائیگا اور مملکت تباہ و ویران۔ تو ایسی حالت میں اُسکو بغداد جانیکی تکلیف نہ دی جائے۔ بلکہ بالعوض اِس کے اُسکو اُسکے اپنے وطن ملکِ مغرب کی طرف معاودت کرنیکی اجازت عنایت کیجائے قشوری نے اِسے مان لیا اور اُسکو گھر جانے کی اجازت دیدی۔

راویِ حدیث کا بیان ہے کہ اِس کے بعد ہم نے اُس پیرِ معمّر سے ملاقات کی اور خود اُس سے اُسکے حالات پوچھے تو اُس نے اپنی طولِ عمری کے اسباب بیان کرنیکے بعد کہا کہ بعدِ وفاتِ جنابِ رسالتمآب

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مدینۂ منورہ آیا۔ یہاں آکر تمام حضرات میں مجھے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک خاص اُنس ہوگیا۔ اور میں ہمہ دم آپ ہی کی خدمت میں رہنے لگا۔ یہانتک کہ خلافتِ اولےٰ ثانیہ اور ثالثہ کے ایام گزر کر جب آپکی خاص خلافت کا زمانہ آیا تو شروع حکومت سے لیکر وقتِ شہادت تک میں آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ ابنِ ملجم ملعون کی ضربت میرے سامنے لگی تھی۔ صفین کے معرکہ میں ایک دن آپ کا تازیانہ زمین پر گر گیا۔ میں اُس کے اُٹھانیکو جُھکا۔ گھوڑے نے لات چلائی۔ میری پیشانی اور ابرو کے درمیان سخت چوٹ آئی۔ میری یہ حالت دیکھکر آپ نے مجھے قریب بُلایا۔ جب میں آیا تو آپ نے میرے زخم پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا۔ اِس عمل کے کرنے سے میرا درد جاتا رہا۔ اور زخم بھی اچھا ہو گیا۔ اُسی زخم کا نشان ابھی تک باقی ہے۔

آپ کی شہادت کے بعد میں جنابِ امام حسن علیہ السلام کی خدمت کرتا رہا۔ ساباط مدائن میں آپ کے ساتھ تھا یہانتک کہ آپ موصل میں مجروح کیے گئے اور مدینہ واپس لائے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ آیا اور آپکی خدمت میں برابر حاضر رہا۔ یہانتک کہ معٰویہ نے پوشیدہ طور پر آپ کو جعدہ بنتِ اشعث کندی کے ذریعے سے زہر دلوایا اور آپ نے انتقال فرمایا۔

آپ کے بعد میں جنابِ امام حسین علیہ السلام کی خدمت کرتا رہا اور معرکۂ کربلا اور واقعۂ شہادت تک آپکے ساتھ تھا اور آپ کی شہادت کے بعد بنی امیہ کے خوف سے بھاگ آیا اور اُس روز سے اِس وقت تک دیارِ مغرب کے دور و دراز مقامات میں بیٹھا ہوا ظہورِ جنابِ مہدی و حضرتِ عیسے ابنِ مریم علیہما السلام کا۔ جس کا وعدہ مجھ سے میری طولِ عمر عنایت کیے جانیکے وقت کیا گیا تھا۔ انتظار کر رہا ہوں۔

عبداللہ یمنی کے حالات

عبداللہ یمنی بھی عرب کے مشہور و معروف معمّرین سے شمار کیا جاتا ہے۔ اِس کے سن کی کہیں صحیح تعداد نہیں بتلائی گئی۔ مگر اسکے زبانی حالات کو سُنکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسنے جنابِ سلمانِ فارسی علیہ السلام کو بھی دیکھا تھا۔ اور بذاتِ خاص جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔ چنانچہ وہ بہت سی حدیثیں حضرت سلمانِ فارسی رضی اللہ عنہ سے بھی۔ اور بہت سی حدیثیں باسناد متصلہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی نقل کرتا ہے۔ احمد بن فہد۔ بہاءالدین علی ابنِ عبد الحمید اور یحییٰ ابنِ نجلِ کوفی کا بیان ہے کہ ہم نے ۳۲۰ھ ہجری میں اُسکو کوفہ میں دیکھا تھا اس حساب سے اُس وقت تک اُسکی عمر کم و بیش آٹھ سو برس کی ہو چُکی تھی۔

شیخ بابا رتن کے حالات

شیخ صدرالدین سادہ بیان کرتے ہیں کہ ۶۳۰ھ ہجری میں میں نے شیخ بابا رتن علیہ الرحمہ کی زیارت کی میں نے شیخ کو اس صورت میں دیکھا کہ کثرتِ سن کی وجہ سے اُنکی ابرو کے بال لٹک لٹک کر اُنکی آنکھوں کو

بالکل چھپائے ہوئے تھے۔ جب میں نے اپنا نام اُن سے بیان کیا تو انہوں نے ایک بار اپنی آنکھوں کے اوپر سے بالوں کا پردہ اُٹھایا اور کہا اِن آنکھوں نے بہت مرتبہ جناب ختمی مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے جمالِ جہاں آرا کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ جس روز کہ مدینہ منورّہ کے گرد چاروں طرف خندق کھودی جاتی تھی میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو دیکھا کہ اور مسلمانوں کے ساتھ آپ بھی خندق کی مٹی اُٹھاتے جاتے ہیں اور لبِ معجز نما سے یہ دعا پڑھتے جاتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِیْشَۃً ھَنِیْئَۃً وَّ مِیْتَۃً سَوِیَّۃً وَّ مَرَدًّا غَیْرَ مُخْزٍ وَّ لَا فَاضِحٍ۔ پروردگارا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری زندگی گوارا ہو اور آسانی کی موت اور بلا رسوائی کا اور بغیر فضیحت کا لوٹنا میرے لیے میسّر کردے۔
(بحار الانوار جلد ۱۳)

اس حساب سے اِس شیخ معمّر کا سن بھی کچھ اوپر ساتؐ سو برس کا ہوتا ہے۔

ایک حاکمِ ساحلِ ہند

مکی ابنِ احمد کا بیان ہے کہ میں نے یحیٰ ابنِ منصور کے گھر میں اسحٰق ابنِ ابراہیم طوسی کی زبانی جب اُسکا سن ستانوے برس کا ہوچکا تھا کہ اسحٰق نے کہا کہ میں ساحلِ ہند کے شہروں میں سے شہر صوح بایک میں مقیم ہوا۔ وہاں ایک کبیر السّن اور معمّر بادشاہ حکمران تھا۔ میں اُس سے ملا اور پوچھا کہ آپکا سن کہاں تک پہنچا ہے؟ اُسنے کہا کہ میرا سن اِس وقت تک نوسو پچیس ۹۲۵ برس کا ہوچکا ہے اور میں عقائد میں مسلمان ہوں۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے دس اصحاب میرے پاس بھیجے تھے اور وہ یہ لوگ تھے۔
حذیفہ ابنِ یمان۔ عمرو ابن العاص۔ اسامہ ابنِ زید۔ ابو موسےٰ اشعری۔ صہیب رومی۔ سفینہ وغیرہم۔ اِن حضرات نے یہاں تشریف لاکر مجھے اسلام کی دعوت فرمائی اور میں نے اُنہی کی بدولت یہ دولت پائی۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ باوجود اس ضعف اور پیرانہ سالی کے آپ نماز کیسے پڑھتے ہیں؟ اُس نے کہا جس طرح ممکن ہوتا ہے اُسکی نماز کو ادا کرلیتا ہوں۔ کیونکہ اُس کے لیے تو خداوند تبارک وتعالےٰ فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ ترجمہ۔ وہ لوگ جو کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے خدا کی عبادت کیا کرتے ہیں۔
پھر میں نے اُس سے پوچھا کہ آپ غذا کیا کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ آب گوشت اور گندنا۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپکے دانتوں کی کیا حالت ہے؟ کہا کہ بیس ۲۰ مرتبہ ٹوٹ کر نکل چکے ہیں۔ پھر اُس نے اپنے بہت سے چشم دید دنیا کے عجائب وغرائب بیان کیے اور ملکِ مصر کے اطراف میں قوم بنی اسرائیل پر اپنے حملہ کرنے کی مفصّل کیفیت دہرائی۔

ابو الحسن کاتب کا چشم دید واقعہ

کتاب انوارِ مضیئہ میں علی ابنِ عبد الحمید رئیس کوفہ ابو الحسن کاتب کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ سنہ ۲۹۲ھ

میں ممالکِ عرب میں سخت قحط نمودار ہوا۔ لیکن بصرہ کی طرف گرانی کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ اس خبر کو سُنتے ہی قحط زدہ علاقوں کے تمام قبائلِ عرب ہجوم کرکے بصرہ کے اطراف وجوانب میں پھیل گئے۔ دور دور تک شہر کے باہر اِن لوگوں کے ہزارہا خیمے۔ ڈیرے اور پڑاؤ پڑ گئے۔ ابوالحسن کاتب کا بیان ہے کہ میں نے اپنے چند اصحاب واحباب کے ساتھ اِن لوگوں سے ملنے اور اِن کے حالات وواقعات دریافت کرنیکا قصد کیا۔ اپنی جماعت کے ساتھ گھر سے اُٹھا اور اُنکی قیام گاہ تک پہنچا۔ اثنائے راہ میں مجھے ایک عظیم الشّان خیمہ میدان میں کھڑا ہوا نظر آیا۔ میں اُسکی طرف چلا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ اُسکے گوشہ میں ایک شیخ کبیرالسّن مصروفِ استراحت ہے اور اکثر لوگ اُسکی خدمت کے لیے اِردگرد موجود ہیں۔ اُسکی ابرو کے بال اُسکی آنکھوں پر لٹک رہے ہیں۔ میں نے اُسکے پاس جاکر اُسکو سلام کیا وہ اخلاق سے پیش آیا۔ اتنے میں ایک شخص نے اُس سے میری معرفت کرائی اور کہا کہ یہ اِس اطراف وجوانب کے مشہور ومعروف بزرگ ہیں اور فصحائے عرب کی اولاد میں ہیں۔ یہ سُنکر وہ مجھ سے میرے آنیکی وجہ پوچھنے لگے تو میں نے کہا کہ میرے آنیکا صرف یہی مقصود ہے کہ آپ نے بہت زمانہ دیکھا ہے۔ کچھ اپنے چشم دید عجائب وغرائب مجھ سے بیان فرمائیں۔ اُس نے کہا کہ آپ مجھے معاف فرمائیں۔ آپ کا حصولِ مطلب مجھ سے نہ ہوگا۔ یہ کہکر اُسنے دوسرے خیمے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ آپ اس خیمے میں تشریف لیجائیں تو البتہ آپکی مرادِ دلی برآئیگی۔ یہ سُنکر میں دوسرے خیمے میں گیا اور وہاں بھی میں نے ایک دوسرے شخص کو اُنہی سامانوں کے ساتھ مصروفِ استراحت پایا۔ جب اُس سے اظہارِ مدعا کیا تو اُسنے بھی کہا کہ مجھ سے بھی آپکی مطلب برآری نہوگی بلکہ آپ ہمارے باپ کے خیمے میں جائیے تو البتہ آپ کا مدّعا حاصل ہوگا۔ ہم دونوں بھائی ہیں اور وہ ہمارے باپ ہیں اس لیے اُنہوں نے ہم دونوں آدمیوں سے کہیں زیادہ زمانہ دیکھا ہے۔ یہ سُنکر میں وہاں سے اُٹھا اور تیسرے خیمہ کے دروازے پر پہنچا۔ اُن دونوں خیموں سے اس خیمہ کا اہتمام اور تزک واحتشام زیادہ دیکھا۔ یہاں جو لوگ مصروفِ اہتمام تھے اُن سے میں نے اظہارِ مدّعا کیا تو اُن لوگوں نے اپنے آقا سے اذن طلب کیا اور مجھے اُس خیمہ کے اندر لے گئے۔ جب میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک مرد کبیرالسّن ایک پُرتکلف۔ نرم اور ملائم بستر پر دراز ہے۔ اُسکا تمام بدن کہنہ اور بوسیدہ ہوگیا ہے اور اُس کے سر اور اعضا کے تمام بال کثرتِ سن کی وجہ سے گرگئے ہیں۔ میں جب اُسکے قریب پہنچا تو میں نے عمداً چلّا کر اُس کو سلام کیا اُس نے بآسانی سُن لیا اور میرے سلام کا جواب دیا۔ اور مجھ سے میرے مدّعا کو سُنکر اُس نے اپنے خادموں کو اشارہ کیا۔ اُن لوگوں نے اُسے اُٹھا کر بٹھلادیا۔ میں نے دیکھا تو اُسکی آنکھوں کی بینائی زائل ہوچکی تھی۔ اور اُسکی آنکھوں کے حدقے پتھریلے ہوچکے تھے۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے میرے بیٹے مجھ سے چند باتیں سُنلو اور یاد رکھو۔ وہ یہ ہیں کہ میں بھی دنیا میں ایک دن مثل ایک بچۂ مرغ کے پیدا ہوا تھا۔ میری ولادت سے میرے والدین کو بہت بڑی مسرّت حاصل ہوئی تھی۔ مگر میری شامتِ اعمال کی وجہ سے

تھوڑے دنوں کے بعد میرا باپ مرگیا۔ اُس کے مرجانیکے بعد میری پرورش اور آسائش کا سامان میرے چچا نے کیا۔ اور حقیقتاً اُنہوں نے کوئی دقیقہ میری پرورش اور آرام رسانی میں اُٹھا نہیں رکھا۔ منجملہ اُن نعمتوں کے جو مجھے اپنے چچا کے ذریعے سے حاصل ہوئیں ایک نعمت اسلام بھی ہے اور اُسکی کیفیت یہ ہے کہ میرا چچا ایک دن مجھ کو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں لیگیا اور عرض کی کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ اِسکا باپ مرگیا ہے۔ اور اب اِسکی تربیت میرے ذمّہ ہے۔ ہمیشہ مجھ کو اِسکے مرجانیکا خوف لگا رہتا ہے۔ پس آپ کوئی ایسی دعا اِسکو تعلیم فرما دیجیے کہ یہ دنیا میں ہمیشہ صحیح وسالم رہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ تو ہر روز صبح کو ذات القلاقیل (چاروں قل) پڑھ لیا کر۔ چنانچہ حسب ارشادِ رسولِ خدا میں اِس وقت تک برابر روزانہ صبح کو چاروں سوروں (قُل یَآ اَیُّہَا الکافروں۔ قل ہو اللہ احد۔ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب النّاس) کی تلاوت کیا کرتا ہوں اور اُس وقت سے لیکر اِس وقت تک میرے مال ومتاع اور جسم میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوا حتّےٰ کہ میں اپنی طول عمری کے باعث اِس حالت کو پہنچ گیا ہوں۔ جو تم اپنی آنکھوں سے آپ دیکھ رہے ہو۔ آپ لوگ بھی ذوالقلاقل کی برابر تلاوت کیا کریں جو کہ صلاح وفلاح دارین کا باعث ہوگا۔

عمر ابنِ ربیعہ ابنِ کعب

یہ شخص بھی عرب کے مشہور ترین معمّرین سے ہے۔ اِس کی عمر ۳۲۰ برس کی ہوئی۔ شیوع اسلام تک یہ زندہ تبلایا جاتا ہے۔ اُسنے اپنی طولِ عمری کے متعلق یہ اشعار یادگار چھوڑے ہیں۔

وَلَقَدْ سَئِمْتُ مِنَ الْحَیٰوۃِ وَطُوْلِهَا — وَعُمِّرْتُ مِنْ عَدَدِ السِّنِیْنِ مِأْتِیَا
مِائَۃٌ اَتَتْ مِنْ بَعْدِهَا مِأْتَانِ — لِيْ وَازْدُدْتُ مِنْ عَدَدِ الشُّهُوْرِ سِنِیْنَا
هَلْ مَا بَقِيَ اِلَّا كَمَا قَدْ فَاتَنَا — یَوْمٌ یُكِرُّ وَلَیْلَةٌ تَحْدُوْنَا

طولعمری سے میں تنگ اور عاجز آگیا ہوں۔ عمرِ دنیادی سے کئی صدیاں مجھ پر گزر چکی ہیں۔ اور بعد ازاں دوسو برس اور چند ماہ اور میری عمر سے صرف ہوچکے۔ اور اِس کے بعد میں نے تین سو برس کا اور اضافہ کیا ہے۔ اب جو کچھ میری عمر سے باقی ہے اُسکی کیفیت روزہائے گزران کی سی ہے اور اُن راتوں کے مانند ہے جو حُدُے گاتی آتی اور قبروں کی طرف لے جاتی ہیں۔

یہ شعر بھی اُسی کی طرف مشہور ومنسوب کیے جاتے ہیں۔

اِذَا مَا الْمَرْءُ صَمَّ فَلَمْ یُكَلَّمْ — وَاَوْدَےٰ سَمْعُهُ اِلَّا نِدَا بَا
وَلَاعَبَ بِالْعَشِيِّ بَنِيْ بَنِیْهِ — كَفِعْلِ الْهِرِّ یَحْتَرِشُ الْعِظَابَا
یُلَاعِبُهُمْ وَوَدُّوْا لَوْ سَقَوْهُ — مِنَ الذِّیْفَانِ مُتْرَعَةً مَلَا بَا
فَلَا ذَاقَ النَّعِیْمَ وَلَا شَرَابَا — وَلَا یَشْفِيْ مِنَ الْمَرَضِ الشِّفَایَا

جس وقت انسان کثرتِ سن سے گراں گوش ہوجاتا ہے تو اُس سے باتیں کرنے میں عمداً اعراض کیاجاتا ہے۔ اور اُسکے کان سوائے زور کی آوازوں کے اور آوازوں کے سُننے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور شیخوخیت اور قلتِ عقل کی وجہ سے وہ نادان بچّوں کی طرح سے مانوس ہوجاتا ہے اور اپنے بیٹوں کے بیٹوں کے ساتھ رات کو کھیلا کرتا ہے جس طرح بلّیاں اپنے بچّوں کے ساتھ شکار کرتے وقت کھیلا کرتی ہیں۔ حالانکہ اُسکی یہی ذرّیات اور اولاد ہمیشہ اِس امر پر مستعد اور تیار رہتی ہیں کہ اُسکو جامِ ہلاہل پلادیں۔ اور ہمیشہ اُن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ کسی قسم کے کھانے یا پینے کی کوئی چیز نہ کھائے اور نہ اپنے مرض سے کبھی شفا پائے۔

زہیر ابنِ حباب

یہ شخص بھی معمرینِ عرب سے مشہور ہے۔ اِس کی عمر دوسوبیس (۲۲۰) برس کی بتلائی جاتی ہے۔ ابوحاتم سجستانی کا بیان ہے کہ وہ دوسو لڑائیوں میں حاضر رہا ہے۔ اور اپنی قوم میں بہت بڑا بزرگ اور مالدار تھا۔ وہ بہت بڑا نازک خیال اور مضمون آفرین شاعر تھا۔ اُسنے اپنی طولِ عمری کے متعلق ذیل کے اشعار لکھے ہیں۔ جو اُس کی استعداد اور جامعیت کے سچے ثبوت ہیں۔

كَفىٰ بِسِرَاجِ الشَّيْبِ فِي الرَّأْسِ هَادِيًا … لِمَنْ قَدْ اَضَلَّتْهُ الْمَنَايَا لَيَالِيَا
اَمِنْ بَعْدِ اِبْدَاءِ الْمَشِيْبِ مُقَاتِلِي … لِرَامِي الْمَنَايَا تَحْسِبِيْنِيْ رَاجِيَا
غَدَا الدَّهْرُ يَرْمِيْنِيْ فَتَدْنُوْا سِهَامُهٗ … لِشَخْصِيْ اَخْلَقُ اَنْ يُّصِبْنَ سَوَادِيَا
وَكَانَ كَرَامِي اللَّيْلِ يَرْمِيْ وَلَا يُرىٰ … فَلَمَّا اَضَاءَ الشَّيْبُ شَخْصِيْ رَمَانِيَا

پیری کے سبب بالوں کی سفیدی چراغ کے مانند ہے کہ موت کی رہنمائی کرتی ہے۔ اُس شخص کے لیے جسکے ایّامِ جہالت بہت کم رہگئے ہیں۔ آیا تم گمان کرسکتے ہو کہ جب پیری آگئی تو تم کو موت سے نجات مل سکتی ہے۔ زمانہ نے تیرِ فنا سے میرے اُن تمام اعضا کو سوراخدار بنادیا ہے جو طولِ عمری کی وجہ سے قریبِ فنا پہنچے ہوئے تھے۔ زمانہ کے تیر میرے جسم میں بالکل قریب آملے ہیں اور حقیقت میں میں اُن تیروں کے زخم کھانیکا شایان و سزاوار ہوں۔ کیونکہ میں جب جوان تھا تو میرے تمام بال سیاہ تھے اور اُنکی تیرگی اور سیاہی کے باعث تیرِ قضا کو میرے جسم تک پہنچنے کے لیے راہ نہیں ملتی تھی۔ اور جب وہ بال سفید ہوگئے اور اُسکی روشنی تمام میں پھیل گئی تو پھر زمانہ کے تیر میرے بدن پر آلگے

زہیر ابنِ حباب کلیب وائل کا ہمعصر تھا۔ اور کوئی شخص اُس وقت اہلِ عرب میں اُسکے ایسا شجاع اور دلاور نہیں تھا۔ اور سلاطینِ عرب کے نزدیک جیسی اُسکی قدر و منزلت کیجاتی تھی ویسی کسی اور کی نہیں کیجاتی تھی۔ اور حسنِ تدبیر کے باعث سے اُسکو تمام عرب کے لوگ کاہن کہتے تھے۔ اُسکی بہت سی نظمیں اِس وقت تک یادگار ہیں اور عرب کے اعلےٰ لٹریچر میں شمار کی جاتی ہیں۔

عبید ابنِ شرید جرہمی

عرب کے مشہور معمرین سے ہے اِس کی عمر ساڑھے تین سو برس کی بتلائی جاتی ہے۔ اِس نے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا بھی زمانہ دیکھا تھا اور معٰویہ ابنِ ابی سفیان کے وقت تک زندہ رہا۔ ایک روز معٰویہ کے پاس آیا اور معٰویہ نے اُس سے اُسکی طولعمری کے متعلق پوچھا تو اُس نے بیان کیا کہ دنیا سوائے اِس کے اور کیا ہے کہ دن ہوتا ہے اور رات ہوتی ہے اور کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوا ہی جس میں اُسکے موجودہ لوگوں نے اُسکی شکایت نہ کی ہو اور آج تک میں نے اپنی اتنی بڑی عمر میں کسی شخص کو ایسا نہیں پایا کہ وہ ہزار برس کی طولانی عمر بھی پاکر اپنے اور جینے کی تمنا نہ رکھتا ہو۔

ابنِ ورید ازدی

عمّانی اپنی کتاب معمّرین عرب میں لکھتا ہے کہ احمد ابنِ یحیےٰ اور احمد ابنِ محمد ورّاق کا بیان ہے کہ ربیع ابن ضبع فزاری ۶۰ھ ہجری میں عبد الملک ابنِ مروان کے سامنے حاضر کیا گیا۔ اسکی عمر تین ۳۸۰ سو اسی برس کی ہوچکی تھی۔ عبد الملک نے اُس سے دنیا کے حالات پوچھے تو اُس نے بیان کیا کہ اور تو میں جانتا نہیں مگر میں نے اسکے متعلق یہ دو شعر کہے ہیں جس سے دنیا کے حالات بخوبی معلوم ہوتے ہیں۔

هَا أَنَا ذَا آمُلُ الْخُلُودِ وَقَدْ	أَدْرَكَ عُمْرِي وَمَوْلِدِي حُجُرًا
أَمَا امْرَءُ الْقَيْسِ قَدْ سَمِعْتُ بِهِ	هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ ذَا طَالَ عُمُرًا

لوگ آگاہ ہو جائیں کہ میں وہ شخص ہوں کہ طولِ عمر کا اور زندگی کا از حد خواہشمند ہوں حالانکہ میں وہ جہاندیدہ شخص ہوں جس نے امرء القیس کے باپ حجر کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ افسوس افسوس۔ اتنی طویل عمر پاکر بھی اپنے اور جینے کی تمنا رکھتا ہوں اور اپنی طوالتِ عمر کا خواہشمند بنا رہتا ہوں۔ یہ سُنکر عبد الملک نے کہا حقیقتاً میں نے اپنے لڑکپن میں تیرا یہ شعر اکثر سُنا ہے۔ ربیع نے کہا کہ اِس مضمون میں ہم نے ایک اور شعر بھی کہا ہے اور وہ یہ ہے ؎

إِذَا عَاشَ الْفَتَىٰ مِائَتَيْنِ عَامًا	ذَهَبَ اللَّذَاذَةُ وَالْغَنَاءُ

یعنی جو شخص دو ۲۰۰ سو برس تک کامل زندہ رہتا ہے امارت اور دنیا کے تعیّش کے سارے لطف اُس سے دور ہو جاتے ہیں۔ عبد الملک نے کہا کہ میں نے تیرا یہ شعر بھی اپنی طفولیت میں اکثر سُنا ہے۔

اِس کے بعد عبد الملک نے اُس سے پوچھا کہ تم اپنی زندگی کا حساب تو مجھے بتاؤ۔ ربیع نے کہا کہ دو ۲۰۰ سو برس تک زمانۂ فطرت فیما بین جناب عیسےٰ اور محمد علیہما السلام میں۔ اور ایک سو بیس ۱۲۰ تک ایام جاہلیت میں اور ساٹھ ۶۰ برس تک زمانۂ اسلام میں میں نے زندگانی کی ہے۔ عبد الملک نے کہا کہ جوانانِ قریش میں سے ایسے مشہور لوگوں کے نام تو بتلاؤ جو نام کے اعتبار سے تو موافق ہوں مگر اوصاف کے اعتبار سے مخالف۔ ربیع نے جواب دیا عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ۔ وہ بہت بڑے صاحب علم و احسان تھے اور اُنکا خوانِ ضیافت

ہمیشہ وسیع اور کشادہ رہتا تھا۔ عبد الملک نے کہا اور ربیع نے کہا عبداللہ ابنِ جعفر علیہ السّلام یہ سراپا ایک خوشبودار پھول تھے جس کی نگہت سے دل و دماغ تازہ رہا کرتے تھے۔ ان کے مزاج میں ملائمت اور نرمی بہت تھی اور انکی ذات سے مسلمانوں کو بہت کم ضرر پہنچا کرتا تھا۔ عبد الملک نے کہا اور۔ ربیع نے کہا عبداللہ ابنِ عمر۔ یہ بھی بہت بڑے صاحبِ علم واحسان تھے۔ غم وغصّہ کو اکثر پی جایا کرتے تھے اور فتنہ وفساد سے دور رہا کرتے تھے۔ عبد الملک نے کہا اور۔ ربیع نے کہا عبداللہ ابن زبیر۔ یہ شخص پہاڑ کی مانند سخت تھا جس سے ہمیشہ خلائق پر سنگ بارانی ہوا کرتی تھی۔ عبد الملک نے پوچھا اس تخصیص وتفریق کو تونے کیسے حاصل کیا۔ ربیع نے کہا کہ میں اکثر ان کی صحبت میں بیٹھا ہوں اور ان لوگوں کی طبائع کا خوب امتحان کر چکا ہوں۔

شق کاہنِ عربی

تاریخ کلبی میں اِس شخص کی عمر تین سو برس کی بتلائی جاتی ہے اُس نے مرتے وقت اپنے تمام اعزا واقارب اور قوم وقبیلہ کے لوگوں کو جمع کیا اور ایک دستور العمل لکھکر اُن لوگوں کو دیا جو آج تک مشائخ قبیلۂ بجیلہ کے پاس محفوظ ہے۔ شق دولتِ اسلام سے محروم رہا۔

اوس ابنِ ربیعہ

اوس ابن ربیعہ بھی عرب کے معمّرین سے ہے۔ اس نے دو سو چودہ[۲۱۴] برس کی عمر پائی۔ اپنی طولِ عمری کے متعلق اُس نے یہ شعر کہے ہیں۔

لَقد عُمِّرْتُ حتّی مِلّ اَهْلِي	سَوَاءٌ عِنْدَ هُمْ وَسَئِمْتُ عُمْرِي
وَحَقٌّ لِمَنْ اَتی مِائَتَانِ عَامٍ	عَلَيْهِ وَاَرْبَعٌ مِنْ بَعْدِ عَشْرٍ
يَمِلُّ مِنَ النَّوَآءِ وَصُبْحُ نَيْلٍ	يُغَادِيْهِ دَلِيْلٌ بَعْدَ يُسْرِیْ
فَاَبْلٰی شِلْوِيْ وَتَرَكْتُ سِلْوِيْ	وَبَاحَ بِمَا اَجَنَّ ضَمِيْرُ صَدْرِيْ

صبر کی طاقت کو مجھ سے دور کر دیا ہے اور میری بے صبری اور ناشکیبائی کی اُن مجبوریوں کو ظاہر کر دیا ہے جن کو میں آج تک سینہ میں چھپائے تھا۔

عبید ابنِ اَبرَخی

اس شخص نے تین سو برس کی عمر پائی اور جنگ قبائل میں اِسکو نعمان ابنِ منذر نے اسیر کر کے قتل کرایا۔ اُسکا یہ قول آج تک عرب میں مشہور ہے فُنِيْتُ وَاَفْنَانِي الزَّمَانُ وَاَصْبَحَتْ لِدَاتِي بَنُوْا نَعْشٍ وَزُهْرُ الْفَرَاقِدِ۔ ترجمہ۔ میں فانی ہو گیا اور زمانہ نے مجھ کو فانی کر دیا۔ میرے اعزہ اور اقارب سب کے سب تابوت کے اندر رکھدیے گئے اور وہ سب کے سب ریگ وبیابان میں مدفون کر دیے گئے۔

مستوعی ابنِ ربیعہ ابنِ کعب

تین سو ۳۰۰ برس تک جیتا رہا۔ قبیلۂ تمیم سے تھا۔ زمانۂ اسلام تک بقیدِ حیات موجود تھا مگر مشرف باسلام نہ ہوا۔

وریدا ابنِ زیدا ابنِ فہد

ساڑھے چار سو برس تک زندہ رہا اپنی طولِ عمری کے متعلق اُسنے یہ شعر یادگار چھوڑا ہے۔

اَلْقٰی عَلَیَّ الدَّھْرُ رِجْلاً وَّیَدًا وَالدَّھْرُ مَا ❊ یُصْلِحُ یَوْمًا اَفْسَدَ اَیُصْلِحُہُ الْیَوْمُ وَیُفْسِدُ ہٗ غَدًا

زمانہ نے مجھ کو اور میرے ہاتھ پاؤں کو ڈالدیا حالانکہ جو زمانے گزر چکے پھر اُنکی اصلاح و ترمیم نہیں ہوسکتی۔ اگر آج کچھ اصلاح کی بھی گئی تو پھر کل سویرے کچھ بھی نہیں۔

شریۃ ابنِ عبداللہ جُعفی

تین سو ۳۰۰ برس تک زندہ رہا اور خلافتِ ثانی کے ایام میں عمر ابن الخطاب خلیفۂ دوم کے پاس حاضر ہوا وہ مسجدِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیٹھے تھے۔ شریہ کہنے لگا کہ تم اِس وقت جہاں بیٹھے ہو میں نے ایک وقت سوائے ریگستانِ خشک کے نہ پانی کا نشان دیکھا تھا اور نہ درخت کا۔ مگر کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا تھا جو تم لوگوں کی طرح کلمۂ شہادت (لآ الٰہ الآ اللہ محمدّ رسول اللہ) پڑھتے تھے۔

شریۃ کا بیٹا بھی اُس وقت اُس کے ساتھ تھا۔ مگر وہ شیخوخیت اور کہولت کے اِس درجہ تک پہنچ گیا تھا کہ اپنے باپ کا ہاتھ پکڑکر راستہ چلتا تھا۔ اور جہاں بیٹھتا تھا باپ کا تکیہ لگاکر۔ یہ حالت دیکھکر حضرت عمرؓ نے شریۃ سے پوچھا کہ تعجب ہے کہ باوجود اِس کبرسنی کے تم ایسے قوی اور توانا معلوم ہوتے ہو۔ بخلاف تمہارے تمہارا بیٹا جو تم سے سِن میں کہیں چھوٹا ہے ایسا کمزور اور ضعیف ہوگیا ہے کہ تم اِس کی حمایت اور اعانت کرتے ہو۔ شریۃ نے کہا کہ اے امیر! اِس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ستر برس کی عمر تک شادی ہی نہیں کی تھی۔ بعد اِسکے میں نے ایک نیک مزاج اور باعصمت عورت کے ساتھ شادی کی جس نے مجھے ہمیشہ راحت و آرام پہنچایا۔ اور کبھی مجھ کو اُس سے کوئی تکدّر یا کلفتِ خاطر نہیں ہوئی۔ بخلاف میرے میرے بیٹے نے کم عمری میں شادی کی اور ایسی بے حیا۔ بے عفت اور بے عزّت عورت کے ساتھ جو ہمیشہ اِس کے لیے صدمات اور فکر و تردّدات کا باعث ہوا کی۔ اور یہی اِس کے جلد ضعیف ہوجانے کی خاص وجہ ہے۔

عوف ابنِ کنانہ کلبی

کامل تین سو ۳۰۰ برس تک زندہ رہا۔ مرنیکے وقت اپنی قوم کے تمام لوگوں کو جمع کیا اور اُنکو بہت سے مفید نصائح دستور العمل کے طور پر لکھوادیے اور آخر میں یہ دو شعر بھی۔

مَا کُلُّ ذِیْ لُبٍّ بِمُؤْتِیْکَ	نُصْحَہٗ وَلَا کُلُّ مُؤْتٍ
وَلٰکِنْ اِذَا مَا اسْتَجْمَعَا عِنْدَ وَاحِدٍ	فَحَقٌّ لَّہٗ مِنْ طَاعَۃٍ بِنَصِیْبٍ

جو صاحبِ عقل و ادراک ہیں وہ کبھی کسی کو نصیحت نہیں کرتے اور جو لوگ کہ عموماً لوگوں کو نصیحت کرتے پھرتے ہیں وہ عموماً عاقل نہیں ہوتے۔ اور اگر یہ دونوں اوصاف ایک شخصِ واحد میں جمع ہو جائیں تو سُننے والوں پر اُسکی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔

ذوالاصبع عدوانی

تین ۳۰۰ سو برس تک جیتا رہا۔ اس کا اصلی نام حرمان ابن حرث ابنِ محرب ہے۔

جعفر ابنِ قبط

یہ بھی تین ۳۰۰ سو برس تک زندہ رہا۔ اور شیوعِ اسلام تک باقی تھا۔

عامر ابنِ ظرب عدوانی

اِس نے بھی تین ۳۰۰ سو برس کی عمر پائی۔

محقن ابنِ غسام ابن عمر ابنِ قطیعہ زبیدی

دو سو پچاس ۲۵۰ برس تک زندہ رہا۔ اُسنے اپنی طولِ عمری کے متعلق بہت سے اشعار یادگار چھوڑے ہیں۔

سیفی ابنِ ریاح

اسکی کنیت ابو اکثم ہے۔ دو سو ستر ۲۷۰ برس تک زندہ رہا۔ اُسکے وصایا آج تک اہلِ عرب میں دستور العمل سمجھے جاتے ہیں۔

قس ابنِ اساعدہ

اِس شخص نے کامل چھ ۶۰۰ سو برس کی عمر پائی اور اپنی طولعمری کی یادگار میں یہ دو شعر باقی چھوڑے۔

هَلِ الْغَيْثُ يُعْطِي الْأَمْرُ عِنْدَ نُزُوْلِهِ ۔ بِحَالِ مُسِيْءٍ فِي الْاُمُوْرِ وَمُحْسِنِ
وَمَنْ قَدْ تَوَلّٰى وَهُوَ قَدْ فَاتَ ذَاهِبٌ ۔ فَهَلْ يَنْفَعَنِّي لَيْتَنِي وَلَوْ اَنَّنِي

آبِ باران کے فیوض کو اچھے اور بُرے دونوں قسم کے لوگوں کی طرف منسوب کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ اُسکا نزول اچھے لوگوں کے لیے ہے۔ جس کی موت آتی ہے وہ مرجاتا ہے تو پھر اب اُس کے حق میں یہ کہنا کہ اے کاش ابھی وہ نہ مرتا اُس کو اب کچھ فائدہ نہیں پہنچاتا۔

ربیع ابنِ ضبیع فرازی

یہ بھی عرب کے معمرین میں داخل ہے۔ دو سو چالیس ۲۴۰ برس تک زندہ رہا۔ دولتِ اسلام سے مشرف ہوا اور معاویہ ابنِ ابو سفیان کی حکومت تک زندہ رہا۔ جب دو سو ۲۰۰ برس کی عمر ہو چکی تو اُس نے ذیل کے اشعار نظم کیے۔

اَلَا اُبْلِغْ بَنِيَّ بَنِيْ رَبِيْعٍ ۔ فَاَشْرَارُ الْبَنِيْنَ لَكُمْ فِدَاءٌ
بِاَنِّيْ قَدْ كَبِرْتُ وَدَقَّ عَظْمِيْ ۔ فَلَا تَشْغَلُكُمْ عَنِّي النِّسَاءُ

وَإِنَّ كَنَائِنِي لَنِسَاءُ صِدْقٍ ۔۔۔ وَمَا آلَى بَنِيَّ وَلَا أَسَاءُوا
إِذَا كَانَ الشِّتَاءُ فَأَدْفِئُونِي ۔۔۔ فَإِنَّ الشَّيْخَ يَهْدِمُهُ الشِّتَاءُ
إِذَا مَا حِينَ يَذْهَبُ كُلُّ قُرٍّ ۔۔۔ فَسِرْبَالٌ خَفِيفٌ أَوْ رِدَاءُ
إِذَا عَاشَ الْفَتَى مِائَتَيْنِ عَامًا ۔۔۔ فَقَدْ ذَهَبَ اللَّذَاذَةُ وَالْفَتَاءُ

میرے بیٹوں سے کہدو کہ ناخلف بیٹے تمہارے اوپر سے فدا ہوجائیں۔ میں کبیر سنی کی حد تک پہنچ گیا میری تمام ہڈیاں بوسیدہ اور نازک ہوگئیں۔ اپنی عورتوں کے ساتھ تعیّش میں پڑکر میری خبر گیری کو نہ بھولو کیونکہ تمہاری ہمسر عورتیں بھی راستگو اور وفادار ہیں۔ ہمارے بیٹوں نے ہماری خدمت میں کوئی کمی یا کوتی قصور نہیں کیا ہے۔ جب جاڑے کے دن آئیں تو مجھ کو خوب گرم کپڑے پہناؤ کیونکہ جاڑے کا موسم بوڑھوں کو منہدم اور فنا کر دیتا ہے۔ اور جب گرمی کے ایام آئیں تو بالکل ہلکا کپڑا یا کوئی چادر مجھے اُڑھا دو اور وہی مجھے کافی ہوگی۔ جس وقت آدمی کی عمر دو سو برس کی ہوجاتی ہے تو اُس سے جوانی اور جوانی کی تمام لذتیں یکبارگی سلب ہوجاتی ہیں۔

ابو طمحان قلیبنی

ابو حاتم سجستانی کی تحقیق میں ابو طمحان کی عمر دو سو برس کی ہوئی۔ اُسنے اپنی طولِ عمری کے متعلق یہ دو شعر یادگار چھوڑے ہیں۔

حَنَتْنِي حَانِيَاتُ الدَّهْرِ حَتَّى ۔۔۔ كَأَنِّي خَاتِلٌ يَدْنُو لِصَيْدِ
قَصِيرُ الْخَطْوِ يَحْسَبُ مَنْ رَآنِي ۔۔۔ وَلَسْتُ مُقَيَّدًا أَنِّي بِقَيْدِ

حادثاتِ زمانہ نے میرے قد کو خمیدہ کردیا اور میں اپنی خمیدگی کی وجہ سے اُس شخص سے مشابہ ہوگیا جو اپنے شکار کی گھات میں جُھک کر چلتا ہے اور میں اُس شخص کے مانند بھی ہوگیا ہوں جو زنجیر وغیرہ میں مقیّد ہونیکے باعث جُھک کر چلنے پر مجبور رہو۔ ابو طمحان اپنے زمانہ کا بہت بڑا شاعرِ مشہور اور پُرگو شاعر گذرا ہے تاریخ سجستانی میں اِسکے تفصیلی حالات مندرج ہیں۔

عبد المسیح ابن بصلہ

یہ شخص بھی عرب کے معمّرین سے ہے۔ یہ شخص عرب کے قبیلۂ بنی غسان سے تھا جو ایک مُدت تک جزیرہ نمائے عرب میں حکومت کرچکے تھے۔ کلبی اور ابو مخنف نے ساڑھے تین سو برس تک اسکی عمر کا اندازہ لگایا ہے اور عاصمی اور سجستانی وغیرہ نے اِس سے زیادہ مُدت کا شمار کیا ہے۔ اور اِس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ شخص شیوعِ اسلام تک ضرور زندہ تھا مگر اسلام سے مشرف نہوا اور بالآخر دینِ عیسائی اور طریقۂ آبائی پر مرا۔

خالد ابنِ ولید نے جب شہرِ حیرہ من مضافاتِ ملکِ شام پر فوج کشی کی تو اُس علاقہ کے تمام لوگ اُس قدیم شہر میں محصور ہوگئے جس کو عرب کے قدیم اور بہت بڑے مشہور بادشاہ نعمان ابنِ منذر نے بسایا تھا۔

اور اپنے ممالکِ محروسہ کا دار الحکومت بنایا تھا۔ خالد نے یہ سُنکر اُس شہر کا بھی محاصرہ کر لیا اور محصورینِ شہر کے پاس کہلا بھیجا کہ جو شخص تم لوگوں میں سب سے زیادہ قابل اور گویا ہو اُس کو لے آؤ کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان امورِ متنازع فیہ کا تصفیہ کر جائے۔ اہالیانِ شہر نے عبد المسیح کو جو اُسی شہر میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر رہا کرتا تھا بھیجدیا۔ جب وہ خالد کے پاس آیا تو اُس نے سلام کی جگہ پر کہا اَنعِم صَبَاحًا اَیُّھَا المَلِکُ (صبح کے وقت تم بانعمت و لذّت رہو۔ اے امیر!) خالد نے اِس کے جواب میں کہا کہ خدائے تبارک و تعالیٰ نے مجھ کو تمہارے سلام و تحیۃ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ مگر تم اِتنا مجھ کو البتہ بتلاؤ کہ تم نے اپنے آنے میں ابتدا کہاں سے کی ہے؟ اُس نے کہا کہ میرے آنے کی ابتدا میرے باپ کے صلب سے ہوئی ہے۔ خالد نے پوچھا کہ پھر نکلے کہاں سے؟ اُسنے کہا کہ ماں کے پیٹ سے۔ خالد نے پوچھا کہ پھر قائم کہاں ہوئے؟ جواب ملا کہ زمین پر۔ خالد نے پوچھا کہ کس چیز کے اندر بیٹھے ہو؟ کہا کہ ہمیشہ کپڑوں کے اندر رہتا ہوں۔ یہ سُنکر خالد نے کہا کہ سوائے آج کے اور کوئی دن میں نے آج تک ایسا نہیں دیکھا ہے کہ اِس شخص سے جو پوچھتا ہوں اُسکا جواب اپنے مقصود کے خلاف پاتا ہوں۔ عبد المسیح نے کہا کہ میں خلاف یا موافق جواب کو تو جانتا نہیں اتنا البتہ جانتا ہوں کہ تم نے اس وقت تک جو کچھ پوچھا میں نے اُسکا جواب دیا۔ اب آیندہ جو کچھ پوچھوگے اُسکا جواب دیا جائیگا۔ خالد نے پھر پوچھا کہ تم عرب ہو یا نبط؟ اُس نے کہا میں عرب ہوں مگر نبطیوں کی شکل میں آیا ہوں میں نبطی ہوں مگر عرب کی شکل میں آیا ہوں۔ خالد نے پوچھا کہ اچھا تو اب اِس وقت تم ہم سے جنگ کروگے یا مصالحہ؟ عبد المسیح نے کہا مصالحہ۔ خالد نے کہا پھر اتنے ہمراہیوں کو کیوں ساتھ لائے ہو؟ اُس نے کہا کہ شاید تم سے گفتگو کرنے میں میں کوئی قصور یا کوئی خطا کر جاؤں تو ان میں سے جو دانشمند اور ہوشیار ہوگا وہ فوراً موقع پر میری اصلاح کر دیگا۔ خالد نے پوچھا کہ اس وقت تک تمہاری عمر کتنی ہوئی ہوگی؟ اُسنے کہا کہ ساڑھے تین سو برس کی۔

ابو الحسن نسابۂ اصفہانی نے اپنی کتاب فرع و شجر میں اِسکا پورا حال لکھا ہے اور صرف اُسکی حکومت کی مدت کو دو سو برس بتلایا ہے۔

عمر ابن عامر ابن مرتقانی

ابو الحسن اصفہانی نے ابن عبس انصاری کی اسناد سے اِس شخص کی عمر آٹھ سو برس کی بتلائی ہے اِسکی زندگی میں اِسکے چاروں بیٹوں کی عمر پانچ پانچ سو برس کی ہو چکی تھی۔

ریان ابن دومغ فرعونِ مصر اور جناب قائم علیہ السلام کی بشارت

ابو القاسم محمد ابن قاسم کا بیان ہے کہ ابو الحسن حمادویہ ابن احمد ابن طولون نے شہر مصر میں بہت بڑا خزانہ پا لیا۔ وہ کچھ ایسا بیش بہا تھا کہ اُس کے قبل اور اُس کے بعد سے آج تک پھر ویسی اور اتنی دولت کسی نے نہیں پائی۔ یہ خزانہ پا کر ابو الحسن کی حرص بڑھ گئی۔ اپنی موجودہ فکروں میں اُسنے اہرام مصری کی

اُن دونوں عمارتوں کے مسمار کرنیکا قصد کیا جو شمال و مغرب کے گوشہ کی طرف مصر کے بیرونِ شہر واقع تھیں۔ اُسکے ہمراہیوں نے تو اُسکی رائے سے اتفاق کیا مگر مصر کے معتمدین اور معززین نے اُسکو اس قصد سے باز رکھنا چاہا۔ اور بیان کیا کہ ایسا قصد کرنیوالوں کو کبھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ قبل از وقت ہلاک ہو ہو گئے ہیں۔ ابوالحسن نے اُنکے کہنے پر کوئی اعتنا نہیں کیا اور ایک ہزار مزدوروں کی جماعت کے ساتھ اُن عمارتوں کے انہدام کا کام شروع کرا دیا۔ کامل ایک سال تک برابر کام لگا رہا مگر اُن کے اندر جانیکا کوئی راستہ پیدا نہوا۔ یہانتک کہ تمام لوگ تھک تھک کر عاجز ہو گئے اور اپنی کامیابی سے مایوس ہو گئے۔ جب وہ لوگ مایوس ہو کر وہاں سے پھرنے لگے تو اتفاق وقت سے یکایک اُن کو ایک راہ ملی اور وہ اُسی سوراخ سے اُس کے اندر گئے تو دیکھا کہ ایک سنگ مرمر کی سِل دیوار میں نصب ہے۔ اِن لوگوں نے اُس سِل کو مکانِ مطلوبہ کا دروازہ سمجھا اور اُسکو وہاں سے اُکھاڑ کر باہر لائے۔ اُسپر دیکھا تو تمام یونانی عبارت کندہ تھی۔ ابوالحسن نے مصر کے تمام علمائ و فضلاء کو جمع کیا اور وہ عبارت دکھلائی۔ مگر کوئی بھی اُسے نہ پڑھ سکا۔ اِن علماء میں حافظ ابو عبداللہ مدینی بھی تھے۔ یہ شخص حافظ بھی تھا اور عالم و فاضل بھی۔ اُس نے ابوالحسن کو مخاطب کر کے کہا کہ اے امیر! ہم میں سے کوئی شخص اِس عبارت کو نہیں پڑھ سکتا اور نہ اِس کے پڑھنے والے کو بتلا سکتا ہے۔ مگر میں تجھے بتلائے دیتا ہوں کہ جزیرۂ حبش میں ایک عالمِ نصرانی ہے جس کی عمر اِس وقت تک تین سَو ساٹھ برس کی ہو چکی ہے وہ البتہ اِس خط کو جانتا ہے۔ اگر وہ یہاں آئے یا یہ لوح اُس کے پاس جائے تو البتہ یہ مسئلہ حل ہو جائیگا۔

ابوالحسن نے اُسی وقت ایک نامہ بادشاہِ حبش کے نام لکھا اور اُس معمر نصرانی کو بُلا بھیجا۔ بادشاہِ حبش نے جواب میں لکھ بھیجا کہ وہ شخص اتنا ضعیف اور کبیر السن ہے کہ نقل و حرکت نہیں کر سکتا۔ اور اگر کسی نہ کسی طرح وہ آپکی خدمت میں بھیج بھی دیا جائے تاہم زحمتِ سفر اور تغیر آب و ہوا کی وجہ سے اُسکے ہلاک ہو جانیکا پورا خوف ہے۔ جسکو نہ میں گوارا کر سکتا ہوں اور نہ میری رعایا۔ اِس لیے میں اُسکو نہیں بھیج سکتا۔ ہاں اگر وہ لوح آپ بھیجدیں تو البتہ اُسکی عبارت مع مطلب و مضامین کے نقل کرا کے آپکے پاس بھیجدی جائیگی۔

ابوالقاسم کا بیان ہے کہ ابوالحسن نے مجبور ہو کر آخر کار اپنے معتمدین کی ایک جماعت کو جس میں میں بھی تھا اُس لوح کے ہمراہ روانہ کیا۔ ہم لوگ شہرِ اشوان سے اُس لوح کو لیکر کشتی پر سوار ہوئے اور نہایت عجلت سے ملکِ حبشہ میں داخل ہوئے۔ اُس عالمِ نصرانی کے پاس پہنچے تو اُسنے اُس عبارت کو تمام و کمال پڑھ دیا۔ پہلے اپنی زبانِ حبش میں پھر زبانِ عربی میں ترجمہ کر کے بتلایا۔ وہاں سے ہم لوگ بخیر و خوبی پھر ابوالحسن کے پاس لَوٹ آئے اور لوح اور اُسکا ترجمہ اُس کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اُسکا خلاصہ مطلب یہ تھا:-

اِسکا بانی میں ریّان ابنِ دَوْمَغ ہوں۔ ابوالحسن نے حافظ مدینی سے پوچھا کہ ریّان ابنِ دَوْمَغ کون شخص ہے؟ اُسنے کہا عزیزِ مصر تھا۔ جس کے وقت میں حضرت یوسف علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام تھے۔ ریّان کی عمر سات سَو برس کی تھی اور اُسکے باپ دَوْمَغ کی عمر تین ہزار برس کی تھی۔ آگے چل کر اُس لوح میں یہ عبارت کندہ تھی۔

میں ریّان ابنِ دَوْمَغ ہوں۔ میں چار لاکھ فوج لیکر رودِ نیل کے منبع کی تلاش میں نکلا اور اسّی برس تک اُسکا منبع تلاش کرتا رہا۔ یہانتک کہ پردۂ ظلمت تک پہنچ گیا۔ مگر کہیں اُسکے منبع کو نہ پاسکا۔ آخرِ کار اِسی تجسّس میں میرا تمام ہمراہی لشکر تباہ و برباد ہوگیا۔ اور چار لاکھ آدمیوں میں سے کُل چار ہزار آدمی باقی رہ گئے۔ اُس وقت میں اپنے ملک کی تباہی اور سلطنت کے زوال کی طرف سے خوف زدہ ہوکر واپس آیا اور مصر میں پہنچکر ان دونوں اہرام کی عمارت تیار کی۔ اور اپنے تمام خزینوں اور دفینوں کو اُن میں رکھدیا اور اپنے اِس امر کی یادگار میں میں نے چند اشعار بھی نظم کیے۔ جو اس لوح پر منقوش کیے جاتے ہیں۔

وَاَدْرَكَ عِلْمِي بَعْضَ مَا هُوَ كَائِنٌ ۔۔۔ وَلَا عِلْمَ لِي بِالْغَيْبِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

وَاَتْقَنْتُ مَا حَاوَلْتُ اِتْقَانَ صُنْعِهِ ۔۔۔ وَحِكْمَتِهِ وَاللّٰهُ اَقْوٰى وَاَحْكَمُ

وَحَاوَلْتُ عِلْمَ النِّيلِ مِنْ بَدْءِ فَيْضِهِ ۔۔۔ فَاَعْجَزَنِي وَالْمَرْءُ بِالْعَجْزِ مُلْجَمُ

ثَمَانُونَ شُهُوْرًا قَطَعْتُ مَسَالِجًا ۔۔۔ وَحَوْلِي بَنُوا الْحَجَرِ وَجَيْشٌ عَرَمْرَمُ

اِلٰى اَنْ قَطَعْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ كُلَّهُمْ ۔۔۔ وَعَارَضَنِي لُجٌّ مِّنَ الْبَحْرِ مُظْلِمُ

فَاَيْقَنْتُ اَنْ لَا مُنْفَذًا بَعْدَ مُنْزِلِي ۔۔۔ لِذِي هَيْبَةٍ بَعْدِي وَلَا مُتَقَدَّمُ

فَاُبْتُ اِلٰى مُلْكِي وَاَرْسَيْتُ نَادِيًا ۔۔۔ بِمِصْرٍ وَلِلْاَيَّامِ بُؤْسٌ وَاَنْعُمُ

اَنَا صَاحِبُ الْاَهْرَامِ فِي مِصْرَ كُلِّهَا ۔۔۔ وَبَانِي بَرَابِيهَا بِهَا وَالْمُقَدَّمُ

تَرَكْتُ بِهَا اٰثَارَ كَفِّي وَحِكْمَتِي ۔۔۔ عَلَى الدَّهْرِ لَا تُبْلٰى وَلَا تَتَهَدَّمُ

وَفِيهَا كُنُوزٌ جَمَّةٌ وَعَجَائِبُ ۔۔۔ وَلِلدَّهْرِ اَمْرٌ مَرَّةً وَتَهَجُّمُ

سَيَفْتَحُ اَقْفَالِي وَيُبْدِي عَجَائِبِي ۔۔۔ وَلِيٌّ لِرَبِّي اٰخِرَ الدَّهْرِ يَنْجُمُ

بِاَكْنَافِ بَيْتِ اللّٰهِ تَبْدُو اُمُورُهُ ۔۔۔ وَلَا بُدَّ اَنْ تَعْلُوا وَيَسْمُو بِهِ السَّمُ

ثَمَانٌ وَتِسْعٌ وَاثْنَانِ وَاَرْبَعٌ ۔۔۔ وَتِسْعُونَ اُخْرٰى مِنْ قَتِيلٍ وَمُلْجَمُ

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا اَسْبَعُونَ تِسْعَةٌ ۔۔۔ وَتِلْكَ الْبَرَايَا تُسْتَخَرُ وَتُهْدَمُ

وَتُبْدِي كُنُوزِي كُلُّهَا غَيْرَ اِنَّنِي ۔۔۔ اَرٰى كُلَّ هٰذَا اَنْ يُفَرَّقَ الدَّمُ

رَمَزْتُ مَقَالِي فِي صُخُورٍ قَطَعْتُهَا ۔۔۔ سَتَفْنِي وَاَفْنِي بَعْدَهَا ثُمَّ اَعْدَمُ

ترجمہ۔ میری عقل نے بعض ہونیوالی اشیاء کو معلوم کرلیا ہے حالانکہ مجھے علمِ غیب نہیں ہے اور تمام

چیزوں کا جاننے والا پروردگارِ عالم ہے۔ جن اشیاء کے محکم کرنیکا قصد میں نے کیا ہے میں نے اُنکو مستحکم کرلیا اور خدائے برتر مجھسے زیادہ ترقوی اور احکم ہے۔ میں نے قصد کیا کہ میں رودِ نیل کے منبع کو تلاش کروں۔ میں عاجز آگیا اور اُسکو کسی طرح پیدا نہ کرسکا۔ اور انسان اپنی عاجزی اور مایوسی کی حالتوں میں اپنا سر نیچے ڈالدیتا ہے۔ اسّی برس تک میں سیر و سیاحت کرتا رہا۔ میرے ساتھ صاحبانِ عقل و فراست کی کثیر التعداد جماعت موجود تھی۔ میں نے انسان و جن کے تمام اقالیم کی سیر کی اور بحرِ ظلمات تک پہنچ گیا اور یہاں پہنچکر مجھے یقین ہو گیا کہ کوئی شخص مجھ سے پہلے اِس مقام تک نہیں پہنچا اور نہ میرے بعد کوئی یہانتک پہنچنے کی جرأت و ہمت کرسکیگا۔ یہ سوچکر میں اپنے ملک کو واپس آیا اور راحت و آرام سے اپنی حیات کے زمانہ کو تمام کرنے لگا۔ دنیا میں کبھی رنج ہے کبھی راحت۔ میں نے اہرامِ مصری کی اِن عمارتوں کو بنایا اور اپنی حکمت و صنعت کی صورتوں کو دکھلایا ہے اور دنیا میں اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ یہ مُدّتِ مدید تک دنیا میں قائم رہینگی اور کبھی کُہنہ و خراب نہ ہونگی۔ اور اِن دونوں عمارتوں میں بیشمار اور عجیب و غریب خزانے اور اشیاء جمع کردی گئی ہیں۔ دنیا کبھی تو انسان کو امیر اور حکمران بناتی ہے اور کبھی ایسا کر دیتی ہے کہ تمام لوگ اُسکو عاجز اور مجبور سمجھکر اُسپر ہجوم کرکے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ آخر میں ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے کہ میرے خزانوں کے قفل کو ایک بزرگ جو اُس زمانہ میں ولیِ خدا ہوگا کھولیگا اور اُس کے تمام عجائب و غرائب کو دنیا پر ظاہر کریگا۔ اُس کے تمام امور کا اظہار بیت اللہ (کعبہ) سے آغاز ہوگا اور اُس کے ظہور کے وقت تین سو تیرہ (۳۱۳) مومنینِ موقنین اُسکی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرینگے۔ اور ہماری اِس عمارت کو وہی لوگ خراب کرینگے۔ یہ تو زندہ لوگ ہونگے اور مُردوں میں نوّے (۹۰) فرقہ کے لوگ پھر زندہ ہوکر اُسکی متابعت اختیار کرینگے۔ خداوندِ تعالےٰ اپنے اُس ولی کے مدارج کو بلند فرمائیگا اور خدائے واحد کا نام اور اُس کا دین اُسی کے وسیلے سے واضح اور آشکار ہوگا۔ اِس عمارت سے یہی بزرگ میرے تمام دفائن و خزائن کو باہر نکالینگے اور مجھ کو معلوم ہے کہ وہ یہ تمام رقم جہاد فی سبیل اللہ کے مصارف میں خرچ فرمائینگے۔ میں نے بخیالِ تحفظ اپنے اِن وصایا کو اِس لوحِ سنگین پر اسرارِ مخفی کی صورت میں کندہ کرا دیا ہے۔ مگر تاہم مجھ کو یقین ہے کہ یہ آثار بھی بہت جلد فنا ہو جائینگے اور اِن پر کیا موقوف ہے میں آپ بھی بہت جلد فنا اور معدوم و مفقود ہو جانیوالا ہوں۔

معمّرینِ فارس

یہ تو عرب کے معمّرین کے حالات تھے۔ فارس کے معمّرین کے متعلق یہ تفصیل تاریخوں میں پائی جاتی ہے کہ ملوکِ فارس کے سلسلہ میں **ضحاک** (صاحبِ دو مار) کی عمر بارہ سو (۱۲۰۰) برس کی اور **فریدون عادل** کا سِن تین ہزار (۳۰۰۰) برس کا بتلایا جاتا ہے۔ اور جس بادشاہ نے مہرجان کی ایجاد کی وہ ڈیڑھ ہزار برس تک جیتا رہا۔

ہماری اِس طول وطویل اور پُرتفصیل فہرست سے اتنے معمّرین زمانہ کے نام معلوم ہوئے جنہیں تین ہزار بلکہ زائد عمر والوں سے لیکر دوسو اور تین سو برس تک کے عمر پانیوالوں کے نام اور اُن کے حالات و واقعات معلوم ہوگئے۔ اِس فہرست کو دیکھکر طولِ بقا کے مسئلہ سے انکار کرنیوالے حضرات کسی کی طولعمری کو جو اُنکی موجودہ عمرِ طبعی کی مدّت سے زائد ظاہر ہوتی ہے کیسے محالِ فطری یا عادی کہہ سکتے ہیں۔ اتنے واقعات و حالات جو فریقین کے معتبر ماخذوں سے اوپر لکھے گئے ہیں۔ کیا دنیا کے مشاہدات نہیں کہلائینگے۔ پھر اتنے متواتر مشاہدات کے مقابلے میں جن کی ایک نہیں متعدّد مثالیں ابتدائے عالم سے اِس وقت تک ہر طبقہ۔ ہر درجہ اور ہر وقت میں پیشِ نظر آچکی ہیں معترضین کی تشفّی اور تسکین کے لیے کافی نہونگی۔ کیا حقیقتًا اتنے معمّرینِ زمانہ کے حالات جو تاریخِ قدیمہ میں بالتفصیل قلمبند پائے جاتے ہیں وہ سب افسانے اور پُرانے ڈھکوسلے ہیں۔ کیا کلبی۔ عاصمی۔ ابودرید اور ابومخنف وغیرہم اور بہت سے علمائے متقدّمین کی معتبر اور مستند تالیفات جو خاصکر معمّرینِ روزگار کے حالات میں مرتب کیے گئے ہیں بالکل اساطیر الاوّلین ہیں۔ جنپر کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہی جواب ہے تو خیر۔ یہ تو معمولی علماء کی ادنےٰ تالیفات تھیں۔ کتاب اللہِ محکم میں اصحاب کہف کی نسبت کیا ارشاد کیا جائیگا۔ اور زیادہ اُنکے کُتّے کے متعلق کیا کہا جائیگا۔ جو عمرِ طبعی میں از روئے علمِ حیوانات بمقابلۂ انسان بہت کم حصّہ پانیوالا ہے۔ یہ تمام فساد اور بُرے اعتقاد خدا کی قدرتوں میں دخل در معقولات اور چھوٹا مُنہ بڑی بات کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ اُسکے قانونِ قدرت بہت کم بدلتے ہیں۔ تو اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی وقت کسی حالت میں اپنے کسی نظام میں تغیر و تبدّل پیدا کرنے سے مجبور سمجھ لیا جائے جو اُس کی صفاتِ واجبہ کے بالکل خلاف ہے۔ یہ سچ ہے کہ اُسنے اپنے نظام کے لیے ضرور ایک قانون بنایا ہے۔ مگر پھر اپنی قدرتِ کاملہ کے ثابت کرنیکی ضرورت سے اُن میں ضرور ایسے تغیّر پیدا کرتا ہے جن سے اُسکی قوّت و جبروت کے کامل ثبوت ہو جاتے ہیں۔ اِسی سے ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ باوجود اِن مشاہدِ روزمرہ کے وہ قادرِ مطلق جس وقت چاہے اپنے نظام میں نہایت آسانی اور سہولیت سے تغیّر و تبدّل پیدا کر سکتا ہے۔ تمام نظامِ عالم کا یہی حال ہے۔ اور ایسا ہی انسان کے نظامِ عمری کا۔ اخبار و آثارِ متواترہ سے ہر زمانہ میں انسان کی عمرِ طبعی کی ایک میعادِ خاص ضرور پائی جاتی ہے مگر اُس کے ساتھ ہی ساتھ معمّرین کے مستثنیات اور خاص خاص واقعات بھی روزانہ تجربات اور عام مشاہدات دنیا کے غافلوں کو اُسکی قدرت اور جبروت کے تصرّفات دکھلاتے اور بتلاتے جاتے ہیں وَاللہُ علیٰ کلّ شيءٍ قدیر لیس کمثلہ شيءٌ وھو السّمیع البصیر۔

بات تو یہ ہے کہ نہ خدا کو مانتے۔ نہ (معاذاللہ) یہ جھگڑے ہوتے۔ ساری دقتیں تو اُسکے مان لینے سے پڑجاتی ہیں۔ تو اِس صورت میں تاوقتیکہ خدا کے وجود سے انکار نہ کیا جائے اُسکے وجودِ قدرت سے انکار

نہیں کیا جاسکتا۔ اور جبتک کہ وجودِ قدرت سے انکار صریح نہ کیا جائے اُسکی قدرت کے تمام آثار و اقتدارِ عام اِس سے کہ ہماری عقل۔ ہمارے تجربہ اور ہمارے مشاہدے میں آئیں یا نہ آئیں ماننے ہی پڑینگے۔ پھر انہی اصول کے مطابق اُن تمام انبیاءؑ و اوصیاء علیہم السّلام کے اخبار و آثار کا بھی یقینی اقرار کرنا پڑیگا جو خدا کی قدرت کے اصلی نمونے بناکر دنیا میں مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اور دنیا کی اصلاحِ حال کی خیال سے وقتاً فوقتاً دنیا میں نازل کیے گئے تھے کہ اُنکی مبارک ذات وصفات میں ہم قدرتِ الٰہیّہ کے ظہور کو دیکھکر اپنے ارتداد اور سوء اعتقاد سے باز رہیں اور اُس کے احکامِ مشیّت۔ آثارِ قدرت اور نظامِ حکمت کی پیچھے اپنے قیاس کے گھوڑے نہ دوڑائیں۔

بہر حال۔ اِس سے زیادہ ہم اپنا وقتِ عزیز اِس بحث میں صرف کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ہم نے اپنی موجودہ بحث میں اپنی عقلی و نقلی دلائل قلمبند کردی ہیں اور دکھلا آئے ہیں کہ طول عمر کا مسئلہ کسی عنوان اور کسی طریقے سے خلافِ عقل یا محال نہیں سمجھا جاسکتا۔

آپکی پیشین گوئی کے متعلق جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیثیں

بہر حال۔ اس بحث کو تمام کرکے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنے آیندہ مضامین میں نہایت اختصار کے ساتھ وہ حالات مندرج کرتے ہیں۔ جو پیشین گوئی اور عام بشارت کے طور پر آپکے ظہور فرمانی کے متعلق حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں۔ مگر قبل اِس کے کہ ہم اِن احادیث کی نقل یا تفصیل و تشریح کو اپنے سلسلۂ بیان میں آغاز کریں۔ ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو بتلائے دیتے ہیں کہ کتب فریقین میں یہ اخبار و آثار اِس کثرت سے پائے جاتے ہیں جن کا مشکل سے انحصار اور شمار کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم اُن تمام اخبار و آثار کو اِسی مقام پر قلمبند کرنا چاہیں تو فریقین کی احادیث کا کافی ذخیرہ اور کامل انبار تیار ہو جائیگا۔ اس لیے ہم نہایت اختصار کے ساتھ چند حدیثیں فریقین کے معتبر اور مستند ماخذوں سے لکھکر ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

قال الشیخ محی الدّین العربی الاندلسي في الکتاب درّ المکنون ومن علامات ظهور الامام المهدی علیه السّلام خروج السّفیاني وهو یرسل ثلثین الفا الیٰ مکّة وفی البیداء یخسفهم الارض ولا ینجوا منهم الّا رجلان وتکون مدة حکمه ثمانیة اشهر وظهور المهدی علیه السّلام في هٰذه السّنة قال مقاتل في تفسیره والصّیحة الّتي تکون في شهر رمضان في لیلة الجمعة ویکون ظهور المهدي علیه السّلام عقیبه فی شوّال ومن علامات خروج الامام المهدي علیه السّلام منادٍ ینادی الا ان صاحب الزّمان علیه السّلام قد ظهر وهو في لیلة الثّالث والعشرین من شهر رمضان فلا یبقی راقد الّا قام ولا قائم الّا قعد وانّه یخرج فی شوّال وفي وتر من السّنین ویبایعه بین الرّکن والمقام

ثلثمائة وثلثة عشر رجلاً من الاخيار کلهم شبّان لا کهل فیهم ویکون دار ملکه الکوفة ویبنی له فی ظهر الکوفة مسجد له الف باب۔

شیخ محی الدین العربی الاندلسی کتاب درّ المکنون میں لکھتے ہیں کہ جناب امام مہدی علیہ السّلام کی ظہور کی پہلی علامت خروج سفیانی ہے جو اپنے تیس ہزار آدمی شہر مکّہ کی تسخیر کے لیے بھیجیگا اور وہ سب کے سب صحرا میں دھس جائینگے اور سوائے دو آدمیوں کے اُن میں سے کوئی بھی نہ بچیگا۔ وہ کُل آٹھ مہینے حکومت کریگا۔ اور جناب امام مہدی علیہ السلام کا ظہور اِسی سال ہوگا۔ اور مقاتل نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ آپ کی علاماتِ ظہور میں سے ایک علامت ندا بھی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ یہ ندا وہ ہے جو ماہِ رمضان میں شبِ جمعہ کو آئیگی اور اُس کے بعد آپ شوال کے مہینے میں ظہور فرمائینگے اِس کے بعد ندائے عامّہ کو بھی وہ آپ کی علاماتِ ظہور میں داخل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ایک منادی ندا کریگا کہ ایہا النّاس آگاہ ہوجاؤ۔ جنابِ امامِ عصر والزّمان علیہ الصّلوٰة والسّلام ظہور فرما چکے یہ منادی ۲۳ رمضان المبارک کو ندا کریگا۔ اِس کے سنتے ہی جو کھڑا ہوگا وہ بیٹھ جائیگا اور جو بیٹھا ہوگا وہ کھڑا ہوجائیگا۔ آپ شوال کے مہینے میں ظہور فرمائینگے اور وہ سال طاق ہوگا۔ آپ کی بیعت مکّہ میں رکن ومقام کے مابین کیجائیگی۔ تین سو تیرہ ۳۱۳ مؤمنین اُس وقت آپ کی بیعت اختیار کرینگے۔ وہ سب کے سب جوان ہونگے اور اُن میں بُڑھاپے کی کوئی علامت نمایاں نہوگی۔ آپ کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنائینگے اور شہرِ کوفہ کی پشت پر ایک مسجد کی عمارت بنا فرمائینگے۔ جس کے ہزار دروازے ہونگے

ذکرِ دجّال علیہ اللّعن والعذاب

شیخ محی الدین اندلسی پھر اُسی کتاب میں بذیلِ علاماتِ ظہورِ جناب امام آخرالزّمان علیہ السّلام خروجِ دجّال کو بھی اِس عبارت میں لکھتے ہیں۔ وھو ہٰذا۔

واما الدّجّال فانّ خروجه یکون من خراسان من ارض المشرق یوضع الفتن تتبعه الاتراك والیهود ویمرّ الدّجّال بالحربة فیقول لها اخرجی کنوزك فتتبعه کنوزها وهو قصیر القامة کهل اعور الیمنی مکتوب بین عینه ك ف ر واقام فی الارض اربعون یومًا یوم کسنة ویوم کشهر ویوم کجمعة وسائر ایامه کایام النّاس ویقتله عیسٰی علیه السّلام بباب مدینة لُدّ واذا قتل الدّجّال فلا یبقی فی ارض مشرك ولا شئ من الاهواء المختلفة وقال اهل التّفسیر تخرج دابّة الارض ومعها عصاء موسٰی علیه السّلام وخاتم سلیمان علٰی نبیّنا واٰله وعلیه السّلام فیجلو وجه المؤمن بالعصاء ویختم انف الکافر بالخاتم (ینابیع المودّة)

دجال خراسان کے شرقی حصّہ سے خروج کریگا اور تمام فتنہ وفساد پھیلائیگا۔

اُس کی اطاعت قومِ ترک اور یہود کے لوگ کرینگے اور اپنے تمام خزانے کھود کر حوالہ کرینگے۔ دجّال پستہ قد ہوگا۔ سیدھی آنکھ سے کانڑا ہوگا۔ اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک۔ف۔ر۔ کافر لکھّا ہوگا۔ چالیسؔ دن تک دنیا میں امارت کریگا۔ اُس کے وقت میں ایک دن ایک مہینہ اور ایک مہینہ ایک برس ہوگا۔ لیکن جمعہ معمولی دن کے برابر ہوگا۔ اُس کو جناب عیسے ابنِ مریم علیہ السّلام شہرِ لدّ (فلسطین) کے دروازے پر قتل فرمائینگے۔ اور جب دجّال قتل ہوجائیگا تو پھر روئے زمین پر کوئی مشرک زندہ اور باقی نہیں رہیگا۔ اور نہ کسی قسم کا کوئی ارتداد یا فتنہ و فساد پایا جائیگا۔ اور اہلِ تفسیر کا قول ہے کہ دابۃ الارض (جناب مہدی علیہ السّلام) ظہور فرمائینگے تو اُنکے ساتھ عصائے موسے و انگشترِ حضرت سلیمان علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہما السلام ہوگی۔ عصا سے وہ روئے مؤمن پر جلا فرمادینگے اور انگشتری سے کافر کے مُنہ پر مُہر کردینگے۔

امام محمد ابنِ طلحۃ الشّافعی کتاب درّ المنظوم میں بذکرِ علامات ظہورِ امام آخر الزّمان علیہ السّلام تحریر کرتے ہیں:۔

انّ اللہ تبارک وتعالیٰ یخرج خلیفۃ فی اٰخر الزّمان وقد امتلاءت الارض جورًا وظلما فیملاءھا قسطا وّعدلا ولو لم یبق من الدّنیا الا یوم وّاحد حتّٰی یلی ھٰذا الخلیفۃ من ولد فاطمۃ الزّھرآء رضی اللہ عنہا وھو اقنی الانف اکحل الطّرف وعلیٰ خدّہ الایمن خال یعرفہ ارباب الحال اسمہ محمّدؐ وھو مربوع القامۃ حسن الوجہ والشّعر ویُمیتُ اللہُ بہٖ کُلّ بدعۃ ویحیی بہ کلّ سُنّۃٍ یسقی خیلہٗ من ارض صنعآء وعدن اسعد النّاس بہ اھل الکوفۃ ویقسّم المال بالسّویّۃ ویعدل فی الرّعیّۃ ویفصّل فی القضیّۃ فی ایّامہ لا تدع الارض من نباتھا شیأًا الا اخرجتہ وھٰذا الامام المھدی علیہ السّلام القائم بامر اللہ یرفع المذاھب فلا یبقی الا الدّین الخالص یبایعونہ العارفون من اھل الحقائق عن شھود وکشف وتعریف الٰھی فلا یترک بدعۃ الّا ویزیلھا ولا سنّۃً الّا ویُقیمُھا (ینابیع المودّۃ فی القربیٰ مطبوعۂ بمبئی)

خدائے تبارک وتعالےٰ اپنے ایک خلیفہ کو آخر زمانہ میں ظاہر فرمائیگا۔ جب دنیا بالکل ظلم وستم سے معمور ہوگی اور وہ دنیا کو ازسرِ نو عدل وانصاف سے پُر اور مملو فرمادیگا اگرچہ ایک دن بھی حیاتِ عالم میں باقی رہیگا۔ تاہم یہ خلیفۃ اللہ ضرور ظاہر ہوگا۔ اور یہ اولادِ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے ہوگا۔ اُسکی بینی مبارک چھوٹی ہوگی۔ اُس کے پہلو چوڑے ہونگے۔ اُسکے داہنے رُخسارے پر ایک مسّا ہوگا۔ اُس سے آپ کو مؤمنین پہچان لینگے۔ اُن کا نام محمدؐ ہوگا۔ وہ معتدل القامت ہونگے۔ شکل وصورت اور خط وخال میں نہایت حسین ہونگے۔ تمام بدعتوں کو زائل اور تمام سُنّتوں کو زندہ اور تازہ فرمائینگے۔ تمام جھگڑوں کو فیصل

کر دینگے۔ اور اُنہی کے باعث سے تمام بدعتیں اُٹھ جائینگی اور تمام سُنّتیں زندہ ہو جائینگی اور اپنے تمام متبعین و معتقدین کو وہ ارض صنعاؤ یمن سے سیراب فرمائینگے۔ اُن کی حضور میں اہلِ کوفہ سب سے زیادہ مقرب ہونگے اور وہ مال و اموال کو بالسّویہ تمام لوگوں پر تقسیم فرمائینگے۔ کوئی قطرہ باقی نہ رہیگا کہ آسمان سے برس نہ جایا کرے۔ روئیدگی زمین سے کوئی چیز ایسی باقی نہ رہیگی جو اُگ نہ آیا کرے۔ اور یہی حضرت امام مہدی علیہ السّلام ہونگے۔ انہی کا لقب قائم بامر اللہ ہے۔ جو تمام ادیانِ مختلفہ کو دنیا سے محو فرما دینگے اور سوائے دینِ خالص کے دنیا میں کوئی اور دین باقی نہ رہیگا۔ اور اہلِ حقائق اور عارف باللہ اشخاص اُنکو اپنے کشف و شہود کے طریقے اور نصوص الٰہیہ کے ذریعے سے پہچان لینگے۔ اور اُنکی بیعت اور اطاعت کو اختیار فرمائینگے۔ اُنکے زمانہ میں کوئی ایسی بدعت باقی نہ رہیگی جسکو وہ زائل نہ فرما دینگے۔ اور کوئی سنّت ایسی نہ رہیگی جسکو وہ قائم نہ کر دینگے۔

علّامہ الشیخ محمد الصبّان مصری اپنی کتاب اسعاف الراغبین میں تحریر فرماتے ہیں:-

المهدی علیه السّلام وهو من اهل البیت قال رسول الله صلّی الله علیه وآله وسلّم انّ الله یخرج خلیفة وقد امتلاءت الارض جورًا وّ ظلمًا فیملاء ها قسطًا وعدلًا لولم یبق من الدّنیا الّا یوم طوّل الله ذٰلك الیوم حتّیٰ یلی من عترة النّبی صلّی الله علیه وآله وسلّم یبایع بین الرّکن والمقام اسعد النّاس به اهل الکوفة ویقسّم المال بالسّویّة ویعدل فی الرّعیّة ویفصل فی القضیّة یخرج علی فترة من الدّین ومن ابی قتل ومن نازعه خذِل یظهر من الدّین ما هو الدّین علیه۔

جناب امام مہدی علیہ السّلام اہلبیت علیہم السّلام میں سے ہونگے۔ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ آخر وقت میں ہمارے اہلبیتِ کرام علیہم السّلام میں سے خداوندِ تعالےٰ ایک شخص کو خلیفہ کریگا جو دنیا بھر کو عدل و انصاف سے اُسی طرح پُر اور مملو کر دیگا جس طرح وہ اُس کے قبل ظلم و ستم سے بھر گئی ہوگی۔ اور اگر حیاتِ عالم میں سے ایک دن بھی باقی رہیگا تو بھی خداوندِ عالم اُسکو اتنا طولانی فرما دیگا کہ ہماری عترت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جسکی بیعت رکن و مقام کے درمیان کیجائیگی۔ اُسکے زمانہ میں اہلِ کوفہ سب سے زیادہ سعادتمند ہونگے۔ وہ مال کو بالسّویہ لوگوں پر تقسیم کریگا۔ اور وہ رعایا کے فیمابین عدل و انصاف سے کام لینگے۔ تمام قضیّوں کو فیصل فرمائینگے۔ اور اصل دین پر ظہور کرینگے۔ جو شخص انکا انکار کریگا اُسکو قتل کر دینگے۔ اور جو منازعت یا مخالفت کریگا وہ ذلیل و خوار ہوگا۔ اور اُن سے وہی اعمال و افعال ظاہر ہونگے جو دینِ الٰہی کے اصلی مقاصد ہونگے۔ یہ معلوم ہوگا کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم زندہ ہیں اور اُنہی کے یہ احکام ہیں۔ وہ دنیا کے تمام ادیانِ مختلفہ کو اُٹھا دینگے۔ اور تمام روئے زمین پر سوائے ایک دینِ خالص کے کوئی دوسرا دین باقی نہ رہیگا۔ اپنی قوّتِ اصلی سے

اجتہاد کرنیوالے علماء اُنکی مخالفت کرینگے اور ایسے لوگ اُنکی بیعت تلوار کے خوف اور سطوت کی وجہ سے اختیار کرینگے۔ اُن سے تمام عامۃ المسلمین خوش رہینگے اور اہلِ حقائق و معرفت کشف و شہود کے طریقوں سے اُنکی بیعت اختیار فرمائینگے۔

شیخ محی الدین عربی نے فتوحاتِ مکیہ کے جزو ۳۶۷ میں بھی یہی عبارت لکھی ہے (ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۳۹۰)

پھر اُسی کتاب اسعاف الراغبین میں ہے:۔

وجاء فی روایات انہ عند ظھورہ وینادي فوق رأسہ ملك ھذا المھدي خلیفۃ اللہ علیہ السلام فاتبعوہ فیذعن لہ الناس ویشربون حبہ وانہ یملك الارض شرقھا وغربھا وان اللہ تعالیٰ یمدہ بثلاثۃ آلاف ملٰئکتہ وان اھل الکھف من اعوانہ وان جبرئیل علیہ السلام علیٰ مقدمۃ جیشہ ومیکائیل علیہ السلام علیٰ ساقتہ وان المھدي علیہ السلام لیستخرج تابوت السکینۃ من غار انطاکیۃ واسفار التوریۃ من جبل بالشام یحاج بھا الیھود فیسلم کثیر منھم۔

آپ کے ظہور فرمانیکے متعلق روایات میں وارد ہوا ہے کہ ظہور فرمانیکے وقت ایک فرشتہ آپکی پشت سر پر کھڑا ہوکر ندا کریگا کہ یہی مہدی خلیفۃ اللہ ہیں۔ اِنکی اطاعت اختیار کرو۔ تمام لوگ اسی ذریعہ سے اُنکو پہچان لینگے اور اپنے دلوں میں اُنکی محبت پیدا کرینگے۔ اور وہ تمام روئے زمین پر مشرق سے مغرب تک بادشاہی کرینگے اور خدائے تبارک وتعالےٰ تین ہزار ملائکہ سے اُنکی مدد فرمائیگا۔ اصحاب کہف انکے اعیان میں ہونگے۔ جبرئیل علیہ السلام انکے مقدمۃ الجیش اور میکائیل علیہ السلام انکے ساقۂ لشکر پر مامور ہونگے۔ جنابِ امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام غار انطاکیہ سے تابوتِ سکینہ کو باہر نکالینگے اور مجلدات توریت کو جبلِ شام سے برآمد فرمائینگے۔ فرقۂ یہود کے لوگ اِن سے حجت کرینگے اور پھر اُن میں سے بہت سے لوگ آپ پر ایمان لے آئینگے۔

پھر اُسی کتاب میں علامۂ موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

اخرج الاحمد والماوردی انہ قال صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ابشروا بالمھدي علیہ السلام رجل من قریش من عترتي یخرج في اختلاف من الناس وزلزال فیملاء الارض عدلاً وقسطاً کما ملئت ظلماً وجوراً ویرضی عنہ ساکن السماء وساکن الارض ویقسم المال بالسویۃ ویملاء قلوب اُمۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غناء ویسعھم عدلہ حتیٰ انہ یامر منادیاً فنادی من لہ حاجۃ الی المال یاتیہ فما یاتیہ احد الا رجل واحد یاتیہ فیسئلہ فیقول لہ المھدي علیہ السلام انت السادن حتیٰ یؤتیك فیاتیہ

فیقول انا رسول المهدی علیه السّلام ارسلنی الیك لتعطینی فیقول احث فتیجیی فلا یستطیع ان یحمله فتلقی حتّٰی یکون قدر ما یستطیع ان یحمله فیخرج به فیندام فیقول انا کنت اجشع الامّة نفسا کلّهم دعی الیٰ هٰذا المال فترکوه غیری فیردّ علیه فیقول السّادن الّا نقبل شیئًا اعطیناه فیلبث فی ذٰلك ستّا او سبعا او ثمانیا او تسع سنین ولا خیر فی الحیات بعده۔

احمد ابن حنبل اور علامہ ماوردی لکھتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ای ایمان والو! میں تم کو مہدی علیہ السلام کی بشارت دیتا ہوں۔ وہ قبیلۂ قریش اور میری عترت سے ہونگے اور جب لوگوں میں اختلاف اور زوالِ دین ہوگا تو وہ ظاہر ہونگے اور پھر از سرِ نو دنیا کو عدل وانصاف سے پُر اور مملو فرما دینگے اُسی طرح جس طرح وہ اِس سے قبل ظلم وستم سے پُر ہو گی۔ اُس سے زمین وآسمان کے رہنے والے سب راضی وخوشنود رہینگے۔ وہ مال کو عموماً برابر کے حصّوں میں تقسیم فرمائینگے اور امّتِ محمدیہ صلےّ اللہ علیہ التّحیۃ کے قلوب میں کمال استغنا پیدا کر دینگے اور عدالت وانصاف کے امور کو بہت وسیع فرمائینگے یہانتک کہ اُنکی طرف سے روئے زمین پر عموماً منادی کیجائیگی کہ جس کو مال ودولت کی خواہش ہو وہ اُنکی خدمت میں حاضر ہو۔ پس تمام لوگ مستغنی اور مالدار ہو جائینگے یہانتک کہ کوئی شخص اُنکی خدمت میں نہیں جائیگا سوائے ایک آدمی کے۔ اُس سے جنابِ امام مہدی علیہ السلام پوچھینگے کہ تیرا نام سادن ہے تو یہاں کیسے آیا؟ وہ بیان کریگا کہ مجھ کو مہدی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے رسول نے بھیجا ہے اِس غرض سے کہ آپ مجھے دولت عطا فرمائیں۔ آپ فرمائینگے کہ اچھا لے۔ پس وہ اُس مال ودولت کے اُٹھالانیکا قصد کریگا جو وہاں اُسکے لیے ذخیرہ ہوگا مگر وہ اِس قدر کثیر ہوگا کہ اُسے اُٹھا نہ سکیگا پس سادن نادم ہوگا اور کہنے لگیگا کہ میں حریص ترین امّت ہوں۔ آپ یہ مال رکھ لیں۔ اور میرے سوا کسی دوسرے مستحق کو عنایت فرمائیں۔ پس سادن سے فرمائینگے کہ ہم عطا کر کے واپس نہیں لیا کرتے۔ جنابِ امام مہدیِ آخر الزّمان علیہ السّلام چھ۔ سات۔ آٹھ یا نو برس تک حکمرانی فرمائینگے اور پھر حیاتِ دنیاوی میں بعد اُنکی کوئی خبر نہیں ہے۔

علامہ شیخ عبد الکریم المعروف بہ امام یمانی اپنی کتاب رشحۃ المرجان میں تحریر فرماتے ہیں:۔

وقال بعضهم من اهل الله اصحاب الکشف والشّهود وعلماء الحروف انتهیٰ ناقل عن الامام علی کرّم الله وجهه سیاتی الله بقوم یحبّهم ویحبّونه ویملك من هو بینهم غریب فهو المهدی علیه السّلام احمر الوجه بشعره صهونه یملاء الارض عدلًا بلا صعوبة یعتزل فی صغره عن امّه وابیه ویکون عزیزا فی مرباه فیملك بلاد المسلمین بامان ویصفو له الزّمان ویسمع کلامه ویطیعه الشّیوخ والصّبیان ویملاء الارض عدلا کما ملئت جورًا فعند ذٰلك کملت امامته وتقرّرت خلافته والله یبعث من فی القبور فاصبحوا

الاترى الامساكنهم وتعمّر الارض وتصفوا وتزهوا الارض بهدايها وتجري به انهارها وتعدام الفتن والغارات وكثير الخير والبركات ولاحاجة لي فيما اقوله بعد ذالك و مني علي الدنيا السلام۔

اہل اللہ۔ اصحابِ کشف وشہود اور اربابِ علم الحروف جناب امیر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ خدائے سبحانہ وتعالیٰ اِس قوم میں سے ایک شخص کو مبعوث فرمائیگا جو خدا کو دوست رکھیگا اور خداوندِ عالم اُسکو دوست رکھیگا اور جو چیز کہ درمیان اُنکے ہے وہ اُن سب چیزوں کا مالک ہوگا۔ اور وہ مہدی علیہ السلام ہیں۔ جن کے بال سرخ ہونگے اور بال گھنے ہونگے۔ دنیا کو وہ عدل وانصاف سے بغیر کسی مصیبت رسانی اور ایذادہی کے پُر اور مملو فرمائیگا۔ اور وہ اپنی صغر سنی اور کم سنی ہی میں اپنے ماں باپ سے چھوٹ جائیگا۔ پھر ان وجوہات سے وہ اُسکو کیونکر عزیز نہ رکھیگا جس نے اُسکو کمسنی سے عزیز رکھکر اُسکی پرورش فرمائی ہو۔ وہ تمام بلادِ مسلمین پر بلامزاحمت قابض ومتصرف ہوجائیگا۔ اور تمام ملک میں امن وامان قائم رکھیگا۔ اور تمام دنیا اُسکی مدح وثنا کریگی اور اُسکے احکام کو سُنے اور مانے گی۔ بوڑھے اور جوان سب اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرینگے اور وہ دنیا کو انصاف وعدالت سے پُر اور مملو کردیگا جس طرح کہ قبل میں وہ جور وستم سے پُر اور مملو ہوگی۔ اسی پر امرِ امامت ختم ہوجائیگا۔ اور اُسی پر حکمِ خلافت قرار پائیگا۔ قسم ہے خدا کی وہ لوگوں کو قبور سے اُٹھائیگا یہانتک کہ وہ پھر اپنی اپنی جائے سکونت میں مقیم ہونگے۔ اور وہ دنیا میں زندہ رہکر تمام روئے عالم کو پاک وصاف کردیگا۔ اُسپر نہریں جاری کریگا اور تمام فتنہ وفساد کو موقوف ومسدود کردیگا۔ اُس کے زمانہ میں خیر وبرکت کثرت سے جاری ہوگی۔ اور اُس کے بعد دنیا میں کسی کو حاجت باقی نہ رہیگی۔ اور اُس کے بعد دنیا کو میری طرف سے سلام پہنچے۔

شیخ محی الدین اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں ذیل کی عبارت قلمبند کرتے ہیں۔

انّ المهدی علیه السلام یحکم بما القی الیه ملك الالهام من الشریعة۔

جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام جو کچھ متعلق بہ شریعت حکم فرمائینگے وہ سب الہام ربانی کے مطابق ہوگا۔ جو اُن کو فرشتۂ الہام کے ذریعے سے معلوم ہوگا۔

امام محمد ابن الضبان مصری کتاب اسعاف الراغبین میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اخرج الروّیانی والطبراني وغیرهما مرفوعًا المهديّ اللون لون عربيّ والجسم جسم اسرائیلی اي طویل یملاء الارض عدلاً کما ملئت جورا یرضی الخلافة ساکن السماء وساکن الارض وانه شاب اکحل العینین ازج الحاجبین اقنی الانف کث اللحیة علی خده الایمن خال وعلی یده الیمنی خال واخرج الطبراني مرفوعا یلتفت المهدي علیه السلام وقد نزل عیسیٰ علیه السلام کانما یقطر من شعره الماء فیقول المهدي

عليه السّلام تقدم فصلّ بالنّاس فيقول عيسٰى عليه السّلام انّما اقيمت الصّلوٰة لك فيصلّي خلف رجل من ولدي وفي صحيح ابن حبان في امامة المهدي عليه السّلام نحوه وصحّ مرفوعًا ينزل عيسى ابن مريم عليهما السّلام فيقول اميرهم المهدي عليه السّلام تعال صلّ بنا فيقول لا انّما بعضكم ائمّة على بعض يكرمه الله بهٰذه الامّة۔

امام طبرانی و رویانی وغیرہما مرفوعًا جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے جناب مہدی علیہ السلام کی نسبت ارشاد فرمایا کہ مہدی علیہ السّلام میری اولاد سے ہونگے اُن کا چہرہ مثل ستارے کے درخشاں ہوگا۔ اُن کا رنگ اہلِ عرب کے رنگ کی طرح اور جسم بنی اسرائیلیوں کے جسم کے ایسا۔ یعنی آپ طویل القامت ہونگے۔ اور قوی الاعضاء۔ تمام دنیا کو عدل و انصاف سے یوں پُر اور مملو کر دینگے جیسے قبل اِسکے وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی۔ اُنکی خلافت و امارت سے تمام دنیا کے لوگ راضی اور خوشنود رہینگے۔ اور تمام ساکنانِ آسمان و زمین رضامند ہونگے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ عالمِ شباب میں ظہور فرمائینگے۔ آپکی آنکھیں سرگین ہونگی۔ بینیٔ مبارک چھوٹی ہوگی۔ ریشِ مقدّس گھنی ہوگی۔ سیدھے رخسار پر خالِ بزرگ ہوگا اور سیدھے ہاتھ میں بھی تل ہوگا۔ امام طبرانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علےٰ نبینا و آلہ وعلیہ السّلام نازل ہونگے۔ ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے آپ کے بالوں سے پانی کی قطرات ٹپکتے ہوں۔ جنابِ امام مہدی علیہ السّلام فورًا اُنسے ملتفت ہوکر ارشاد فرمائینگے کہ آپ آگے بڑھیں اور سب لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپ کے جواب میں حضرت عیسےٰ علیہ السّلام ارشاد فرمائینگے کہ میں تمہارے پیچھے نماز پڑھونگا اور آج میں اپنے فرزند کے پیچھے نماز پڑھونگا۔ اور صحیح ابنِ حبان میں بذکرِ امامتِ حضرت امام مہدی علیہ السّلام ایسا ہی مذکور ہے اور بطریقِ مرفوع اسکی صحت بھی کی گئی ہے۔ اور لکھا ہے کہ جب حضرت عیسےٰ علےٰ نبینا و آلہ وعلیہ السّلام نازل ہونگے تو جنابِ مہدی علیہ السّلام جو اُس وقت امیر ہونگے اُن سے فرمائینگے کہ آپ نماز پڑھائیں۔ اِسکے جواب میں وہ ارشاد کرینگے کہ نہیں۔ خداوندِ عالم نے پیشواؤں میں سے بعض کو بعض پر ترجیح و فضیلت دی ہے۔ اور آج اس شرافت مخصوصہ سے اس امت کو خاص طور پر معزز فرمایا ہے۔

فرائد السمطین میں امام حموی تحریر فرماتے ہیں:۔

عن سعيد ابن جبيرؓ عن ابن عباسؓ رفعه انّ اوصيائي وحجج الله بعدي اثنا عشر اوّلهم اخي وآخرهم ولدي قيل يا رسول الله صلّى الله عليه وآله وسلّم من اخوك قال علي عليه السّلام قيل من ولدك قال المهدي عليه السّلام الّذي يملاء الارض قسطًا و عدلًا كما ملئت جورًا وظلمًا والّذي بعثني بالحقّ بشيرًا ونذيرًا لو لم يبق من الدّنيا الّا يوم واحد لطوّل الله ذٰلك اليوم حتّى يخرج فيه ولدي المهدي عليه السّلام فينزل

روح اللہ عیسی ابن مریم علیہ السّلام فیصلّی خلف ولدي وتشرق الارض بنور ربها و یبلغ سلطانه المشرق والمغرب۔

سعید ابن جبیر رضؓ حضرت ابنِ عباسؓ کی اسناد سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ میرے بعد میرے اوصیاء اور حجۃ اللہ علے الخلائق شمار میں بارہ۱۲ بزرگوار ہونگے جن میں سے پہلا میرا بھائی ہے اور آخر میرا بیٹا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کا بھائی کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ علی علیہ السّلام۔ پھر دریافت کیا کہ بیٹا کون ہے؟ فرمایا کہ مہدی علیہ السّلام۔ یہ وہ سعادتمندِ ازلی ہے جو دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح بھردیگا جس طرح قبل میں جور و ستم سے پُر اور مملو ہوگی اور مجھ کو اُسی خداوند عالم کی قسم ہے جسنے مجھ کو دنیا میں بشیر و نذیر برحق قرار دیکر مبعوث فرمایا ہے کہ اگر حیاتِ عالم میں ایک دن بھی باقی رہجائیگا تو بھی خدائے تبارک و تعالےٰ اُس دن کو اتنا طولانی کردیگا کہ اس عرصہ میں ہمارا فرزند مہدی علیہ السّلام مبعوث ہوگا۔ پھر جناب عیسے ابنِ مریم علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام آسمان سے نازل ہونگے اور میرے فرزند مہدی علیہ السّلام کے پیچھے نماز پڑھینگے اور کُل زمین اپنے مالک (جنابِ امام آخرالزّمان علیہ السّلام) کے نور سے چمک اُٹھیگی۔ اور اُن حضرتؑ کی سلطنت شرق و غرب میں برابر قائم ہوجائیگی۔

پھر اُسی کتاب میں امام سمہودی دوسرے مقام پر تحریر کرتے ہیں:۔

عن ابی امامہ باھلی رفعه بینکم وبین الرّوم سبع سنین فقال له رجل من بنی عبدالقیس یقال له المسطور یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم من امام النّاس یومئذٍ قال المهدی علیہ السّلام من ولدي ابن اربعین سنةٍ کان وجهه کوکب درّیّ فی خدّه الایمن خال اسود علیه عبایتان قطوانیّتان کانّه من رجال بنی اسرآئیل یستخرج الکنوز و یفتح مدآئن الشرك۔

ابو امامہ الباہلیؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ فرمایا جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ آپ نے بذکرِ قیامت ارشاد فرمایا کہ ہم تم میں اور اہلِ رُوم میں سات برس کی مدّت ہے۔ اِس اثناء میں ایک شخص نے جو قبیلۂ بنی عبدالقیس سے تھا پوچھا کہ اِن ایّام میں آدمیوں کا امام اور پیشوا کون ہوگا؟ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ میرا بیٹا امام مہدی علیہ السّلام جو اُس وقت عمر میں چالیس برس کا ہوگا اور اُسکا چہرہ مثل نجمِ تاباں کے ہوگا اور اُس کے سیدھے رخسار پر تِل ہوگا اور وہ جامۂ قطوان کی دو عبائیں پہنے ہوگا اور قد و قامت اور جسامت میں وہ بنی اسرائیلیوں سے مشابہ ہوگا وہ تمام دنیا کے دفینوں کو برآمد کریگا اور مدائن الشرک کو فتح فرمائیگا۔

پھر اُسی کتاب میں دوسری جگہ مرقوم ہے:۔

عن حسن ابن الخالد قال قال علی ابن موسی الرّضا علیه السّلام الوقت المعلوم

وهو یوم خروج قائمنا فقیل له من القائم علیه السّلام منکم قال الرّابع من ولدی وابن سیّدة الإماء یطهّر الله به الارض من کلّ جور ویقدسها من کلّ ظلم وهو الّذی یشكّ النّاس فی ولادته وهو صاحب الغیبة قبل خروجه فاذا خرج اشرقت الارض بنوره وضع المیزان العدل بین النّاس فلا یظلم احدٌ احدا وهو الّذی تطوی له الارض ولا یکون له ظلّ وهو الذی ینادی مناد مّن السّماء یسمعه جمیع اهل الارض الا ان حجّة الله قد ظهر عند بیت الله فاتبعوه فانّ الحق فیه ومعه وقول الله تبارك وتعالیٰ ان نّشأ ننزل علیهم مّن السّمآء اٰیة فظلّت اعناقهم لها خٰضعین۔

حسن ابن خالد نے جناب امام موسیٰ الرضا علیہ السّلام سے الوقت المعلوم کی تفسیر دریافت کی تو آپنے فرمایا کہ وہ ہمارے قائم علیہ السّلام کے ظہور فرمانیکا دن ہے۔ عرض کیا گیا کہ آپ حضرات میں قائم علیہ السّلام کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ میری اولاد میں سے چوتھا سعادتمند ہے جو تمام دنیا کی کنیزوں کی سردار کا بیٹا ہے۔ وہ دنیا کو تمام ظلم وستم سے پاک وصاف کردیگا اور یہ وہ شخص ہے جس کی ولادت کی نسبت اکثر لوگوں کو شک ہوگا اور وہ قبل خروج کے غیبت فرمائیگا اور تمام دنیا کو نور یزدانی سے پُر اور مملو فرمادیگا۔ اور تمام دنیا میں میزانِ عدالت قائم کریگا۔ پھر کوئی شخص کسی شخص پر ظلم نہ کرسکیگا۔ اور یہ وہ شخص ہے جس کے لیے دنیا وسیع کردی جائیگی۔ اور اُسکا سایہ نہ ہوگا۔ اور یہ وہ شخص ہے جسکے لیے آسمان سے ایک منادی ندا کریگا جس کو تمام دنیا کے لوگ سماعت کرینگے اور وہ ندا یہ ہوگی کہ حجّۃ اللہ زمانہ نے بیت اللہ شریف میں ظہور فرمایا پس اُس کی اطاعت اختیار کرو۔ کیونکہ اصل حق اُسی کا ہے اور حق اُسی کے ساتھ ہے۔ اور خدائے تبارک وتعالےٰ نے اُسی کے بارے میں فرمایا ہے "اگر ہم چاہیں تو اُن پر آسمان سے ایک علامت نازل فرمادیں جس سے اُن (کافروں) کی گردنیں نیچی ہوں اور وہ ذلیل ہوجائیں"۔

حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں چالیس[۴۰] حدیثیں جناب امام مہدی آخر الزّمان علیہ السّلام کی شان میں تحریر کی ہیں جن میں سے چند حدیثوں کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

حدثنا المهدی علیه السّلام قال النّبی صلّی الله علیه وآله وسلّم یا فاطمة سلام الله علیها اذا صارت الدّنیا هرجا ومرجا وصارت الفتن وانقطعت السّبیل وغارت بعضهم علیٰ بعض فلا کبیر یرحم صغیرا ولا صغیر یوقّر کبیرا فیبعث الله عند ذٰلك المهدیّ علیه السّلام من وّلدك یفتح حصون الضّلالة وقلوب المغلقة یقوم بالدّین فی اٰخر الزمان کما قمتُ به فی اوّل الزّمان ویملاء الارض قسطا وّعدلًا کما ملئت جورًا وّظلما۔

یعنی جنابِ رسالت مآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی دخترِ نیک اختر جناب فاطمہ زہرا علیہا السّلام

سے ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہؑ جب دنیا میں تمام تر اختلاف اور فتنہ و فساد ظاہر ہوگا اور تمام راستے بند ہو جائینگے اور ایک دوسرے کو تباہ و غارت کرنے لگینگے اور بڑا اپنے چھوٹے پر رحم نہ کریگا اور چھوٹا اپنے بڑے کی توقیر نہ کریگا۔ تب خداوند تعالےٰ ایسے وقت میں میری اولاد سے جناب امام مہدی آخرالزمان علیہ السلام کو ظاہر فرمائیگا اور وہ تمام قلعہائے ضلالت کو فتح کریگا اور قفل زدہ قلوب کو کھولدیگا۔ اور وہ دنیا کے آخر زمانہ میں دین خدا کو اُسی طرح قائم اور مستحکم کردیگا جس طرح کہ اوّل زمانہ میں خود میں نے کیا تھا اور دنیا کو پھر عدل و انصاف سے اُسی طرح بھردیگا جس طرح قبل اس کے وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

پھر اُسی کتاب میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے مروی ہے۔

ويح هٰذه الامّة من ملوك الجبابرة كيف يقتلون ويُطردُون الا من اظهر طاعتهم فالمؤمن التقيّ يُصانعهُم بلسانه ويفرّ منهم بقلبه فاذا اراد الله تعالىٰ ان يّعيد الاسلام عزيزًا قصم كلّ جبّار عنيد وهو القادر علىٰ من يّشاء واصلح الامّة بعد فسادها يا حذيفة لو لم يبق من الدّنيا الّا يوم واحد لطوّل الله ذٰلك اليوم حتّىٰ يملك رجل من اهلبيتي الملاحم في يديه ويظهر الاسلام والله لا يخلف وعده وهو سريع الحساب۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اے حذیفہ رضؓ اس امت کا حال ملوک جبابرہ کے ہاتھ سے کیا ہونیوالا ہے۔ اُن کے لوگ قتل ہونیوالے اور جلا وطن کیے جانیوالے ہیں۔ سوائے اُن کے جو اُنکی اطاعت اختیار کرینگے۔ پس مومن پرہیزگار زبانی اُن سے مصالحت رکھیگا۔ اور دل سے اُن سے نفرت کریگا۔ پس جب خدا تعالےٰ کا یہ ارادہ ہو کہ وہ دین اسلام کو پھر سے عزت دے اور ہر کینہ ور ظالم کو ذلیل و خوار کرے اور وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ تو بعد فساد کے وہ اس امت کی پوری اصلاح حال فرمادیگا۔ اے حذیفہؓ اگر حیات عالم میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہجائیگا تو خدائے تبارک و تعالےٰ اُسکو طولانی فرمادیگا۔ اور اُس دن کا مالک میرے اہلبیت میں سے ایک ایسے بزرگوار کو کریگا جس کے ہاتھ تمام انبیاء کے آثار ہونگے۔ وہ اسلام کو پاک و پاکیزہ کردیگا اور خدا تعالےٰ کبھی خلاف وعدہ نہیں کرتا۔ اور وہ سب سے زیادہ حساب لینے والا ہے۔

امام ثعلبی کتاب العرائس میں تمیم الداری کی اسناد سے لکھتے ہیں :۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم انّ غارًا من غيران في انطاكية فيها رضاض من الواح موسىٰ وما سحابة شرقيّة ولا غربيّة تمرّ عليها الّا القت عليها من بركتها ولن تذهب الايّام والليالي حتّىٰ يملكها رجل من اهلبيتي يملاءها قسطًا وعدلًا كما ملئت جورًا وّ ظلمًا۔

یعنی فرمایا جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر انطاکیہ کے ایک غار میں تورات مقدس

کی الواح رکھی ہوئی ہیں اور مشرق و مغرب کے بادل جو اُسپر سے گزرتے ہیں اُسپر اپنی برکتیں برساتے رہتے ہیں اور وہ دن ضرور آنیوالا ہے کہ ہمارے اہلبیتؑ میں سے ایک شخص اُسکو نکالیگا اور وہ دنیا کو عدل و انصاف سے پھر اُسی طرح پُر اور مملو کر دیگا جس طرح وہ قبل اِسکے ظلم و ستم اور جور و جفا سے بھر گئی ہوگی۔

ہم نے حسبِ وعدہ اتنی حدیثیں جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کے ظہور فرمانیکے متعلق سوادِ اعظمِ اہلسنّت والجماعت کے اُن علمائے مخصوصین اور فضلائے معتمدین کی اسناد سے لکھدی ہیں جن کی جلالت و عظمت کا تسلیم کرنا جزوِ ایمان خیال کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً ایسے واضح اور روشن مشاہدات کے بعد ہم کو پھر کسی فرقہ شیعہ کی کسی خاص سند کے پیش کرنیکی کوئی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ ہم نے اِس مسئلہ میں فریقین کے معتبر اور مستند ماخذوں سے جہاں تک تلاش اور تحقیق کی ہے ہم کو یہ ثابت ہوا ہے کہ دونوں فرقوں کے علماء نے بالاتفاق وہی واقعات اور حالات لکھے ہیں جو آپ کے ظہور کے متعلق فریقین کے ہاں مشہور ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ سوادِ اعظمِ اہلسنّت والجماعت کے علماء نے کسی وجہ سے ان اجمال کی تفصیل فرمانے کو مصلحت نہیں سمجھا۔ اور بخلاف ان کے علمائے شیعہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔ اب ہم علمائے شیعہ سے صرف ایک حدیث ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں جس کو دیکھکر ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ جو علامات اور حالات ابھی ابھی علمائے اہلِ تسنّن کے طریق سے آپ کے ظہور فرمانے کے متعلق لکھے گئے ہیں بالکل وہی علامات علمائے شیعہ کی کتابوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ملا مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار جلد سیزدہم مطبوعہ ایران کے صفحہ ۲۲۵ میں ذیل کی عبارت تحریر فرماتے ہیں:۔

ابو بصیرؓ جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ میں نے آپکی خدمت میں ایک دن عرض کی کہ جنابِ امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام کا ظہور کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اے ابو بصیرؓ ہم اہلبیتؑ کے امر کے لیے کوئی وقت قرار نہیں دیا جاسکتا اور جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامِ قائم علیہ السلام کا دن قرار دینے والے شخص کو جھوٹا اور مفتری قرار دیا ہے۔ مگر اے ابو بصیرؓ اِس واقعہ کے ہونے سے پہلے پانچ علامتیں ضرور ہونیوالی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ اوّل وہ ندا جو سب سے پہلے ماہِ رمضان المبارک میں سُنی جائیگی۔ دوم خروجِ سفیانی۔ سوم خروجِ خراسانی (دجّال) چہارم نفسِ زکیّہ کا قتل پنجم دنیا میں دو قسم کے طاعون کا ایک بار ظاہر ہونا۔ ایک طاعونِ سفید۔ دوسرا طاعونِ سُرخ۔ طاعونِ سفید تو ایک قسم کی سخت مہلک بیماری ہے۔ دوسرا طاعونِ سرخ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کی تلوارِ صاعقہ بار ہے۔ اور وہ اُس وقت تک دنیا میں ظہور نہیں فرمائینگے جب تک کہ ۲۳ ماہِ رمضان المبارک بشبِ قدر کو آسمان سے اُن کے نام کی ندا نہ سُنی جائیگی۔ ابو بصیرؓ نے عرض کی کہ وہ ندا کیا ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ندا اُن کے اور اُنکے والدِ بزرگوار کے نام کے ساتھ کی جائیگی یعنی فلاں ابنِ فلاں قائمِ آلِ محمد علیہ السلام

ہیں۔ اُنکی اطاعت اختیار کرو اور اُنکے احکام ہدایت کو سُنو۔ اور اُس وقت دنیا میں کوئی ذی روح ایسا باقی نہیں رہیگا جو اِس آواز کو نہ سُنے۔ جو شخص اِس ندا کے وقت سوتا ہوگا وہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوگا اور صحنِ خانہ میں اِس ندا کرنیوالے کو چاروں طرف تلاش کرنے لگیگا۔ کواری لڑکیاں پردوں کی آڑ میں ندا دہندہ کو تلاش کرینگی۔ اور اِسی صدا کے بعد جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام ظہور فرمائینگے۔ اور یہ ندا کرنیوالے بزرگ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہونگے۔

ہم نے نمونہ کے طور پر شیعوں کی صرف اِس ایک حدیث کو لکھدیا ہے۔ اسے دیکھکر ہماری کتاب کے ناظرین اہلسنّت کی اُن تمام حدیثوں کو جو اوپر لکھی گئی ہیں ملا لینگے اور دیکھ لینگے کہ جو امور آپ کے ظہور کے متعلق اہلسنّت والجماعت کی کتابوں میں مذکور ہیں وہی شیعوں کی کتابوں میں مسطور۔ فرق ہے تو وہی کہ اہلسنّت والجماعت نے اُن امور کو اجمال اور اختصار کے ساتھ لکھا ہے اور شیعوں نے اُنکو تفصیل اور تشریح کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔

ہم نے جہانتک اِن امور کی نسبت تحقیق کی ہے ہمکو یہ معلوم ہوا ہے کہ جناب قائمِ آلِ محمد علیہ السلام کے صرف ظہور ہی کے متعلق نہیں بلکہ آپ کے جملہ امور کی نسبت علمائے شیعہ نے جو جو دلائل اور براہین قائم کیے ہیں وہی علمائے اہلسنّت والجماعت نے بھی۔ اور ان میں مابین الفریقین کوئی اختلاف نہیں ہے چنانچہ ہم اِن کُل امور کو اوپر کی مباحث میں تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔ بارِ دیگر ہم اُن امور کو مزید احتیاط اور تسکینِ ناظرین کے خیال سے کتابِ کفایۃ الطالب فی مناقب آلِ ابیطالب علیہ السلام کے اُس مخصوص باب کو ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں جو قابل مؤلفِ کتاب نے خاصکر جنابِ امام آخرالزمان علیہ السلام کے اخبار و آثار کے متعلق پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے۔

محمد ابنِ محمد الشافعی صاحبِ کفایۃ الطالب کے دلائل

قبل اِس کے کہ ہم صاحبِ کفایۃ الطالب کی اصل عبارت سے اپنے مقاصد کو آغاز کریں۔ ہم پہلے اُس عبارت کو ذیل میں ترجمہ کر کے نقل کرتے ہیں جو قابل مؤلف نے اصل کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرمائی ہے۔

ہم نے اِس کتاب کی تدوین کرتے وقت اپنے سلسلۂ نقل و استخراج میں کسی شیعہ راوی کو نہیں لیا ہے اور اپنی تمام روایتوں کو علما و محدثینِ اہلسنّت والجماعت کے معتبر طریقہ پر قلمبند کیا ہے۔ اس لیے کہ ہمارے کلام میں اور ہمارے دعوے میں قوت اور وثوق پیدا ہو۔

دیباچہ کی مندرجۂ بالا عبارت سے ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ جب یہ کتاب تمام و کمال اِس انتظام اور التزام مخصوصہ کے ساتھ مرتب اور مکمل فرمائی گئی ہے تو پھر اِسکی کسی روایت پر غیر راویوں سے مروی اور منقول عنہ ہونیکا الزام لگانا محض فضول اور بے سود ہے۔ اسکی کسی دلیل یا روایت کی نسبت

یہ کہنا کہ وہ بطریق شیعہ لکھی گئی ہے بالکل بے اصول ہے۔ اس لیے یہ یقین کر لینا ضروری ہے کہ قابل مؤلف نے اِس کتاب میں جنابِ امام آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے وہ بالکل سوادِ اعظم اہلسنّت والجماعت کے معتبر ماخذوں سے مستنبط کیا گیا ہے اور سوائے علمائے اہلسنّت کی معتبر طریقوں کے اور کسی غیر طریق کی اِس میں ذرا بھی مداخلت نہیں ہے۔

اتنا تمہیداً عرض کر کے ہم امام محمد ابن محمد الشافعی کی تمام وکمال عبارت ذیل میں پوری تفصیل کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

بابِ اوّل۔ ذکرِ ظہورِ حضرت امامِ زمان علیہ السلام۔ زرّ ابنِ عبداللہ سے منقول ہے کہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ دنیا اُس وقت تک ہرگز تمام نہوگی جبتک کہ ہمارے اہلبیت میں سے ایک سعادتمند (شخص) پیدا نہ ہوگا جو تمام دنیاوی حکومت کا مالک اور حاکم نہوگا۔ وہ میرا ہمنام ہوگا۔ ابی داؤد نے اِس کو اپنی سنن میں لکھا ہے اور اِس کے متواتر ہونیکا اعتراف کیا ہے۔ امام حافظ ابو الحسن نے بھی اِس حدیث کو مناقب امام شافعی میں لکھا ہے۔

بابِ دوم۔ اِس ذکر میں کہ جنابِ مہدی علیہ السّلام حضرت سیّدۃ نساء العٰلمین جناب فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہونگے۔ ابنِ ماجہ نے اپنی سنن میں اِسی حدیث کو جنابِ امّ المؤمنین امِّ سلمہ اور حضرت سیّدۃ نساء العٰلمین جنابِ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے روایت کیا ہے۔ اور حافظ ابی داؤد نے اپنی سنن میں جنابِ امیر المؤمنین علی ابنِ ابیطالب علیہ السّلام سے نقل کیا ہے۔

بابِ سوم۔ اِس بحث میں کہ حضرت مہدی علیہ السّلام سردارِ اہلِ بہشت ہیں۔ اِس حدیث کو سنن میں ابنِ ماجہ نے انس ابنِ مالک سے یوں لکھا ہے کہ فرمایا جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ بنی عبد المطلب سردارانِ اہلِ بہشت سے ہیں۔ اور سردارانِ اہلِ بہشت سے خود میں (یعنی آنحضرت) حمزہ۔ علی۔ جعفر۔ حسن۔ حسین اور مہدی علیہم السّلام ہیں۔

بابِ چہارم۔ اس ذکر میں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت مہدی علیہ السّلام کی بیعت کرنیکا حکم فرمایا ہے۔ سننِ ابنِ ماجہ میں اِس حدیث کو ثوبان صحابی کی اسناد سے درج کیا ہے۔

بابِ پنجم۔ اِس بحث میں کہ اہلِ مشرق جنابِ امام مہدی علیہ السّلام کی نصرت کرینگے۔ اِس حدیث کو سنن ابی ماجہ میں عبد اللہ ابنِ حارث ابنِ جزر زبیدی کی اسناد سے لکھا ہے۔ اور اس کو صحیح ترین حدیث سے شمار کیا ہے۔ اور اِس کے سلسلۂ رواۃ میں بہت سے ثقاۃِ اُمّت داخل ہیں۔ پھر اُسی سنن میں اِس کو علقمہ ابنِ عبد اللہ کی اسناد سے مکرر لکھا ہے۔ اور آخر حدیث حدیثِ اوّل سے زیادہ طویل اور پُر تفصیل ہے۔

بابِ ششم۔ اِس ذکر میں کہ امام مہدی آخر الزمان علیہ السّلام کتنی مدّت تک حکومت وامارت

فرمائینگے۔ امام ترمذی نے اپنی صحیح میں ابو سعید خدری سے آپ کی مدت سلطنت کو پانچ برس۔ سات برس یا نو برس بتلایا ہے۔ اور اس کے طریق کو حسن لکھا ہے۔ اور ابو سعید خدری کے علاوہ اور دوسرے لوگوں کی زبانی بھی اسکو لکھا ہے۔ جن میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ سلام اللہ علیہا بھی شامل ہیں۔

باب ہفتم۔ اس بحث میں کہ حضرت عیسے ابن مریم علیہ السّلام حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھینگے۔ اس حدیث کو ابو ہریرہ کی اسناد سے لکھا ہے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں محمد شہاب زہری اور جابر ابن عبد اللہ انصاری کی اسناد سے لکھا ہے۔ صاحب کفایۃ الطالب نے اس حدیث کو حسن لکھا ہے اور اسکی صحت کو متفق علیہ بتلایا ہے۔

باب ہشتم۔ حضرت امام مہدی علیہ السّلام کی شکل وشباہت کے بیان مین۔ ابو سعید خدری نے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا مہدی علیہ السّلام مجھ سے ہے۔ اُسکی پیشانی کے آگے کے بال کم ہونگے اور بینی مبارک اُسکی نازک ہو گی۔ وہ دنیا کو عدالت وانصاف سے اِس طرح پُر اور مملو کر دیگا جس طرح کہ قبل اِس کے وہ ظلم وستم سے بھر چکی ہو گی۔ وہ سات برس تک حکومت فرمارہینگے۔ حافظ ابو نعیم نے اِس کو صحیح لکھا ہے اور امام طبرانی نے اِسکو اپنی معجم میں مندرج کیا ہے۔ اور ابن شیرویہ دیلمی نے اپنی کتاب فردوس الاخبار میں اس کو حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی اسناد سے لکھا ہے۔

باب نہم۔ اِس بیان میں کہ حضرت امام مہدی علیہ السّلام جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام کی اولاد سے ہونگے۔ اِس حدیث کو ابو سعید خدری کی اسناد سے طولانی عبارت میں لکھا ہے اور اِسکی اسناد کو جناب سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا تک پہنچایا ہے۔ امام دارقطنی نے بھی اِس حدیث کو لکھا ہے۔

باب دہم۔ جناب امام مہدی علیہ السّلام کے کرم وجود کے بیان میں۔ جو آپ اپنے ایام حکومت میں جاری فرمائینگے۔ صحیح مسلم میں ابن سعید اور جابر ابن عبد اللہ انصاری اور ابو سعید خدری کی اسناد سے اِس عبارت کے ساتھ منقول ہے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ ایہا النّاس میں تم لوگوں کو مہدی علیہ السّلام کی خبر کے ساتھ بشارت دیتا ہوں۔ وہ اِس امت کے درمیان اُس وقت مبعوث ہونگے جب اِن لوگوں میں تزلزل اور اختلاف واقع ہو گا۔ روئے زمین کو عدل وانصاف سے اُسی طرح پُر اور مملو کر دینگے جس طرح کہ قبل اِس کے وہ ظلم وستم سے بھر گئی ہو گی۔ ساکنین ارض وسما اُن سے راضی رہینگے۔ وہ مال دنیا کو تمام لوگوں پر بحصہ مساوی تقسیم فرمائینگے اور خدائے سبحانہ وتعالےٰ امت محمدیہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قلوب کو نعمت استغنا سے پُر اور مملو فرما دیگا اور اُنکی (امام آخر الزّمان علیہ السّلام کی) عدالت تمام لوگوں میں اِس حد تک جاری اور قائم ہو جائیگی کہ ایک

منادی عموماً تمام لوگوں کو ندا کریگا کہ آیا کوئی شخص ایسا ہے جس کو مال و دولت کی خواہش ہو۔ تمام اہل اسلام میں سے کوئی شخص اپنی احتیاج نہ بیان کریگا۔ سوائے ایک شخص کے جو اپنے مقام سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ آپ اُس سے فرمائینگے کہ خزانچی کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ مہدی علیہ السلام کا حکم ہے کہ تجھ کو تیری طلب کے مطابق مال دیدے۔ وہ شخص خزانچی کے پاس آئیگا اور آپ کا حکم سُنائیگا۔ خزانچی وہ مال اُسکو دیدیگا۔ وہ اُسے اُٹھالیگا۔ لیکن باہر لانیکے وقت نہایت نادم اور پریشان و پشیمان ہوگا اور کہیگا کہ میں تمام مسلمانوں میں شجاع ترین امت خیال کیا جاتا تھا لیکن اس وقت خست نفس اور تنگی طبع کی وجہ سے نہایت ذلیل و خوار شمار کیا جاؤنگا۔ یہ سوچکر وہ مال واپس دیگا۔ وہ قبول نہیں فرمایا جائیگا ارشاد ہوگا کہ ہم اہلبیت علیہم السلام جو چیز کسی کو دیدیتے ہیں پھر اُسے واپس نہیں لیتے۔ آپ چھ برس۔ سات برس۔ آٹھ برس یا نو برس تک حکومت و سلطنت فرمائینگے۔ آپ کی بعد حیات دنیا میں پھر کوئی لطف باقی نہیں رہیگا۔ اِس حدیث کو حسن اور صحیح ثابت کیا گیا ہے۔ اور حفاظ حدیث میں حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اِس کو قلمبند فرمایا ہے۔

باب یازدہم ۔ باب یازدہم اِس بیان میں کہ جناب عیسے ابن مریم علے نبینا و آلہ وعلیہ السلام اور حضرت مہدی امام الزمان علیہ السلام جُداگانہ بزرگ ہیں۔ بعض اوہام پرستوں کا یہ خیال ہے کہ جناب مہدی علیہ السلام سے حضرت عیسے ابن مریم علیہ السلام مراد ہیں۔ اِس شبہ کے ردّ و تنقید میں صاحب کفایۃ الطالب نے ذیل کی حدیثیں تحریر فرمائی ہیں۔

جناب امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ مہدی علیہ السلام ہم اہلبیت علیہم السلام سے ہونگے یا دوسرے لوگوں سے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں میں سے ہونگے۔ اور خدائے سبحانہ وتعالے دین کو اُس کے ساتھ تمام فرمادیگا جس طرح کہ دین کو اُس نے ہم لوگوں کے ساتھ کشادہ فرمایا ہے۔ اور دنیا کے تمام لوگ اُنکی وجہ سے فتنہ و فساد سے نجات پائینگے جس طرح ہماری وجہ سے اِس وقت شرک سے نجات پائی ہے۔ اور پھر ان فتنہ و فساد کے بعد خدائے سبحانہ وتعالے لوگوں کے دلوں کو ہماری الفت و محبت کی طرف مائل و راغب کردیگا اور پھر آپس میں ایک کو دوسرے کا بھائی بنادیگا جس طرح قبل میں شرک و کفر کے ترک کرنیکے بعد اخوت دینی اور اتحاد مذہبی کی رعایت سے ایک دوسرے کے دینی بھائی بنگئے تھے۔ حافظین حدیث نے اِسکو حسن کہا ہے۔ امام طبرانی نے معجم اوسط میں اور حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور علامہ عبد الرحمن ابن حماد نے اپنی کتاب عوالی میں جابرؓ ابن عبد اللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جس وقت جناب عیسے علے نبینا وآلہ وعلیہ السلام آسمان سے تشریف لائینگے اُس وقت امام عصر جناب مہدی علیہ السلام اُن سے کہینگے کہ آپ نماز پڑھائیں۔ وہ جواب میں

ارشاد فرمائینگے کہ خدا تعالیٰ نے ایک امیر کو دوسرے امیر پر ترجیح عنایت فرمائی ہے اور یہ اِس اُمّتِ مرحومہ کی خاص کرامت اور فضل و شرافت ہے جو خدا کی طرف سے تفویض فرمائی گئی ہے۔ اِس حدیث کو حسن لکھا گیا ہے۔ اِس کو علّامہ حارث ابنِ ابی اُسامہ نے اپنی مُسند میں بھی درج کیا ہے۔ اور حافظ ابو نعیم نے اِس حدیث کو لکھکر یہ فیصل کر دیا ہے کہ اِس حدیث کے متن سے ثابت ہوگیا کہ جنابِ مہدی علیہ السّلام حضرت عیسےٰ ابنِ مریم علیہ السّلام سے علٰحدہ بزرگ ہیں۔ علّامہ علی ابن محمد ابنِ خالد جندی لکھتے ہیں کہ امام شافعی نے بھی اِس حدیث کو اِس طریقہ میں اُس مقام پر لکھا ہے جہاں جنابِ امام مہدی علیہ السّلام کا مخصوص ذکر فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جناب امام مہدی آخرالزّمان علیہ السّلام کے متعلّق حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے بہت سی حدیثیں ایسی مروی ہیں جو حدِّ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ آپ سات برس تک حکومت فرمائینگے۔ اور تمام عالم کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرما دینگے۔ اور آپ جنابِ عیسےٰ علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السّلام کے ساتھ ظہور فرمائینگے۔ اور قتلِ دجّال کے معاملہ میں جو شہرِ فلسطین کے باب الدّ پر قتل کیا جائیگا آپ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی شراکت اور نصرت فرمائینگے۔ اور اُس وقت امامِ زمانہ آپ ہی ہونگے۔ اور جنابِ عیسےٰ ابنِ مریم علیہ السّلام آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھینگے۔

انتی عبارت لکھکر محمد ابنِ طلحۃ الشّافعی صاحبِ کفایۃ الطالب اِس شبہ کی حقیقت کی طرف رجوع فرماکر تحریر کرتے ہیں:۔

معترض کو یہ گمان اِس حدیث کی بنا پر ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ ہرگز وہ قوم گمراہ نہوگی جسکی ابتدا میں مَیں ہوں اور وسط میں مہدی (علیہ السّلام) اور آخر میں عیسےٰ علیہ السّلام۔ اِس حدیث کو حضرت عبداللہ ابنِ عبّاس رض کی اسناد سے حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور احمد ابنِ حنبل نے مناقب میں اور مسند میں لکھا ہے۔ اور حسن بتلایا ہے۔ اِس حدیث کے اصلی معنی یہ نہیں ہیں کہ مہدی اور عیسےٰ علیہما السّلام ایک ہیں۔ یا اِس فقرۂ حدیث سے کہ آخر اُن کا عیسےٰ ہے یہ معنی نہیں لیے جاسکتے کہ بعد مہدی علیہ السّلام کے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام دنیا میں زندہ اور باقی رہینگے کیونکہ چند وجہوں سے یہ امر ممکن نہیں ہے۔

اوّل تو یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا یہ قول اوپر نقل کیا جاچکا ہے کہ بعد حیاتِ مہدی علیہ السّلام کے پھر حیاتِ دنیاوی میں خیر باقی نہیں ہے تو پھر کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ جنابِ عیسےٰ علیہ السّلام بعد مہدی علیہ السّلام کے دنیا میں زندہ رہیں۔ اور باوجود اُن کے زندہ اور موجود رہنے کے دنیا والوں کے لیے خیر باقی نہ رہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خاص و عام تمام لوگ جنابِ مہدی علیہ السّلام کو امام آخرالزّمان تسلیم کرتے ہیں اور

آپکے بعد کسی دوسرے کی امامت کے قائل نہیں ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اُس وقت کوئی امام نہیں ہوگا تو یہ بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ وجودِ امام سے کوئی زمانہ خالی نہیں مانا گیا ہے اور اگر کہا جائے کہ اُس وقت بعد حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے حضرت عیسے ابنِ مریم علیہ السلام امام ہونگے تو یہ بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ کسی کی امامت آپ کے بعد نہیں بتلائی گئی۔ اور آپ کے بعد دنیا میں خیر باقی نہیں ہے تو پھر جناب عیسے علیہ السلام کی امامت (معاذ اللہ) خالی از خیر ثابت ہو گی جو ممکن ہی نہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ کے بعد حضرت عیسے علیہ السلام کی امامت آپکی نیابت کہلائیگی۔ اور آپ کبھی نیابتِ امام مہدی علیہ السلام کے سزاوار اور لائق نہیں ہیں۔ اور پھر یہ بھی جناب عیسے علیہ السلام کے لیے جائز نہو گا کہ امتِ اسلامیہ کے نظام میں دخیل ہوں۔ اِس لیے کہ تمام دنیا کے نظام میں آپکی مداخلت سے جو فساد پھیلیگا وہ یہ ہوگا کہ ہر شخص حضرت عیسے علیہ السلام کی امامت سے سمجھ لیگا کہ اُمت محمدیہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اب ملتِ عیسویہ کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور یہ بھی کفر صریح ہے۔ پس جب حدیثِ بالا کی مفہوم میں اتنی اشکال واقع ہیں تو ضرور ہے کہ حدیثِ ہذا کی صحیح ترین معانی کی طرف تاویل کی جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ:۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اِس مذہب کا پہلا دعوت کرنیوالا میں ہوں اور اوسط دعوت کنندہ مہدی علیہ السلام اور آخر داعی حضرت عیسے علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام۔ چونکہ اوسط دعوت کنندہ جناب مہدی علیہ السلام ہونگے اس لیے معنی یہ ہوئے کہ خیر الامور اوسطہا۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام بہترینِ اُمت اور امامِ اُمت ہوں۔ اِن کے بعد جب حضرت عیسے علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام نازل ہونگے تو وہ خود جنابِ مہدی علیہ السلام کی تصدیق فرمائینگے اور اُنکی نصرت و اعانت فرمائینگے۔ اور اُن تمام ہدایتوں کی تصدیق و توثیق فرمائینگے جو کچھ وہ ارشاد کرینگے۔ ان وجوہ سے جنابِ مسیح علیہ السلام کو آخر مصدقینِ اسلام میں شامل فرمایا گیا ہے۔

صاحبِ کفایۃ الطالب کے اِس قول کو لکھکر صاحب کشف الغمۃ علی ابن عیسے رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ تاویلِ بالا بہت باریک اور موہوم ہے اور واضح اور صاف نہیں ہے اِس سے جناب عیسے علیہ السلام کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ اِس لیے جو کچھ معنی اِس حدیث کے صحیح سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم مذہب اسلام کے اوّل دعوت کنندہ ہیں۔ اور حضرت مہدی علیہ السلام چونکہ ملتِ محمدیہ میں داخل ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تابع۔ وہ اوسط دعوت ہیں۔ اب رہے جنابِ عیسے علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام۔ چونکہ آپ ایک مذہبِ غیر کے صاحب و سردار ہیں وہ زمانۂ آخر میں نازل ہو کر بجائے اپنے مذہبِ خاص کے مذہبِ اسلام کی دعوت فرمائینگے اور اِسی کی حقیقت کی تصدیق و توثیق فرمائینگے اِس لیے وہ امتِ اسلامیہ کے آخر دعوت کنندگان میں داخل فرمائے گئے ہیں۔

ہم اِس بحث کو کہ "مہدی اور عیسیٰ علیہما السلام علٰحدہ علٰحدہ ہیں"۔ اور واضح دلائل سے ایک جداگانہ بحث میں انشاء اللہ المستعان عنقریب بیان کرینگے۔

بابِ دوازدہم۔ آپکی کنیت کے بیان میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہی نام ہوگا جو میرا نام ہے۔ اُسکی کُنیت بھی وہی ہوگی۔ جو میری کُنیت ہے۔ اور اُسکے اخلاق بھی وہی ہونگے جو میرے اخلاق ہیں حفاظِ حدیث نے اِس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔

بابِ سیزدہم۔ اُس مقام کے بیان میں جہاں سے آپ ظہور فرمائینگے۔ عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ فرمایا جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ حضرت مہدی علیہ السلام جس قریہ سے ظہور فرمائینگے اُسکا نام کرعہ ہے۔ اِس حدیث کو بھی حسن لکھا گیا ہے اِسکی تصدیق و توثیق ابوالشیخ اصفہانی نے کتابِ عوالی میں کی ہے۔

بابِ چہاردہم۔ اِس بیان میں کہ آپکے سر پر ایک ابر قدرت سایہ افگن رہیگا۔ عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ جس وقت آپ ظہور فرمائینگے ایک ابر بحکم خدائے سبحانہ وتعالےٰ آپ کے سر پر سایہ افگن رہیگا۔ اور اُس ابر سے ندا پیدا ہوگی کہ آپ ہی مہدی خلیفۂ خدا سلام اللہ علیہ ہیں۔ حافظین حدیث نے اِس حدیث کو بھی حسن لکھا ہے۔

بابِ پانزدہم۔ اس بیان میں کہ ایک ملکِ رحمت ندا کریگا کہ آپ ہی حضرت مہدی علیہ السلام ہیں عبداللہ ابن عمر اِس حدیث کے بھی راوی ہیں اور حفاظِ حدیث نے اِسکو بھی حسن لکھا ہے۔ اور حافظ ابونعیم اور امام طبرانی نے اِسکو بھی مصدق اور موثق شمار کیا ہے۔

بابِ شانزدہم۔ آپ کے سراپا اور شمائل کے بیان میں۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مہدی علیہ السلام ہماری اولاد سے ہیں۔ اُن کا رنگ اہلِ عرب کے ایسا ہے اور جسم بنی اسرائیل کے ایسا۔ اُن کے سیدھے رخسار پر ایک تل ہوگا۔ اور وہ مثل نجم درخشاں کے تابندہ ہوگا۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے اور اِسکو بھی جمع کثیر نے لکھا ہے۔

بابِ ہفدہم۔ اُن مشرک شہروں کے بیان میں۔ جن کو آپ فتح فرمائینگے۔ ابو امامہ باہلی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت کی ہے کہ اہلِ اسلام اور اہلِ روم میں چار مرتبہ صلح واقع ہوگی اور آخری صلح اُس بادشاہ کے وقت میں ہوگی جو ہرقل کی اولاد سے ہوگا اُسکی مدّتِ سلطنت سات برس تک ہوگی۔ آپ کا کلامِ صداقت التیام یہانتک پہنچا تھا کہ مستورد ابن غیلان جو قبیلۂ بنی عبدقیس سے تھا ایکبارگی اُٹھا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ اُس وقت ہم لوگوں کا امام کون ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ مہدی علیہ السلام جو میری اولاد میں سے ہونگے۔ وہ چالیس برس کے سن میں ظہور فرمائینگے۔ اُن کا

مثل نجم درخشاں کے ہوگا۔ اُنکے سیدھے رخسار پر تل ہوگا اور عبائے سفید قطوانی اُنکے دوشِ مبارک پر ہوگی۔ اُن کا جسم مثل بنی اسرائیلیوں کے جسم کے ہوگا اور مدائن الشرک کو فتح فرمائینگے۔

باب ہیجدہم - دندانِ مبارک کے بیان میں۔ عبدالرحمن ابن عوف سے مروی ہو کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدائے سبحانہ وتعالٰے میری اولاد میں سے ایک شخص کو مبعوث فرمائیگا جس کے دانتوں کی جڑیں ایک دوسری سے جُدا ہونگی۔ اُسکی پیشانی پر بال نہایت کم ہونگے حافظ ابونعیم نے اِس حدیث کی تصدیق وتوثیق فرمائی ہے۔

باب نوزدہم - فتح قسطنطنیہ اور جبلِ دیلم کے بیان میں۔ ابوہریرہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اُس وقت تک قیامت نہ ہوگی جب تک کہ میری اولاد میں سے ایک شخص ظاہر نہ ہوگا اور وہ تمام دنیا پر حکومت نہ فرمائیگا اور ممالکِ قسطنطنیہ اور جبلِ دیلم کو فتح نہ کریگا۔ حافظ ابونعیم نے اِس حدیث کی توثیق میں لکھا ہے کہ ایسا شخص سوائے حضرت مہدی آخرالزمان علیہ السلام کے کوئی اور نہیں ہے۔

باب بستم - اِس بیان میں کہ ملوکِ جبابرہ کے بعد جناب مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ جابرؓ ابن عبداللہ انصاری سے منقول ہے کہ فرمایا جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہونگے اور خلفاء کے بعد امراء اور امراء کے بعد ملوکِ جبابرہ اور ملوکِ جبابرہ کے بعد حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام ظاہر ہونگے۔ وہ میرے اہلبیت سے ہونگے اور وہ تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے ایسا پُر اور مملو فرمادینگے جیسے کہ اِس سے قبل وہ ظلم وستم سے پُر ہوچکی ہوگی۔ اِس حدیث کو اِسی عبارت کے ساتھ حافظ ابونعیم نے فوائد میں اور امام طبرانی معجم کبیر میں قلمبند کیا ہے۔

باب بست ویکم - اِس بیان میں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام امامِ صالح ہیں۔ ابوامامہ باہلی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے ایک بار خطبہ میں دجّال کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اِس کے بعد پھر مدینہ ایسا پاک وصاف ہوجائیگا جیسا کہ لوہا لُہار کی بھٹی سے پاک وصاف ہوکر نکل آتا ہے اور ایک مُنادی اُس وقت میں ندا کریگا کہ آج یومِ خلاص ہے۔ اِسی اثناء میں اُمِّ شریک نے آپ سے بڑھکر عرض کی کہ اُس دن مدینہ والے کہاں ہونگے؟ ارشاد ہوا کہ انمیں بہت سے لوگ بیت المقدس میں چلے جائینگے۔ اُس دن اُن لوگوں کے سردار حضرت مہدی علیہ السلام ہونگے جو امامِ صالح ہونگے۔ اِس حدیث کو حافظ ابونعیم نے صحیح لکھا ہے۔

باب بست ودوم - اِس بیان میں کہ آپکے زمانۂ امامت میں تمام اہلِ اسلام مرفہ الحال ہونگے اور مستغنی۔ ابوسعید خدریؓ نے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہماری اُمت حضرت مہدی آخرالزمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایسی مستغنی اور مرفہ الحال ہوگی کہ قبل اسکے

کبھی ایسی نہوئی ہوگی۔ آسمان اُنپر نعمتِ الٰہی برسائینگے اور زمین اپنے نباتات اُنکے سامنے دھر دیگی۔ اِس حدیث کو حسن لکھا ہے اور حافظ ابو نعیم اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے۔

بابِ بست و سوم۔ اِس بیان میں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے آپ کو خلیفہ کی لقب خاص سے ارشاد فرمایا ہے۔ ثوبان صحابی سے مروی ہے کہ جنابِ رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ اولادِ خلفاء سے تین آدمی تمہارے ملک و دولت کے لیے قتل کیے جائینگے اور اُس زمانہ میں خلافت کسی شخصِ خاص کے متعلق نہوگی۔ اس واقعہ کے بعد سیاہ علم والے لوگ آئینگے اور اُن سب کو مار ڈالینگے۔ اِس کے بعد جنابِ مہدیِ آخر الزّمان ظہور فرمائینگے۔ جب تم لوگ اُن کے ظہور فرمانے کی کیفیت سُنو تو اُن کے پاس چلے جانا۔ اُن کی اطاعت اختیار کرنا کیونکہ اُس زمانہ میں وہ تمام روئے زمین میں خلیفۂ خدا ہونگے۔

بابِ بست و چہارم۔ اِس بحث میں کہ جنابِ مہدیِ آخر الزّمان علیہ السّلام زندہ ہیں اور آپ کا زندہ باقی رہنا کسی طرح محال اور ممتنع نہیں ہے۔ آپ کا دنیا میں زندہ اور باقی رہنا کسی طرح بھی محال اور ممتنع یا خلافِ عقل نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ جنابِ خضر و الیاس علیہما السّلام اولیاء اللہ سے اور دجّال و ابلیس اعداء اللہ سے تا ایندم باقی اور قائم ہیں۔ اور اِن سب کی بقا کتاب و سنّت سے ثابت ہے۔ اور غیرِ اسلام مذہب والے بھی اُنکے باقی اور زندہ ہونیکا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن عموماً دو وجہوں سے آپکی بقا میں عذر کیا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ آپ اتنی مدّت تک کیسے حی و قایم رہ سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ کا مقام سردابِ مبارک بتلایا جاتا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ کوئی شخص آپکو آب و طعام نہیں دیتا۔ اِس لیے عادتِ انسانی کےخلاف آپ کا باقی رہنا محال اور مقامِ اشکال ہے۔

صاحبِ کفایۃ الطالب اِس امر کی تنقید و ردّ میں تحریر کرتے ہیں کہ جنابِ مسیح ابنِ مریم علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام کی بقا آیۂ وافی ہدایہ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (ترجمہ۔ اور اہلِ کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو اپنے مرنے سے پہلے اُن پر ایمان نہ لائے) اس سے ثابت ہوا کہ جنابِ عیسےٰ ابنِ مریم علیہ السّلام اِس وقت تک زندہ ہیں۔ اور ہر شخص اپنے زمانۂ آخر میں اُنپر ایمان لائیگا۔ اور منجملہ احادیثِ معتبرہ۔ متواترہ اور متکاثرہ کے وہ طول و طویل اور پُر تفصیل حدیث ہے جس میں قصۂ دجّال و محاربتِ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام درج ہے۔ اور جس کو صحیح مسلم میں پوری صحت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ اِس لیے اُن کی بقا میں تو کسی مردِ مسلمان کو کبھی کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا۔ اب رہی بقائے خضر و الیاس علیہما السّلام تو وہ بھی تاریخ طبری اور صحیح مسلم کی اسناد سے باسنادِ معتبر ثابت ہے۔ اور تمام اہلِ اسلام کا عقیدہ کلّیہ ہے کہ خضر و الیاس علیہما السّلام زندہ ہیں اور دنیا میں چلتے پھرتے ہیں۔ اور قصۂ خضر اور گرفتاریِ دجّال کا پورا اور مفصّل حال ابو سعید خدری کی اسناد سے صحیح مسلم میں درج ہے۔

اولیاء اللہ علیہم السّلام تو ہو چکے۔ اب اعداء اللہ لعنہم اللہ میں سے دجّالِ لعین کی کیفیت تو تمام اہلِ اسلام پر روشن ہے اور صحیح مسلم میں تمیم داری کی اسناد سے مرقوم ہے۔ اب رہا ابلیس لعین کا زندہ رہنا تو وہ آیۂ وانی ہدایہ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۰ (خداوندا! مجھے لوگوں کی مبعوث ہونے کے دن تک مہلت دی ارشاد ہوا کہ تجھے مہلت اُس دن تک کی ہے دیکھی جس کا وقت معلوم ہے)

اب رہا خاص حضرت امام محمد مہدی آخرالزمان علیہ السّلام کا زندہ اور باقی رہنا۔ پس یہ بھی کتابِ خدا اور حدیثِ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں سے ثابت ہے چنانچہ آیۂ وانی ہدایہ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ کی تفسیر میں سعد ابن جبیر سے منقول ہے کہ اس سے مراد جنابِ مہدی علیہ السّلام ہیں۔ جو جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہونگے۔ اور آیۂ وانی ہدایہ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ۔ مقاتل ابن سلیمان اور اُنکے متبعین تمام مفسّرین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ اس سے مراد جنابِ امام مہدی علیہ السّلام ہیں۔

اب ہم اُس تعجب وحیرت کا جواب دیتے ہیں جو آپکی طولِ بقا کی وجہ سے معترضین کو لاحق ہوتا ہے وہ دو جواب ہیں۔ ایک جواب نقلی ہے اور ایک جواب معنوی۔ نقلی تو یوں ہے کہ اخبارِ سابقہ آپ کے قبل کے تین نفر اولیاء اللہ سلام اللہ علیہم کے طولِ بقا پر شاہد کامل ہیں۔ اب جنابِ مہدی علیہ السّلام کو اُنہی کے مقابل اور مماثل سمجھ لینا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ بھی آخر زمانہ میں امامِ اُمّت ہیں۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السّلام بھی اُن کے پیچھے نماز پڑھینگے۔ اور آپ کے تمام دعووں کی تصدیق فرمائینگے جیساکہ احادیثِ صحیحہ کثیرہ سے اوپر ظاہر ہو چکا ہے۔ پس جب آپ کے یہ مراتب و مدارج ثابت ہیں تو پھر آپ بھی اِس نعمتِ الٰہی سے کیونکر مشرف نہیں مانے جا سکتے۔ بلکہ ایسی حالت میں آپ کا مشرف نہ فرمایا جانا عادتِ الٰہی کے خلاف تصور کیا جائیگا۔

تیسری دلیل وجودِ دجّالِ لعین کی ہے۔ وہ بھی منجملہ اعداء اللہ شیطان کے ایسا ابتک زندہ اور قائم ہے اور اُسکے قیام اور بقا میں کسی کو کلام نہیں۔ ثبوتِ نقلی تو ہو گئے۔ اب ثبوتِ معنوی بھی دو قسموں کے خالی نہیں پائے جاتے۔ یا تو آپ کا زندہ رہنا خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی قدرت کے اندر ہے یا محالِ عادی یا محالِ فطری ہے۔ قسمِ دوم یعنی محال بالکل باطل ہے۔ کیونکہ جب خدا اس پر قادر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ وہ مخلوق کو کتمِ عدم سے وجود میں لائے اور بعد اِس کے مار ڈالے اور فنا کر دے اور پھر فانی کرنے کے بعد از سرِ نو زندہ کر دے اور اُن سے حساب وکتاب لے تو کیا اس امر پر قادر نہ سمجھا جائیگا۔ اِس لیے اس کا محال ہونا تو بالکل ناممکن ہے۔ اب رہی بقا آپ حضرات کی وہ خدا کے زیرِ قدرت ہے یا بندوں کے زیرِ انتظام۔ تو بندوں کے زیرِ انتظام رہنا بھی سراسر بعید ہے۔ اگر ایسا ہو تو ہر شخص اپنی طولِ بقا کا انتظام کر سکتا ہے۔

یہ شبہ بھی رفع ہوا۔ بالآخر اسکا تمام تر خدا کے زیرِ قدرت ہونا ہر طرح سے ثابت ہو گیا۔

اب اسی بحث کے ساتھ ہمکو اُن کی بقائے عمر کے اسباب بھی تلاش کرنا نہایت ضروری ہیں۔ یا تو اُن کی بقا اسباب کے ساتھ ہو گی یا بلا سبب۔ پس اگر بلا سبب کے ہے تو حکمت سے خالی ہے اور جو امر کسی حکمت سے خالی ہو وہ خدائے حکیم و علیم کا فعل نہیں ہو سکتا۔ پس ضرور ہوا کہ آپ کی طولِ بقا کے لیے کوئی سبب ضرور ہو۔ اب ہم اِن حضرات کی طولِ بقا کے علٰحدہ علٰحدہ اسباب ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

جنابِ عیسےٰ ابنِ مریم علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کی نسبت تو ہم آیۂ وافی ہدایہ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ حالانکہ اُنکے نزول کے وقت اہلِ کتاب میں سے کوئی شخص اُنپر ایمان نہیں لایا۔ پس ضرور ہوا کہ زمانۂ آخر میں لوگ اُن پر ایمان لائیں۔ اِس سے تو بقائے عیسےٰ علیہ السلام کا سبب بالکل ظاہر اور ہویدا ہے۔ اب دجّالِ لعین کے طولِ بقا کے سبب میں جیسا کہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے ہم کو بتلا دیا ہے کہ دجّال ہم لوگوں میں خروج کریگا۔ اُسکے ایک ہاتھ پر ہر قسم کی غذا کا ایک پہاڑ ہو گا اور وہ تمام دنیا کے لوگوں کو اُس سے سیر اور آسودہ کر دیگا وغیرہ۔ یہ حالات اِس وقت تک مشاہدہ میں نہیں آئے ہیں اِس لیے ضرور ہے کہ زمانۂ آخر میں مشاہدہ کیے جائیں۔ پس یہی اسباب اُسکی بقا کے لیے کافی ہیں۔ پس جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام۔ یکے از اولیاء اللہ۔ اور دجّال لعنۃ اللہ علیہ۔ یکے از اعداء اللہ۔ کی بقا کے اسباب متحقق ہو گئے تو پھر جنابِ مہدی علیہ السلام کی طولِ بقا کے لیے کیا مانع ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے باقی رکھنے کا اختیار خدائے سبحانہ و تعالےٰ کو اُسی طرح حاصل ہے جس طرح دو زندہ رہنے والوں کی بقا کا اختیار۔ تو ہم کہینگے کہ ہاں صحیح ہے۔ مگر اُن دونوں کے باقی رکھے جانے سے ان کا باقی اور زندہ رکھا جانا بدرجۂ اولےٰ متصوّر ہے کیونکہ اگر یہ باقی رہینگے تو امامِ زمان ہونگے اور اگر نہ رہینگے تو دنیا امامِ زمان علیہ السلام کے وجودِ ذیجود سے خالی ہو جائیگی۔ جو بالکل عادتِ الٰہی کے خلاف ہے۔ اور آپ اُس وقت ظہور فرمائینگے جبکہ دنیا بالکل ظلم و ستم سے بھر جائیگی۔ اور آپ اُس کو پھر از سرِ نو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرما دینگے۔ پس اِن امور سے معلوم ہو گیا کہ آپ کا ظہور فرمانا بالکل مصلحت اور عین رحمت ہے اور دجّالِ لعین کا طولِ بقا بالکل مفسدہ۔ کیونکہ دجّال الوہیت کا دعوےٰ پیش کریگا۔ دجّال کے خروج میں اور اُسکی بقا میں خلائق کے عقائد اور خلوص کا امتحان ہے اور اُسی سے مطیع اور عاصی۔ مُحسن اور مُسیئ اور مفسد اور مصلح لوگوں کی پوری تمیز اور تصدیق ہو جائیگی۔ اور یہی بقائے دجّال کے مصالح اور اسباب ہیں۔

اب رہے اسبابِ بقائے حضرت عیسےٰ علیہ السلام تو اُس میں بھی یہی مصلحتیں مضمر ہیں کہ زمانۂ آخر میں دو کتابوں سے جنابِ سیّد الانبیاء علیہ و آلہ التحیۃ والثناء کی تصدیق و توثیق ہو جائیگی۔ ایک تو خود حضرت عیسےٰ علیہ السلام تصدیق فرمائینگے۔ جو عین احکامِ انجیل سمجھے جائینگے۔ دوسرے آپ جنابِ مہدی علیہ السلام کے اقوال و ارشاد کی بھی تصدیق فرمائینگے جو وہ بہ اتباع ارشادِ نبویہ احکامِ قرآنی کے موافق تمام دنیا کو

پہنچائینگے - اِس طورسے اسلام کو آپ کی بقا کے باعث دو تصدیقیں دستیاب ہو جائینگی - اور پھر جناب عیسےٰ علیہ السلام کا حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھنا اور آپ کی نصرت اور اعانت فرمانا اور نیز اہلِ دنیا کو دعوتِ اسلام کرنا - اِن سب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بقائے جناب مہدی آخرالزمان علیہ السلام حقیقتاً حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور دجال لعنۃ اللہ علیہ کی بقا کا اصلی سبب ہے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور دجال لعنۃ اللہ علیہ کی بقا اُس اصل کی ایک فرع - پس کیسے صحیح مانا جائے کہ اصل کے مقابلہ میں فرع ضروری ہو اور اصل غیر ضروری - یعنی اہل اسلام حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور دجال لعنۃ اللہ علیہ کی بقا کو تو تسلیم کریں اور جناب مہدی علیہ السلام کی اِبقا کا انکار کریں - کیونکہ اگر یہ صحیح مانا جائے تو مُسبَّب لہٗ اپنے وجودِ مُسبِّب کے بغیر موجود اور ممکن ثابت ہوگا - جو مسلمات کے بالکل خلاف اور قطعی محال ہے -

ہمارا یہ دعوےٰ اگر صحیح نہ مانا جائے کہ جناب مہدی علیہ السلام کی بقا اُن دونوں کی بقا کے مقابلہ میں اصل کا حکم رکھتی ہے - اس لیے کہ اُس وقت وجودِ عیسےٰ علیہ السلام محض اس لیے کہ وہ نصرتِ اسلام اور تصدیقِ امام علیہ السلام فرمائیں ظہور پذیر ہوگا - اِس کے مقام پر اور اِس کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ اُس وقت حضرت عیسےٰ علیہ السلام ایک علیحدہ دعوت فرمائینگے اور جداگانہ امارت - تو اس دلیل سے صریحاً ابطالِ اسلام لازم آتا ہے کیونکہ حدیث و کتاب دونوں اِس طریقہ پر دال ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد پھر کوئی پیغمبر نہ ہوگا - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ جو چیز میرے حکم سے اور میرے ذریعہ سے حلال یا حرام ہو چکی ہے وہ تا روزِ قیامت اُسی طرح قائم رہیگی - پس اِن تمام دلائل سے قطعاً ثابت ہو گیا کہ اِن ایام میں بقائے وجودِ حضرت مہدی آخرالزمان علیہ السلام سبب ہے بقائے وجودِ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا -

اِسی طرح بقائے دجالِ لعنۃ اللہ علیہ بھی امامِ زمان علیہ السلام کی تصدیق کے لیے کہ آپ مفترض الطاعۃ ہیں ضروری اور عینِ مصلحت ہے - کیونکہ اگر وجودِ دجال کا اصلی طور پر مانا جائے تو پھر اُسکی طرف رجوع کرنا لازم آجائیگا - اور یہ بطلانِ اسلام کی دلیل ہوگا - اور یہ کبھی صحیح نہیں ہو سکتا - اسلیے وجودِ دجال بھی آپ ہی کے وجود کے سبب سے ہے -

اب رہا منکرین کے اِس اعتراض کا جواب کہ چونکہ جناب امام مہدی علیہ السلام سرداب مقدس میں مقیم و ساکن بتلائے جاتے ہیں تو جب آپ ایسے مقام پوشیدہ اور غیر مانوس میں ہیں جہاں آپ کو کوئی غذا یا پانی وغیرہ نہیں پہنچ سکتا تو پھر آپ کا اتنی مدت تک زندہ رہنا کیسے صحیح کہا جا سکتا ہے - یہ ہے کہ جنابِ مہدی علیہ السلام بھی حضرت عیسےٰ علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السلام کی طرح ایک آدمی ہیں - وہ تو آسمان پر زندہ ہیں اور حضرت مہدی علیہ السلام زمین پر زندہ ہیں - جب آسمان کے ایسے مقام پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی بقا تسلیم کیجاتی ہے تو پھر جنابِ مہدی علیہ السلام کی بقا زمین پر کیونکر نہ مانی جائیگی - اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسےٰ کو تو خدائے رازق روزی پہنچاتا ہے تو ہم کہینگے کہ اگر جنابِ مہدی علیہ السلام کو بھی وہی رازقِ مطلق روزی پہنچائے تو اُسکی نعمتوں کا

خزانہ خالی نہیں ہوسکتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام طبیعتِ بشری سے گزر گئے ہیں اور اب اُنکو غذا کی کوئی احتیاج باقی نہیں ہے تو ہم جواب دینگے کہ یہ خیال بھی مہمل ہے کیونکہ خداوند تعالےٰ حضرت خیر الانبیاء علیہ وآلہ الثنا والتحیۃ کو جملہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت کی نسبت بتلاتا ہے کہ قُل اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ اگر یہ جواب ہو کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اتنے دنوں عالمِ علوی میں رہکر یہ شرف اور امتیاز حاصل کر لیا ہے تو ہمارا یہ جواب ہوگا کہ اِس تحصیلِ شرف کا ثبوت نہیں پہنچا۔ کیونکہ وہ آسمان پر ہیں اور ہم زمین پر۔ زمین والوں کو آسمان والوں کی کیا خبر اور اُنکے کسبِ معالم کا کیا علم ہوسکتا ہے۔ اِسکے علاوہ دجّال کے متعلق بتلایا جاتا ہے کہ وہ ایک کنوئیں میں قید ہے۔ اُسکے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں اور اُسکی دونوں رانوں سے لاکر زنجیرِ آہنی اُسکی گردن میں ڈالی گئی ہے کہ وہ جنبش نہیں کرسکتا۔ اور ایک دوسری روایت کے بموجب بجائے کنوئیں کے دیر میں مقیّد ہے۔ پھر جب ایسی حالت میں اُسکی بقا کا اقرار کیا جاتا ہے تو پھر جناب مہدی علیہ السّلام کی بقا کے لیے کون شے مانع ہوسکتی ہے۔ حالانکہ دجّال مردودِ خدا ہے اور جنابِ مہدی علیہ السّلام مقبولِ کبریا ہیں۔ افضال و اکرامِ خدا کے خلاف ہے کہ مردود کے لیے تو اسبابِ بقا مہیّا کر دیے جائیں اور مقرّب و محبوبِ الٰہی کے واسطے کوئی سامان نہ کیا جائے۔

پس اِن تمام اخبار و آثار۔ دلائل و براہین کو جمع کرنے سے ثابت ہوا کہ بقائے حضرت امام مہدی علیہ السّلام شرعاً و عادتاً ممتنع نہیں ہے۔

اِس کے بعد صاحبِ کفایۃ الطالب نے **سُطیح کاہن** کی روایت اور اُسکے متعلق اپنی بہت سی دلائل نقل فرمائی ہیں خلاصہ اُن سب کا یہ ہے:۔

سُطیح کاہن نے جدن مُلک کی حضور میں ایک دن دنیا کے بہت سے آنیوالے حوادث اور وقائع بیان کیے تھے اُنہی کے ساتھ جنابِ امام محمد مہدی علیہ السلام کے متعلق بیان کیا تھا کہ آپ اُس وقت ظہور فرمائینگے جبکہ دنیا کفر و فسق سے پُر اور مملو ہوگی۔ دنیا اور دنیا والے آپ کے عہدِ دولت مہد میں مطمئن اور فارغ البال رہینگے۔

بہرحال۔ ہم نے اِس بحث میں اپنے اِس دعوے کی پوری تصدیق و توثیق بہم پہنچا دی کہ جنابِ قائمِ آلِ محمد علیہ السّلام کی نسبت سوادِ اعظمِ اہلسنّت والجماعت کی کتابوں میں بھی وہی اخبار و آثار نقل کیے گئے ہیں جو شیعوں کی کتابوں میں مندرج پائے جاتے ہیں اور اہلسنّت والجماعت کے معتبر علماء نے بھی آپکے وجود طولِ بقا اور غیبت وغیرہ کے خاص مسائل اور مباحث پر بھی وہی دلائل قائم کی ہیں جو علمائے شیعہ نے۔ اور معترضین کے شبہات اور ظنّیات کی ردّ و تنقید بھی علمائے اہلسنّت نے قریب قریب اپنی دلائل و براہین سے کی ہے جن دلائل و مباحث سے علمائے شیعہ ان معترضین و منکرین کے توہمات کی ردّ و ابطال کرتے آئے ہیں۔

ہماری مندرجۂ بالا بحث کو جسے ہم نے اہلسنّت کے ایک بڑے معتبر اور مستند عالم کی مشہور و معروف کتاب کے ترجمہ سے لکھا ہے دیکھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جنابِ قائمِ آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا کے تمام حالات الا

واقعاتِ روزِ ولادت سے لیکر ایامِ غیبت تک اور پھر غیبت سے لیکر ظہور تک فریقین کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔ اور انپر جو دلائل اور براہین فریقین کے علماء نے قائم فرمائے ہیں وہ سب کتاب وسنّت سے اخذ کیے گئے ہیں اور وہ ایسے معتبر اور مستند ہیں کہ تاوقتیکہ کتاب وسنّت کے ارشاد و احکام سے انکار نہ کیا جائے اُن حالات و واقعات سے بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ اور کتاب وسنّت سے انکار کرنیوالا جس شمار اور اعتبار میں داخل ہوگا وہ سب کو معلوم ہے۔ تہذیب اُسکے بیان سے مانع ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عام ناواقفیت کے موجودہ زمانہ میں ہر شخص بغیر اس کے کہ اُسنے کسی امر کی نسبت کوئی تلاش اور تجسّس کی ہو اپنی ذراسی فکر کے بعد فوراً کہدیتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ اگر پوری تحقیق سے کام لیا گیا ہوتا اور کامل جستجو اور تلاش کی گئی ہوتی تو اُس کو اپنے دعوے کے خلاف اسکی نسبت ہر قسم کی اطلاع مل چکی ہوتی۔ آجکل زمانہ میں اسلام کے ہزاروں مسائل اور مباحث کی یہی کیفیت ہے اور انہی میں حضرت امام آخر الزمان علیہ السلام کی بقا کا مسئلہ بھی ہے۔

اِس مسئلۂ خاص کی اہمیت۔ شہرت اور کثرت کی جو حالت ہے وہ اسکے ہر باب اور ہر بحث میں ہم پوری تفصیل اور تشریح سے لکھ چکے ہیں اور یہ دکھلا چکے ہیں کہ سوادِ اعظمِ اہلسنّت والجماعت کے وسیع دائرہ میں شریعت اور طریقت دونوں طریقوں کے مستند اور معتبر بزرگواروں نے اِن اخبار و آثار کو کس وقعت۔ عظمت اور خلوص و عقیدت کے ساتھ اپنی معتبر اور مستند تالیفات میں درج کیا ہے اور اُنکو مسئلۂ معاد کی خاص ضمن میں اُسکا جزو ضروری تسلیم فرمایا ہے ہمنے اوپر ایک جداگانہ باب میں اُن بزرگواروں کے مختلف اقوال و ارشادات نہایت تفصیل سے درج کردیے ہیں جنکو پڑھکر اور سمجھ کر ہر شخص اپنا پورا اطمینان اور پوری تسلّی۔ اور اپنے تمام توہّمات اور شبہات کی کامل اصلاح کرسکتا ہے۔ مگر با اینہمہ عام ارتداد اور فتنہ وفساد کے موجودہ زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اِن بزرگواروں کے قول و ارشاد پر بھی کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا اور اُنکی تعلیم وہدایت کی کوئی قدر اور کوئی وقعت نہیں کیجاتی۔ سینکڑے پیچھے دس آدمی ایسے نکلتے ہیں جو ان اخبار و آثار کی طرف کوئی توجہ فرماتے ہوں یا کم سے کم اس کی اطلاع رکھتے ہوں۔ باقی نوّے فی صدی ایسے نکلتے ہیں جو ان اخبار و آثار کو کلّیۃً کوئی چیز ہی نہیں سمجھتے۔ اور سرے سے انکے وجود ہی کو نہیں مانتے۔ اور اس امر ہی کو محض لاشئے سمجھتے ہیں۔ اُنکی جہالت و ناواقفیت کو دیکھکر مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب کا عبرتناک منظر پیش آجاتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اِنکی ناواقفیت اور عدم توجّہی سے اُنکے علمائے کرام پر کوئی الزام نہیں آسکتا اور نہ اِنکے گمراہانہ انکار۔ اعتراضات اور توہّمات سے اِس مسئلۂ خاص کی شہرت اور کثرت میں کوئی کمی آسکتی ہے جو کچھ الزام آئیگا وہ ان معترضین کی بے بصیرتی۔ کور سوادی اور بے استعدادی پر جو بموجودگیِ کتبِ معتبرہ اِن اخبار و آثار کو نہیں دیکھتے اور اپنی نفسانیت اور ہٹ دھرمی سے اِن روایاتِ متواترہ اور مشاہداتِ متکاثرہ کا انکار کرتے ہیں۔ انکے توہّماتِ باطلہ پر بڑے بڑے علماء کی تصنیفات و تالیفاتِ معتبرہ کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا اور ان غلط فہمیوں کی کوئی وقعت دلائل و براہینِ عقلیہ و نقلیہ کے سامنے نہیں کیجاسکتی۔

جناب امام آخرالزمان علیہ السلام کے متعلق اہلسنت کی حدیثیں

اِس بحث کو تمام کرکے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور یہ دکھلاتے ہیں کہ باستثنائے علامہ محمد ابن طلحۃ الشافعی کے اور تمام اکابر علما و محدثین اہلسنت والجماعت نے عام اِس سے کہ جناب امام زمان علیہ السلام کے حالات اور واقعات کو اُسی تفصیل اور دلیل سے بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ یہ تو دوسری بات ہے۔ مگر اُن تمام بشارتوں اور پیشین گوئیوں کو جناب مخبر صادق علیہ السلام کی زبانی اپنی تمام کتب صحاح۔ سنن اور مسانید میں صحابۂ کرام کی معتبر اسناد سے پوری پوری تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ ہم اُنکو علٰحدہ علٰحدہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ سُنن ابوداؤد میں جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام کی اسناد سے مرفوعاً منقول ہے کہ اگر حیاتِ عالم میں سے ایک روز بھی باقی رہیگا تو خدائے تبارک وتعالٰے میرے اہلبیت علیہم السلام میں سے ایک شخص کو ظاہر فرمائیگا جو روئے زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھر دیگا جس طرح وہ قبل میں جور وستم سے بھری ہوگی۔ دوسری حدیث میں جناب اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ سلام اللہ علیہا سے منقول ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام میری اُمت سے ہیں اور وہ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی اولاد سے ہونگے

۲۔ صحیحین بخاری اور مسلم میں اور شرح السنۃ امام بغوی میں ابوہریرہ کی اسناد سے مرفوعاً لکھا ہے کہ اُس وقت اِس اُمت کا کیا حال ہوگا جس وقت جناب عیسٰے علیہ السلام نازل ہونگے اور اُس وقت اُنکا امام اُنہی میں سے ہوگا۔

۳۔ ترمذی نے صحیح میں۔ ابوداؤد نے سنن میں عبداللہ ابن مسعود کی اسناد سے لکھا ہے کہ جناب سالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر حیاتِ عالم میں ایک روز بھی باقی رہیگا تو خداوند عالم اُسکو اتنا طولانی فرمائیگا کہ میرے اہلبیت علیہم السلام میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جسکا نام میرے نام کے موافق ہوگا اور وہ تمام عالم کو عدل وانصاف سے اس طرح پُر اور مملو فرما دیگا جس طرح قبل میں جور وستم سے بھرا ہوگا۔

۴۔ امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں انس ابن مالک کی اسناد سے لکھا ہے کہ فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اولادِ عبدالمطلب سے مراد ہم حمزہ۔ علی۔ حسن۔ حسین اور مہدی علیہم السلام ہیں۔ اور یہیں لوگ اہل بہشت سے ہیں۔ صاحبِ کشف الغمۃ علی ابن عیسٰے علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ میرے پاس کتاب شرح السنۃ امام بغوی کا ایک قدیم نسخہ موجود ہے جسمیں علاوہ اُن دونوں حدیثوں کے جو اوپر لکھی گئی ہیں ذیل کی حدیثیں بھی مرقوم ہیں۔

۵۔ ابوسعید خدری کی اسناد سے منقول ہے کہ فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اس اُمت پر ایک ایسی سخت بلا آنیوالی ہے کہ پھر ان لوگوں کو دنیا میں کہیں پناہ نہ ملیگی ایسی حالت میں خدائے سبحانہ وتعالٰے میرے اہلبیت علیہم السلام میں سے ایک شخص کو پیدا کریگا جو تمام روئے زمین کو عدل وانصاف سے اُسی طرح بھر دیگا جس طرح کہ قبل اسکے وہ جور وستم سے پُر اور مملو ہوگی۔ ساکنانِ ارض وسمٰوات اُس سے راضی اور خوشنود رہینگے۔ آسمان پر کوئی قطرہ ایسا باقی نہ رہیگا جو نہ برسے اور زمین پر کوئی دانہ ایسا نہ رہیگا جو نہ اُگے یہانتک کہ مُردوں کو پھر زندہ ہوجانیکی تمنا ہوگی دنیا میں آپ سات یا آٹھ برس تک حکومت فرمائینگے۔

۶۔ سعید ابن مسیب نے حضرت ام المؤمنین ام سلمہ علیہا السلام کی اسناد سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جناب امام آخر الزمان علیہ السلام ہماری عترت اور جناب سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہونگے اور مطابق سنتِ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اہل اسلام کے ساتھ عمل فرمائینگے۔ سات یا آٹھ سال تک حکومت فرمائینگے اُسکے بعد انتقال کرینگے اور حضرت عیسے علیہ السلام اُنکے جنازہ کی نماز پڑھینگے۔

۷۔ ابی نضرہ نے جناب ام المؤمنین ام سلمہ سلام اللہ علیہا سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص آخر زمانہ میں ایسا خلیفہ ہونیوالا ہے جو دنیا کو بے شمار اور بے حساب مال عطا فرمائیگا۔ صحیح مسلم میں اس حدیث کو زہیر ابن حرب کی زبانی لکھا ہے۔

۸۔ جامع الاصول علامہ ابن اثیر میں جناب امام آخر الزمان علیہ السلام کے ظہور فرمانیکے متعلق دس حدیثیں ابوہریرہ۔ جابر۔ ابن مسعود۔ ام سلمہ سلام اللہ علیہا۔ ابوسعید خدری اور ابواسحاق کی اسناد سے مرقوم ہیں۔ ان حدیثوں کے مختلف متون میں آپکے القاب واوصاف علیحدہ علیحدہ مندرج ہیں۔ اور یہ بھی تصریح کی گئی ہے کہ جناب عیسے ابن مریم علیہ السلام آپ کے پیچھے نماز پڑھینگے۔

۹۔ کتاب طرائف میں امام ابواسحاق ثعلبی حمٓعسٓقٓ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اُس "س" سے مراد ہی سنائے مہدی علیہ السلام یعنی آپکی علو مرتبت اور "ق" سے مراد ہے قوتِ عیسے علیہ السلام کہ آپ روزِ ظہور پر فوراً آسمان سے نزول فرماکر نصاریٰ بیدین کو قتل فرمائینگے اور اُنکے کلیسا کو خراب و مسمار فرمادینگے۔

۱۰۔ قصۂ اصحابِ کہف کے متعلق امام ثعلبی لکھتے ہیں کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت مہدی علیہ السلام اصحابِ کہف کو زندہ فرمائینگے اور وہ بعد زندہ ہونیکے پھر اپنی خوابگاہ کی طرف چلے جائینگے۔ پھر ظہورِ قیامت تک نہ اُٹھینگے۔

۱۱۔ فردوس الاخبار میں امام ابن شیرویہ دیلمی حضرت عبد اللہ ابن عباس رض کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ فرمایا جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مہدی علیہ السلام طاؤسِ بہشت ہیں۔ ان حدیثوں کی تصریح کے بعد امام ثعلبی نے کتابِ طرائف میں بہت سی حدیثیں کتابِ جمع بین الصحیحین۔ فردوس الاخبار۔ مناقب ابن مغازلی اور مصابیح محمد ابن مسعود وغیرہا سے مع اُنکی تفصیل کے لکھی ہیں اور یہ وہی حدیثیں ہیں جو کم وبیش اوپر کی بحثوں میں قلمبند ہوچکی ہیں۔

اِن حدیثوں کی جمع و ترتیب کے بعد امام موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ بعض علمائے شیعہ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اتفاقِ وقت سے وہ میرے ہاتھ لگ گئی۔ میں نے خصوصاً کتابِ مذکورہ کے اُس باب کو جس میں مصنف نے خاصکر ہمارے فرقہ (اہلسنت والجماعت) کی حدیثوں کو جمع کیا ہے۔ دیکھا اور خوب غور سے دیکھا اور خوب غور سے پڑھا۔ اِس کتاب کا نام کشف المخفی فی مناقب المہدی علیہ السلام ہے۔ اس باب میں

ایک سو دس ۱۱۰ حدیثیں مندرج ہیں۔ جن میں کی تین حدیثیں تو صحیح بخاری سے ہیں اور پندرہ حدیثیں صحیح مسلم سے۔ دو جمع بین الصحیحین حمیدی سے۔ اور گیارہ حدیثیں امام یزید ابن مطویہ عبدی کی کتاب جمع بین الصحاح الستہ سے اور سات حدیثیں کتاب فضائل الصحابہ سے۔ اور پانچ حدیثیں تفسیر ثعلبی سے۔ اور چھ حدیثیں کتاب غریب الحدیث ابن قتیبہ دینوری سے۔ چار حدیثیں فردوس الاخبار امام دیلمی سے۔ چھ حدیثیں کتاب مسند سیدۃ نساء عالم تالیف امام دارقطنی سے اور تین حدیثیں مسند امیر المومنین علیہ السلام مؤلفہ حافظ ابوالحسن سے تین حدیثیں کتاب مسند کسائی سے۔ اور چار حدیثیں کتاب ملاحم ابی الحسن مناری سے۔ پانچ حدیثیں کتاب مصابیح ابو محمد حسین ابن مسعود فتی اوسی سے اور تین حدیثیں کتاب حافظ محمد ابن عبد اللہ خضرمی المدعو بابن مطیق سے اور تین حدیثیں کتاب رعایۃ الامل الزاویہ تالیف ابوالفتح محمد ابن اسمٰعیل فرغانی سے۔ اور منجملہ اُن کے ایک سطیح کی روایت بھی ہے اور کتاب استیعاب ابن عبد البر نمیری سے دو حدیثیں قلمبند کی گئی ہیں۔

اتنا لکھکر امام ثعلبی لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب (کشف المخفی) کے جزو ثانی پر بھی غور کیا ہے اور دیکھا ہے کہ اس جزو میں سُنن ابن ماجہ سے حدیثیں جمع کیگئی ہیں۔ اور میں نے اُسکی اکثر احادیث پر اجازے بھی مرقوم پائے۔ از آنجملہ ایک اجازہ کی عبارت یہ ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں نے اِس حدیث کو عمر۔ محمد ابن سلمہ۔ جعفر۔ حسن پسران محمد ابن سلمہ احفظہم اللہ ونفعنا اللہ وایاکم بہ سے بھی سُنا ہے۔ اس اجازہ کا لکھنے والا ابراہیم ابن دینار ہے اور تاریخ کتابت اجازہ شہر شعبان سنہ ۳۰۳ ہجری درج ہے۔ اِس جزو میں کتاب سُنن سے بہت سے قصص بھی مرقوم ہیں۔ اور اِسی میں آپکے ظہور فرمانے کے حالات بھی قلمبند ہیں۔ اور اِسی باب میں سات حدیثیں مع اسناد کے لکھی ہیں اور اُنکے مضامین عموماً یہ ہیں کہ جناب مہدی علیہ السلام ظہور فرمائینگے۔ آپ جناب سیدہ علیہا السلام کی اولاد سے ہونگے۔ زمین کو عدل و انصاف سے اِس طرح پُر اور مملو فرما دینگے جس طرح وہ قبل اِسکے جور و ستم سے بھری ہوگی۔" امام ثعلبی لکھتے ہیں کہ اِن حدیثوں کو صاحب کشف الحالہ نے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی مرقوم کیا ہے۔ اِسکے بعد امام موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ کتاب منقص بر تلخیص ابوالحسن احمد ابن جعفر ابن محمد المدعو منادی بھی میں نے مطالعہ کی ہے اور اُسکے خاتمہ پر مؤلف کی یہ تحریر دیکھی ہے کہ سنہ ۳۳۰ ہجری میں اِس کتاب کی تالیف سے فراغت کی گئی۔ اِس کتاب پر بھی اکثر اجازے اور مختلف تحریریں تھیں اور اُن میں سے بعض کی عبارت ماہ ذیقعدہ سنہ ۴۸۰ ہجری میں لکھی گئی تھی اور منجملہ مطالب دیگر کے اُس کتاب کی تالیف سے ایک یہ مطلب بھی تھا کہ ایسی حدیثیں اور روایات وغیرہ جمع کی جائیں جنسے حالات۔ صفات اور سیرت جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام معلوم ہوسکیں۔ چنانچہ اِسی ضمن میں اٹھارہ ۱۸ حدیثیں اسناد معتبر کے ساتھ جو جناب ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی کی گئی ہیں مندرج ہیں۔ اِن سب حدیثوں میں آپ کا ظہور فرمانا جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہونا۔ روئے زمین کو عدل و انصاف سے پُر اور مملو فرمانا۔ آپ کا بہت بڑا

صاحبِ کمال اور عزّ و جلال ہونا بتلایا گیا ہے۔

اِس نقل کے بعد امام ثعلبی نے حافظ ابو نعیم کی چالیس حدیثیں بیان کی ہیں جنکو ہم پوری تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ عنقریب بیان کرینگے۔ اور لکھا ہے کہ یہ اور اوپر کی لکھی ہوئی حدیثیں ملکر مجموعاً ایک سو چھپّن ١٥٦ حدیثیں ہوئیں جو بطریقِ اہلسنّت والجماعت تمام تر واقع ہوئی ہیں۔ لیکن وہ حدیثیں جو بطریقِ شیعہ مروی ہوئی ہیں اُنکے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کی نقل کو کئی جلدوں کی ضرورت ہے۔

اِسکے بعد امام ثعلبی تحریر کرتے ہیں کہ محدّثینِ سلف نے بتواتر لکّھا ہے کہ جنابِ مہدی آخر الزّمان علیہ السّلام کی ولادتِ باسعادت اِس وجہ سے مخفی اور مستور رکّھی گئی کہ تمام روئے زمین پر اُنکی حکومت اور امارت کرنے اور ظہور فرمانیکی خبر عام طور سے مشہور تھی۔ اس وجہ سے خوف تھا کہ ایسا نہو کہ معاندین اور دشمنانِ دین اِس امر پر مطلع ہوں اور اُن کو آزار پہنچائیں۔ اِس باعث سے آپکی ولادت کو عموماً پوشیدہ اور مخفی رکّھا گیا (جیساکہ اوپر مختلف مقامات پر لکھدیا گیا ہے) جس طرح کہ عادتِ الٰہی اِس سے قبل ولادتِ جناب ابراہیم و حضرت موسےٰ علےٰ نبیّنا وآلہ و علیہما السّلام کے متعلق جاری ہو چکی ہے۔ چونکہ فرقۂ شیعہ کے لوگ آپ کے آبائے کرام علیہم السّلام کے ساتھ ارادت خاص رکھتے ہیں اِس لیے وہ لوگ اُنکے حالات سے مطلع اور واقف ہو گئے کیونکہ قاعدے کی بات ہے کہ جو شخص کسی قوم کا ہمراز ہوتا ہے وہ بیگانوں سے زیادہ اُنکے اسرار اور احوال سے واقف ہوتا ہے۔ چنانچہ شافعی مذہب کے لوگ بمقابلہ تین مذاہب (حنفی۔ حنبلی۔ مالکی) کی لوگوں کے زیادہ تر آپکے احوال سے واقف ہیں۔

اِس کے بعد امام صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جنابِ امام آخر الزّمان علیہ السّلام اپنے والدِ بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کے بعض اصحاب سے ملے ہیں اور اُن بزرگواروں نے بالمشافہ آپکی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ اور آپ سے اخبار و احکام نقل فرمائے ہیں۔ اور ایّامِ غیبت میں آپکی طرف سے وکلاء اور سفراء مقرر تھے۔ جو اپنی شرافتِ نسبی بمقامِ سکونت وغیرہ کے لحاظ سے مشہور و معروف تھے۔ اور آپ اِن بزرگواروں سے اعجاز و کرامات۔ مسائلِ شرعیّہ کے جوابات اور بہت سے غیب کے واقعات کو اپنے آبائے کرام علیہم السّلام کی اسناد سے بیان کرتے تھے۔ ان حضرات میں سے ایک عثمان ابنِ سعیدِ عمری رضی اللہ عنہ تھے کہ جو قطفان میں جھیم کی طرف مدفون ہیں اور ایک ابو جعفر محمد ابنِ عثمان ابنِ سعیدِ عمری رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ایک قسّم ابنِ حسین ابنِ روح نوبختی رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ایک علی ابنِ محمد سمری رضی اللہ عنہ تھے۔ اور علّامہ نصر ابنِ علیِ جھنی نے چاروں مذہب (حنفی۔ شافعی۔ حنبلی اور مالکی) کے رجال کی اسنادِ معتبرہ کے ساتھ اِن وکلاء کے نام مقامِ سکونت۔ مقام ماموریت اور دیگر حالات وغیرہ وغیرہ علٰحدہ علٰحدہ لکھے ہیں۔ اور شیعہ کی جماعتِ کثیرہ نے حضرت امام آخر الزّمان علیہ السّلام سے ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا ہے اور اُنپر ایسی دلائل اور قرائن ظاہر ہوئے ہیں جن سے ثابت ہوا ہے کہ آپ ہی مہدی علیہ السّلام ہیں۔ اور زمانۂ موجودہ میں چونکہ آپ شیعہ لوگوں کے درمیان میں موجود نہیں ہیں محال نہیں ہے کہ آپ اُن میں سے بعض کے ساتھ اِس زمانہ میں بھی ملاقات فرمائیں اور وہ آپ کے اقوال و افعال سے منتفع ہوں۔ مگر واجب ہے کہ

وہ اِن حالات کو مخفی اور مستور رکھے کیونکہ عادتِ الٰہی ایسا ہی اکثر انبیاء۔ اوصیاء۔ اولیاء اور ملوک کے ساتھ جاری ہوئی ہے کہ وہ لوگ اکثر مصالح دینی کی وجہ سے ایک مدت تک غائب اور پوشیدہ رہے ہیں اور اُنکے طولِ بقاء اور ازدیادِ عمری کی وجہ سے محال اور ممتنع نہیں سمجھی جاسکتی۔ وہی شخص اِن امور کو محال اور ممتنع سمجھیگا جو قدرتِ الٰہی کی معرفت اور تفہیم کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوگا۔ حالانکہ اخبارِ متواترہ و متکاثرہ مخصوص انبیاء و غیر انبیاء کی طولِ عمری کے متعلق حدِ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں۔ خضر علیہ السلام باوجود اتنی مدتِ مدید کے ابتک زندہ موجود ہیں حالانکہ وہ پیغمبرین سے نہیں ہیں بلکہ بندۂ صالحین سے ہیں۔ اور کسی شریعت کے حافظ بھی نہیں ہیں۔ اسلئے ظاہراً اُنکے وجود و بقا میں تکلیف لطف بھی نہیں ہے۔ پس اُن کے مقابل میں وجود اور بقائے جنابِ آخر الزمان علیہ السلام کسی طرح محال اور ممتنع نہیں سمجھی جائیگی۔ حالانکہ آپ اپنے جدِ بزرگوار کی شریعت کے محافظ ہیں۔ اس لیے آپکے وجود و بقا میں تکلیف لطف شامل ہیں۔ اور حالتِ ظہور و غیبت میں دونوں میں خضر علیہ السلام سے منتفع ہونیکے مقابلہ میں آپکے وجود و بقا میں زیادہ تکلیف لطف شامل ہے۔ اور علاوہ اسکے جس شخص نے قرآن مجید میں اصحابِ کہف کے حالات پڑھے ہیں اور اُنکی تصدیق کی ہے کہ وہ بے آب و طعام تین سَو نو (۳۰۹) برس تک زندہ رہے اور ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ حیات تک زندہ تھے بلکہ آپ نے اپنے اصحاب کو اُنکو سلام کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ وہ شخص کیسے جنابِ مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے طولِ بقا میں عذر اور کلام کرسکتا ہے۔

امام سجستانی سہل ابن محمد نے کہ یکے از اعیانِ چہار مذہب سوادِ اعظم ہیں ایک خاص کتاب اُن معمرین زمانہ کے خاص حال میں لکھی ہے جن کے حالات اُنکو بطریقۂ متواتر معلوم ہوئے ہیں۔ اِسکے بعد صاحبِ کفایۃ الطالب نے بابِ نص بائمہ اثنا عشر میں حضرت محمد ابن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی زبانی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ تو میرا بھائی ہے اور میں تیرا بھائی ہوں۔ تو میرا وزیر ہے۔ جس وقت میں دنیا سے اُٹھ جاؤنگا تو اُس وقت اِس قوم کے سینوں میں تیری عداوت اور مخالفت پیدا ہوگی اور میرے بعد بہت جلد فتنۂ شدید پیدا ہوگا اور وہ لوگ جو اس میں داخل نہیں ہیں وہ اِس میں داخل ہو جائینگے۔ اور یہ اُس وقت ظاہر ہوگا کہ جب تیری ساتویں پشت سے پانچواں امام خلائق کے درمیان سے غائب ہو جائیگا۔ اہلِ زمین و آسمان اُسکی غیبت سے سخت ملول اور محزون ہونگے اور تمام مؤمنین و مؤمنات سخت افسوس اور حسرت کرینگے اور حیران و سرگردان رہینگے۔ اِسکے بعد جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھوڑی دیر تک اپنا سرِ مبارک نیچے کرلیا اور پھر اُٹھایا اور ارشاد فرمایا کہ میرے ماں باپ اُس شخص پر فدا اور نثار ہوں جو میرا مشبیہ اور موسےٰ ابنِ عمران کا شبیہ ہوگا اور اُسپر حجاب نور کے پڑے پڑے ہونگے گویا کہ میں اُن تمام لوگوں کو جو فقدانِ (غیبت) حضرت مہدی علیہ السلام کی وجہ سے افسوس و ملال کرتے ہیں دیکھ رہا ہوں اور اِس حالت کو بھی مشاہدہ کر رہا ہوں کہ اُن لوگوں کو منادی ندا کر رہا ہے یا وہ خود غیب سے ندا سُن رہے ہیں اور اُن کا امام مؤمنین پر رحمت کر رہا ہے اور معاندین و منافقین پر عذاب فرما رہا ہے۔ جناب

امیر المؤمنین علیہ السلام کا بیان ہے کہ میں نے خدمتِ ہمایوں میں عرض کی کہ آخر وہ ندا کیا ہوگی اور کیسی ہوگی؟ ارشاد ہوا کہ وہ تین آوازیں ہونگی ماہِ رجب میں پہلی یہ صدا ہوگی کہ اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ صدائے دوم یہ ہوگی اَزِفَتِ الْاٰزِفَۃُ قیامت نزدیک آگئی۔ تیسری صدا اُس مجسّمہ سے ظاہر ہوگی جو اُس دن پیکرِ آفتاب میں نمایاں ہوگا۔ اور وہ ندا یہ ہوگی کہ ایّہا النّاس آگاہ ہو کہ خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے فلاں ابنِ فلاں (تا امیر المؤمنین علیہ السّلام) کو مبعوث فرمایا۔ وہ ظالمین عالم کو ہلاک فرمائیگا۔ اور بوجہ علی علیہ السّلام مؤمنین کو اُسی دن وسعت اور کشادگی ظاہر ہوگی۔ اور خدا تعالےٰ اُسی دن صدورِ مؤمنین کو شفائے کلّی عطا فرمائیگا اور اُنکے قلوب سے غصّہ اور حسد کو نکال لیگا۔ جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کا بیان ہے کہ میں نے عرض کی کہ میرے اور حسنین علیہما السّلام کے بعد ائمہ علیہم السّلام کتنے ہونگے۔ ارشاد ہوا کہ نو ۹ حضرات ہونگے۔ اور اُن میں کا نواں مہدی آخر الزّمان علیہ السّلام ہے

حافظ ابو نعیم صاحب حلیۃ الاولیاء کی مصدّقہ احادیث

اوپر کی بحث کو تمام کر کے اب ہم علمائے اہلسنّت والجماعت کی مسلّمہ حدیثوں میں سے اُن حدیثوں کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جن کو حافظ ابو نعیم نے احمد ابنِ عبد اللہ کی اسناد سے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل فرمایا ہے مگر چونکہ اُن حدیثوں کے متون اور مضمون وہی ہیں جو اوپر کی حدیثوں میں بیان ہوچکے ہیں اسلیے ہم اُنکو تواردا ور طوالت کے خیال سے پوری عبارت کے ساتھ نہیں لکھتے ہیں صرف اُنکے راوی اور خلاصۂ مضمون کو اپنے اظہار و اثباتِ مدعا کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

(۱) ابو سعید رضؓ سے مروی ہے کہ فرمایا جنابِ رسالت مآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ حضرت مہدی آخر الزّمان علیہ السّلام ہمارے اہلبیت اور اولادِ فاطمہ علیہا السّلام سے ہیں۔ سات۔ آٹھ ۸ یا نو ۹ برس تک امامت فرمائینگے۔ اُنکی عہدِ دولت مہد میں تمام لوگ مرفہ الحال اور فارغ البال ہونگے۔

(۲) ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ آپ دنیا کو عدل وانصاف سے پُر اور مملو فرما دینگے۔

(۳) زہری سے باسنادِ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا منقول ہے کہ مہدی علیہ السّلام تیری اولاد سے ہیں۔

(۴) علی ابنِ ہلال سے باسنادِ مذکورۂ بالا منقول ہے کہ مہدی علیہ السّلام جملہ صفات سے موصوف ہونگے اور وہ فلاں فلاں کارہائے نمایاں دنیا میں کرینگے۔

(۶) عبد اللہ ابنِ عمر کی اسناد سے آپ کا مقامِ ظہور بھی بتلا دیا گیا۔

(۷) حذیفہ رضؓ کی اسناد سے آپ کا چہرۂ نورانی اور حلیۂ مبارک بتلایا گیا۔

(۸) باسنادِ ایضاً جسمِ مبارک۔ قد و قامت اور سراپائے مبارک کی تفصیل بتلائی گئی۔

(۹) ابو سعید رضؓ کی اسناد سے پیشانی نورانی کی طلعت ارشاد ہوئی۔

(۱۰) باسنادِ ایضاً بینیِ مبارک کی صورت بتلائی گئی۔

(۱۱) ابو امامہ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپکے سیدھے رخسار پر خالِ بزرگ ہوگا۔

(۱۲) عبدالرحمٰن ابن عوف کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپکے دندانِ مبارک کیسے ہونگے۔

(۱۳) ابوامامہ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ امام صالح ہیں۔

(۱۴) ابوسعید کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپ علانیہ اور ظاہری طور پر ظہور فرما ہونگے۔

(۱۵) عبداللہ ابنِ عمر کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپکے فرقِ مبارک پر ابرِ رحمت سایہ فگن ہوگا۔

(۱۶) باسنادِ ایضاً اِس بیان میں کہ آپکے آگے آگے ملکِ رحمت ندا کرتا جائیگا۔

(۱۷) ابوسعید خدری کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وجود اور ورود حضرت امام مہدی علیہ السّلام کی بشارت خود پہنچائی ہے۔

(۱۸) عبداللہ ابنِ عمر کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمنام ہیں۔

(۱۹) حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپکی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ایک ہی۔

(۲۰) عبداللہ ابن عمر کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپکے والدِ بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام ہیں۔

(۲۱) ابوسعیدؓ کی اسناد سے آپکی عدالت کے بیان میں۔

(۲۲) ذر ابنِ عبداللہ کی اسناد سے آپکے اخلاق و اشفاق کے بیان میں۔

(۲۳) ابوسعید کی اسناد سے آپکے کرم و عطا کے بیان میں۔

(۲۴) ابوسعیدؓ کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپ کا علم جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم سے مستخرج ہے۔

(۲۵) ثوبان صحابی کی اسناد سے آپکی علاماتِ ظہور کے بیان میں۔

(۲۶) عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپ مشرق کی طرف سے ظہور فرمائینگے۔

(۲۷) حذیفہؓ کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپکے ظہور کے باعث اسلام میں عزت اور عظمت پیدا ہوگی۔

(۲۸) ابوسعیدؓ کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپکے عہد میں سب مرفہ الحال اور فارغ البال ہونگے۔

(۲۹) انس ابنِ مالک کی اسناد سے اِس بیان میں کہ آپ ساداتِ اہلِ بہشت ہیں۔

(۳۰) ابوہریرہ کی اسناد سے آپکی امارت اور مُلک کے بیان میں۔

(۳۱) ثوبان کی اسناد سے اس تاکید میں کہ جب ندائے ظہور سنو آپکی خدمت میں جاکر حاضر ہو اور بیعت اختیار کرلو۔

(۳۲) جنابِ امیرالمؤمنین علیہ السّلام کی اسناد سے اس بیان میں کہ خدا تعالےٰ آپکے ظہور کی برکت سے تمام دنیا کے قلوب کو قبولِ اسلام کی طرف مائل اور راغب فرمادیگا۔

(۳۳) ابنِ مسعود کے اسناد سے اِس بیان میں کہ آپکے بعد دنیا میں خیر باقی نہ رہیگی۔

(۳۴) ابوہریرہ کی اسناد سے اِس بیان میں کہ فتح قسطنطنیہ آپکے ہاتھ پر ہوگی۔

(۳۵) قیس ابنِ جابر کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ ملوکِ جابرہ کے بعد ظہور فرمائینگے۔

(۳۷) ابو سعید خدری کی اسناد سے اِس بیان میں کہ جناب عیسے ابنِ مریم علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام آپ کے پیچھے نماز پڑھینگے۔

(۳۸) حضرت عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی اسناد سے آپکے خصائص کے بیان میں۔

(۳۹) ابو سعید کی اسناد سے اس بیان میں کہ آپ دنیا کو عدل وانصاف سے پُر اور مملو فرمائینگے اور کامل سات برس تک سریر آرائے امامت رہینگے۔

سوادِ اعظمِ اہلسنّت کے اتنے علمائے معتبرین کے مستند ماخذوں سے ہم نے اتنی حدیثیں قلمبند کر دی ہیں اگر اتنی طول وطویل تفصیل کے بعد بھی اور تصریح وتشریح کی حاجت باقی رہی ہو تو کتاب ینابیع المودۃ فی القربےٰ امام سلیمان بلخی قندوزی اور کتاب ارجح المطالب فی عدّ مناقب علی ابنِ ابیطالب علیہ السّلام موٴلفۂ خواجہ عبید اللہ امرتسری ملاحظہ فرمائی جائے۔

حضرت عیسےٰؑ اور جناب امام مہدی علیہ السلام دو جداگانہ بزرگ ہیں

محمد ابنِ خالد الجندی نے جو شہر جند کا موذّن تھا یہ حدیث لکھی ہے کہ لا مھدیّ الّا عیسےٰؑ ابن مریم۔ اِس حدیث کی قدح خود اہلسنّت کے علمائے کبار نے کی ہے چنانچہ محمد ابنِ یوسف الگنجی شافعی کتاب البیان فی اخبارِ امام صاحب الزّمان علیہ السّلام میں لکھتے ہیں

وفی ھٰذہ النّصوص دلالۃ علیٰ انّ المھدی علیہ السّلام غیر عیسےٰؑ ومدار حدیث لا مھدیّ الّا عیسےٰؑ ابن مریم علی محمّد ابن خالد الجندی مؤذّن الجند تفرّد بہ عن ابان ابن صالح عن الحسن قال الشّافعی المطّلبی کان فیہ تساھل فی الحدیث۔

(چند حدیثوں کو اوپر لکھکر) اِن نصوص میں اِس امر کی دلالت ہے کہ مہدی علیہ السّلام عیسےٰ علیہ السّلام کے ماسوا ہیں۔ اور مدار حدیث لا مھدی الّا عیسےٰؑ ابن مریم محمد ابن خالد جندی مُؤذّن جند پر ہے۔ جو اس حدیث میں منفرد ہے۔ ابان ابنِ صالح اور وہ حسن بصری سے اور کہا شافعی مطّلبی نے کہ اُس میں تساہل تھا امرِ حدیث میں۔

کتاب العرف الوردی مافی اخبار المہدی علیہ السلام میں اِس حدیث کے ذکر کے بعد مرقوم ہے۔

قال القرطبی فی التّذکرۃ اسنادہ ضعیف والاحادیث عن النّبی صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم فی التّنصیص علیٰ انّہ من ولد فاطمۃ علیھا السّلام ثابتۃ ٱلحکم بھا دونہ۔

امام قرطبی نے اِس حدیث کے تذکرۂ اسناد میں کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور جناب رسالتمآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی یہ حدیثیں جو اس تنصیص وتخصیص میں وارد ہوئی ہیں کہ جنابِ مہدی علیہ السّلام حضرت سیّدہ سلام اللہ علیہا کی اولاد سے ہونگے صحیح اور ثابت ہیں۔ پس علاوہ اُنکے اِس امر میں کوئی اور حکم نہیں کیا جا سکتا۔

المشرب الوردی فی مذہب المہدی علیہ السّلام میں ملّا علی قاری تحریر کرتے ہیں:۔

قد سئل ابن القیّم الجوزیّۃ عن حدیث لا مھدیّ الّا عیسےٰؑ ابن مریم فکیف ھا ئتلف ھٰذا

مع احاديث المهديّ وخروجه وما وجه الجمع بينهما وهل صحّ فى المهديّ عليه السّلام حديث ام لا فقال اما حديث لا مهديّ الّا عيسٰے فرواه ابن ماجه فى سننه عن يونس ابن عبد الاعلىٰ عن الشّافعي عن محمّد ابن خالد الجنديّ عن ابان ابن صالح عن الحسن بصري عن انس ابن مالك عن النّبي صلّى الله عليه وآله وسلّم وهو ممّا تفرّد به محمّد ابن خالد الجنديّ قال محمّد ابن الحسين الاسنوي فى كتاب مناقب الشّافعي محمّد ابن خالد هٰذا غير عند اهل الصّناعة من اهل العلم والنّقل وقد تواترت الاخبار من رسول الله صلّى الله عليه وآله وسلّم بذكر المهدي عليه السّلام وانّه من اهل بيته وقال البيهقى تفرّد به محمّد ابن خالد الجندى هٰذا وقد قال الحاكم ابو عبد الله هو مجهول وقد اختلف عليه فى اسناده فروى عنه عن ابان ابن عياش عن الحسن البصرى عن النّبى صلّى الله عليه وآله وسلّم وهو منقطع والاحاديث فى التّنصيص علىٰ خروج المهدي عليه السّلام اصحّ اسنادا۔

علّامہ ابنِ قیّم جوزیّہ سے حدیث لا مهديَّ الّا عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیونکر جمع ہوگی یہ حدیث ساتھ احادیثِ ذکرِ مہدی اور خروجِ مہدی علیہ السّلام کے اور کیا صورت ہے جمع کی درمیان اُن دونوں کے۔ اور آیا کوئی حدیث بابِ مہدیؑ میں صحت کو پہنچی ہے یا نہیں؟ پس کہا ابنِ قیّم نے حدیث لا مھدی الّا عیسے ابن مریم کو روایت کیا ہے ابنِ ماجہ نے اپنی سُنن میں یونس ابنِ عبد الاعلےٰ شافعی سے۔ اُسنے محمد ابنِ خالد الجُندی سے۔ اُسنے ابّان ابنِ صالح سے۔ اُسنے حسنِ بصری سے۔ اُسنے انس ابنِ مالک سے۔ اُسنے جنابِ رسولِ خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے۔ اور یہ حدیث اُن احادیث میں ہے جس میں محمد ابنِ خالد الجُندی متفرّد ہے۔ محمد ابن حسین اسنوی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ یہ محمد ابنِ خالد غیر معروف ہے نزدیک اہلِ صناعت کے اہلِ علم و نقل سے اور تحقیق کہ متواتر ہیں اخبار جنابِ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ذکرِ مہدی علیہ السّلام میں اور یہ کہ وہ جنابِ اہلبیت آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ہیں۔ اور کہا بیہقی نے کہ محمد ابن خالد اس حدیث میں متفرّد ہے اور دوسری طرف سے ابو عبد اللہ الحاکم نے کہا ہے کہ محمد ابنِ خالد مجہول ہے اور تحقیق کہ اس کی اسناد میں بھی اختلاف ہے۔ اور بعض روایات میں محمد ابنِ خالد نے ابان ابنِ عیاش سے۔ اُس نے حسنِ بصری سے۔ اُس نے انس ابنِ مالک سے۔ اُس نے جنابِ رسالت مآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت کی ہے۔ اور یہ اسناد منقطع ہیں اور احادیث خروج و تنصیصِ جنابِ مہدیِ آخر الزّمان علیہ السّلام میں باعتبار اسناد کے صحیح ترین ہیں۔

بالجملہ اِن عبارات سے ظاہر ہوا کہ حدیثِ لا مھدیؑ الّا عیسےٰ علیہ السّلام بنا بر افادہُ شافعی و حاکم و بیہقی و قرطبی و گنجی و ابن القیّم و سیوطی و ملّا علی قاری مقدوح و مجروح ہے اور جب مقدوح ہونا اس حدیث کا ثابت ہو گیا تو ضرورت نہ رہی کہ اسکی تصحیح معانی کی طرف توجہ کیجائے لیکن بعض علمائے اہلسنّت نے تعصّب سے اسکے معانی کو درست کرنا چاہا ہے۔ چنانچہ العرف الوردی میں مرقوم ہے۔

قال القرطبی ویحتمل ان یکون قوله علیه السّلام لا مھدی الا عیسی ابن مریم ای لا مھدي کاملا معصوما الا عیسی ابن مریم قال وعلیٰ ھذا یجتمع الاحادیث ویرتفع التعارض وقال ابن کثیر ھذا الحدیث فیما یظھر ببادی الرّاي مخالف للاحادیث الواردة فی اثبات المھدی علیه السّلام غیر عیسی ابن مریم علیھما السّلام وعند التأمّل لا ینفی بل یکون المراد من ذٰلك ان المھدي حق المھدي وھو عیسےٰ ولا ینفی ذٰلك ان یکون غیرہ مھدیا ایضا۔

کہا قرطبی نے اور محتمل ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قول لا مھدی الا عیسےٰ علیہما السّلام سے یہ مراد ہے کہ مہدی کامل معصوم کوئی نہیں ہے سوائے عیسے ابن مریم کے۔ کہا قرطبی نے اور اِس بنا پر مجتمع ہو جاتی ہیں احادیث اور مرتفع ہو جاتا ہے تعارض اور کہا ابن کثیر نے کہ یہ حدیث نظر ابتدائی میں مخالف ہے اُن احادیث کی جو وارد ہوئی ہیں اثبات میں اِس امر کے کہ مہدی علیہ السّلام علاوہ ہیں عیسے ابن مریم علیہما السلام کے اور نزدیک تامّل کے کچھ منافات نہیں ہے بلکہ اِس سے یہ مراد ہوئی کہ مہدی حق المہدی وہی عیسےٰ ہیں اور یہ قول اس امر کی نفی نہیں کرتا کہ اُنکے علاوہ بھی کوئی مہدی ہو۔ ظاہراً یہ تاویل نہایت ہی باطل ہے کیونکہ اوّلاً حضرت عیسے علیہ السّلام کا مہدی ہونا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ اگرچہ بحیثیت نبوّت کے مثل دیگر انبیاؑ و اوصیاؑ علیہم السّلام کے آپ پر اطلاق مہدی لغتًا درست ہو۔ ثانیاً حضرت عیسے علیہ السّلام کا مہدی کامل اور مہدی حق المہدی ہونا بھی کسی حدیث سے متحقق نہیں۔ ثالثاً مہدی اہلبیت علیہم السّلام کا مہدی کامل و مہدی حق المہدی نہونا۔ جیساکہ اس تاویل سے مفہوم ہوتا ہے۔ ظاہر البطلان ہے اسلیے کہ احادیث معتبرۂ کثیرۂ اہلسنّت سے جو حالات مہدیِ اہلبیت علیہم السّلام کے معلوم ہوتے ہیں اور ثابت ہوئے ہیں اُن سے آپ کا مہدی کامل اور مہدی حق المہدی ہونا پورے طور سے ثابت ہے۔ بلکہ وہی احادیث مقید اِس امر کی ہیں کہ مہدی کامل و مہدی حق المہدی وہی جناب ہیں۔ رابعًا معصوم نہونا جنابِ مہدی اہلبیت علیہم السّلام کا جیساکہ تاویل قرطبی سے پیدا ہوتا ہے صراحتًا باطل ہے اِسلیے کہ معصوم ہونا اُن جناب کا ادلّۂ کثیرہ سے ثابت ہے اور اکابر علمائے اہلسنّت آپکی عصمت کے معترف ہیں۔ چنانچہ عبد الوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے۔

فان قلت فما صورة ما یحکم به المھدي علیه السّلام اذا خرج ھل یحکم بالنّصوص او بالاجتھاد او بھما فالجواب کما قاله الشّیخ محي الدّین عربی انّه یحکم بما القي الیه ملك الالھام من الشّریعة وذٰلك ان یلھمه الله الشّرع المحمّدی فیحکم به کما اشار الیه حدیث المھدي یقفوا اثري فعرفنا صلّی الله علیه واٰله وسلّم انّه مبتدع لا مبتدع وانّه معصوم فی حکمه اذ لا معنی المعصوم فی الحکم انّه لا یخطی وحکم رسول الله صلّی الله علیه واٰله وسلّم لا یخطی فانّه لا ینطق عن الھوی ان ھو الّا وحيٌ یوحی وقد اخبر من المھدي انّه لا یخطی وجعلھا ملحقا بالانبیاء فی ذٰلك الحکم۔

پس اگر کہے تو کہ کیا صورت ہوگی اُن امور کی جن کا حکم دینگے مہدی علیہ السلام جس وقت خروج فرمائینگے آیا بنصوص حکم فرمائینگے یا باجتہاد ۔ یا دونوں طریقوں سے ۔ پس اسکا جواب وہی ہے جو کہ شیخ محی الدین عربی نے دیا ہے کہ وہ اُسی شریعت کے مطابق حکم کرینگے جو اُنکی طرف ملک الہام القا فرمائیگا اور یہ اس طرح القا فرمائیگا کہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ القا فرمائیگا اُنپر شریعتِ محمدی کو پس وہ اُسکے مطابق حکم فرمائینگے ۔ جیسا کہ اشارہ کیا ہے اسکی طرف حدیثِ مہدی علیہ السّلام نے جیسا کہ فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ وہ اتباع کرینگے میرے اثر کا پس پہنچوا دیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہم کو کہ یقیناً مہدی علیہ السّلام معصوم ہیں اپنے حکم میں اس لیے کہ معصوم فی الحکم ہونیکے کوئی معنی بجز اس کے نہیں ہیں کہ وہ خطا نہ کرینگے اور حکم جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا خطا نہیں کرتا ۔ اس لیے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم بغیر وحی کے کلام نہیں کرتے اور یقیناً آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے حال جنابِ امام مہدی علیہ السّلام کا کہ وہ خطا نہ کرینگے اور حکم میں وہ انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ شامل اور ملحق ہیں ۔

خامساً حدیث لا مهدي الّا عيسى ابن مريم سے جو قرطبی اور ابن کثیر نے کی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام جنابِ مہدی علیہ السلام سے مرتبۃً افضل ہوں ۔ حالانکہ یہ امر صحیح نہیں ہے ۔ بلکہ فضیلت مہدی علیہ السلام کی احادیثِ کثیرہ سے ثابت اور محقق ہے ۔ اور اِس امر کا اعتراف خود علمائے اہلسنّت نے کیا ہے ۔ چنانچہ محمد ابنِ یوسف الگنجی الشافعی التبیان فی اخبارِ صاحب الزّمان علیہ السّلام میں تحریر کرتے ہیں

فان سئل سائل وقال مع صحة هٰذه الاخبار وهى ان عيسى يصلّى خلف المهدي ويجاهد بين يديه وانّه يقتل الدّجّال بين يدى المهدي عليه السّلام ورتبة التّقديم فى الصّلوٰة معروفة وكذٰلك رتبة التّقديم للجهاد وهٰذه اخبار ممّا ثبت طرقها وصحّتها عند السّنّة وكذٰلك ترويها الشّيعة على السّوآء فهٰذا هو الاجماع من كافّة اهل الاسلام ومع ثبوت الاجماع على ذٰلك وصحته فايّما افضل الامام والماموم فى الصّلوٰة والجهاد معا الجواب عن ذٰلك وهو ان نقول ان هما قدوتان نبيّ وامام وان كان احدهما قدوة لصاحبه فى حال اجتماعهما وهو الامام يكون قدوة النبى صلّى الله عليه وآله وسلّم فى تلك وليس فيهما من تاخذه فى الله لومة لائم وهما ايضًا معصومان من ارتكاب القبائح كافّة والمداهنة والرّيا والنّفاق ولا يدعو الدّاعي لاحدهما الى فعل ما يكون خارجا عن حكم الشّريعة ولا مخالف المراد الله تعالىٰ ورسوله واذا كان الامر كذٰلك فالامام افضل من الماموم لموضع ورود الشّريعة المحمّديّة بذٰلك دليل قوله يؤمّ القوم اقرأهم لكتاب الله فان استووا فافقهم فان استووا فاقدمهم هجرة فان استووا فاصبحهم وجها فلو علم الامام انّ عيسٰےؑ افضل منه لمّا جاز له ان تقيدا عليه لاحكام علم الشّريعة ولموضع تنزيه الله تعالىٰ له من ارتكاب كل مكروه كذٰلك لو علم عيسى انّه اعلم منه لما جاز ان يقتدي به لموضع تنزيه الله تعالىٰ من الرّيا والنّفاق بل لمّا

تحقق الامام انہ اعلم منہ جاز لہ ان یتقدم علیہ کذلک قد تحقق عیسیٰ ان الامام اعلم منہ فلذلک قدمہ وصلی خلفہ ولولا ذلک لم تسعہ الاقتداء بالامام۔

پس اگر کوئی سائل سوال کرے اور کہے کہ باوجود اِن اخبار کی صحت کے کہ عیسےٰ علیہ السلام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھینگے۔ اور مہدی علیہ السلام کے ہمراہ ہوکر جہاد کرینگے اور دجّالِ لعین کو مہدی علیہ السلام کے سامنے قتل کرینگے۔ اور رتبہ نماز میں تقدیم کرنیکا بھی مشہور ہے۔ اور اِسی طرح جہاد میں بھی مقدّم ہونیکا مسئلہ مشہور ہے اور یہ حدیثیں اُن حدیثوں میں سے ہیں جنکے طرق اور اُنکے طرق کی صحت نزدیک اہلسنّت کے ثابت ہے اور اِسی طرح شیعہ بھی اُنکو یکساں روایت کرتے ہیں پس یہ اجماع تمام اہلِ اسلام کا ہے اِس واسطے کہ جو شخص شیعہ اور سُنّی سے علٰحدہ ہو قول اُسکا ساقط و مردود اور زائد ہے۔ طرح اور ایجاد کیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ اجماع تمام اہلِ اسلام کا ہے اور باوجود ثبوتِ اجماع اور اُسکی صحت کے پس کون افضل ہے امام یا ماموم نماز اور جہاد میں۔ ساتھ ہی جواب اِس کا یہ ہے کہ تمام اِس کے قائل ہیں کہ وہ دونوں پیشوا ہیں۔ ایک نبی اور ایک امام۔ اگرچہ ایک اُن میں سے پیشوا ہوا اپنے ساتھی کا۔ جس حال میں کہ وہ دونوں مجتمع ہو جائیں اور وہی امام ہے کہ پیشوا ہوگا نبی کا اِس حال میں۔ اور اُن دونوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کو فی سبیل اللہ ملامت کرنیوالے کی ملامت ماخوذ کرسکے اور نیز وہ دونوں معصوم ہیں ارتکاب سے تمام قبائح کے اور امرِ دین میں سُستی کرنے سے اور ریا سے اور نفاق سے اور نہ اُن دونوں میں سے کسی ایک کے لیے کوئی داعی ہے اُس فعل کا جو خارج ہو حکمِ شریعت سے اور نہ خلاف ہے امرِ خدا اور رسول صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے۔ جب ایسا امر ہو تو امام افضل ہے ماموم سے بوجہ وارد ہونے حکمِ شریعت محمدیّہ کے اس محل پر بدلیل قول حضرت رسولِ خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کہ وہ امامت کریگا قوم کی جو اِن سب میں بہت قاری اقرا ہو واسطے کتاب خدا کے۔ پس اگر سب قرأت میں برابر ہوں تو جو اُن میں سب سے افقہ ہو۔ پس اگر سب فقہ میں بھی برابر ہوں تو جو ان میں صبیح الوجہ ہو۔ پس اگر امام علیہ السلام کو معلوم ہوتا کہ عیسےٰ علیہ السلام انسے افضل ہیں تو نہ جائز ہوتا اُنکے لیے کہ وہ عیسےٰ علیہ السلام پر تقدم کریں اِس وجہ سے کہ وہ علم شریعت کے پکّے جاننے والے ہیں اور خداوند عالم نے اُنہیں منزّہ کیا ہے ارتکاب سے ہر امر مکروہ کے۔ اِسی طرح اگر حضرت عیسےٰ علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام کو معلوم ہوتا کہ وہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سے افضل ہیں تو نہ جائز ہوتا کہ عیسےٰ علیہ السلام اقتدا کریں مہدی علیہ السلام کی بوجہ اِس کے کہ اللہ تعالےٰ نے اُن کو پاک و منزّہ کیا ہے ریا و نفاق سے بلکہ جب یہ ثابت ہوگیا امام علیہ السلام پر کہ وہ اعلم ہیں عیسےٰ علیہ السلام سے تو اُنہیں جائز ہوا کہ وہ عیسےٰ علیہ السلام پر مقدّم ہوں۔ اور اسی طرح یقیناً متحقق ہو گیا عیسےٰ علیہ السلام کو کہ امام عصر علیہ السلام اُنسے اعلم ہیں پس اِس وجہ سے اُنہوں نے امام علیہ السلام کو مقدّم فرمایا اور اُنکے پیچھے نماز پڑھی اور اگر ایسا نہوتا تو اُنہیں اقتدائے امام علیہ السلام کی گنجائش نہوتی۔ بالجملہ تاویل قرطبی اور ابن کثیر کی واضح البطلان ہے اور یہ حدیث بلاریب موضوع ہے۔

(العوارف بابت ماہ ربیع الآخرے ۱۳۳۰ھ ہجری نبوی جلد ۵ شمار ۱۱)

ناصر حسین عفی عنہ
بقلمہ

علامہ شیخ حسین دیار بکری اپنی مشہور و معروف تاریخ تاریخ الخمیس میں بذیل تذکرۂ جناب امام مہدی علیہ السلام تحریر کرتے ہیں:-

الثانی عشر محمد ابن حسن ابن علی ابن محمد ابن علی الرضا علیہم السلام یکنی ابا القاسم ولقبہ الامامیۃ بالحجۃ والقائم والمهدی والمنتظر وصاحب الزمان وھو عندھم خاتم الاثنی عشر اماما ویزعمون انہ دخل السرداب الذی فی سر من رای وامہ تنظر الیہ ولم یخرج الیہا وذالک فی سنۃ خمس وستین ومائتین وقیل فی سنۃ ست وستین ومائتین وھو الاصح واختفی الی الآن فی زعمہم وامہ ام ولد اسمہا صیقل وقیل سوسن وقیل نرجس وقیل غیر ذالک ولد فی سر من رای فی الثالث وعشرین من رمضان سنۃ ثمان وخمسین ومائتین وفی جامع الاصول فی اشراط الساعۃ وعلاماتہا عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذالک الیوم حتی یبعث اللہ فیہ رجلا منی او من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا وفی روایۃ اخری لا تنقضی الدنیا حتی یملک العرب من اھلبیتی رجل یواطی اسمہ اسمی اخرجہ ابو داؤد وقال صاحب الفتوحات المکیۃ فی ذکر المهدی علیہ السلام انہ یکون معہ ثلث مائۃ وستون رجلا من رجال اللہ الکاملین وھذہ الخلیفۃ یکون من عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنیتہ کنیۃ جدہ حسن ابن علی علیہما السلام بین الرکن والمقام یبایعہ العارفون باللہ من اھل الحقائق عن شہود وکشف بتعریف الٰہی رجال الٰہیون یقیمون دعوتہ وینصرونہ ھم الوزراء یحملون اثقال مملکتہ ویعینون علی ما قلدہ اللہ تعالیٰ ثم قال فان اللہ یستوزر لہ طائفۃ خبأھم فی مکنون غیبہ اطلعہم اللہ کشفا وشہودا علی الحقائق وھذا الخلیفۃ یفہم منطق الحیوان ویسری عدلہ فی الانس والجان۔ (تاریخ الخمیس جلد ۲ ص ۳۲۱ سطر ۱۱)

بارھویں امام محمد ابن حسن ابن علی ابن محمد ابن علی رضا علیہم السلام ہیں۔ کنیت آپ کی ابو القاسم ہے۔ اور فرقۂ امامیہ کے نزدیک آپ کے القاب الحجۃ۔ القائم۔ المہدی۔ المنتظر اور صاحب العصر والزمان علیہ السلام ہیں۔ اور اُنکے نزدیک آپ خاتم امام اثنے عشر ہیں۔ اور اُن کے گمان میں آپ سرّ من رائے کے ایک سرداب میں داخل ہوئے درآنحالیکہ آپ کی مادرِ گرامی قدر آپ کا انتظار کر رہی تھیں مگر پھر برآمد نہ ہوئے۔ یہ واقعہ ۲۶۵ھ کا ہے اور کہا گیا ہے کہ ۲۶۶ھ کا ہے اور یہی اصح ہے (لفظ اصح قابلِ غور ہے) اور آج تک آپ مخفی ہیں۔ آپ کی ماں اُمِّ ولد ہیں جن کا نام صیقل۔ سوسن اور نرجس بتلایا گیا ہے اور اِسی طرح اور نام بھی بتلائے گئے ہیں

ولادت آپ کی سرّمن رائے میں ہوئی۔ ۲۳ رمضان ۲۵۸ھ کو اور جامع الاصول میں ہے بذیل اشراطِ ساعات و علاماتِ قیامت کہ فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ اگر دنیا کا ایک روز بھی باقی رہجائیگا تو خدا اُس کو اتنا طولانی فرمادیگا کہ اُس میں ایک ایسا شخص مبعوث ہوگا جو مجھ سے ہوگا یا میرے اہلبیت علیہم السّلام سے۔ نام اُس کا میرا نام ہوگا اور اُس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہوگا (اِس اخیر فقرہ کو خود علمائے اہلسنّت نے غلط بتلایا ہے) جو بھردیگا زمین کو عدل و انصاف سے جس طرح وہ پہلے اس سے ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ دنیا کبھی تمام نہیں ہوگی جب تک کہ میرے اہلبیتؑ میں سے ایک شخص جس کا نام میرا نام ہوگا تمام عرب کا مالک نہ ہولے۔ اِس کو ابو داؤد نے مستخرج کیا ہے۔ صاحبِ فتوحاتِ مکیّہ نے کہا ہے کہ اُن کے ہمراہ تین سو ساٹھ مرد ہونگے رجالِ کاملین سے۔ یہ خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں۔ عترتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے۔ نسلِ جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے۔ نام اُن کا ہمنامِ جنابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہے۔ بیعت اُن کی درمیان رکن و مقام کے ہوگی۔ عارفین باللہ اُنکی بیعت کرینگے کشف و شہود کے ثبوت سے۔ یہ وہ رجالِ الٰہی بزرگوار ہیں جو اُس کی دعوت کو دنیا میں قائم کرینگے اور اُنکی نصرت کرینگے۔ یہی حضرات آپکی مملکت کے انتظام فرمائینگے اور اُن اصول کو جاری فرمائینگے جن کے اختیار کرنیکا حکم اُن کو خدا تعالیٰ نے دیا ہے اور یہی خلیفۂ وقت ہونگے۔ جانوروں کی زبان کو سمجھیں گے اور تمام جن و انسان میں اُنکی عدالت جاری و ساری ہوگی۔

احمد ابن یوسف دمشقی مشہور بہ امام قرمانی اپنی کتاب تاریخ اخبار الدول فی آثار الاول میں بذیلِ تذکرۂ جنابِ امام آخر الزمان علیہ السّلام تحریر فرماتے ہیں:۔

الفصل الحادی عشر فی ذکر الخلف الصّالح الامام ابی القاسم محمّد ابن الحسن العسکری علیہ السّلام ورضی اللہ عنہ وکان عمرہ عند وفات ابیہ خمس سنین اٰتاہ اللہ فیھا الحکمۃ کما اٰتیھا یحییٰ علیہ السّلام صبیا وکان مربوع القامۃ حسن الوجہ والشّعر اقنی الانف اجلی الجبھۃ وزعم الشّیعۃ انّہ غاب فی سرداب ببغداد والحرس علیہ سنۃ ستّ وستّین ومأتین وانّہ صاحب السّیف القائم المنتظر قبل قیام السّاعۃ ولہ قبل قیامۃ غیبتان احدھما اطول من الاخری فامّا القصری فمنذ ولادتہ الی انقطاع السفارۃ بینہ وبین الشّیعۃ وامّا الطّولی ھی الّتی بعد الاولیٰ وفی اٰخرھا یقوم بالسّیف وکان من عادۃ الشّیعۃ ببغداد ان فی کلّ یوم جمعۃ یاتون بفرس مشدودۃ ویقفون علی باب السّرداب و یدعون باسم المھدی علیہ السّلام واستمرّ واعلیٰ ھٰذہ الحال الی ان الامر السّلطان سلیمان خان من بنی عثمان واستولی علی البغداد وابطل تلک العادۃ۔ واتفق العلمآء علیٰ انّ المھدی

علیہ السّلام ھو القآئمُ فی اٰخر الوقت وقد تعاضدت الاخبار علیٰ ظھورہ وتظاھرت الرّوایات
علی اشراق نورہ وستسفر ظلمۃ للایّام واللّیالی بسفورہ وینجلی برویۃ الظّلام انجلآء الصّبح
عن دیجورہ ویسیر عدلہ فی الاٰفاق فیکون الضّوء من البدر المنیر فی مسیرہ وامّا السّنۃ
الّتی یقوم فیھا القآئمُ والیوم الّذی یبعث فیہ فقد جآءت فیہ اٰثار عن ابی بصیرؓ عن ابی عبد اللہ
علیہ السّلام قال لایخرج القآئم علیہ السّلام الا فی وتر من السّنین سنۃ احدی اوثلاث
او خمس او سبع او تسع اویقوم فی یوم عاشورا ویظھر یوم السّبت العاشر من المحرم قآئما
بین الرّکن والمقام وشخص قآئمؑ علی یدہ ینادی البیعۃ البیعۃ فیسیر الیہ انصارہ من
اطراف الارض یبایعونہ فیملاء الارض عدلا کما ملئت ظلما وجورا ثمّ یسیر من مکۃ حتّیٰ
یاتی الکوفۃ فینزل علیٰ نجفھا ثم یفرق الجنود الی جمیع الامصار وعن عبد الکریم النخعی
قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السّلام قال سبع سنین تطول لہ الایّام حتّیٰ تکون السّنۃ
من سنینہ بمقدار عشر سنین فیکون مدّۃ ملکہ سبعین سنۃ من سنینکم۔ ص ۲۰۸

فصل گیارھویں اِس امر میں کہ جنابِ خلف الصّالح امام ابو القاسم محمد ابنِ حسن العسکری علیہ السّلام ورضی اللہ
عنہ بوقتِ وفات اپنے والدِ ماجد کے پانچ برس کے تھے۔ خدا تعالےٰ نے اِسی سِن میں آپ کو حکمت عطا کی تھی
جیسا کہ حضرت یحییٰ علیٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام کو بچپن میں علم ملا تھا۔ آپ مربوع القامت۔ قبول صورت
چھوٹی ناک والے اور نورانی چہرے والے تھے۔ (یہ وہی اوصاف ہیں جو آپ کی تعریف میں حدیثوں کی تمام
کتابوں میں مندرج ہیں) شیعوں کے گمان میں بمقامِ بغداد آپ سرداب میں غائب ہو گئے۔ ۲۶۶ھ میں
حالانکہ نگراں موجود تھے۔ آپ صاحبِ سیف اور القائمُ المنتظر ہیں جو قبلِ قیامت ظہور فرمائینگے اور قیامت
سے پہلے پہلے آپ کے لیے دو غیبتیں ہونگی۔ ایک صغرےٰ ایک کبرےٰ۔ غیبتِ صغرےٰ تو وقتِ ولادت سے لیکر
تاوقتیکہ آپ کے اور آپ کے شیعوں کے مابین انقطاعِ نظامِ سفارت ہو تمام ہوتی ہے اور غیبتِ کبرےٰ
غیبتِ صغرےٰ کے بعد سے آغاز ہو کر اُس وقت تک قائم رہیگی جبتک کہ آپ ظہور بالسّیف فرمائینگے۔
اور بغداد کے شیعوں کی یہ عادت تھی کہ ہر جمعہ کو گھوڑے پر سوار ہو کر سرداب مقدّس کے دروازے پر
آتے تھے اور آپ کا نامِ نامی لیکر ندا دیتے تھے۔ سلطان سلیمان خاں عثمانی والیِ بغداد نے اُن کے اِس
دستور کو بند کر دیا۔ اور تمام علماء نے اِس پر اتفاق کیا ہے کہ آپ آخرِ وقت ظہور فرمائینگے اور حدیثیں
متعاضد ہیں۔ اور آپ کے انوارِ ہدایت کے اعلان میں روایات ظاہر ہیں کہ اُن ایّام کی تاریکیاں آپ کے
تجلّیاتِ آثار سے زائل ہو جائینگی۔ اور ظلمتِ کفر آپ کی صبحِ ہدایت سے کافور ہو جائیگی۔ اور آپ کے انوارِ
عدالت تمام روئے زمین پر مثلِ مہتابِ عالمتاب کے پھیل جائینگے۔ اب رہا یہ امر کہ آپ کس سال اور کس دن
ظہور فرمائینگے تو اس بارے میں ابو بصیرؓ نے جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا

آپ سے کہ ظہور امام قائم علیہ السّلام کا سنہ طاق میں ہوگا سنہ ۱ میں۔ سنہ ۳ میں۔ سنہ ۵ میں۔ سنہ ۷ میں یا سنہ ۹ میں۔ اور جس دن آپ ظہور فرمائیں گے وہ یوم عاشور ایشنبہ کا دن۔ محرم کی دسویں تاریخ ہوگی۔ اور رکن و مقام کے درمیان آپ کی بیعت کیجائیگی۔ اور ایک شخص آپ کے دائیں ہاتھ کی جانب کھڑا ہوکر ندا کریگا البیعتہ۔ البیعتہ۔ یہ سُنکر آپ کے انصار تمام اطرافِ زمین سے آئینگے اور بیعت سے مشرّف ہونگے۔ آپ دنیا کو عدل و انصاف سے اُسی طرح بھر دینگے جس طرح وہ قبل میں جور و ظلم سے پُر اور مملو ہوگی پھر آپ مکہ سے کوچ فرماکر کوفہ میں تشریف لے جائینگے اور نجف میں منزل فرماکر وہیں سے تمام بلادِ عالم میں لشکر بھیجیں گے۔ عبد الکریم نخعی نے جنابِ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ جنابِ قائم علیہ السّلام سات برس تک حکومت کرینگے اور خداوند تعالےٰ اُن ایّام کو اتنا طولانی فرمائیگا کہ اُس وقت کا ایک سال تمہارے دس برس کے برابر ہوگا۔ پس اُن کی مدّتِ حکومت تمہارے برسوں کے اعتبار سے ستّر برس ہوگی۔

امام سبط ابنِ جوزی اپنی کتاب تذکرۂ خواص الامّہ میں بذیل تذکرۂ جنابِ امام آخر الزّمان علیہ السّلام تحریر فرماتے ہیں:۔

ھو محمّد ابن الحسن ابن علی ابن محمّد ابن علی ابن موسٰی ابن جعفر ابن محمّد ابن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابیطالب علیہم السّلام وکنیتہ ابو عبد اللہ وابو القاسم وھو الخلف الصّالح الحجّۃ صاحب الزّمان القائم والمنتظر الباقی وھو آخر الائمّۃ۔

آپ کا نام محمد ابن حسن ابنِ علی ابنِ محمد ابنِ علی ابنِ موسے ابنِ جعفر ابنِ محمد ابنِ علی ابنِ الحسین ابنِ علی ابنِ ابیطالب علیہم السّلام ہے۔ اور کنیت آپ کی ابو عبد اللہ اور ابو القاسم ہے۔ اور آپ ہی کو خلفِ صالح الحجۃ۔ صاحب الزّمان۔ القائم والمنتظر اور الباقی کہتے ہیں۔ اور آپ ہی آخر الائمہ ہیں۔

حافظ جمال الدّین محدّث روضۃ الاحباب میں بذیلِ تذکرۂ حضراتِ ائمۂ اثنا عشر علیہم السّلام تحریر فرماتے ہیں:۔

ثمّ حجّۃ اللہ فی ارضہ وبقیّتہ فی عبادہ محمّد ابن الحسن ابن علی وذٰلک الّذی یفتح اللہ علیٰ یدیہ مشارق الارض ومغاربھا وذٰلک الّذی یغیب عن شیعتہ واولیائہ غیبۃ لا یثبت فیھا علی القول بامامتہ الا من امتحن اللہ قلبہ للایمان

جابر رضی اللہ عنہ گوید کہ گفتم یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلّم آیا در غیبت امام شیعہ انتفاع یابند فقال ای والّذی بعثنی بالنّبوّۃ انّھم یستفیضون بنورہ وینتفعون بولایتہ فی غیبتہ کانتفاع النّاس بالشّمس وان علاھا سحاب۔

پھر جنابِ حجّۃ علیہ السّلام جو حجّۃ اللہ اور بقیّۃ اللہ ہیں اُس کے بندوں میں نام اُن کا محمد ابنِ حسن ابن علی

علیہم السلام ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے ہاتھوں پر خدا تعالےٰ تمام مشرق و مغرب کو فتح فرمادیگا۔ اور یہی وہ بزرگ ہیں جو اپنے شیعوں اور دوستوں کے درمیان سے غیبت فرمائینگے۔ اور اُن کے اِس امر پر کوئی ثابت قدم نہیں رہیگا سوائے اُس کے جس کے ایمانِ قلبی کا امتحان خدا تعالےٰ نہ لے چکا ہو۔ جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں عرض کی کہ آیا آپ کے ایامِ غیبت میں آپ کے شیعہ منتفع ہوسکتے ہیں۔ ارشاد ہوا ہاں قسم اُسکی جس نے مجھے نبوّت کے مرتبہ کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ وہ لوگ (شیعہ) اُس کے انوار سے ضرور منوّر اور منتفع ہونگے اور ایامِ غیبت میں بھی اُنکی ولایت سے اُسی طرح فائدہ پہنچیگا جیسا کہ آفتاب زیرِ سحاب سے تمام عالم کو فائدہ پہنچتا رہتا ہے

انتہیٰ عبارت کے بعد حافظ اور محدث صاحب اتنا اضافہ اور فرماتے ہیں۔ اے جابرؓ ایں اسرار مکنونۂ الٰہی است پس پنہاں دار آنرا مگر از آنکس کہ اہلِ آں باشد۔ اے جابرؓ۔ یہ خدا کے اسرارِ مخفیہ ہیں اِنکو ہر کس و ناکس سے نہیں کہنا چاہیئے۔ ہاں اُن لوگوں سے کہدینا جو اس کے اہل ہوں۔

محدّث صاحب نے صرف روضۃ الاحباب ہی میں نہیں لکھا۔ بلکہ اپنی کتاب اربعین فی مناقب امیر المؤمنین علیہ السّلام میں بھی جس میں اُنھوں نے اپنے عقائد کا اظہار کیا ہے۔ منجملہ اُن کے آپ کی امامت کا بھی پورا اعتقاد اور کامل یقین ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

اعلموا ایّھا المؤمنون الکاملون ان اعتقادی فی شان امیر المؤمنین علی علیہ السّلام ما یقتضیہ مضمون تلک الاحادیث الّتی جمعتہا فی ھذہ الاوراق فاقول رضیت باللّٰہ ربّا وبالاسلام دینا وبمحمّدٍ رسولا وبامیر المؤمنین وامامین الھمامین الحسن المجتبیٰ والحسین الشھید بکربلاء وعلی ابن الحسین زین العابدین السّجاد ذی الثفنات ومحمّد ابن علی الباقر وجعفر ابن محمّد الصّادق وموسی ابن جعفر الکاظم وعلی ابن موسی الرّضا ومحمّد ابن علی التّقی وعلی ابن محمّد النّقی والحسن ابن علی الزّکی ومحمّد ابن الحسن الحجّۃ المھدی صاحب الزّمان ائمّۃ وسادۃ وقادۃ اللّٰھمّ ھؤلاء ائمّتی وسادتی وقادتی وکبرائی وشفعائی الائمّۃ الھداۃ الابرار الاتقیاء الاخیار بھم اتولّی ومن اعدائھم اتبرّء فی الدّنیا والاٰخرۃ۔

اے مؤمنینِ کاملین آگاہ ہوجاؤ کہ جنابِ امیر المؤمنین علی علیہ السّلام کے بارے میں میرے عقائد جو ہیں وہ اِن احادیث کے مضمون کے مطابق ہیں۔ جن کو میں نے اِن اوراق (کتاب صفۃ الاحباب) میں جمع کر دیا ہے۔ اور میرا قول یہی ہے کہ خدا تعالےٰ میرا رب ہے۔ اسلام میرا دین ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم میرے پیغمبر ہیں۔ اور امیر المؤمنین اور اماماں حضرت امام حسن مجتبےٰ اور حضرت امام حسین شہیدِ کربلا۔ علی ابن الحسین زین العابدین سجاد صاحب ثفنات۔ اور محمد ابن علی المدعو بہ باقر

جعفر ابنِ محمد الملقب بہ صادق - موسے ابن جعفر الملقب بہ کاظم - علی ابنِ موسٰے المدعو بہ رضا اور محمد ابنِ علی المخاطب بہ تقی - علی ابنِ محمد المدعو بہ نقی حسن ابنِ علی المدعو بہ عسکری اور محمد ابنِ حسن الملقب بالحجۃ المہدی صاحب الزمان علیہم السلام ہمارے امام - ہمارے سردار اور ہمارے پیشوا ہیں - پروردگارا یہی لوگ ہمارے امام - سردار اور مقتدا ہیں - اور ہمارے بزرگانِ دین ہیں اور قیامت کے شفیع ہیں - اور یہی ہمارے امامانِ ہدایت اور ابرار ہیں اور یہی صاحبانِ تقوٰے اور اخیار ہیں انہی کے ساتھ مجھ کو محبت و ارادت ہے اور انہی کے دشمنوں کے ساتھ نفرت اور بیزاری ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی -

اِس عبارت سے ظاہر ہے کہ علامہ جمال الدین محدث جناب صاحب الامر علیہ السلام اور کُل ائمۂ اطہار علیہم السلام کی نسبت اپنا وہی عقیدہ ظاہر کرتے ہیں جو فرقۂ شیعہ کا ہے کہ ائمۂ اثنا عشر علیہم السلام کی امامت اور خلافتِ حقّہ کے معتقد ہیں اور نام بنام بتصریح تمام اظہارِ عقیدت کر رہے ہیں اور اُن کے ساتھ تولّا اور اُن کے دشمنوں کے ساتھ تبرّا اظاہر کر رہے ہیں - تو کیا اِس کے بعد بھی اہلسنّت کو بشرطِ اسلام حضرت کی امامت اور وجود میں شک رہ سکتا ہے -

یہاں تک تو ہم نے عموماً مؤرخین - محدثین اور اکابر مشائخ صوفیین کے اقوال و کلام کو مندرج و قلمبند کیا ہے - جو اِن حضرات نے حضرت امام آخر الزمان علیہ السلام کی نسبت اپنی اپنی معتبر تالیفات میں تحریر فرمایا ہے - اب اگر کوئی صاحب یہ شوشہ چھوڑیں کہ مورخین - محدثین اور صوفیین کا دارومدار اور مختار زیادہ تر منقولات پر ہوتا ہے اِس لیے معقولین کے لیے اعتبار کے قابل نہیں - اس لیے معقولین کے نزدیک علمائے متکلّمین کے افادات و ارشادات وثوق کے قابل اور اعتبار کے لائق ہوتے ہیں -

اِس شبہ کے مٹانے اور اِس گمان کے غلط ثابت کرنے میں ہمیں کوئی عذر اور کلام نہیں - اگرچہ جن حضرات کے اقوال اوپر لکھے گئے ہیں اُن میں شیخ عبد الحق - امام قرمانی اور علامہ سبط ابن جوزی سے سرآمدِ علمائے متکلّمین موجود ہیں اور اِن حضرات نے کس صراحت سے جناب امام صاحب العصر علیہ السلام کی امامت کا اقرار کیا ہے - پھر بھی اگر ہمارے معترضین کو ضد اور اصرار باقی رہے تو ہم اُن کی طفل تسلّی اور کامل اطمینان و تشفّی کے لیے اُن کے ایسے ایسے رئیس المتکلّمین اور امام المناظرین کے اقوال ذیل میں درج کرتے ہیں جن کی عقیدت اور ارادت پر تمام اہلسنّت کے خاص و عام کا ایمان ہے - ان میں سب سے پہلے تو علامہ فضل ابن روزبہان ہیں - یہ وہ بزرگ ہیں جن کی تصانیف مستقلہ ردِّ روافض میں موجود ہیں - اور یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے علامہ حلّی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نہج الحق اور کشف الصدق کا اپنی دانست میں جواب لکھا ہے - اور اُس کا نام ابطال الباطل

رکھا ہے۔ اُس میں بذیل تذکرہ حضراتِ ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین رقمطراز ہیں:-

ما ذکر من فضائل آل فاطمه صلوات الله وسلامه علیها وعلیٰ ابیها وعلیٰ سائر آل محمد امر لا ینکر فانّ الانکار علی البحر برحمته وعلی البرّ بسعته وعلی الشمس بنورها وعلی الانوار بظهورها وعلی السحاب بجوده وعلی الملك بسجوده۔ انکار لا یزید المنکر الا الاستهزاء به ومن هو قادر علی ان ینکر علی جماعة هم اهل السداد وخزّان معدن النبوّة وحفّاظ اداب الفتوّة صلوات الله وسلامه علیهم ونعم ما قلت فیهم منظوماً

سلام علی المصطفیٰ المجتبیٰ	سلام علی السیّد المرتضیٰ
سلام علیٰ ستّنا فاطمه	من اختارها الله خیر النساء
سلام من المسك انفاسه	علی الحسن الالمعی الرّضا
سلام علیٰ الاوزعی الحسینؑ	شهید بری جسمه کربلا
سلام علیٰ سیّد العابدینؑ	علیؑ ابن الحسین المجتبیٰ
سلام علیٰ باقرؑ المهتدیٰ	سلام علی الصّادقؑ المقتدیٰ
سلام علیٰ کاظمؑ الممتحن	رضی السجایا امام التقی
سلام علی الثامن المؤتمن	علیؑ الرّضا سیّد الاصفیاء
سلام علیٰ التقیؑ التقی	محمّد الطیب المرتجیٰ
سلام علی الا ریجی النّقیؑ	علی المکرم هادی الوریٰ
سلام علیٰ سیّد العسکریؑ	امام یجهز جیش الصّفا
سلام علی القآئمؑ المنتظر	ابی القاسم القرم نور الهدیٰ
سیطلع الشّمس فی غاسق	ینجیه من سیفه المنتقی
تری یملاء الارض من عدله	کما ملئت جورا اهل الهویٰ
سلام علیه و اٰبائه	وانصاره ماتدور السمآء

یعنی جو کچھ ذکر کیا فضائلِ فاطمہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا وعلیٰ سائر آلِ محمدؐ میں پس یہ امر ایسا امر ہے کہ انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ اِس کا انکار کرنا بحر کی رحمت اور بر کی وسعت اور ضیائے آفتاب اور انوار کے ظہور اور سحاب کے جود اور ملائکہ کے سجود سے انکار کرنا ہے۔ جس کا منکر قابلِ استہزا ہوتا ہے۔ اور کون شخص قادر ہے کہ انکار کرے اُن لوگوں پر جو اہلِ سداد ہیں اور خزانہ دارِ معدنِ نبوّت اور حافظ آدابِ فتوّت۔ صلوات وسلام ہو اُن پر اور کیا خوب میں نے نظم کہی ہے اُن کی شان میں۔

سلام ہو مصطفےٰ مجتبیٰ پر۔ سلام ہو سید مرتضیٰ پر۔ سلام ہو سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا پر۔ جنہیں خدا نے تمام عورتوں کا سردار بنایا ہے۔ سلام ہو اُن پر جن کے انفاس مشک سے زیادہ معطر اور خوشبو ہیں۔ امام حسن علیہ السلام پر جو المعی اور رضا ہیں۔ سلام ہو امام حسین علیہ السلام پر جو شہید کربلا ہیں سلام ہو امام زین العابدین علیہ السلام پر۔ امام محمد باقر علیہ السلام پر۔ امام جعفر صادق علیہ السلام پر۔ امام موسےٰ کاظم علیہ السلام پر۔ امام علی ابن موسی الرضا علیہ السلام پر۔ امام محمد تقی علیہ السلام پر۔ امام علی نقی علیہ السلام پر۔ امام حسن عسکری علیہ السلام پر۔ اور سلام ہو امام قائم المنتظر ابی القاسم حضرت مہدی علیہ السلام پر۔ جو اس طرح طلوع کرینگے جیسا کہ آفتاب نکلتا ہے ظلمت سے۔ اور وہ حضرت علیہ السلام زمین کو عدل سے اس طرح بھر دینگے جس طرح کہ وہ اہلِ جور کے ستم و جور سے پُر اور مملو ہوگی۔ سلام ہو اُن پر اور اُن کے آباؤ اجداد سلام اللہ علیہم پر اور اُن کے اعوان و انصار رضی اللہ عنہم پر جبتک آسمان دورہ کرتا رہے۔

ملا علی قاری جن کی کتاب موضوعات تمام عالم میں مشہور ہے۔ ایسے زبردست عالم ہیں جو پایۂ علم میں امام بخاری و امام رازی سے ہرگز کم نہیں سمجھے جاتے۔ شرح مشکوٰۃ میں بذیل تذکرہ حضرات ائمۂ اثنا عشر صلوات اللہ علیہم لکھتے ہیں۔ سوادِ اعظم اہلسنت کے علمائے متکلمین میں یہ دوسرے بزرگ ہیں جن کی اسناد کی نقل کا میں اوپر وعدہ کر چکا ہوں۔

وقد حمل الشیعة الاثنا عشریه علی انهم من اهل البیت النبوة متوالیه اعم من ان لهم خلافة حقیقة او استحقاقا فاولهم علی فالحسن فالحسین فزین العابدین فمحمد الباقر فجعفر الصادق فموسی الکاظم فعلی الرضا فمحمد التقی فعلی النقی فحسن العسکری فمحمد المهدی رضوان الله علیهم اجمعین علی ما ذکرهم زبدة الاولیاء خواجه محمد پارسا فی کتاب فصل الخطاب وتبعه مولانا نور الدین عبد الرحمن جامی فی اواخر شواهد النبوة وذکر فضائلهم ومناقبهم وکراماتهم ومقاماتهم مجملة وفیه رد علی الروافض حیث یظنون باهل السنة انهم یبغضون اهل البیت علیهم السلام باعتقادهم الفاسد وزعمهم الکاسد۔

اس حدیث اثنا عشر خلیفہ سے شیعوں نے مراد لیا ہے ائمۂ اثنا عشر کو جو متوالی ہوئے یکے بعد دیگرے۔ اہلبیت نبوت سے۔ خواہ اُن کو خلافت حاصل ہوئی ہو یا بہ استحقاق وہ خلیفہ تھے۔ جن میں سے پہلے حضرت علی۔ پھر امام حسن۔ پھر امام حسین۔ پھر امام زین العابدین۔ پھر امام محمد باقر۔ پھر امام جعفر صادق۔ پھر امام موسےٰ کاظم۔ پھر امام علی رضا۔ پھر امام محمد تقی۔ پھر امام علی نقی۔ پھر امام حسن عسکری۔ پھر امام محمد مہدی رضوان اللہ وصلواتہ علیہم اجمعین ہیں۔ بنا بر اس کے کہ ذکر کیا ہے اُن کا زبدۃ الاولیاء خواجہ محمد پارسا

نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں اور اُنکی متابعت کی ہے مولانا عبدالرحمان جامی نے اواخر شواہد النبوۃ میں۔ اور دونوں نے اِن حضرات کے فضائل و مناقب۔ کرامات و مقامات کو بالاجمال لکھا ہے۔ اِس میں ردّ ہے روافض پر جو اہلسنت کے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ لوگ بغض رکھتے ہیں اہلبیت علیہم السلام سے حالانکہ یہ گمان اُن کا فاسد اور زعم اُن کا کاسد ہے۔

ملا علی قاری کے نزدیک بھی وجود جناب قائم علیہ السلام کا مسئلہ خاص اہلسنت کے معتقدات میں داخل ہوگیا۔ نہیں تو شیعوں کی دشمنیِ اہلبیت علیہم السلام والی تعریض ان پر صحیح اُترتی ہے جیسا کہ خود اُنکی اوپر والے قول سے ظاہر اور آشکار ہے۔

اِن کے بعد متکلمینِ سوادِ اعظمِ اہلسنت میں ہندوستان کے امام رازی **شاہ ولی اللہ** صاحب دہلوی کا نمبر ہے۔ انہوں نے حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کے بارے میں تو صاف صاف لکھدیا ہے کہ این فقیر را معلوم شدہ است کہ ائمۂ اثنا عشر رضوان اللہ علیہم اقطاب نسبتی بودہ اند از نسبتہا اِس تحریر کے بعد آپ نے ایک روایت خاص جناب امام آخرالزمان علیہ السلام سے تحریر کی ہے جو ہمارے تصدیقِ مدّعا کے لیے حجّتِ قاطعہ ہے۔ چنانچہ اپنے رسالۂ نوادر من حدیث سید الاوائل والاواخر میں لکھتے ہیں:۔

حدیث محمّد ابن الحسن الّذي یعتقد الشّیعة انه المهدیؑ عن آبائه الکرام علیه وعلیهم السّلام وجدت فی سلسلة الشّیخ محمّد ابن غفلة المکّی عن الحسن العجمی ج حدثنا واخبرنا ابوطاهر اقوی اهل عصر سند اجازة الجمیع ما تصح له روایته قال اخبرنا مسند وقته محمّد البخاری الواعظ اخبرنا صوفی زمانه الشّیخ عبد الوهاب الشعراوي انا مجتهد العصر الجلال الدین سیوطي انا حافظ عصره ابونعیم رضوان ابعقی انا مقری زمانه الشمس الدین محمّد ابن الجزری انا جمال الدّین محمّد ابن محمّد زاهد عصره انا الامام محمّد ابن مسعود محدّث بلاد فارس فی زمانه انا شیخنا عالم وقته اسمٰعیل ابن مظفر الشیرازی انا عبد السّلام ابن ابی ربیع الحنفی محدّث زمانه انا ابوبکر عبد الله بن محمّد ابن شابور القلانسی شیخ عصره انا عبد العزیز انا محمد الاوسي امام اوانه انا سلیمان ابن ابراهیم ابن محمّد ابن سلیمان نادر دهره حدثنا احمد ابن محمّد ابن هاشم البلاذري حافظ زمانه حدثنا محمّد ابن الحسن ابن علی المحجوب امام عصره حدثنا الحسن ابن علی عن ابیه عن جدّه عن ابی جدّه ثنا ابی علیؑ ابن موسیٰ الرّضا ثنا ابی موسیٰ الکاظم ثنا ابی جعفر الصادق بن محمّد الباقر ثنا ابی محمّد الباقر ابن علیؑ ثنا ابی علیؑ ابن الحسینؑ زین العابدین السجّاد ثنا ابی الحسین سیّد الشّهداء ثنا ابی علیؑ ابن ابیطالب سیّد الاولیاء قال اخبرنا سیّد الانبیاء محمد ابن

عبد الله صلى الله علیه وآله وسلم قال اخبرنی جبرئیل سید الملٰئکة قال قال الله تعالیٰ سید السادات انی انا الله لآ الٰہ الا انا من یقرّ بی بالتوحید دخل حصنی ومن دخل حصنی امن من عذابی قال الشمس ابن الجزری کذا وقع ھٰذا الحدیث من المسلسلات السعیدة والعهدة فیه علی البلاذری انتھیٰ۔

حضرت محمد ابن حسن علیہ السلام جو مطابقِ عقیدۂ شیعہ مہدی علیہ السلام ہیں۔ کی حدیث جو اُن سے بواسطہ اُن کے آبائے کرام علیہم السلام کے پہنچی ہے اور اُس کو ہم نے سلسلۂ شیخ محمد ابنِ عقلہ مکی کے ذریعے سے اور اُنہوں نے حسنِ عجمی سے پائی ہے۔ وہ یہ ہے۔ حسن کا بیان ہے کہ روایت کی مجھ سے ابوطاہر نے۔ جو اپنے زمانہ میں سب سے باعتبار قول کے قوی تر تھے اور اُن کی صحتِ روایات پر تمام علماء کے اجازے موجود تھے۔ اور اُنہوں نے محمد حجازی سے اور اُنہوں نے صوفی زمانہ عبد الوہاب الشعراوی سے۔ انہوں نے مجتہد العصر جلال الدین سیوطی سے۔ اُنہوں نے حافظِ عصر ابونعیم سے۔ اُنہوں نے مقریزیِ عصر شمس الدین محمد ابن جزری سے۔ اُنہوں نے زاہدِ وقت جمال الدین سے۔ اُنہوں نے امام وقت محمد ابنِ مسعود محدثِ بلادِ فارس سے اُنہوں نے شیخ وقت اسماعیل ابنِ مظفر شیرازی سے۔ اُنہوں نے عبد السلام ابن ابی ربیع حنفی محدث سے۔ اُنہوں نے ابوبکر عبد اللہ ابن محمد ابنِ شاپور قلانسی سے۔ اُنہوں نے عبد العزیز سے۔ اُنہوں نے محمد الادسی امام وقت سے۔ اُنہوں نے سلیمان ابنِ ابراہیم ابنِ محمد ابنِ سلیمان سے۔ اُنہوں نے احمد ابنِ محمد ابنِ ہاشم البلاذری سے۔ انہوں نے محمد ابن حسن المحجوب امام عصر علیہ السلام سے۔ اُنہوں نے اپنے والدِ ماجد حسنؑ ابنِ علیؑ سے۔ اُنہوں نے اپنے والدِ ماجد سے۔ اُنہوں نے اپنے والدِ ماجد سے۔ اُنہوں نے اپنے والدِ ماجد سے۔ اُنہوں نے اپنے والدِ ماجد علیؑ ابن موسےٰ الرضا سے۔ اُنہوں نے اپنے والدِ ماجد موسےٰ الکاظم سے۔ اُنہوں نے اپنے والدِ ماجد جعفرؑ صادق سے۔ اُنہوں نے اپنے والدِ ماجد محمد باقرؑ سے۔ انہوں نے اپنے والدِ ماجد علی ابن الحسین زین العابدین سجادؑ سے۔ انہوں نے اپنے والدِ ماجد حسین سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا سے۔ اُنہوں نے اپنے والدِ ماجد جنابِ علی ابنِ ابیطالب علیہ السلام سے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ جناب سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل سید الملائکہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ارشاد کیا سید السادات رب العزت نے کہ جس نے مجھ کو وحدہ لاشریک جانا اُس نے باعتبار توحید کے میرے تقرّب کی منزلت حاصل کی۔ اور میری پناہ میں داخل ہوا۔ اور میرے عذاب سے محفوظ و مامون رہا۔ شمس الدین محمد ابن جزری کا قول ہے کہ یہ حدیث اِسی سلسلۂ سعیدہ سے واقع ہوئی ہے۔ اور اسکی ذمہ داری علامہ بلاذری پر ہے۔

اِس حدیث کی نقل سے جس کو شاہ ولی اللہ صاحب کے ایسے سرآمدِ متکلمین نے اپنے شیوخ اور اساتذہ کے مکمل اور مسلسل سلسلہ سے تحریر کیا ہے کچھ جنابِ صاحب الامر علیہ السلام کے وجود ہی کا مسئلہ

سوادِ اعظم میں متحقق اور ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ آپ سے حدیثوں کے استماع و استخراج کا بھی کامل ثبوت پہنچا۔

متکلمین اہلسنت میں ہم خواجہ محمد پارسا کو بھی خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے لینگے کہ اُن کی کتاب فصل الخطاب صرف منقولات ہی پر مطوی نہیں ہے بلکہ اُس کے تمام مضامین عقلی دلائل و براہین سے پُر اور مملو ہیں۔ اور دائرۂ علماء میں خواجہ صاحب کا وہ پایہ ہے جن کی کتاب سے ملا علی قاری اور مولانا جامی ایسے علمائے متبحرین نے اپنی اپنی تصانیفِ معتبرہ میں برابر استنباط و استخراج کیا ہے۔ جیسا کہ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری اور شواہد النبوۃ ملا جامی کی اصلی عبارتوں سے اوپر ظاہر ہو چکا ہے۔ بہر حال۔ خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں لکھتے ہیں۔

والاخبار فی ذلك اكثر من ان تحصی ومناقب المهدي عليه السّلام صاحب الزّمان الغايب عن الاعيان الموجود فی كلّ زمان كثيرة وقد تظاهرت الاخبار علیٰ ظهوره واشراق نوره يجدّد الشّريعة المحمّديّة ويجاهد فی الله حقّ جهاده ويطهّر من الادناس اقطار بلاده زمانه زمان المتقين واصحابه خلصوا من الرّيب وسلموا من العيوب اخذوا بهديه وطريقه واقتدوا من الحقّ الی تحقيقه به ختمت الخلافة والامامة وهو الامام من لدن مات ابوه الی يوم القيٰمة وعيسی يصلّی خلفه ويصدّقه علی دعواه ويدعو الی ملّته الّتی هو عليها والنّبی صلّی الله عليه واٰله وسلّم صاحب الملّة۔

یعنی حدیثیں اِس بارے میں اِس سے زیادہ ہیں کہ اُن کا احصا کیا جا سکے۔ اور مناقب جنابِ مہدی علیہ السلام جو صاحب الزمان ہیں اور آنکھوں سے غائب ہیں اور ہر وقت و ہر زمانہ میں موجود ہیں۔ بے حد و بے انتہا ہیں۔ اور آپکے ظہور و اشراقِ نور پر حدیثوں کا اتفاق ہے۔ آپ شریعتِ محمدیہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجدید کرینگے۔ اور نجاستوں سے راہِ خدا میں جہاد کرکے دنیا کو پاک کرینگے۔ آپ کا زمانہ اتفاقِ عام کا زمانہ ہوگا۔ آپکے اصحاب خالص ہونگے ریب سے اور سالم ہونگے عیب سے۔ یہ لوگ آپ کے طریق پر رفتار کرینگے اور آپ کی ہدایت پر عمل۔ خلافت اور امامت آپ ہی پر ختم ہوگی۔ اُس وقت سے آپ امام ہیں جس وقت سے کہ آپ کے والدِ ماجد علیہ السلام نے انتقال فرمایا۔ اور قیامت تک امام رہینگے۔ حضرت عیسےٰ علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام آپ کے پیچھے نماز پڑھینگے اور آپ کی تصدیق کرینگے۔ آپ کے دعوے میں اور لوگوں کو دعوت کرینگے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملت کی طرف۔ جس پر آج بھی وہ ہیں اور وہ وہی ملتِ اسلام ہے جس کے صاحبِ ملت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اِس تحریر سے جس کا خلاصہ تمہیدًا اوپر بھی درج ہو چکا جناب صاحب الامر علیہ السلام کے متعلق تمام امور کے اعتقاد پورے طور سے معلوم ہو گئے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اِن تحریروں کے بعد بھی اب کسی تحریر تشریح

یا تفسیر کی ضرورت باقی ہے۔ اگر حقیقتاً تھوڑی بہت ضرورت رہگئی ہے تو اُسے ہم سلطان المتکلمین امام فخر الدین رازی کی اُس فلسفیانہ تحریر سے جو انہوں نے اپنی کتاب مقاصدِ عالیہ میں لکھی ہے۔ اور شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اُسے اپنی کتاب الکلام حصّہ دوم میں نقل کیا ہے پورا کیے دیتے ہیں اِس سے جنابِ امام آخرالزمان علیہ السلام کے وجود کی ضرورت۔ آپکا استحقاق فی الامارت۔ نظامِ ہدایت اور تمام امور پوری دلائل وبراہین کے ساتھ معلوم ہوجائینگے۔ وہو ہذا۔

المقدمة الرابعة ان النقصان وانكان شاملا للخلق عاما فيهم الا انه لابد وان يوجد فيهم شخص كامل بعيد من النقصان والدليل عليه من وجوه الاول انا بينا ان الكمال والنقصان واقع في الخلق على مراتب مختلفة ودرجات متفاوتة ثم انا كما نشاهد اشخاصا بلغوا في جانب النقصان وقلة الفهم والادراك الى حيث قربوا من البهائم والسباع فكذلك في جانب الكمال لابد وان يوجد اشخاص كاملة ولابد وان يوجد فيما بينهم شخص يكون افضلهم وكاملهم وهو يكون في آخر مراتب الانسانية واول مراتب الملكوتية الثاني ان الاستقراء ويدل على ماذكرناه وذلك لان الجسم العنصري جنس تحته ثلثة انواع المعدن والنبات والحيوان وصريح العقل يشهد بان اشرف هذه الثلثة الحيوان واوسطها النبات وادونها المعادن ثم نقول الحيوان جنس تحته انواع كثيرة واشرفها هو الانسان وايضا فالانسان تحته اصناف كثيرة مثل الزنجي والهندي والرومي والعربي والافرنجي والتركي ولاشك ان اشرف الاصناف الانسان واقربهم الى الكمال سكان الموضع المسمى بايران شهر ثم ان هذا الصنف من الناس تختلفون ايضا في الكمال والنقصان ولاشك انه يحصل فيهم شخص واحد وهو افضلهم واكملهم في القوة النظرية والعملية ثم ان الصوفية يسمونه بقطب العالم ولقد صدقوا فيه فانه لما كان الجرم الاشرف من سكان هذا العالم الاسفل هو الانسان الذي حصلت له القوة النظرية التي بها يستفيد الانوار القدسية من عالم الملئكة وحصلت له القوة العملية التي يقدر على تدبير هذا العالم الجسماني على الطريق الاصلح والسبيل الاكمل ثم ان ذلك الانسان الواحد هو اكمل الاشخاص الموجودين في ذلك الدور وكان المقصود الاصلي من كل هذا العالم العنصري وجود ذلك الشخص ولاشك ان المقصود بالذات هو الكامل واما الناقص فانه يكون مقصودا بالعرض فثبت ان ذلك الشخص هو قطب لهذا العالم العنصري وماسواه فكان التبع له وجماعة الشيعة الامامية يسمونه بصاحب الزمان ويقولون غائب ولقد صدقوا في الوصفين ايضا لانه لما كان خاليا عن النقائص التي هي احسن في غيرها كان معصوما من تلك النقائص وهو ايضا صاحب الزمان قلنا ان ذلك الشخص هو المقصود بالذات في ذلك الزمان وماسواه فكان لاتباع له وهو ايضا غائب عن الخلق لان الخلق لايعلمون ان ذلك الشخص هو افضل هذا

الدّور واكملهم واقول ولعلّه لا يعرف ذٰلك الشّخص ايضًا انّه افضل اهل الدّور وانّه وان كان يعرف حال غيره فذٰلك الشّخص لا يعرف غيره وهو ايضًا لا يعرف نفسه فهو كما جاء في الاخبار الالٰهيّة انّه تعالىٰ قال اوليائي تحت قبائي لا يعرفهم الّا غيري فثبت بهٰذا ان كلّ دور لا بدّ وان يحصل فيه شخص موصوف بصفات الكمال ثمّ انّه لا بدّ وان يحصل في هٰذا الادوار المتلاحقة دور يحصل فيه شخص واحد يكون هو افضل من كلّ اولٰئك الّذين كانوا كلّ واحد منهم صاحب دوره وفريد عصره وذٰلك الدّور المشتمل علىٰ ذٰلك الشّخص لا يوجد في الف سنة او اكثر او قلّ الامرة واحدة فيكون ذٰلك الشّخص هو الرّسول المعظّم والنّبي المكرّم واضع الشّرائع والهادي الى الحقائق وتكون نسبته الىٰ سائر اصحاب الادوار كنسبة الشّمس الى الكوكب ثمّ لا بدّ وان يحصل في اصحاب الادوار انسان هو اقربهم الى صاحب الدّور في صفات الفضيلة فيكون ذٰلك الشّخص بالنّسبة اليه كالقمر بالنّسبة الى الشّمس وهو الامام القائم مقامه والمقرّر لشريعته واما الباقون كل واحد منهم الى صاحب الدّور الاعظم كنسبة كوكب السّيّارة في الشّمس واما عوام الخلق فهم بالنّسبة الى اصحاب الادوار مثل حوادث هٰذا العالم بالنّسبة الى الشّمس والقمر وسائر الكواكب ولا شكّ ان عقول النّاقصين تكمل بانوار عقول اصحاب الادوار فتتقوّى بقوّة فهٰذا الكلام كلام معقول مرتّب على هٰذا الاستقراء الّذي بضدّ القطع واليقين۔

جو لوگ نبوّت کے قائل ہیں اُن میں دو فرقے ہیں۔ ایک کا یہ مذہب ہے کہ نبوّت کی دلیل معجزہ ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص نبوّت کا مدّعی ہو تو ہم دیکھینگے کہ اِسکے پاس معجزہ ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو سچّا نبی ہے۔ اور جب اس طرح اسکی نبوّت ثابت ہو جائیگی تو جس بات کو وہ حق کہیگا ہم حق کہینگے اور جس کو باطل کہیگا اُس کو باطل۔ قدیم اور عام مذہب یہی ہے۔ دوسرے فریق کا یہ مذہب ہے کہ پہلے ہم کو خود یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ حق اور باطل کیا ہے۔ اِسکے بعد جب ہم کو یہ نظر آئے کہ ایک شخص حق کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور اِس دعوت کی تاثیر یہ ہے کہ لوگ باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف آتے جاتے ہیں تو ہم سمجھینگے کہ وہ سچّا پیغمبر ہے۔ یہ طریقہ قریب العقل اور قلیل الشّبہات ہے۔

اِسی دوسرے طریقہ کو ہم پوری تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن پہلے مقدّمات ذیل ذہن نشین کر لینے چاہییں۔

(۱) انسان کا کمال یہ ہے کہ اس میں قوّتِ نظری اور عملی دونوں کامل ہوں۔ قوّت نظری کے کمال کے یہ معنی ہیں کہ حقائقِ اشیاء کا اس کو صحیح علم ہو۔ یعنی اِس کے ذہن میں جس شے کا تصوّر آئے ٹھیک اصلی صورت میں آئے۔ قوّتِ عملی کے کمال کے معنی یہ ہیں کہ نفس میں ایسا ملکہ ہو جائے کہ خود بخود اچھے کام سرزد ہوں۔

(۲) دنیا میں تین طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ ناقص جن کی نظری اور عملی دونوں قوّتیں ناقص ہوتی ہیں۔ یہی عوام النّاس

ہیں۔ دوسرے کامل ہیں لیکن وہ دوسروں کو کامل نہیں کر سکتے۔ یہ اولیاء اور صلحاء ہیں۔ تیسرے وہ جو خود بھی کامل ہیں اور دوسروں کو بھی کامل کر سکتے ہیں۔ یہ انبیاءؑ ہیں۔

(۴) قوت نظری اور عملی کے درجے بلحاظ نقصان وکمال وشدت وضعف نہایت مختلف ہیں یہانتک کہ انکی کوئی حد نہیں قرار پا سکتی۔ (۴ ب) گو عموماً تمام لوگوں میں نقصان پایا جاتا ہے لیکن ضرور ہے کہ انہی میں کوئی ایسا کامل بھی ہو جو نقصان سے براحل دور ہو۔ اسکی تصدیق مختلف مثالوں سے ہوتی ہے۔

(۱) یہ ظاہر ہے کہ انسانوں میں کمال اور نقصان کے درجے نہایت متفاوت ہیں۔ نقصان کے مدارج بڑھتے بڑھتے اس حدتک پہنچ جاتے ہیں کہ بعض انسان عقل اور ادراک میں بالکل جانوروں سے قریب ہوجاتے ہیں جب نقصان کی جانب یہ حال ہے تو ضرور ہے کہ کمال کی جانب بھی یہی حال ہو۔ یہانتک کہ انسانیت کی سرحد ملکوتیت سے ملجائے۔

(۲) استقرا بھی اسکی شہادت دیتا ہے۔ اقسام عنصری کی تین قسمیں ہیں۔ معدنیات۔ نباتات۔ حیوانات۔ ان سب میں افضل حیوان ہے۔ پھر نباتات۔ پھر معدنیات۔ حیوان کی بھی بہت سی نوعیں ہیں اور ان سب میں اشرف انسان ہے۔ اسی طرح انسان کے بہت سے اصناف ہیں۔ مثلاً زنگی۔ رومی۔ شامی۔ فرنگی اور ترک۔ ان سب میں جو لوگ ایشیا کے وسط حصہ میں سکونت رکھتے ہیں وہ سب سے افضل ہیں۔

اس قیاس پر ضرور ہے کہ خود اُن لوگوں میں بھی کمال کا درجہ متفاوت ہوکر بڑھتا جائے یہانتک کہ ایسا شخص نکل آئے جو اپنے صنف میں بھی سب سے افضل ہو۔

ہر دور میں ایک ایسا شخص ہوتا ہے جو اپنے زمانہ کا افضل الناس ہوتا ہے صوفیہ اُسی کو قطب کہتے ہیں۔ اور سچ کہتے ہیں کیونکہ جب اس عالم جسمانی کا بہترین حصہ انسان ہے جو قوت نظریہ کی وجہ سے دنیا کا عمدہ سے عمدہ انتظام کر سکتا ہے تو عالم کا مقصود اصلی انسان ہے اور جب یہ شخص (قطب) اور تمام انسانوں سے بہتر ہے اور بڑھکر ہے تو گویا اس تمام عالم عنصری کا حاصل یہی شخص ہے اسی بنا پر اُس شخص کو عالم کا قطب کہنا بالکل صحیح ہے۔ **شیعہ اُسی کو امام معصوم صاحب الزمان علیہ السلام اور غائب عن العیان** کہتے ہیں۔ اور یہ کہنا اُن کا بجا ہے کیونکہ جب وہ نقائص سے خالی ہے تو معصوم ہے اور جب اپنے دَور کا مقصد اصلی ہے تو صاحب الزمان ہے۔ اور چونکہ عام لوگ اس کے حال سے واقف نہیں اس لیے وہ غائب عن العیان ہے۔ اس قیاس کا ایک شخص ایسا ہونا چاہیے جو سب سے افضل بھی ہو۔ ایسا شخص سینکڑوں ہزاروں برس میں کہیں جاکر پیدا ہوتا ہے اور وہی پیغمبر برحق اور موجد شریعت ہوتا ہے۔ اور ایسے اشخاص بھی ہوتے ہیں جو ان فضائل میں پیغمبر سے کم ہوتے ہیں۔ اور تمام لوگوں سے زیادہ۔ یہ امام اور قائم مقام پیغمبر ہوتے ہیں امام کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو چاند کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ امام سے جو کم رتبہ ہیں اُن کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہے جو عام ستاروں کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ باقی عوام الناس کو وہ گویا حوادث یومیہ ہیں جو اجرام فلکی کی

تاثیر سے وجود میں آتے ہیں۔

(۵) پیغمبر انسانیت کی آخر سرحد پر ہوتا ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہر نوع کی انتہا دوسرے نوع کی ابتدا سے متصل ہی ہوتا ہے۔ اس لیے بشریت کی انتہا ملکوتیت کی ابتدا ہے۔ اس بنا پر پیغمبر میں ملکی صفات پائی جاتی ہیں۔ وہ جسمانیات سے بے پروا ہوتا ہے۔ روحانیت اُسپر غالب ہوتی ہے۔ اُسکی قوتِ نظریہ کے آئینہ میں معارفِ الٰہی مرتسم ہوتے ہیں۔ اسکی قوتِ عملیہ عالمِ اجسام میں طرح طرح کے تصرّفات کر سکتی ہے اور اسی کا نام معجزہ ہے۔

عربی عبارت تو امام فخر الدین رازی کی کتاب مقاصدِ عالیہ کی ہے اور اُردو ترجمہ مولوی شبلی صاحب نعمانی کی کتاب الکلام سے نقل کیا گیا ہے۔ اس عبارت سے۔

(۱) جہاں نبی اور امام میں اتحادِ نوعی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک نوع اور ایک صنف کے ہوتے ہیں کہ ایک کو آفتاب کہہ سکیں اور دوسرے کو ماہتاب۔

(۲) وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے شخص کا خلیفہ اور جانشین ہونا اور ہر دور میں رہنا بھی ضروری ہے اور اسی کی طرف احادیثِ اہلبیتِ طاہرین علیہم السلام میں اشارہ ہے کہ زمین حجّتِ خدا سے خالی نہیں ہوتی یعنی ہر وقت حجّتِ خدا موجود رہتا ہے۔

(۳) اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ جو عقیدہ شیعوں کا دربارۂ جناب صاحب الامر علیہ السلام ہے کہ وہ زندہ ہیں موجود ہیں۔ صاحب العصر والزمان ہیں۔ معصوم ہیں۔ آنکھوں سے غائب ہیں۔ وہ سب سچ اور برحق ہے۔ یہ فخر رازی کہہ رہے ہیں جو اہلِ سنّت کے امام علی الاطلاق ہیں یعنی جب لفظِ امام بولا جاتا ہے تو سنیوں کے نزدیک وہی سمجھے جاتے ہیں حکمت اور فلسفہ کے اتنے بڑے اُستاد ہیں کہ اپنا ہمسر نہیں رکھتے۔ تصوّف سے کوئی واسطہ نہیں جو یہ کہدیا جائے کہ بمذاقِ تصوّف اُنہوں نے ایسا لکھا ہے۔ پھر ان دلائل و براہین واضح کو دیکھکر کون ایسا بے عقل ہوگا جو یہ کہیگا کہ محض شیعوں نے اپنے عقائد کے اثبات اور اپنے امام علیہ السلام کے اظہارِ صفات کے لیے یہ فرضی اصول بنا رکھے ہیں جن کا نشان سوائے اُنکی خاص کتب ترتیب دادہ کتابوں کے اسلام کے کسی اور فرقہ کے اصول و عقائد کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا۔

اب ہی حضرات اپنے محدثین۔ مؤرخین۔ مفسّرین اور متکلمین کے۔ غرض شریعت اور طریقت۔ دونوں مسلکوں کے علمائے معتمدین و فضلائے متبحرین۔ جنکے نام جنکی معتبر اور مستند تصانیف و تالیف کی اصلی عبارتیں مع ترجمہ کے اوپر لکھی گئی ہیں۔ اقوال و ارشادات کو ملاحظہ فرما کر خود اپنے اعتراض کا تصفیہ کر لیں کہ اُنکے یہ اعتراض بمقابلہ ان اقوال و ارشادات کے کیسے بے اصل۔ بے دلیل اور بے بنیاد ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ بخلاف انکے حقیقتاً۔ حضراتِ ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے متعلق جو شیعوں کے عقائد ہیں وہی انکو بھی رکھنے چاہییں۔ ایک صحابہ پرستی کے عیب نے اُنکو اس عام خود بستی۔ حق پوشی اور پنبہ بگوشی کی مصیبتوں میں گرفتار کر رکھا ہے جس کے لیے وہ خود جوابدہ اور ملزم قرار دیے جائینگے اور نہ کوئی دوسرا۔

بہرحال۔ امام فخر الدین رازی کے اس فلسفیانہ کلام کے بعد اگرچہ ہمکو کسی دوسرے ثبوت کے پہنچانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں تھی لیکن چونکہ اس زمانہ میں وہابیوں (اہلِ حدیث) کا بڑا زور و شور ہے اور اُنکی تمام تقریریں نیچری رنگ سے رنگی ہوتی ہیں۔ اس لیے ہم انکے کلام

بھی ضرورت وجود بقائے حضرت امام مہدی علیہ السّلام ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ مولوی نواب صدیق حسن خاں صاحب اپنی کتاب حصول المامول میں لکھتے ہیں:۔

هل یجوز خلو العصر عن المجتهدین ام لا فذهب جمع الی انه لا یجوز خلو الزمان عن مجتهد قائم بحجج الله تعم یبیّن للنّاس مانزل الیهم وبه قال الحنابله ویدل علیٰ ذالك ما صحّ عنه۔

مجتہدین سے زمانہ خالی رہتا ہے یا نہیں۔ اِس امر پر اتفاق ہے کہ کوئی زمانہ مجتہد۔ قائم حجۃ اللہ سے خالی نہیں ہے۔ جو انسانوں کو وہ تمام امور دکھلا دے جو اُنکے لیے واجب التّعمیل قرار دیے گئے ہیں۔ اور اِسی طرف فرقۂ حنابلہ کے لوگوں کا قول ہے جو اُنکے نزدیک صحت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے۔

فرقۂ اہلحدیث کے سر آمد متکلّمین کی رائے بھی اِس مسئلہ میں معلوم ہو چکی۔ اِس سے زیادہ توضیح و تشریح کے لیے حصول المامول کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائی جائے۔ اب سوادِ اعظم اہلسنّت والجماعت کے وسیع دائرہ میں کونسا فرقہ ایسا بچ گیا ہے جو اِس خاص مسئلہ میں شیعوں کے خلاف عقائد رکھتا ہوا پایا جاتا ہو۔ بہر حال۔ اِن تمام اقوال و ارشادات پر نظر ڈالنے سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ جنابِ امام آخر الزمان علیہ السّلام کے متعلق جو اعتقاد شیعوں کا ہے وہی سُنّیوں کا بھی ہے اور عام متعصبین یا چند ناواقفین کا یہ مشہور کر دینا کہ اہلسنّت کے وہ عقائد نہیں ہیں جو شیعوں کے ہیں ہرگز قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو بات ہے وہ یہ کہ شیعوں کا اِس مسئلہ میں اعتقاد کے ساتھ عمل بھی ہے اور سُنّیوں کو اعتقاد کا اعتراف تو ضرور ہے مگر اُسپر عمل نہیں ہے۔ دنیا کی تمام قوموں پر ظاہر ہے کہ عدم تعمیل کے لیے کسی شریعت کے احکام جوابدہ نہیں ہو سکتے۔ یہ ہم ہیں۔ چاہے اُسپر عمل کریں چاہے نہ کریں۔ اسکو نہ شریعت سے کوئی واسطہ ہے نہ شارع سے۔

بہر حال۔ اِس بحث کو تمام جزوی و کلّی اسباب۔ دلائل و براہین کے ساتھ ختم کر کے ہم اپنی کتاب کے تمام تالیفی مضامین کو تمام کرتے ہیں اور اپنی کتاب کے ناظرین باتمکین سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اِن تمام مبحث سے جو ترتیب وار سلسلہ کے ساتھ اِس کتاب میں جمع کیے گئے ہیں پوری طور سے سمجھ لینگے کہ جنابِ امام صاحب الامر علیہ السّلام کے وجود اور آپکی امامت کا مسئلہ بھی دائرۂ اسلام میں ویسا ہی مشہور بین الجمہور اور معتبر بین الفریقین ہے جیسے اور مسائل۔ مگر جس طرح اور مسائل میں امرا پرستی۔ خوشامد سلاطین۔ تقلیدِ سلطنت۔ تعصب اور نفسانیت نے اختلاف پیدا کر دیا ہے اُسی طرح اِس میں بھی۔ مادر یہ بات ایک تحقیق طلب اور غائر نگاہ رکھنے والے شخص سے ہرگز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

تمّت بالخیر والعافیہ

کوآتھ ضلع آرہ

یازدہم صفر روز دوشنبہ سنہ ۱۳۳۱ ہجری

المؤلف احقر

سیّد اولاد حیدر بلگرامی

الحمد للہ ربّ العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علےٰ رسولہ وآلہ المیامین۔ امّا بعد این کتاب مستطاب درّ المقصود فی احوال المہدی الموعود سلام علیہ من ربّ الودود کہ از عرصہ چہار سال زیرِ تالیف و تسوید این حقیر سراپا تقصیر بود امروز بتاریخ یازدہم صفر المظفّر روز دوشنبہ سنہ ۱۳۳۱ ہجری باتمام رسید والحمد للہ ربّ العٰلمین وصلّی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمّد وآلہ الاجمعین۔